فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مراد آباد، الہند

(جلد ۱)

المجلد الاول

مقدّمۃ التحقیق الایمان و العقائد

الی باب مایتعلق بالارواح

۱ ——— ۱۷۲

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند

01336-223082

مکمل اجمالی فہرست ایک نظر میں

❖❖ ❍❖❍

فہرست مضامین

مقدمة التحقيق

مسئلہ نمبر | صفحہ نمبر

❐	الفصل الرابع: فقہائے مجتہدین کے طبقات ودرجات	115

❐	**الفصل العاشر : اہم ترین کتبِ فقہ کا تعارف**	**۲۹۱**

❐	الفصل حادی عشر: چنداردوفتاوی کی نشاندہی	۳۰۷

❒	الفصل الثالث عشر: مدرسہ شاہی کا دار الافتاء	۳۵۴

❒	الفصل الرابع عشر: شکریہ کے مستحقین	۳۶۲

۱/ کتاب الإیمان والعقائد

۷/ باب ما یتعلق بالقدر و القضاء ۵۸۲

۸/ باب ما یتعلق بالأرواح و القبور ۶۰۱

تقریظ

استاذ الاساتذہ حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم
شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

الحمدللہ و کفی، وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، أما بعد!

یہ عصر طباعت کا عصر ہے، چھوٹی بڑی کتابیں سہولت سے منظر عام پر آرہی ہیں، اورفتاوی کی تو بھرمار ہے۔اور ماضی کے ایک حکیم نے جو بڑا مصنف بھی تھا، کہا ہے کہ: ''جب سو کتابیں وجود میں آتی ہے،تو ان میں سے پڑھنے کے قابل ایک ہوتی ہے''۔ اب سو میں ایک صفر کا اضافہ کردینا چاہئے، جب ہزار کتابیں چھپتی ہیں، تو ان میں سے کارآمد ایک ہوتی ہے، ان ایک میں ''فتاوی قاسمیہ'' بھی ہے، یہ حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی استاذ حدیث ومفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کی مساعی جمیلہ کا ایک نمونہ ہے، مفتی صاحب زید مجدہٗ شاہی کے دارالافتاء سے عرصۂ دراز سے وابستہ ہیں اورانہماک ویکسوئی سے فتاوی صادر کررہے ہیں، علاوہ ازیں: ان کے قلم فیض ترجمان سے مختلف موضوعات پر بہت سی کتابیں شائع ہوکر عوام وخواص میں مقبول ہوچکی ہیں، اب آپ کے فتاوی کا مجموعہ بہت سی مجلدات میں سامنے آرہا ہے، ان کو پڑھنے کا تو موقع نہیں ملا اور پڑھنے کی ضرورت بھی نہیں، مختلف تقریبات سے ان کے فتاوی نظر سے گذرتے رہے ہیں اور ماشاء اللہ مجتہدانہ شان کے حامل ہوتے ہیں، اس وقت میرے سامنے ''فتاوی قاسمیہ'' کی ابتدائی چند جلدیں ہیں، اس کا مقدمہ قیمتی معلومات کا

ذخیرہ ہے، متفرق مقامات پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوا کہ فتاوی مدلل ومفصل ہیں، زبان آسان عام فہم اور سادہ ہے، ہر فتوی حوالوں سے مزین ہے، عنوانات بھی محنت کر کے بہت اچھے لگائے ہیں، جو ان کے تحقیقی مزاج کے غماز ہیں، مختصر یہ کہ: ''مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید''۔

دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ان فتاوی کو شرف قبولیت سے نوازیں اور مفتی صاحب کے فیوض کو عام وتام فرمائیں، آمین یارب العالمین!

کتبہ:
سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری
خادم دارالعلوم دیوبند
۵/ذی قعدہ ۱۴۳۶ھ

تقریظ

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب مدظلہ
استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

الحمد للّٰه ربّ العالمين، والصّلاة والسّلام على سيد الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد:

زیرِ نظر ’’فتاویٰ قاسمیہ‘‘ مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مفتی واستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کا از خود دیئے ہوئے فتاویٰ ہیں، جو جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے رجسٹروں سے اپنی نگرانی میں غیر معمولی محنت کر کے مرتب فرمائے۔ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد سے اگر چہ پہلے بھی فتویٰ جاری کیا جاتا تھا، مگر اس جاری کردہ فتاویٰ کی تعداد مختصر ہوا کرتی تھی، مولانا موصوف کے اس منصب پر فائز ہونے کے بعد وہاں کے دارالافتاء کا مقام بہت بلند ہوا، ملک وبیرون ملک میں ان کے فتاویٰ اور ان کی کتابوں کی قبولیت کے ساتھ شہرت ہوئی۔ مفتی صاحب کے فتاویٰ کی زبان نہایت سلیس اور مدلل ہوتی ہے اور ان کی محنت خاص طور سے دارالافتاء کے لڑکوں کی تربیت کی شہرت کی وجہ سے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کی طرف لوگوں کا رجوع بہت زیادہ ہوگیا، جس سے افتاء کی شہرت میں غیر معمولی اضافہ بھی ہوا۔

مفتی صاحب نے اپنے جاری فتاویٰ میں غیر معمولی محنت کر کے اس کو مرتب کیا ہے۔ اور اس میں اہلِ علم کے اعتماد کے لئے فقہ کی مستند کتابوں کے حوالے درج کرنے کا اہتمام کیا اور اگر وہ منصوص مسئلہ ہے، یا کسی نص سے مستنبط ہے، تو خود اس نص کا بھی تذکرہ کر دیا ہے، تاکہ اہل علم حضرات ان عبارتوں کو از خود ملاحظہ کریں اور اس مسئلہ پر اس کا انطباق خود کرلیں، اس طرح اہل علم اور افتاء سے متعلق طلباء کے لئے رہنمائی کا بہترین ذریعہ ہوگیا ہے، اس وقت ان کے فتاویٰ کا یہ مجموعہ فہرست سمیت ۲۶؍ جلدوں میں ہو کر آرہا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبولیت سے نوازیں اور لوگوں کو اس سے نفع پہنچائے۔ آمین والسلام

نعمت اللہ غفرلہ
خادم التدریس دارالعلوم دیوبند
۲۰؍ شعبان ۱۴۳۶ھ

تقریظ

استاذ الاساتذہ حضرت اقدس مولانا ریاست علی صاحب مدظلہ
استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

الحمد للّٰہ ربّ العالمین، والصّلاۃ والسّلام علی رسولہ محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، أما بعد:

محترم المقام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب قاسمی زید مجدہم، مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد کے قلم سے ۳۰ر سال کے عرصہ میں جو فتاویٰ صادر ہوئے، ان کا انتخاب ''فتاوی قاسمیہ'' کے نام سے شائع ہورہا ہے، یہ انتخاب ۲۶ر ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

جلد اول میں تمہید کے طور پر ایک مقدمہ ہے، جس میں ۱۲ر اہم موضوعات پر الگ الگ فصلوں پر فاضلانہ اور محققانہ بحث کی گئی ہے، پھر ۲۴ر جلدوں میں ہزاروں فتاویٰ یعنی استفتاء اور ان کے جوابات ہیں، پھر آخری جلد میں فہرست ہے۔

فتاویٰ میں ہر جزئیہ کے لئے کتب فتاوی کے کم از کم تین تین حوالہ ہیں، اور بقید صفحات ہیں اور عصر حاضر کے تقاضے کے مطابق تا بمقدور قرآن پاک کی آیات اور احادیث پاک کی نشان دہی کی گئی ہے۔

بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ''مقدمۃ التحقیق'' کے فاضلانہ مباحث، ہر جزئیہ میں کتب فتاویٰ کے بقید صفحہ حوالوں اور ماخذ کے طور پر قرآن وحدیث کے اشاروں سے ''فتاوی قاسمیہ'' کی اہمیت میں اضافہ ہوگیا ہے اور ان کو عصر حاضر میں مدارس عربیہ سے شائع ہونے والے فتاویٰ میں امتیازی مقام حاصل ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف موصوف زید مجدہم کی دیگر علمی خدمات کی طرح، اس جلیل القدر خدمت کو بھی علمی حلقوں میں قبول عام، اور اپنی بارگاہ میں شرف قبول کی دولت سے نوازے اور مزید علمی خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ریاست علی غفرلہ
خادم تدریس دارالعلوم دیوبند
۲۱ر شوال ۱۴۳۶ھ

تقریظ

حضرت اقدس مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم دیوبند

جناب مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی استاذ حدیث ومفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے منتخب فتاویٰ کا مجموعہ ''فتاویٰ قاسمیہ'' یقیناً مطبوعہ فتاویٰ کی فہرست میں ایک بیش قیمت اضافہ ہے، حالانکہ مجھے اس ضخیم مجموعہ کی صرف آخری دو جلدوں کے کتابت شدہ مسودہ کو دیکھنے کا موقع ملا؛ لیکن اس سے مفتی صاحب کے طرز اور اسلوب کا اندازہ ہوگیا۔ مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند سے جدا ہونے کے بعد جناب مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی کی خدمت تدریس کے ساتھ ہی فتویٰ نویسی کی ذمہ داری کا بھی آغاز ہوگیا اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں ہزاروں فتاویٰ ان کے قلم سے صادر ہوئے، یہ ضخیم مجموعہ، ان میں سے انتخاب شدہ ہے، اسلوبِ تحریر آسان اور سہل الماٴخذ ہے، جوابات صاف اور واضح ہیں اور ہر مسئلہ کے ساتھ فقہ وفتاویٰ کی مستند کتابوں سے عموماً تین یا کم وبیش حوالے درج کئے گئے ہیں، ہر کتاب کے صفحات، جلد اور مطبع کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ اہل علم کے لئے ایک خاص تحفہ یہ بھی ہے کہ فقہ کی کتابوں کے حوالہ جات کے ساتھ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی بھی نشاندہی کی گئی ہے، اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ فقہ اسلامی علی الترتیب کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع وقیاس صحیح سے ہی مستنبط ہے اور ایک عامی شخص کے لئے یہ جاننا ضروری نہیں ہے کہ فلاں مسئلہ کس آیت یا کس حدیث سے ماخوذ ہے؛ لیکن اس وقت کچھ ایسا

ذہن بنانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ خدانخواستہ فقہ اور خصوصاً فقہ حنفی کتاب وسنت پر مبنی نہیں ہے؛ بلکہ یہ قیاسات کا مجموعہ ہے، اس غلط ذہن سازی اور پروپیگنڈہ کے دفعیہ کے لئے پچھلی چند دہائیوں سے ہمارے علمائے کرام نے بھی کتابوں کے تحشیہ وتحقیق کا انداز بدل دیا ہے، چنانچہ خود مفتی شبیر احمد صاحب نے بھی اپنے عظیم علمی کارنامہ یعنی ''فتاوی تاتارخانیہ'' کی تحقیق وتحشیہ میں بھی اس پہلو پر خاص نگاہ رکھی ہے۔

''فتاویٰ قاسمیہ'' جہاں مسائل کے متلاشی اور اہل علم حضرات کے لئے ایک بہترین رہبر ثابت ہوگا، وہیں فقہ وفتاویٰ کی مشق کرنے والے طلبہ کے لئے مراجع اور مآخذ کی نشاندہی کے سلسلہ میں بہترین معاون اور رہنما ثابت ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ فتاویٰ جناب مولانا مفتی شبیر احمد صاحب کی اس علمی خدمت کو بھی قبولیت سے سرفراز فرمائے اور مزید دینی وعلمی خدمات کی توفیق ارزانی فرمائے۔

(مولانا مفتی) ابوالقاسم نعمانی غفرلہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۲۰/۸/۱۴۳۶ھ

تقریظ

حضرت اقدس مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی دامت برکاتہم
صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین ، والصّلاۃ والسّلام علی سید الأنبیاء والمرسلین، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، أما بعد:

علم فقہ وفتاوی جتنا وقیع اور عمیق ہے اتنا ہی نازک، پیچیدہ اور حزم واحتیاط کا متقاضی ہے، علمائے راسخین اور فقہائے کرام نے اس کے ذریعہ شریعت کے رموز وغوامض کی نقاب کشائی کے ساتھ کتاب وسنت کی بنیاد پر متنوع مسائل وحوادث، مختلف جزئیات تک، حالات وطبائع کے تغیرات کو ملحوظ رکھتے ہوئے احکام صادر فرمائے۔

خدا کا شکر ہے کہ یہ امت مسلمہ اپنے دل میں احساس مسئولیت اور دین پر عمل کرنے کی تڑپ رکھتی ہے، پیش آمدہ مسائل وجزئیات کے احکام معلوم کرنے کے لئے عصر حاضر کے مدارس ان بوریا نشین علماء کی طرف ہی رجوع کرتی ہے جن کے وجود سے اس مایوس کن مادی ماحول میں بھی دین کی کچھ آبرو قائم ہے، مدارس عربیہ کے دارالافتاء اس کے شاہد ہیں جن سے اب تک لاکھوں افراد مسائل میں تحقیق وتفتیش کرکے عمل کی دنیا سنوار چکے ہیں، اور ہنوز یہ سلسلہ روزاول کی طرح جاری ہے۔

زیر نظر فتاوی کا مجموعہ جو ۲۶ جلدوں میں اور تقریباً بارہ ہزار مسائل پر مشتمل ہے یہ بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہے، یہ مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کی ۲۹ سالہ محنتوں کا نچوڑ ہے، کثیر اور گوناگوں مسائل کا یہ مجموعہ علم فقہ وفتاوی کا انسائیکلو پیڈیا ہے، لعل وگوہر جہاں بھی اور جیسے بھی ہوں اہل نظر کے لئے متاع دل وجاں ہوتے

ہیں، ۲۹ سال کے فتاوی رجسٹروں سے نکل کر کے ہدیہ ناظرین کے لئے پیش خدمت ہیں، ہر اس کدوکاوش میں نا تو کسی صلہ کی تمنا پیش نظر ہے نہ ہی کوئی ستائش مقصود ہے۔

بس صرف یہ نیت ہے کہ جو مسائل اب تک سائل و مفتی تک محدود رہے اگر یہ ذخیرہ منصۂ شہود پر آ جائے تو ایک ایک استفتاء سے سینکڑوں افراد مستفید ہو سکتے ہیں، فتاوی کا جو ذخیرہ اب تک رجسٹروں اور فائلوں کی زینت تھا، افادۂ عام کے لئے شائع ہو جائے، متفرق و منتشر اوراق میں بکھرے ہوئے ان موتیوں کو ایک کڑی میں پرونا یہ بھی بڑی مہارت، حذاقت، دیدہ ریزی، محنت وسلیقہ اور حوصلے کا محتاج ہے، مفتی صاحب نے غیر معمولی محنت اور عرق ریزی کر کے ان کو مرتب فرمایا، ہر ایک مسئلہ کو متعدد حوالہ جات کے ساتھ مزین فرمایا۔

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کا دارالافتاء افراط وتفریط سے بالاتر ہے اور مسلک اعتدال، علمی تحقیق وتدقیق میں مثال اور مسلک اہل سنت والجماعت دیوبند کے ترجمان کی حیثیت سے ملک گیر شہرت کا حامل ہے، مفتی صاحب نے اپنی علمی وتدریسی مصروفیات کے باوجود یہ فریضہ انجام دیا اور بہت خوش اسلوبی اور حسن ترتیب کے ساتھ انجام دیا ہے، ہزاروں صفحات پر مشتمل اس علمی خزینہ سے فتاوی قاسمیہ کا حسین انتخاب فرما کر علمی جواہر اور تحقیقی نوادر کو محفوظ کر دیا ہے، کتاب کی افادیت اور علمی مقام کا اندازہ خود ناظرین فرمائیں گے۔

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

صاحب فتاوی مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی اس سے قبل بھی اہم اہم علمی خدمات کر کے اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں، صحیح بخاری، فتاوی شامی، فتاوی تاتارخانیہ کی تکمیل واشاعت پر زبردست کام کیا ہے، جو اہل علم پر مخفی نہیں۔ علاوہ ازیں ایضاح الطحاوی، ایضاح المسائل، ایضاح المسالک، ایضاح النوادر، ایضاح المناسک، انوار رحمت، انوار مناسک، انوار نبوت، انوار رسالت وغیرہ آپ کی لکھی ہوئی کتابیں منظر عام پر آکر مقبول عام ہو چکی ہیں، اور مفتی صاحب کی شہرت کا ذریعہ بن چکی ہیں۔

اللہ تعالی سے دلی دعا ہے کہ وہ مفتی صاحب کی اس کاوش (فتاوی قاسمیہ) کو بھی قبولیت عامہ سے نوازے، اور مفتی صاحب کے لئے نجات اور فلاح دارین کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

حبیب الرحمٰن خیرآبادی عفا اللہ عنہ (مفتی دارالعلوم، دیوبند)

۱۹ شعبان ۱۴۳۶ھ

تقریظ

حضرت اقدس مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب دامت برکاتہم
مدیر المجلۃ الداعی واستاذ ادب عربی دار العلوم دیوبند

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کے مفتی واستاذ حدیث مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی اپنی علمی وتالیفی معتبریت کی وجہ سے برصغیر کے علماء کے درمیان اپنی خاص شناخت رکھتے ہیں۔ اللہ پاک نے اُن کے علم وقلم میں برکت دی ہے۔ وہ ۱۴۰۳ھ میں دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور ۱۴۰۴ھ میں انھوں نے وہیں افتاء کیا۔ ۱۴۰۵ھ سے وہ محو تعلیم وتربیت ہیں۔ تعلیمی، تربیتی اور تالیفی اشغال میں ''استغراق'' کے حوالے سے مدرسوں کے ماحول میں انھیں جو شہرت حاصل ہے وہ کم مُدرّسوں کے حصّے میں آتی ہے۔ وقت کی کما حقہ قدر ایک واقعی صالح عالم کی پہچان ہوتی ہے مفتی صاحب اس سلسلے میں کمالِ امتیاز رکھتے ہیں؛ اسی لیے تدریس کے ساتھ ساتھ انھوں نے قیمتی اور مفید کتابوں کا ایک مکتبہ تیار کر دیا ہے، جس سے عوام وخواص خوب خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' کی تحقیق وتدوین اور اس کی مکمل اشاعت کی وجہ سے اُن کے نام اور کام کو نہ صرف دوام ملا ہے؛ بل کہ علمی دنیا میں انھیں غیر معمولی شہرت اور عزت ملی ہے۔ اُن کے علمی کاموں میں اچھوتا پن ہوتا ہے اور وہ امت کے لیے بے حد مفید ہوتے ہیں۔

ان کی تصنیف وتالیف کی زبان ان کی شخصیت ہی کی طرح سادہ، آسان اور عام فہم ہوتی ہے، اس لیے علما وطلبہ کے علاوہ عوام الناس کے لیے ان سے فائدہ اٹھانا انتہائی آسان ہوتا ہے۔

''اس گوشہ نشیں راقم کو جو زندگی کے سارے کاموں میں دھیمے پن کا شکار ہے ان کے بڑے بڑے، بھاری بھرکم اور مسلسل علمی کاموں سے مرعوبیت سی محسوس ہونے لگی ہے''۔

ان کے فتاویٰ کی زبان بھی سلیس اور آسان ہے؛ لیکن انھوں نے مسائل کو جامعیت کے

ساتھ تحریر کیا ہے، قرآن کریم، احادیث اور فقہ کی جزئیات کی عربی عبارتیں بھی درج کر دی گئی ہیں؛ تاکہ اہل علم کے لیے مسائل کی تفصیلات پر غور کرنا آسان ہو۔ جن فتاویٰ میں تفصیل اور وضاحت کی ضرورت تھی انھیں مدلل اور مفصل طور پر لکھا گیا ہے؛ تاکہ مسائل کے سارے گوشے واضح ہو جائیں۔

فتاویٰ کی تدوین میں فقہی کتابوں کی ترتیب کو مدنظر رکھا گیا ہے، اصل فتاویٰ کی ۲۵ جلدیں ہیں، چھبیسویں جلد مضامین کی فہرست پر مشتمل ہے۔ شروع کی چار جلدیں **کتاب الایمان والعقائد، کتاب الدعوة والتبلیغ، کتاب السلوک والإحسان** اور **کتاب الأدعیة والأذکار** وغیرہ مضامین پر مشتمل ہیں، جب کہ پانچویں جلد سے کتاب الطہارة کی بحث شروع ہو کر کتاب مکمل ہوئی ہے اور فقہی کتابوں کی ترتیب کے مطابق سارے مسائل درج کیے گئے ہیں۔

مسئلے سے متعلق قرآن کریم کی آیت، سورہ اور آیت کے نمبر کی تحدید کے ساتھ درج کی گئی ہے۔ اسی طرح مسئلے سے متعلق حدیث بھی مکمل طور پر ثبت کر دی گئی ہے۔ مصنف موصوف نے یہی طریقہ ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' میں بھی اختیار کیا ہے کہ وہاں بھی مستنبط مسائل سے متعلق حدیثیں مکمل درج کرنے کا التزام کیا ہے۔ اس طریقۂ کار سے علما وطلبہ کو بہت فائدہ ہوا اور ہوگا؛ کیوں کہ مسائل کے اصول ودلائل پر غور کر کے مسئلے کی تہہ تک پہنچنے میں آسانی ہوگی۔

ہر مسئلے پر فقہی جزئیات سے استدلال کیا گیا ہے اور کم از کم تین کتابوں کا حوالہ دینے کی کوشش کی گئی ہے، حوالہ جات میں ایسا انداز اختیار کیا گیا ہے کہ مطبع کے اختلاف کے باوجود مطلوبہ حوالے کی اصل جگہ، تک رسائی میں کوئی دشواری نہ ہو۔

توقع ہے کہ مفتی صاحب کی دیگر کتابوں کی طرح ان کی یہ ضخیم وثمین کتاب بھی بہت مقبول ومحبوب ہوگی اور ان کے لیے دنیا وآخرت کی بھلائی کا ذریعہ بنے گی۔

نور عالم خلیل امینی

رئیس تحریر رسالہ ''الداعی'' واستاذ ادبِ عربی دارالعلوم دیوبند

۱۱ر بجے صبح جمعہ: یکم رمضان ۱۴۳۶ھ ۱۹ر جون ۲۰۱۵ء

تقریظ

حضرت اقدس مولانا مفتی محمد خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم
مدیر المعہد العلوم الاسلامیہ حیدر آباد

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی مخلوق بنایا ہے، جس کو ارادہ واختیار کی قوت دی گئی ہے، وہ اپنی خواہش اور چاہت کے مطابق کوئی بھی عمل کرسکتا ہے؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کو احکام الٰہی کا پابند بھی بنایا گیا ہے، اس کی خواہشات کے لئے حلال وحرام کی سرحدیں بھی قائم کی گئی ہیں، اسے بے قید زندگی گزارنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے، اسی کو تکلیف شرعی کہتے ہیں، یعنی انسان مجبور تو نہیں ہے؛ لیکن وہ مامور ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے کو اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی شریعت کا پابند رکھے اور خواہشات کا ایسا پرستار نہ بن جائے کہ اس کے خالق ومالک کے احکام نظر انداز ہوجائیں۔

چنانچہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور منہیات سے باخبر کرنے کے لئے آسمانی کتابیں بھیجی گئیں اور اپنے قول وعمل کے ذریعہ ان کی توضیح وتشریح کی غرض سے انبیاء ورسل مبعوث فرمائے گئے، جس کا سلسلہ خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہوگیا، اب قیامت تک قرآن مجید انسانیت کے لئے کتاب ہدایت ہے اور رسول اللہ کی ذات والا صفات اسوۂ حسنہ ہے، پھر ہر دور کے اصحاب علم نے قرآن مجید اور اسوۂ نبوی کی تشریح کا فریضہ انجام دیا ہے، جس کو ”اجتہاد“ کہتے ہیں اور اجتہاد واستنباط کے ذریعہ پورا نظام حیات اس طرح مرتب کر دیا ہے، جو ہر مرحلہ پر انسان کے لئے مشعل راہ ثابت ہو اور جو دنیا میں انسان کی کامیابی کا ضامن ہو اور آخرت میں بھی اس کی نجات کا باعث ہو اس کو اصطلاحی

زبان میں ’’فقہ‘‘ کہا جاتا ہے، شریعت اللہ ورسول کے فرمان سے عبارت ہے اور فقہ شریعت کی مرتب شکل اور کتاب وسنت کا عطر اور خلاصہ ہے، فقہی خدمات کا ایک دور وہ تھا، جب اجتہاد واستنباط کے ذریعہ ادلۂ شرعیہ کی تحقیق، حسب ضرورت ان کے درمیان ترجیح، کتاب وسنت کے اپنے معنی پر دلالت اور مفاہیم کی تعیین، نیز کتاب وسنت کے لب ولہجہ کو دیکھتے ہوئے احکام کی درجہ بندی کی خدمت انجام دی گئی۔ مجتہدین امت نے اس کو بہتر طور پر پورا کردیا اور منجانب اللہ مذاہب اربعہ پر امت کے سواد اعظم کا اتفاق ہوگیا، صدیوں سے اسی پر پوری دنیا کے مسلمانوں کا عمل ہے؛ لیکن دو کام اب بھی باقی ہیں اور قیامت تک اس کی ضرورت باقی رہے گی، ایک کام نئے پیش آنے والے مسائل کے حکم شرعی کو دریافت کرنے کا ہے، ہر دور میں جو جدید مسائل پیدا ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے، اہل علم اور ارباب افتاء کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان مسائل کا حل پیش کریں۔ دوسرے: عام لوگوں کی رسائی فقہ کے مراجع تک نہیں ہوسکتی اور وہ فقہاء امت کی عظیم علمی کاوشوں سے براہ راست استفادہ نہیں کرسکتے، اس لئے یہ بھی علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ زندگی کے مختلف مسائل سے متعلق عوام کے سوالات اور استفتاءات کے جوابات دیں، یہ دونوں کام ہر دور کے فقہاء اور ارباب افتاء انجام دیتے رہے ہیں اور آج بھی انجام دے رہے ہیں۔

متقدمین کے عہد میں افتاء، اجتہاد کا ہم معنی لفظ تھا اور مجتہد کو مفتی کہا جاتا تھا؛ لیکن جب مدون اور معتبر فقہی مذاہب کی تقلید واتباع کا دوسرا دور شروع ہوا اور علمی واخلاقی زوال کی وجہ سے بجا طور پر سلف صالحین نے عامۃ المسلمین کے لئے اس کو ضروری قرار دیا تو اب افتاء کے معنی نقل فتویٰ کے ہیں، یعنی مفتی خود اجتہاد نہیں کرتا؛ بلکہ معتبر مجتہدین کے فتاوی کو نقل کرتا ہے، یہ سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ یہ مسلم معاشرہ کا لازمی جزو ہے، فتاوی انفرادی طور پر بھی دئے جاتے ہیں اور بیشتر مسلم حکومتوں میں بھی اس کا شعبہ قائم کرنے کی روایت رہی ہے، خلافت عثمانیہ میں بھی شیخ الاسلام کے نام سے مفتی اعظم کا عہدہ ہوتا تھا اور اب بھی بعض ملکوں میں ایسے عہدے قائم ہیں۔ برصغیر میں جب مسلم حکومت کا خاتمہ ہوا اور

برطانوی اقتدار قائم ہوگیا، تو مسلم حکومتوں کا یہ فریضہ دینی جامعات نے انجام دینا شروع کردیا، یہ طریقہ بہ مقابل سرکاری دارالافتاء کے زیادہ مناسب اور محفوظ ہے؛ کیوں کہ حکومتوں کے تحت چلنے والے دارالافتاء بعض دفعہ جبر و دباؤ کا شکار ہوجاتے ہیں اور انہیں سرکار کے چشم وآبرو کی رعایت کرنی پڑتی ہے، جیسا کہ بعض مسلم ملکوں کا حال ہے؛ لیکن یہ دینی جامعات عام طور پر ہر طرح کے جبر و دباؤ سے آزاد ہوکر احکام شرعیہ کی رہنمائی کرتے ہیں، اس خدمت کے اعتبار سے ہندوستان کو اور بالخصوص دیوبند کو نمایاں اور امتیازی حیثیت حاصل ہے اور فقہ وفتاوی کی جو خدمت یہاں انجام پارہی ہے، وہ اسلامی علوم کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔

ہندوستان میں جو دینی جامعات افتاء کی خدمت انجام دے رہے ہیں، ان میں ایک اہم نام جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کا ہے، یہ ان اداروں میں شامل ہے، جن کو اس وقت ملک میں فقہ وفتاویٰ کے اعتبار سے مرجعیت کا درجہ حاصل ہے، اس وقت ''فتاویٰ قاسمیہ'' کی شکل میں فتاوی کا جو مجموعہ میرے سامنے ہے، وہ یہیں کے دارالافتاء سے صادر ہونے والے فتاوی ہیں۔

صاحب فتاوی محبّ گرامی حضرت مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی زیدت حسناتہ ایک موفق اور بافیض شخصیت ہیں، ان کی تدریسی خدمت کا دائرۂ فیض بہت وسیع ہے اور ماشاء اللہ ان کے تلامذہ ان سے بہت محبت رکھتے ہیں، تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی ان کی خدمات کو اللہ تعالیٰ نے قبول اور پذیرائی عطا فرمائی ہے، جہاں درسی کتب کی تشریح کے سلسلہ میں انہوں نے بڑی مفید خدمت انجام دی ہے، احکام فقہیہ پر ان کی قلمی کاوشیں بھی بہت وقیع اور قابل قدر ہیں، بالخصوص جدید مسائل پر انہوں نے بڑی دقت نظر کے ساتھ کام کیا ہے، ان کی اصلاحی اور تذکیری تصانیف بھی نہ صرف عوام؛ بلکہ خواص کے لئے بھی خاصے کی چیز ہیں۔

مجھے بے حد مسرت ہے کہ ان کے فتاوی کا یہ ضخیم مجموعہ جو فہرست کو لے کر ۲۶؍ جلدوں پر مشتمل ہے اور جس میں ۱۱۶۰۰؍ فتاوی آگئے ہیں، کتابت وترتیب کے آخری مراحل سے گزر رہے ہیں اور انشاء اللہ عنقریب جب ان کی اشاعت عمل میں آئے گی تو انشاء اللہ اردو کے فتاوی میں یہ نمایاں مقام کا حامل ہوگا، اس حقیر کو اگرچہ تمام جلدوں کے دیکھنے کا موقع نہیں

ملا؛ کیوں کہ ابھی یہ کتابت وترتیب کے مراحل سے گزر رہے ہیں؛ لیکن بعض جلدوں پر طائرانہ نظر ڈالی ہے اور اس سے جو تاثر پیدا ہوا وہ حسب ذیل ہے:

الف: فتاوی کو آسان زبان میں لکھنے کی کوشش کی گئی ہے، جس کو عام مسلمان بھی سمجھ سکیں۔

ب: ہر مسئلہ کو کتب فقہ کے حوالہ کے ساتھ لکھا گیا ہے اور حوالہ جات بھی مفصل ہیں، یعنی جلد وصفحہ کے ساتھ ساتھ اکثر مواقع پر باب کی بھی صراحت کردی گئی ہے، تاکہ طباعتوں کے فرق کے باوجود حوالہ کی تلاش آسان ہو۔

ج: حوالہ کی عربی عبارتیں بھی درج کردی گئی ہیں، اس سے خاص کر علماء کو بہت نفع ہوگا۔

د: عنوانات ایسے واضح لکھے گئے ہیں کہ فتویٰ کا مضمون سمجھنا آسان ہو، اگرچہ اس کی وجہ سے کہیں کہیں عنوانات طویل ہوگئے ہیں، مگر یہ بامقصد ہے۔

ہ: مسائل کی تبویب فقہی ابواب کے مطابق ہے۔ ان باتوں کے علاوہ صاحب فتاوی کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ سوالات کا جواب دینے اور احکام شرعیہ کی وضاحت کرنے کے ساتھ ساتھ امت کے مسائل کو حل کرنے، ان کی مشکلات کو دور کرنے اور موجودہ دور کی ضرورت کے مطابق عوام کے لئے شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے آسانی کا راستہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ بات ان کی فقہی تالیفات میں نمایاں طور پر محسوس کی جاسکتی ہے اور ان کے فتاوی میں بھی یہ رنگ موجود ہے۔ اور واقعہ ہے کہ یہی اصل ''تفقہ'' ہے کہ مسائل کو اس طرح حل کیا جائے کہ لوگ محسوس کریں کہ شریعت ان کے لئے رحمت اور قابل عمل بھی ہے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بھی، وہ شریعت کو بوجھ تصور نہ کرنے لگے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب فتاوی کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور امت کے لئے نفع کا ذریعہ بنائے۔ واللہ ھو المستعان.

خالد سیف اللہ رحمانی

خادم المعہد العلوم الاسلامیہ حیدرآباد

۱۸؍شعبان ۱۴۳۶ھ ۶؍جون ۲۰۱۵ء

تقریظ

حضرت اقدس مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ

مفتی واستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الحمد للّٰه رب العالمین، والصلاة والسلام علی سید المرسلین، وعلی آله وصحبه أجمعین، أما بعد:

مکرم ومحترم حضرت اَقدس مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم و مدت فیوضہم مفتی ومحدث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کی شخصیت علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں ہے، موصوف کی گراں قدر علمی، فقہی، تحقیقی اور دعوتی واِصلاحی تالیفات سے اُمت برابر فائدہ اُٹھارہی ہے۔

موصوف نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت مختصر وقت میں عظیم الشان علمی کارنامے اَنجام دئے ہیں، جن میں فتاویٰ تاتارخانیۃ (۲۳؍جلدوں) کی تحقیق وتعلیق، بخاری شریف کے ہندوستانی نسخے پر اَطرافِ حدیث کی ترقیم، اور متن وحاشیہ کی تصحیح اور فتاویٰ شامی پر تقریراتِ رافعی کا الحاق جیسی خدمات پر موصوف کو اہلِ علم، اربابِ تدریس واِفتاء نے خوب دادِ تحسین سے نوازا ہے۔

اِن کے علاوہ موصوف کی چھوٹی بڑی تالیفات کی ایک طویل فہرست ہے، جو اہلِ علم کے لئے مرجع اور اِطمینانِ قلب کا ذریعہ ہیں، جیسے اِیضاح الطحاوی، اِیضاح المسائل، اَنوار مناسک، اَنوار ہدایت، اَنوار نبوت اور اَنوار رسالت وغیرہ۔

موصوف علمی گیرائی، رائے کی پختگی، حق نوازی اور صاف گوئی میں ممتاز مقام پر فائز ہیں، قوتِ حافظہ میں بھی آپ کو کمال حاصل ہے، جزئیاتِ فقہیہ پر گہری نظر ہے، نیز بے شمار

حدیثیں نمبرات سمیت آپ کو یاد ہیں، حتیٰ کہ حضراتِ اکابر کے سنین ولادت ووفات بھی ذہن میں محفوظ ہیں۔ **ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَشَآءُ۔**

مفتی صاحب موصوف نے ۱۴۰۷ھ میں مخدومِ معظم حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدی نور اللہ مرقدہٗ سابق مہتمم مدرسہ شاہی کے ایماء پر جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کی خدمت پر مامور ہوکر یہاں کے شعبۂ افتاء کو نکھارنے اور چار چاند لگانے پر دن رات محنت کی، اور مطالعہ ومجاہدہ کا ماحول قائم کیا، جس کے نتیجہ میں نہ صرف شعبۂ اِفتاء کی شہرت دُور دُور تک پہنچ گئی؛ بلکہ یہاں سے جاری شدہ فتاویٰ کو بھی مزید اعتبار حاصل ہوا، حضرت مفتی صاحب نے اِس شعبہ سے وابستہ ہوکر اَفراد سازی اور رجال سازی پر بھرپور توجہ دی، چناں چہ الحمد للہ یہاں کے فیض یافتہ مفتیان ملک وبیرون ملک پھیلے ہوئے ہیں، اور حتی الوسع دینی وفقہی خدمات کی اَنجام دہی میں مشغول ہیں۔ اِس ناکارہ کو بھی اِس ماحول سے استفادہ کی توفیق کافی میسر آئی، **فالحمد لله علی ذٰلک.**

اَب نہایت مسرت اور شکر کا مقام ہے کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے قلم سے گذشتہ ۲۹؍سالوں میں جو فتاویٰ صادر ہوئے، وہ ''فتاویٰ قاسمیہ'' کے نام سے ۲۶؍جلدوں میں منظر عام پر آرہے ہیں، بلا شبہ یہ عظیم علمی وفقہی دستاویز ہے، جس سے عوام وخواص بالخصوص اَربابِ افتاء اور طلبۂ افتاء بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔ ہر فتویٰ معتبر حوالہ جات سے مزین ہے، تحقیق وتدقیق کا پہلو ہر جگہ نمایاں ہے۔

اِس مجموعۂ فتاویٰ میں بہت سے ایسے مسائل اور حوالہ جات بھی قارئین کی نظروں سے گذریں گے جن سے اِس سے پہلے واقفیت نہ رہی ہوگی۔ اِس اعتبار سے ''فتاویٰ قاسمیہ'' دیگر فتاویٰ کے درمیان ایک نئے باب کا اِضافہ سمجھا جائے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِن فتاویٰ کو بے مثال مقبولیت سے نوازیں، اور اُمت کو تادیر حضرت مفتی صاحب زید مجدہم کے علوم وفیوض سے مستفیض ہونے کی توفیق مرحمت فرمائیں، آمین۔

فقط واللہ الموفق

احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

خادم مدرسہ شاہی مرادآباد

۱۰/۹/۱۴۳۶ھ

موقع حمد وثناء

حضرت اقدس مولانا سید اشہد رشیدی صاحب دامت برکاتہم
مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

اللہ رب العزت نے دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور بقاء کے لئے جہاں ایک طرف مختلف اداروں، جامعات اور مؤسسات کو دنیا کے مختلف گوشوں میں وجود بخشا ہے، وہیں دوسری طرف دین وشریعت کی خدمت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنانے والے افراد کو بھی جنم دیا ہے، جو اپنی تمام تر توانائیاں کتاب وسنت کی نشر واشاعت میں صرف کرتے ہیں، تحقیق وتشریح ان کی زندگی کا مقصد ہوتا ہے اور درس وتدریس، نیز تصنیف وتالیف کے ذریعہ ان کی روح کو تسکین حاصل ہوتی ہے۔

الحمد اللہ ''جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی'' اگر ایک طرف اسلامی تعلیمات کا مشہور بافیض ادارہ ہے جو تقریباً ڈیڑھ صدی سے قرآن وحدیث کی عظیم الشان خدمت میں مصروف ہے، وہیں اس ادارہ کے دامن سے وابستہ ہوکر دینِ مبین کی انمول خدمات انجام دینے والے باسعادت حضرات میں ایک نمایاں نام حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی، مفتی واستاذ حدیث مدرسہ شاہی کا ہے، جو علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں ہے، موصوف محنت، جانفشانی، تحقیق وتفتیش اور وسعت مطالعہ میں اپنا ایک الگ مقام رکھتے ہیں۔ دلائل وشواہد کے علاوہ نظائر اور جزئیات پر بھی آپ کی گہری نظر ہے۔

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں مفتی عبدالرحمٰن صاحب بچھرایوں کی وفات

کے بعد دارالافتاء کو زینت بخشنے کے لئے کسی لائق وفائق اور جید الاستعداد مفتی کی ضرورت تھی، والد صاحب مرحوم حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب نور اللہ مرقدہ کی نظرِ انتخاب مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی پر پڑی، اس وقت مفتی صاحب موصوف اگر چہ نوعمر اور ناتجربہ کار تھے، مگر آپ کو اپنے اساتذہ کا اعتماد حاصل تھا اور طبیعت میں سلامت روی تھی؛ اس لئے حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب علیہ الرحمہ، سابق مہتمم مدرسہ شاہی نے آپ کے اندر چھپے ہوئے جوہر کو پہچاننے میں دیر نہیں کی اور ۱۴۰۷ھ میں مفتی صاحب موصوف کا دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد میں تقرر فرما کر موصوف کو علمی، تحقیقی اور فقہی خدمات انجام دینے کے لئے ایک وسیع تر میدان فراہم کر دیا، جس کی قدر ومنزلت کو پہچانتے ہوئے مفتی صاحب موصوف نے لائق ستائش اور قابل تحسین خدمات انجام دیں اور مسلسل دے رہے ہیں۔ **فالحمد للہ علی ذلک.**

''فتاوی قاسمیہ'' بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہے، جس میں دارالافتاء مدرسہ شاہی سے جاری ہونے والے ان فتاویٰ کو کتاب کی شکل میں پیش کیا گیا ہے کہ جن کو حضرت مفتی صاحب موصوف نے تحریر فرمایا تھا۔ یہ ایک گراں قدر علمی اور فقہی سرمایہ ہے، جو عوام اور حضرات اہل علم کے لئے یکساں طور پر مفید ہوگا۔

میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت مفتی صاحب کی اس علمی کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے، صحت وعافیت کے ساتھ موصوف کو لمبی عمر عطا فرمائے اور ہر طرح کے شرور وفتن سے ان کو اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کو محفوظ رکھے۔ (آمین)

سید اشہد رشیدی
مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
۲۷ر شوال المکرّم ۱۴۳۶ھ

مقدمة التحقيق

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا. وَنَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا. وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُنِیْرًا. وَجَعَلَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِیَتَفَقَّهُوا فِیْ الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَیْهِمْ. وجعل أبا حنيفة وأبا يوسف ومحمدا ومالكا وشافعيا، وأحمد أئمة المجتهدين، وأصحاب المذاهب الأربعة المعتمدة، والصلاة والسلام على شمس الهداية سيد المرسلين وخاتم النبيين، وعلى آله وأصحابه أجمعين أما بعد.

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ☆ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمٖ

❁❁❁

رب ذوالجلال کے لاکھوں فضل وانعامات ہیں، جن کا احاطہ نہیں ہوسکتا، محض اس کے فضل اور کرم سے اس نا اہل سراپا جہل ونابلد کو حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نوراللہ مرقدہ کا قائم کردہ عظیم ترین ادارہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے دارالافتاء میں ٹوٹی پھوٹی ذمہ داری ادا کرنے پر مامور کیا گیا۔ ۱۴۰۷ھ سے ۱۴۳۶ھ تک انتیس سال کی مدت میں اس خاک پائے خاک کے ہاتھوں سے جو فتاوی جاری کئے گئے ہیں، ان میں سے منتخب کرکے لگ بھگ ۱۱۶۰۰ (گیارہ ہزار چھ سو) فتاوی رب کریم کے محض فضل وکرم سے مرتب ہوکر ناظرین کے سامنے پیش خدمت ہیں۔

بانیٔ مدرسہ کی نسبت سے مدرسہ کا نام ''جامعہ قاسمیہ'' ہے اوراسی مدرسہ میں بیٹھ کر یہ سارے فتاوے جاری کئے گئے ہیں؛ اس لئے بانیٔ مدرسہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب

نانوتویؒ کی اور خود مدرسہ کی نسبت سے فتاوی کے اس مجموعہ کا نام ''فتاوی قاسمیہ'' رکھا گیا ہے۔

اور اس سال ۱۴۳۶ھ تک کے منتخب فتاوی کا مجموعہ مع فہرست کے ۲۶؍ جلدوں میں ہوکر آرہا ہے، آئندہ کا حال رب ذوالجلال کو معلوم ہے، کچھ پتہ نہیں کیا ہونا ہے، اسی کی مرضی ہے کہ وہ چاہے گا تو مزید آگے بھی کام ہوسکتا ہے، اس کا عجیب وغریب کرشمہ ہے کہ بڑے بڑے باصلاحیت، ذہن وحافظہ کے بلند مقام رکھنے والے، علوم وفنون کے ماہرین سے کام نہ لے اور کسی نااہل سے کام لے لے، بہت ڈر لگتا ہے کہ مستقبل کا کیا ہوگا، قدم قدم پر زندگی کا آخری لمحہ نظر آتا ہے۔ بہر حال اس مجموعہ کی ترتیب خود اس مجموعہ سے واضح ہے، شروع کی چار جلدیں: ایمان وعقائد، سیر وتاریخ، دعوت وتبلیغ اور رسوم وبدعات وغیرہ پر مشتمل ہیں، ان کے بعد پانچویں جلد سے کتب فقہ کی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ''کتاب الطہارۃ'' سے ''کتاب الفرائض'' تک تسلسل کے ساتھ فقہاء کی قائم کردہ ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے، کوشش کی گئی ہے کہ ہر مسئلہ قرآن وحدیث کے نصوص اور فقہی جزئیات کی عربی عبارات سے مدلل کیا جائے، اصل کتاب شروع ہونے سے پہلے ایک تمہیدی مقدمہ پیش خدمت ہے۔ رب کریم سے امید ہے کہ اصل کتاب اور اس مقدمہ کے ذریعہ سے اہل علم اور طالبانِ علمِ دین کو فائدہ پہنچے گا۔

اس مقدمہ کو ۱۴؍ فصلوں میں تقسیم کردیا گیا، جس کی ترتیب حسب ذیل ہے:

- الفصل الأول: امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مقام
- الفصل الثاني: شہرۂ آفاق فقہاء کرام کا تعارف
- الفصل الثالث: چند اہم محدثین کا تعارف
- الفصل الرابع: فقہاء کے طبقات اور درجات
- الفصل الخامس: مفتی اور قاضی کی ذمہ داری اور دائرۂ عمل پر مدلل بحث
- الفصل السادس: مسئلہ تقلید پر مختصر ومدلل بحث
- الفصل السابع: مسئلہ تلفیق پر مدلل بحث

- الفصل الثامن: ضرورت وحاجت اورعمومِ بلویٰ پر مدلل بحث
- الفصل التاسع: عدول عن المذہب پر مدلل بحث
- الفصل العاشر: اہم ترین کتبِ فقہ کا تعارف
- الفصل الحادي عشر: چند اردو فتاویٰ کا تعارف
- الفصل الثاني عشر: چند اکابر دیوبند کا مختصر تعارف
- الفصل الثالث عشر: جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کا دارالافتاء
- الفصل الرابع عشر: الشکر والامتنان

اس مقدمہ میں اصل کتاب کی طرح اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ہر مسئلہ اور ہر بات دلائل وشواہد کے ذریعہ سے ناظرین کی خدمت میں پیش ہوجائے۔

اے میرے مولیٰ! تو محض اپنے فضل وکرم سے اسے قبول فرما کر نجات کا ذریعہ بنا دے۔ اور اس مجموعہ کے تیار ہونے میں جتنے بھی معاونین نے اپنا تعاون شامل رکھا، ان میں سے ایک ایک کو شرف قبولیت عطا فرما، ان کو اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرما، ان میں خیر وصلاح اور اتباعِ سنت کی دولت اور خدمتِ دین کا جذبہ عطا فرما۔

والله سبحانه وتعالى أعلم ☆ وهو المستعان هو الموفق

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيْبِکَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَأَصِيْلاً.

(صحيح مسلم، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۱، سنن الترمذي، النسخة الهندية ۲/ ۱۹۹، دار السلام، رقم: ۳۵۹۲)

شبیر احمد صاحب قاسمی عفا اللہ عنہ
خادم: جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد یوپی (الہند)
یکم رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ بروز جمعہ

الفصل الأول:

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مقام

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے متعلق چھ باتیں اختصار کے طور پر پیش کرنی ہیں:

(۱) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تابعی۔

(۲) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مقام کبار مجتہدین میں۔

(۳) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ صحاح ستہ کے رواۃ میں سے۔

(۴) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے جمیع مستدلات صحیح۔

(۵) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی قلت روایت کا سبب۔

(۶) ''**إذا صح الحديث فهو مذهبي**'' کا مطلب۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں پوری دنیا کا ایک ایک مسلمان واقف ہے۔ اور پوری دنیا میں جتنے مسلمان ہیں، ان کی مردم شماری کے اعتبار سے کم سے کم دوثلث مسلمان حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہیں۔

آج جزیرۃ العرب میں غیر مقلدیت کا تسلط ہو چکا ہے اور یہ غیر مقلدین اپنے آپ کو سلفی ہونے کی شہرت دیتے ہیں، یہ ایسا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''**كلمة حق أريد بها الباطل**'' سلفی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور درپردہ سلف کی مخالفت کرتے ہیں اور ائمہ اربعہ کی مخالفت ان کا اہم کردار ہے، حالانکہ یہ ائمہ اربعہ، ائمہ مجتہدین کی صف اول میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔ ان ائمہ اربعہ میں سے سب سے زیادہ مخالفت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کرتے ہیں اور خالی الذہن مسلمانوں کو غلط فہمی کا شکار بناتے ہیں، اسی لئے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے متعلق اختصار کے طور پر چھ باتیں پیش خدمت ہیں، جو الگ الگ سرخیوں سے پیش کی جاتی ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ تابعی کی صف میں

''صحابی'': اس کو کہا جاتا ہے جس کو ایمان کی حالت میں حضرت سید الکونین، خاتم الانبیاء، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہوئی ہو، چاہے تھوڑی دیر کے لئے ہی کیوں نہ ہو، اس کو صحابیت کا مقام حاصل ہو چکا ہے۔

اور ''تابعی'': اس کو کہا جاتا ہے کہ جس کو ایمان کی حالت میں کسی بھی صحابی کی صحبت حاصل ہوگئی ہو۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سات صحابیٔ رسول سے ملاقاتیں ہوئیں اور ان کی صحبت حاصل ہوئی ہے:

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ متوفی: ۹۳

(۲) حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ۔

(۳) حضرت ابوالطفیل عمرو ابن واثلہ رضی اللہ عنہ متوفی ۱۰۲ھ ان سے مکۃ المکرّمہ میں ملاقات ہوئی۔

(۴) حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ھ

(۵) حضرت سائب ابن یزید الخلاد رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ

(۶) حضرت عبداللہ ابن بسر رضی اللہ عنہ متوفی ۹۶ھ

(۷) حضرت محمود ابن الربیع رضی اللہ عنہ متوفی ۹۶ھ

ان سب کی تفصیل ''اوجز المسالک'' مکتبہ دارالقلم دمشق ۱/۱۸۲ میں موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بالغ ہونے کے بعد ۱۷/ سال کی عمر میں ملاقات فرمائی ہے اور ان سے یہ حدیث شریف سنی ہے:

''**من تفقه في دين الله كفاه الله همّه**''. ملاحظہ فرمایئے: (شرح مسند إمام أبي حنيفة، ص: ۵۸۵، مقدمه فتاوى تاتارخانية، ص: ۳۹)

حضرت ابوالطفیل عمرو ابن واثلہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت حضرت امام

ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی عمر ۲۲؍سال ہوچکی تھی۔ اور حضرت عبداللہ بن بسر اور حضرت محمود بن الربیع رضی اللہ عنہما کی وفات کے وقت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی عمر ۱۶؍سال ہوچکی تھی۔

اور حضرت سائب ابن یزید خلاد رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی عمر گیارہ سال ہوچکی تھی۔

اور حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی عمر ۸؍سال تھی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات راجح قول کے مطابق ۹۳ھ میں ہوئی ہے۔ (اسد الغابہ ۱/۱۵۲)

اس حساب سے معلوم ہوا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی عمر ۱۳؍سال ہوچکی تھی۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر ۱۰۰؍سال ہوئی ہے۔ (اسد الغابہ ۱/۱۵۲)

اور ہجرت کے وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر ۱۰؍سال کی تھی، تو اس حساب سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی عمر ۲۰؍سال ہوتی ہے؛ اس لئے کہ امام صاحب کی پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی ہے۔ مذکورہ وجوہات سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کا تابعی ہونا متعین ہوچکا۔ اور تابعی کی روایت کی سند میں کمزوری نہیں آیا کرتی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مقام کبارِ مجتہدین میں

فقہائے مجتہدین جن کی اتباع اور تقلید کی جاسکتی ہے، ان کی تعداد دسیوں کی ہے؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو جو مقامِ اجتہاد عطا فرمایا ہے وہ دوسروں کو بہت ہی کم حاصل ہوا ہے، ان کے زمانہ کے دیگر مجتہدین حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اجتہاد و استنباط سے حیران تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک جو خود فقیہ اور مجتہد ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ تھے اور میں نے روئے زمین پر ان کے جیسا

فقیہ کسی کو نہیں دیکھا، اگر میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور سفیان ثوری رحمہ اللہ کی صحبت میں نہ رہا ہوتا تو میرا شمار ایک عامی آدمی کی طرح ہوجاتا۔

ربیع بن سلیمان اور حرملہ دونوں فرماتے ہیں کہ: امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ فقہ اور تفقہ میں سارے کے سارے فقہاء ومجتہدین حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی عیال ہیں۔ (تہذیب التہذیب ٨/ ٥١٦)

مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کے عیال میں جتنے لوگ ہوتے ہیں وہ سب کے سب اسی کے تابع ہوا کرتے ہیں، ایسا ہی فقہ اور تفقہ میں سارے فقہاء امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تابع ہیں۔

حضرت عبداللہ بن داؤد الہروی فرماتے ہیں کہ: لوگوں پر ضروری ہے کہ اپنی اپنی نمازوں میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے لئے دعائیں کریں؛ اس لئے کہ انہوں نے فقہ اور حدیث کو یاد کر کے تفقہ اور استنباط کی ایک بہترین راہ لوگوں کے لئے کھول دی ہے۔

حضرت امام سفیان ثوری اور عبداللہ ابن مبارک رحمہما اللہ فرمایا کرتے تھے کہ: حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے زمانہ میں روئے زمین کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔

امام ابونُعیم فرماتے ہیں کہ: مسائل کی گہرائی میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی جو نظر تھی وہاں تک کسی دوسرے فقیہ کی نظر کی رسائی نہیں ہوسکتی تھی۔

اور امام مکی ابن ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ: روئے زمین کے سب سے بڑے عالم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تھے۔ ملاحظہ فرمائیے (البدایہ والنہایہ قدیم ١٠/ ١٠٧، اعلاء السنن بیروتی ٢١/ ١٣)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی کتاب ''الخیرات الحسان'' میں نقل فرمایا ہے کہ: امام شافعی رحمہ اللہ نے امام مالکؒ سے پوچھا: کیا آپ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو دیکھا ہے؟ تو امام مالکؒ نے فرمایا کہ: میں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو دیکھا بھی ہے اور ان کے استدلالات کا طریقہ بھی دیکھا ہے، ان کے دلائل کا حال یہ ہے کہ اگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس ستون کو سونا ثابت کرنا چاہے تو ان کے دلائل سے یہ ستون سونا بن کر کھڑا ہوجائے گا۔ استدلال کا یہ حال رہا ہے کہ امام شافعیؒ، رفع یدین کا اہتمام کرتے ہیں اور فجر میں قنوت پڑھنے کو لازم قرار

دیتے ہیں؛ لیکن جب امام شافعیؒ نے بغداد پہنچ کر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی قبر کی زیارت فرمائی اور وہاں ۲/رکعت نماز پڑھی تو تکبیرات انتقالیہ میں رفع یدین نہیں فرمایا اور فجر کی دو رکعت پڑھی تو اس میں قنوت نہیں پڑھی ،لوگوں کے پوچھنے پر امام شافعیؒ نے جواب دیا کہ اس امام الاعظم کے سامنے ان کے مسلک کے خلاف میں اپنی رائے ظاہر کردوں یہ انتہائی بے ادبی ہوگی؛ اس لئے میرے لئے یہی مناسب ہے کہ ان کے علاقہ میں رہتے ہوئے ان کے مسلک کے مطابق نماز پڑھوں، چنانچہ امام شافعیؒ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق نماز ادا فرمائی۔ یہ بڑے بڑے ائمہ مجتہدین ہیں جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تفقہ اور اجتہاد واستنباط سے متعلق حیرت انگیز انداز سے گفتگو پیش فرمارہے ہیں اور سارے ہی ائمہ مجتہدین امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے سب سے بڑے مجتہد ہونے اور قرآن وحدیث کی گہرائی میں پہنچ کر صحیح مطلب نکالنے میں کامیابی کا اعلان فرمارہے ہیں؛ لہٰذا جس نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کی ہے اس نے قرآن وحدیث کے صحیح مطلب کے مطابق عمل کا راستہ اختیار کرلیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے: (مرقاۃ المفاتیح، مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۳۰، مقدمہ فتاوی تاتارخانیہ/ ۴۲)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ صحاح ستہ کے رواۃ میں سے

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے حق میں جو لوگ بے جا تشدد کرتے ہیں، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے صحاح ستہ کے مصنفین نے کوئی روایت نہیں لی اور صحاح ستہ کی روایات کی اسانید میں جو رواۃ ہیں ان میں اکثر ثقہ اور قابل اعتماد راوی ہوتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے اصحاب صحاح نے کوئی روایت نہیں لی ہے۔

مخالفین کی طرف سے امام صاحبؒ کے بارے میں جو بغض وعناد ہے، اس کی بھڑاس اتارنے میں ایک بات انہوں نے یہ بھی کہی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ صحاح ستہ کے راویوں میں نہیں ہے، ان کی یہ بات اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کہنے والے قائلین خود صحاح ستہ کے رواۃ پر واقف نہیں ہیں؛ اس لئے کہ حضرت امام ترمذیؒ نے ''کتاب العلل'' میں جابر

جعفی کی کمزوری ثابت کرنے کے لئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول نقل فرمایا۔ اور حضرت امام نسائی نے اپنی کتاب ’’سنن صغریٰ‘‘ میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے روایت نقل فرمائی۔ چنانچہ مسئلہ استحاضہ سے متعلق حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی لمبی روایت نقل فرمائی۔ روایت مع سند کے ملاحظہ فرمائیے:

أخبرنا الربيع بن سليمان بن داؤد قال: حدثنا عبدالله بن يوسف، قال: حدثنا الهيثم بن حميد، قال: أخبرني النعمان والأوزاعي وأبو معيد وهو حفص بن غيلان عن الزهري، قال: أخبرني عروة بن وعمرة بنت عبدالرحمن، عن عائشة قالت: استحيضت أم حبيبة بنت جحش امرأة عبدالرحمن بن عوف، وهي أخت زينب بنت جحش، قالت: فاستفتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لها رسول الله صلى الله عليهوسلم: إن هذه ليست بالحيضة، ولكن هذا عرق، فإذا أدبرت الحيضة فاغتسلي، وصلي، وإذا اقبلت فاتركي لها الصلوة، قالت عائشة: كانت تغتسل لكل صلوة وتصلي، وكانت تغتسل أحيانا في مركن في حجرة أختها، وهي عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، حتى إن حمرة الدم لتعلوا الماء، وتخرج فتصلي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فما يمنعها ذلك من الصلوة.

(سنن النسائي، باب الاغتسال من الحيض، النسخة الهندية ١/ ٢٤، دارالسلام، رقم: ٢٠٤)

اسی طرح امام نسائی علیہ الرحمہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے اپنی کتاب ’’السنن الکبریٰ‘‘ میں نقل فرمائی ہے، حدیث شریف مع سند کے ملاحظہ فرمائیے:

أخبرنا علي بن حجر، قال: أخبرنا عيسى بن يونس عن النعمان يعني ابن ثابت أبي حنيفة عن عاصم هو ابن عمر عن أبي رزين عن عبدالله بن عباس، قال: ليس على من أتى بهيمة حد. (السنن الكبرى للنسائي، أبواب التعزير والشهود، النسخة الهندية ٤/ ٣٢٢، دارالسلام، رقم: ٧٣٤١)

آپ کے سامنے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا کتب صحاح کے رواۃ میں سے ہونا ثابت ہوا ہے؛ لہٰذا یہ کہنا درست نہیں کہ امام صاحب کتب صحاح کے رواۃ میں سے نہیں ہیں، چنانچہ امام ابن حجر عسقلانی نے ''الخیرات الحسان'' میں نقل فرمایا ہے کہ امام یحییٰ ابن معین سے سوال کیا گیا کہ امام سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے جو حدیثیں نقل فرماتے ہیں ان کی حیثیت کیا ہے؟ تو حضرت امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: جی ہاں ''**کان ثقة، صدوقا في الفقه والحديث**'' چنانچہ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فقہ اور حدیث دونوں میں ثقہ اور سچے ہیں۔

اور امام شعبہ ابن حجاج فرماتے ہیں: ''**كان والله حسن الفهم جيد الحفظ**'' کہ اللہ کی قسم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بہت عمدہ اور اعلیٰ حافظ اور بہترین فہم وسمجھ کے مالک ہیں۔ اور حافظ ابن الاثیر جزریؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علوم شرعیہ میں ایسے امام ہیں کہ ان کی امامت پر کسی کو اختلاف نہیں، ملاحظہ ہو: (اعلاء السنن بیروتی ٢١/٢٤ تا ٢٨)

جميع مستدلات الإمام صحيح.

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مستدلات میں جتنی بھی روایات ہیں وہ سب کی سب صحیح ہیں۔

چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانیؒ جو شافعی المسلک کے بہت بڑے محدث وفقیہ ہیں؛ بلکہ متعصب شوافع میں شامل ہیں، وہ خود فرماتے ہیں کہ اللہ نے میرے ساتھ یہ احسان فرمایا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تینوں مسانید کا مطالعہ کیا ہے اور آخر کار میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی روایات میں سے کوئی بھی روایت سند ضعیف سے مروی نہیں؛ بلکہ ساری کی ساری روایات خیار تابعین سے اور ایسے ثقہ راویوں سے مروی ہیں جو خیر القرون کے اعلیٰ درجہ کے رواۃ میں شامل ہیں، جیسا کہ امام اسود ابن یزید، علقمہ اور عطا ابن ابی رباح اور امام عکرمہ، امام مجاہد ابن جبر، امام مکحول اور امام حسن بصری اور انہیں کے

درجہ کے بڑے بڑے حفاظ حدیث ہیں۔اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جتنے بھی رواۃ ہوتے ہیں سب کے سب عدول اور ثقات اور اعلام اور خیار تابعین میں سے ہیں، ان میں نہ کوئی کذاب ہے اور نہ ہی کوئی متہم بالکذب ہے۔
(اوجز المسالک، مطبع دار القلم دمشق ۱/ ۱۸۷)

وہ احادیث شریفہ جن سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے احکام کے استنباط کے لئے استدلال فرمایا ہے اور بعد کے محدثین نے ان روایات کے بارے میں کلام فرمایا ہے اور ان روایات کی سند کے راویوں پر ضعف کا نشان لگایا ہے، وہ سب ضعف اور کمزوری حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ان روایات سے استدلال کرنے کے بعد آئی ہے۔اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے استدلال سے پہلے سلسلہ سند کے راویوں میں سے کوئی راوی ضعیف نہیں رہا ہے، بعد میں ضعیف رواۃ شامل ہوگئے؛ لہٰذا بعد کے ضعیف راویوں کو دیکھ کر یہ کہنا کسی طرح درست نہیں ہوگا کہ جس وقت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے استدلال کیا تھا، اس وقت بھی یہ روایات ضعیف تھیں۔اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک چلتی نہر ہے، نہر کے بیچ میں ایک مردار پڑا ہوا ہے، جس کی وجہ سے نیچے کی طرف کا سارا پانی بدبودار ہوگیا ہے، مگر اوپر کی طرف کا پانی بدبودار نہیں ہوسکتا، اب اگر کوئی شخص اس مردار کے نیچے کی طرف سے پانی پی لیتا ہے تو اس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ اس نے ناپاک اور بدبودار پانی پی لیا؛ لیکن اگر کوئی شخص اس نہر کے اوپر کی جانب سے پانی پی لیتا ہے، جس میں مردار کی بدبو اور نجاست کا کوئی اثر نہیں ہے، تو اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اس نے ناپاک اور بدبودار پانی پیا ہے؛ بلکہ اس نے صاف اور پاک پانی پیا ہے۔ایسا ہی ان ضعیف روایات کا حال ہے، جن کی سند کے بیچ میں کمزور راوی آیا ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے روایات کی سند میں کمزور رواوی کے آنے سے پہلے استدلال کیا ہے؛ لہٰذا امام صاحب پر یہ الزام درست نہیں کہ کمزور روایات سے استدلال کرتے ہیں؛ بلکہ امام صاحب نے صحیح روایات سے استدلال فرمایا ہے، ہاں البتہ ان لوگوں کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوسکتا ہے کہ جنہوں نے روایات کی سند میں کمزور راوی آنے

کے بعد نیچے سے حدیث شریف لے کر کے استدلال کیا ہے، اسی لئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے سارے مستدلات صحیح اور غیر متکلم فیہ ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے: (مقدمہ فتاوی تاتارخانیہ/۴۴)

قلت روایت کا سبب

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں اس بات کو بھی شہرت دی جاتی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو حدیثیں یاد نہیں تھی، بعض لوگ یہاں تک لب کشائی کرتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو صرف ۱۷/حدیثیں یاد تھی اور یہ صرف بغض وعناد کی وجہ سے مخالفین اپنی شدت کی انتہاء کو پہنچ جاتے ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیثیں نقل کرنے میں انتہائی درجہ کے محتاط رہے ہیں، جیسا کہ خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پوری امت میں سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے مجتہد تھے اور پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد امت میں سب سے زیادہ افضل اور سب پر فائق تھے، مگر ان سے جتنی روایتیں مروی ہیں ان سب کا مجموعہ صرف ایک سو بیالیس (۱۴۲) ہے۔ ملاحظہ ہو (جامع المسانید ۱/ ۳۱)

اس کے برخلاف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ۵۳۷۴/حدیثیں مروی ہیں۔ ملاحظہ ہو: (جامع المسانید ۱/ ۳۴۴)

اب بتلائیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں چار ہزار سے زیادہ حدیثیں مروی ہونے کی وجہ سے کیا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے علم وفضل میں بڑھ جائیں گے؟ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور آپ کے ارشادات پر جس قدر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ واقف تھے اور ان کو معلومات حاصل تھیں، کیا اس درجہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو معلومات اور واقفیت حاصل تھی؟ ایسا ہرگز نہیں؛ بلکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ طفل مکتب تھے، یہ بات ساری امت کے سامنے مسلم ہے، اس کی

وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو بھی روایت سنتے تھے، اس کو دوسروں کے سامنے بیان کردیا کرتے تھے، مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے روایت بیان کرنے میں احتیاط کا پہلو اختیار فرمایا ہے، جس کی وجہ سے ان کی مستند روایتیں صرف ۱۴۲/رہ گئی ہیں۔

اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا حال ہے کہ وہ قرآن وحدیث کی نصوص کی گہرائی میں پہنچ کر مسائل کے استنباط واستخراج میں ......سمندر کی حیثیت رکھتے تھے، جس میں غوطہ لگا کر وہاں تک پہنچنا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں تھی، مگر مستند روایت بیان کرنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح محتاط رہے ہیں، جس کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ امام بخاری اور ابوبکر ابن ابی شیبہ، حافظ عبد الرزاق، امام احمد بن حنبل وغیرہ کے مقابلہ میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو حدیثیں بہت کم یاد تھی؛ بلکہ ان سب حضرات کے مقابلہ امام صاحب کو احادیث شریفہ کے ذخیرہ پر زیادہ عبور حاصل تھا، پھر بھی کئی ہزار حدیثیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مستند طور پر مروی ہیں۔ اور آج کے زمانہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مسانید کو جمع کیا جا رہا ہے، اس وقت حارثی کے نسخہ کے ذریعہ سے ۱۷۴۱، اور خسرو کے نسخہ کے ذریعہ سے ۱۲۷۰، کل ۳۰۱۱/حدیثیں امام ابوحنیفہ کی مسانید کے ذریعہ سے منظر عام پر آچکی ہیں۔ اور چار جلدوں میں یہ دونوں نسخے مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ سے شائع ہو کر منظر عام پر آچکے ہیں؛ لہٰذا حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں لب کشائی کرنے کی جسارت نہیں کرنی چاہئے۔ اللہ پاک سب کو ہدایت سے مالا مال فرمائے۔

”إذا صح الحديث فهو مذهبي“ کا مطلب

حضرات ائمہ مجتہدین جن میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ شامل ہیں، یہ تمام ائمہ مجتہدین حدیث صحیح کے خلاف اپنی رائے کو ترجیح نہیں دیتے ہیں؛ بلکہ ان حضرات کے استنباط کردہ مسائل کسی نہ کسی حدیث

شریف یا قرآنی آیت کی روشنی میں ہی ہوتے ہیں؛ لہٰذا اگر ان ائمہ میں سے کسی امام کے مسئلہ کے مطابق ہمیں کوئی نص نظر نہیں آرہی ہے، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس مسئلے کے مطابق قرآن یا حدیث میں کوئی نص نہیں ہے؛ بلکہ یہ ہماری نظر کی کوتاہی ہے، ہاں البتہ ایسا بہت ہوتا ہے کہ مثلاً روایات دو قسم کی ہوتی ہیں، کسی نے کسی روایت سے استدلال کیا اور کسی نے اس کے مقابل دوسری روایت سے استدلال کیا اور ہر ایک کی نظر میں اپنی اپنی مستدل روایت کی وجہ ترجیح بھی ہوتی ہے، اسی وجہ سے حضرت امام اعظم رحمہ اللہ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں حدیث رسول کے خلاف کوئی بات نہیں کرتا؛ لہٰذا تم اس سلسلے میں جستجو کر کے دیکھ لینا، تم کو میرا قول حدیث کے خلاف نہیں ملے گا، بالفرض پھر بھی اگر میرے قول کے خلاف کوئی حدیث شریف مل جائے تو میرا مسلک وہ نہیں ہے جو پہلے سے تمہارے سامنے ہے؛ بلکہ میرا مسلک وہ ہوگا جو حدیث صحیح کے موافق ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ حدیث صحیح منسوخ نہ ہو اور دوسری حدیث صحیح اور قرآنی آیت کے مقابل میں نہ ہو اور یہی حنفیہ کا عقیدہ ہے اور یہی حنفیہ کا مسلک بھی ہے، اس کے خلاف حنفیہ کا عقیدہ نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول: ”**إذا صح الحديث فهو مذهبي**“ کا یہی مطلب ہے۔ (رسم المفتی /٦٦، شامی زکریا ١/١٦٧، کراچی ١/٦٧)

الفصل الثاني:

اہم ترین شہرۂ آفاق فقہاء کا تعارف

یہاں یہ مناسب سمجھا گیا ہے کہ چند اہم فقہاء کا تعارف کرادیا جائے، جس سے ناظرین کو انشاء اللہ فائدہ ہوگا، چنانچہ اختصار کے طور پر اہم ترین ۶۳ رفقہاء کا تعارف یہاں پر پیش کیا جارہا ہے۔ اوران کا تعارف پیش کرنے میں تقدیمِ وفات کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔

(۱) الامام زفر بن ہذیل ۱۱۰-۱۵۸ھ

یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اہم ترین تلامذہ میں سب سے بڑے ہیں، اوران کے مشہور تلامذہ میں سب سے پہلے وفات پانے والے ہیں، حضرت امام زفرؒ بہت بڑے فقیہ ہیں، مسائل کے استنباط میں ان کی نظریں بہت ہی گہرائی تک پہنچ جاتی ہیں، یہ اصلاً اصبہان کے رہنے والے ہیں، بصرہ میں ان کا قیام رہا اور وہاں کے قاضی بھی رہے ہیں اور بصرہ ہی میں ان کی وفات ہوئی ہے اور یہ ان دس اہم ترین فقہاء میں سے ہیں، جنہوں نے مسائل فقہ کو کتابی شکل دے کر مدون فرمایا ہے۔ کبھی حضرت امام ابویوسفؒ کے ساتھ کسی مسئلہ میں مناظرہ کی شکل ہوجاتی تھی اورامام زفرؒ زبان کے اعتبار سے بہت فائق تھے، جس کے نتیجہ میں امام ابویوسفؒ پر غالب آجایا کرتے تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جب اپنی مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو تلامذہ میں سے حضرت امام زفر کو سب سے مقدم اورآگے رکھتے تھے۔
ملاحظہ ہو: (الاعلام للزرکلی ۳/۴۵)

ان کی پیدائش ۱۱۰ھ میں ہوئی اور وفات ۱۵۸ھ میں ہوئی۔ ملاحظہ ہو: (فوائد بہیہ/ ۹۹)

(۲) الامام حماد بن ابی حنیفہ المتوفی: ۱۷۰ھ

یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے صاحبزادہ ہیں، ان کی کنیت ابواسماعیل ہے اور نام ہے حماد بن الامام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی۔ اپنے والد امام اعظم سے تفقہ حاصل

کیا ہے اور امام صاحب کے زمانہ ہی میں فتویٰ لکھنے کی ذمہ داری ادا کی ہے۔ اور امام صاحب کے تلامذہ میں ان کا مقام امام ابویوسفؒ اور امام محمد بن حسن شیبانی اور امام حسن بن زیاد وغیرہ کے درجہ میں رہا ہے۔ اور ورع اور زہد وتقویٰ میں بہت فائق تھے، ان کے صاحبزادہ امام اسماعیل نے انہیں سے تفقہ حاصل کیا ہے اور ان کے علاوہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کسی دوسری اولاد کا پتہ نہیں چلتا۔ ملاحظہ ہو: (الفوائد البہیہ/ ۹۰، لسان المیزان ۲/ ۳۴۶، رقم: ۱۴۰۵، اعلاء السنن بیروتی ۲۱/ ۱۷۱، رقم: ۱۵۲)

(۳) امام مالک بن انسؒ ۹۳-۱۷۹ھ

ان کو ''امام دار الہجرۃ'' کہا جاتا ہے، ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے، نام مالک بن انس بن مالک بن عامر بن ابوعامر الاصبحی، الحمیری۔ یہ ائمہ اربعہ میں سے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بعد دوسرے نمبر کے امام اہل السنّت والجماعت ہیں، انہیں کی طرف مسلک مالک کو منسوب کیا جاتا ہے، ان کی پیدائش اور وفات دونوں مدینۃ المنورہ میں ہوئی ہیں، اور دین میں بہت سخت تصلب رکھتے تھے اور امراء وبادشاہوں سے دور رہا کرتے تھے اور ان سے بڑے بڑے حفاظ حدیث نے حدیث کا درس حاصل کیا، جیسا کہ حضرت امام سفیان ثوری، سفیان ابن عیینہ، شعبہ ابن حجاج، عبداللہ ابن المبارک، امام اوزاعی، ابن جریج، لیث ابن سعد، امام شافعی، یحییٰ بن سعید قطان، اور یحییٰ ابن یحییٰ الاندلسی اور یحییٰ النیشاپوری رحمہم اللہ۔ امام بخاری فرمایا کرتے ہیں کہ ''اصح الاسانید'' امام مالک کی سند سے ہوتی ہے، جس کا نافع عن ابن عمر کے طریق سے سلسلۂ سند چلتا ہے۔

امام یحییٰ ابن معین فرماتے ہیں کہ امام مالک نے جتنے راویوں سے حدیثیں بیان فرمائی ہیں وہ سارے کے سارے ثقہ ہیں، ملاحظہ ہو: (البدایہ والنہایہ ۱۰/ ۱۷۴، الاعلام ۵/ ۲۵۷، تہذیب التہذیب ۸/ ۶، رقم: ۶۶۸۵، مقدمہ اوجز المسالک/ ۲۳، مقدمہ فتاوی تاتارخانیہ/ ۵۰)

(۴) الامام عبداللہ ابن المبارک ۱۱۸-۱۸۱ھ

ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے، نام عبداللہ ابن مبارک ہے۔ اور یہ ترکی النسل ہیں اور

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اجل تلامذہ میں سے ہیں۔ امام عبداللہ بن مبارک خود فرماتے ہیں کہ ان کی زندگی کا ایک بڑا حصہ آوارہ گردی میں گذرا ہے۔ بینڈ باجہ اور عیاشی میں گذار دیا تھا، ایک دفعہ وہ ایک باغ میں سو رہے تھے، ان کے سر کے اوپر درخت پر ایک پرندہ بیٹھا ہوا تھا، وہ پرندہ سورۂ حدید کی یہ آیت شریفہ پڑھ رہا تھا:

اَلَمْ یَأْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِکْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا یَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اُوْتُوْا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَکَثِیْرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُوْنَ. [الحدید: ١٦]

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: کیوں نہیں، جب بیدار ہوا تو اپنے بینڈ باجہ کا سارا سامان توڑ کر جلا دیا اور یہ میرے زہد وتقویٰ کا پہلا دن تھا، اس کے بعد مسلسل زہد وتقویٰ کے ساتھ علوم دینیہ کو اپنا مشغلہ بنالیا۔ اور امام عبداللہ ابن مبارک بن گئے، قیامت تک کے لئے ان کو یاد کیا جائے گا۔ ملاحظہ ہو: (الفوائد البہیہ/ ۱۳۲، الاعلام ۴/ ۱۱۵، اعلاء السنن بیروتی ۲/ ۹۰)

(۵) الامام قاضی ابویوسفؒ ۱۱۳-۱۸۲ھ

ان کی کنیت ابو یوسف ہے، نام یعقوب بن ابراہیم بن حبیب انصاری، کوفی بغدادی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اجل تلامذہ میں سے ہیں اور سب سے پہلے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب اور مسلک کو پھیلانے والے ہیں، فقیہ بھی اور حفاظ حدیث میں سے بھی تھے۔ اور بادشاہ ہارون رشید اور ان کے بیٹے کے زمانہ میں قاضی القضاۃ رہے، چنانچہ حضرت امام ابو یوسفؒ کو قاضی الدنیا کہا جاتا تھا۔ ملاحظہ ہو: (البدایہ والنہایہ ۱۰/ ۱۸۰)

ان کی پیدائش کوفہ میں ہوئی ہے اور بغداد چونکہ سلطنت اسلامی کا مرکزی پارلیمنٹ تھا؛ اس لئے سب سے بڑی عدالت کے سب سے بڑے قاضی امام ابو یوسف رہے اور انہیں کے ذریعہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب اور مسلک کی اشاعت تمام علاقوں میں ہوئی۔ ملاحظہ ہو: (فوائد بہیہ/ ۲۹۷)

(٦) الامام محمد بن الحسن الشیبانی ۱۳۱-۱۸۹ھ

ان کی کنیت ابوعبداللہ، نام محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی ہے، ان کے والد ملک شام سے عراق تشریف لائے، مقام واسط میں ان کی پیدائش ہوئی اور کوفہ میں ان کی پرورش ہوئی، انہوں نے امام مالک، امام اوزاعی، امام سفیان ثوری رحمہم اللہ وغیرہ سے علم حاصل کرنے کے بعد حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی صحبت اختیار فرمالی اور انہیں سے فقہ وتفقہ حاصل کیا، کہا جاتا تھا کہ امام محمد "أعلم الناس بكتاب الله" تھے، لوگوں میں سب سے زیادہ علم رکھنے والی شخصیت تھی۔ عربی ادب، نحو، صرف، حساب وریاضی کے ماہر تھے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: میں نے امام محمد سے علم حاصل کیا ہے اور ان سے بڑا صاحب علم میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علوم اور ان کے مسلک کو امام محمدؒ نے اپنی تصانیف کے ذریعہ سے دنیا میں پھیلایا۔ ۹۹۹ رکتابیں امام محمدؒ نے لکھی ہیں۔ اور امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ اس قدر دقیق اور باریک مسائل آپ نے کہاں سے حاصل کئے؟ تو امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ امام محمد کی کتابوں سے حاصل کئے ہیں، ان کی کتابوں کے تین درجات بنے ہیں: (۱) ظاہر الروایت (۲) نادر الروایت (۳) نازل الروایت۔ اور ان کی ظاہر الروایت میں ٦ رکتابیں بہت زیادہ مشہور ہیں، جن کو فقہ حنفی میں اصل الاصول کی حیثیت دی گئی ہے:

(۱) مبسوط (۲) زیادات (۳) الجامع الکبیر (۴) الجامع الصغیر (۵) السیر الکبیر (٦) السیر الصغیر۔ ملاحظہ ہو: (فوائد بہیہ/۲۱۲، الاعلام ٦/۸۰)

(۷) الامام حسن بن زیاد اللؤلؤی المتوفی: ۲۰۴ھ

یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اجل تلامذہ میں سے تھے، انتہائی ذہین وفطین اور فقیہ تھے، حفص ابن غیاث کے بعد ۱۹۴ھ میں ان کو کوفہ کا قاضی بنایا گیا، پھر کچھ دنوں کے بعد عہدۂ قضاء سے مستعفی ہوگئے۔ مسلک حنفی کے بڑے بڑے فقہاء نے ان سے فقہ وتفقہ حاصل کیا

ہے، جیسا کہ محمد ابن سماعہ اور محمد ابن شجاع الشلجی، امام علی الرازی وغیرہ۔ ۲۰۴ھ میں ان کی وفات ہوئی اور اسی سال قیام مصر کے زمانہ میں امام شافعیؒ کی بھی وفات ہوئی۔

(۸) الامام محمد بن ادریس الشافعی ۱۵۰-۲۰۴ھ

ان کی کنیت بھی ابوعبداللہ ہے اور نام محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع۔ اور شافع کی طرف ان کو منسوب کر کے شافعی کہا جاتا ہے، آگے چل کر ان کا نسب ہاشم ابن عبد مناف سے ملتا ہے، یہ ائمہ اربعہ میں سے تیسرے نمبر کے امام ہیں، یہ بھی امام اہل سنت والجماعت ہیں، ان ہی کی طرف پوری دنیا میں مسلک شافعی کو منسوب کیا جاتا ہے، فلسطین میں مقام غزہ میں ان کی ولادت ہوئی ہے، بچپن میں ان کے والد کی وفات ہوگئی اور ان کی والدہ............ نے ان کو ۲؍سال کی عمر میں مکہ مکرمہ میں لاکر کے رکھ دیا، تاکہ ان کا نسب ضائع نہ ہوجائے اور مکہ مکرمہ میں ہی میں پرورش پائی۔ ۷؍سال کی عمر میں قرآن کی تعلیم حاصل کرلی اور ۱۰؍سال کی عمر میں موطا مالک حفظ کرلی اور ۱۵؍سال کی عمر میں یا ۱۸؍سال کی عمر میں فتویٰ لکھنا شروع کردیا۔ مسلم ابن خالد الزنجی نے انہیں فتویٰ لکھنے کی اجازت دی اور امام شافعی کی بہت ساری تصانیف ہیں، ان میں سے کتاب الام ان کے شاگرد ربیع ابن سلیمان نے ترتیب دی ہے۔ ۱۵۰ھ میں فلسطین میں ان کی پیدائش ہوئی اور ۲۰۴ھ میں مصر میں وفات ہوئی، صرف ۵۴؍سال کی عمر پائی، اتنی کم عمری میں اللہ نے ان سے اتنا بڑا کام لیا ہے کہ صاحب مذہب بن گئے۔ ملاحظہ ہو: (البدایہ والنہایہ ۱۰/۲۵۱، الاعلام ۶/۲۶، تہذیب التہذیب ۷/۲۴، رقم: ۵۹۱۹، مقدمہ تاتارخانیہ/۵۳)

(۹) الامام اسماعیل بن حماد المتوفی ۲۱۲ھ

یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پوتے ہیں اور ان کے بیٹے حماد ابن ابی حنیفہ کے بیٹے ہیں، انہوں نے اپنے والد حماد ابن ابوحنیفہ اور امام حسن ابن زیاد سے فقہ اور تفقہ حاصل کیا ہے اور اسلامی حکومت کے علماء میں سے جتنے قاضی رہے ہیں، ان میں سب سے بڑے فقیہ تھے، ان

کو بغداد، بصرہ وغیرہ کا قاضی بنایا گیا ہے۔اور نئے پیش آمدہ مسائل کے بہت ماہر تھے، اور عابد، زاہد تھے۔حضرت امام ابوحنیفہ کے مذہب پر مسائل فقہیہ کو جمع فرمایا ہے، فرق باطلہ پر رد کرنے میں دلائل کے ماہر تھے۔۲۱۲ھ میں وفات پائی۔ملاحظہ ہو: (الفوائد البہیہ/ ۶۰، کشف الظنون ۵/ ۱۷۰، الاعلام ۱/ ۳۱۳)

(۱۰) الامام شداد ابن الحکیم المتوفی ۲۲۰ھ

ان کی کنیت ابوعثمان ہے، نام شداد بن الحکیم بلخی ہے۔امام زفرؒ کے اجل تلامذہ میں سے ہیں۔اور علاقۂ بلخ کے بہت بڑے فقیہ اور محدث تھے۔ملاحظہ ہو: (لسان المیزان ۳/ ۱۴۰، رقم: ۴۹۱، فوائد بہیہ/ ۱۶۰)

(۱۱) الامام عیسیٰ بن ابان المتوفی: ۲۲۱ھ

ان کی کنیت ابوموسیٰ ہے، نام عیسیٰ بن ابان بن صدقہ البغدادی الحنفی۔یہ عظیم المرتبت فقیہ اور امام تھے، ان سے بڑے بڑے فقہاء نے فقہ کی تعلیم حاصل کی ہے۔۱۰/ سال تک بصرہ کے قاضی رہے اور بصرہ ہی میں وفات پائی ہے اور مسلک حنفی کے مشہورترین فقہاء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ملاحظہ ہو: (فوائد بہیہ/ ۱۹۶، کشف الظنون ۵/ ۶۴۱، الاعلام ۵/ ۱۰۰)

(۱۲) الامام احمد بن حنبلؒ ۱۶۴-۲۴۱ھ

ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے، نام احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادریس الشیبانی المروزی البغدادی۔یہ اہل السنّت والجماعت کے ائمۂ اربعہ میں سے چوتھے نمبر کے امام ہیں، ان کی پیدائش بغداد میں ہوئی، ان کو اپنے دادا حنبل بن ہلال کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اور طلب علم کے لئے بڑے لمبے لمبے مشقت کے اسفار کئے ہیں، کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، شام، فارس، الجزائر، خراسان وغیرہ کا سفر کیا ہے، ان کی بہت ساری تصانیف ہیں، بڑے خوبصورت، طویل القامت شخص تھے اور حنبلی مذہب کو ان ہی کی طرف منسوب کیا جاتا

ہے۔ معتصم باللہ نے امام احمد بن حنبل کو ۲۸ ر مہینے تک جیل میں بند رکھا ہے، پھر معتصم باللہ کے بعد جب متوکل ابن المعتصم والی بنے تو متوکل نے امام احمد بن حنبل کا اعزاز واکرام کیا اور انہیں کے زمانہ میں وفات پائی۔ ملا حظہ ہو: (البدایہ والنہایہ ۱۰/ ۳۲۵، الاعلام ۱/ ۲۰۳، مقدمہ مسند احمد/ ۱۵، تہذیب التہذیب ۱/ ۹۷، رقم: ۱۰۶، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۵۴)

(۱۳) الامام محمد بن مقاتل الرازی المتوفی: ۲۴۲ھ

امام محمد بن مقاتل الحنفی یہ امام محمد ابن حسن شیبانی کے اہم ترین تلامذہ میں سے ہیں۔ اور ان کو امام اصحاب الرائے بھی کہا جاتا تھا، متقدمین فقہاء میں ان کا شمار ہے، مقام ری میں ۲۴۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ملا حظہ ہو: (لسان المیزان ۵/ ۳۸۸، رقم: ۱۲۶۱، کشف الظنون ۶/ ۱۲، ۲/ ۳۸۹)

(۱۴) الامام محمد بن الاظہر المتوفی: ۲۵۸ھ

ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے، نام محمد بن الاظہر الخراسانی ہے، حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''فوائد بہیہ'' میں فقیہ ابوالیث سمرقندی کے حوالہ سے یہ بات نقل فرمائی ہے کہ ان کی وفات ۲۷۸ھ میں ہوئی ہے؛ لیکن زیادہ راجح یہی ہے کہ ۲۵۸ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۶/ ۲۱۴، فتاوی بہیہ/ ۲۰۸، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۵۵)

(۱۵) ابوحفص الکبیر

ان کی کنیت ابوحفص ہے، نام احمد بن حفص بن الزبرقان البخاری ہے، یہ فقہاء احناف میں شہرۂ آفاق امام وفقیہ ہیں۔ حضرت امام محمد بن حنبل حسن شیبانیؒ سے فقہ وتفقہ حاصل کیا ہے، ان کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات کا پتہ نہیں چل سکا۔ ملا حظہ ہو: (فوائد بہیہ ۲۵، الجواہر المضیہ / ۴۷، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۵۵)

(۱۶) ابوحفص الصغیر المتوفی: ۲۶۴ھ

ان کا نام محمد بن احمد بن حفص بن الزبرقان، یہ ابوحفص کبیر کے بیٹے ہیں، اپنے والد

سے فقہ اور تفقہ حاصل فرمایا، ان کی کنیت ابو حفص الصغیر اور ابو عبداللہ بھی ہے۔ ۲۶۴ھ کے رمضان المبارک میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو: (فوائد بہیہ/ ۲۵، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۵۵)

(۱۷) امام محمد بن شجاع الثلجی المتوفی: ۲۶۶ھ

یہ حنفی مسلک کے بہت بڑے فقیہ اور محدث ہیں، محمد بن شجاع الثلجی الحنفی سے مشہور ہیں، ان ہی کی کتاب ہے۔ التفریق فی الفروع۔ ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۱/ ۳۵۳)

(۱۸) الامام محمد بن سلمہ

ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے، نام امام محمد بن سلمہ البلخی ہے، فقہاء احناف میں سے کبار فقہاء میں سے ہیں۔ امام شداد بن الحکیم اور امام ابو سلیمان الجوزجانی سے فقہ اور تفقہ حاصل کیا ہے، کتب فقہ میں ان کی روایت سے بہت سارے جزئیات ملتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: (فوائد بہیہ/ ۲۱۸، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۵۶)

(۱۹) امام ابو علی الدقاق

ان کو ''امام الائمہ'' کہا جاتا ہے، امام ابو سعید البردعی کے استاذ ہیں، فقہاء احناف میں صف اول کے فقیہ ہیں، ان کی تاریخ ولادت اور وفات کا پتہ نہیں چل پایا، ملاحظہ ہو: (فوائد بہیہ/ ۱۸۹، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۵۶)

(۲۰) الامام ابو سعید بردعی المتوفی: ۳۱۷ھ

ان کی کنیت ابو سعید ہے، نام احمد بن الحسین البردعی ہے، ائمہ احناف میں سے بہت بڑے فقیہ اور مناظر تھے، بغداد میں شیخ الحنفیہ کے نام سے مشہور تھے، امام ابو حنیفہؒ کے پوتے اسماعیل بن حماد سے فقہ اور تفقہ حاصل فرمایا اور ابو علی الدقاق کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں، انہیں سے امام ابو الحسن کرخیؒ اور ابو طاہر دباس اور ابو عمر طبری وغیرہ بڑے بڑے فقہاء نے فقہ اور تفقہ حاصل فرمایا۔ واقعۂ قرامطہ میں شہید کردئے گئے۔ ملاحظہ ہو: (فوائد بہیہ/ ۲۶ - ۲۸، الاعلام ۱/ ۱۱۴)

(۲۱) الامام ابوبکر الاسکاف المتوفی: ۳۳۳ھ

ان کی کنیت ابوبکر ہے، نام محمد بن احمد الاسکاف البلخی الحنفی ، امام محمد بن سلمہ سے فقہ اور تفقہ حاصل فرمایا ہے، اور امام ابوبکر الاعمش اور امام ابوجعفر الهندوانی وغیرہ بڑے بڑے ائمہ فقہاء نے آپ سے فقہ اور تفقہ حاصل فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: (فوائد بہیہ/ ۲۰۸، کشف الظنون ۶/ ۳۰)

(۲۲) الامام ابوالحسن الکرخی ۲۶۰-۳۴۰ھ

ان کی کنیت ابوالحسن ہے، نام عبیداللہ ابن الحسین بن الدہلم، ان کو قریہ کرخ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، جونواحیٔ عراق کا ایک گاؤں ہے، انہوں نے بغداد میں اپنی سکونت بنالی اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فقیہ بن کر ابھرے ہیں، ان کی بے شمار تصانیف ہیں، کتب فقہ میں ان کے حوالہ سے بے شمار جزئیات ملتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام ۴/ ۱۹۳، فوائد بہیہ / ۱۳۹، کشف الظنون ۱/ ۴۴۵، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۵۷)

(۲۳) الامام ابوعمر الطبری المتوفی: ۳۴۰ھ

ان کی کنیت ابوعمر ہے، نام محمد بن احمد بن عبدالرحمٰن الطبری ہے، امام ابوسعید بردعی سے فقہ اور تفقہ حاصل فرمایا ہے اور بغداد کے اندر بہت بڑے فقیہ اور امام کے نام سے ان کی شہرت ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو: (فوائد بہیہ/ ۴۶، کشف الظنون ۱/ ۴۴۹)

(۲۴) الامام ابوجعفر الہندوانی المتوفی: ۳۶۲ھ

ان کی کنیت ابوجعفر، نام: محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر البلخی الہندوانی ہے۔ فقہائے احناف میں بلند پایہ کے امام وفقیہ تھے، فقہ وحدیث میں ان کی جلالت شان کی وجہ سے ان کو ابوحنیفہ الصغیر کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، زہد وتقویٰ میں بڑا اونچا مقام رکھتے تھے، مشکل اور پیچیدہ مسائل کو حل کر کے آسان بنا کر فتوی لکھا کرتے تھے، فقیہ ابواللیث سمرقندی جیسے بلند پایہ کے امام وفقیہ وغیرہ نے ان سے فقہ اور تفقہ حاصل فرمایا ہے۔ بخاریٰ میں ۳۶۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ملاحظہ ہو: (فوائد بہیہ/ ۳۳۴، کشف الظنون ۶/ ۳۸)

(۲۵) الامام ابوبکر الجصاص الرازی ۳۰۵-۳۷۰ھ

ان کی کنیت ابوبکر ہے، نام: احمد بن علی الجصاص الرازی ہے، اپنے زمانہ میں مسلک حنفی کے سب سے بڑے فقیہ اور امام تھے، ''احکام القرآن للجصاص'' ان ہی کی تصنیف ہے، بے شمار کتابیں لکھی ہیں، مختصر الکرخی کی شرح اور مختصر الطحاوی کی شرح وغیرہ ان ہی کی ہیں۔
ملاحظہ ہو: (فوائد/۳۶، اعلام ا/۱۷۱، کشف الظنون ا/۸۱)

(۲۶) فقیہ ابواللیث سمرقندی المتوفی: ۳۸۳ھ

یہ بہت بڑے فقیہ اور محدث تھے، ان کے زمانہ میں جب مطلقاً فقیہ بولا جاتا تھا تو ان ہی کا نام مراد ہوتا تھا، ان کا نام: نصر بن محمد بن ابراہیم السمر قندی الحنفی ہے۔ اور ان کی بہت ساری تصانیف ہیں۔ ''کتاب النوازل''، ''کتاب العیوب''، ''کتاب الفتاوی''، ''خزانۃ الفقہ''، ''بستان العارفین''، ''تنبیہ الغافلین'' وغیرہ ان کی مشہور تصانیف میں سے ہیں۔
ملاحظہ ہو: (فوائد بہیہ/۲۹۰)

(۲۷) الامام ابوبکر الخوارزمی المتوفی: ۴۰۳ھ

ان کی کنیت ابوبکر ہے، نام: محمد بن موسیٰ بن محمد الخوارزمی، اعلیٰ درجہ کے ثقہ اور بلند پایہ کے فقیہ تھے، ابوبکر جصاص سے فقہ اور تفقہ حاصل کیا، ورع اور تقویٰ میں بلند مقام رکھتے تھے۔ ملاحظہ ہو: (فوائد بہیہ/۲۶۴)

(۲۸) الامام ابوالحسین المتوفی: ۴۲۸ھ

ان کی کنیت ابوالحسین، نام: احمد بن محمد الحنفی ہے، اپنے زمانہ کے بہت بڑے فقیہ اور محدث تھے، انہوں نے ان تمام مسائل کو ایک جگہ جمع فرمایا ہے، جن میں امام شافعیؒ کا اختلاف رہا ہے۔ اور ''کتاب تجرید القدوری'' ان ہی کی لکھی ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو: (مقدمہ تاتارخانیہ ا/۱۰۷، فوائد البہیہ/۴۰، کشف الظنون ا/۳۵۳)

(۲۹) الامام ابوزید الدبوسی المتوفی: ۴۳۰ھ

ان کی کنیت ابو زید ہے۔ اوراسی سے زیادہ مشہور ہیں، نام: عبداللہ بن عمر بن عیسیٰ الحنفی ہے۔ بعض لوگوں نے ان کے نام میں اختلاف بھی کیا ہے،اصول دبوسی ان ہی کی طرف منسوب ہے۔ اورامام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان میں جن مسائل میں اختلاف ہے، ان پر ان کی بڑی نظر تھی، اسی طرح امام مالک، امام شافعی اور حنفیہ کے درمیان جن مسائل پر اختلاف ہے، ان پران کی بڑی نظر رہی ہے، بخاریٰ میں ان کی وفات ہوئی ہے۔
ملاحظہ ہو: (الاعلام۴/ ۱۰۹، فوائد بہیہ/ ۱۴۰، البدایہ والنہایہ۱۲/ ۱۴۶)

(۳۰) الامام شمس الائمہ الحلوانی المتوفی: ۴۴۸ھ

ان کی کنیت ابومحمد ہے، نام: عبدالعزیز بن نصر بن صالح، الحلوانی البخاری ہے۔ اور شمس الائمہ کے لقب سے مشہور ہیں، فقہاء احناف میں بلند پایہ اور مشہور ترین فقیہ ہیں، فقہی جزئیات میں ان کی بات حجت شرعی کا درجہ رکھتی ہے، کتب فقہ میں بے شمار جزئیات ان ہی کی طرف منسوب ہیں، بڑے بڑے فقہاء نے ان سے فقہ اور تفقہ حاصل فرمایا ہے، جیسے شمس الائمہ سرخسی اور شمس الائمہ بکر الزرنجری وغیرہ ہیں۔ ملاحظہ ہو: (فوائد بہیہ/ ۱۲۲، الاعلام۴/ ۱۳، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۵۹)

(۳۱) الامام فخر الاسلام بزدوی ۴۰۰-۴۸۲ھ

ان کی کنیت ابوالحسن، نام: علی بن محمد بن الحسین بن عبدالکریم، لقب: فخر الاسلام ہے، اکابر فقہائے احناف میں ان کا شمار ہے، فقہ اور اصول فقہ میں ان کا بلند مقام رہا ہے اور اصول فقہ میں اصول بزدوی کے نام سے جو کتاب مشہور ہے وہ ان ہی کی ہے۔ ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۱/ ۱۴۵، فوائد بہیہ/ ۱۶۲، الاعلام۴/ ۳۲۸)

(۳۲) الامام صدر الاسلام البزدوی ۴۲۱-۴۹۳ھ

ان کی کنیت ابوالیسر، لقب: صدر الاسلام، نام: محمد بن محمد بن الحسین الکریم البزدوی،

فخر الاسلام بزدوی کے بھائی ہیں، سمرقند میں منصب قضاء پر فائز تھے اور ماوراء النہر کے علاقہ میں ان ہی کی شہرت رہی ہے۔ امام الائمہ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ بخاریٰ ہی میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ ملاحظہ: (فوائد بہیہ/ ۲۴۶، ۱۹۳، الاعلام ۷/ ۲۲)

(۳۳) الامام نجم الدین نسفی المتوفی: ۵۳۷ھ

ان کا نام: نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد بن احمد بن اسماعیل النسفی ہے، ان کو مفتی الثقلین کہا جاتا تھا، "کنز الدقائق" ان ہی کی کتاب ہے۔ ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/ ۲۲۰، الاعلام ۵/ ۶۰، فوائد بہیہ/ ۱۹۳)

(۳۴) امام طاہر بن احمد المتوفی: ۵۴۲ھ

یہ اپنے زمانہ کے بلند پایہ کے فقیہ اور محدث تھے، ان کی بہت ساری کتابیں ہیں۔ "خلاصۃ الفتاوی" ان ہی کی تصنیف ہے، اسی طرح "خزانۃ الواقعات"، "کتاب النصاب" وغیرہ آپ ہی کی تالیفات میں سے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے: (کشف الظنون ۱/ ۱۵۵، مقدمہ تاتارخانیہ ۱۶۹)

(۳۵) الامام الکرمانی ۴۵۷-۵۴۳ھ

ان کی کنیت ابوالفضل اور لقب: رکن الدین، نام: امام ابوعبدالرحمٰن بن محمد بن امیرویٔ الکرمانی الحنفی ہے۔ ان کو خراسان کے علاقہ میں ریاست الحنفیہ اور ریاست المذہب کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، اس لئے کہ ان کے فتاویٰ کے بعد پھر کسی کے فتویٰ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی اور ان کی بے شمار تصانیف بھی ہیں۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام ۳/ ۳۲۷، کشف الظنون ۵/ ۴۲۲، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۶۰)

(۳۶) الامام سراج الدین العوشی

ان کا نام علی بن عثمان بن محمد سراج الدین العوشی ہے۔ "الفتاوی السراجیہ" کے مصنف یہی ہیں، ان کی تاریخ ولادت اور وفات کی صراحت نہ مل سکی؛ لیکن ۵۶۹ھ میں فتاوی

سراجیہ کی تصنیف سے فراغت کی بات ملتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ۵۶۹ھ کے بعد ہی ان کی وفات ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/ ۱۲۱۵، الاعلام ۴/ ۳۱۰)

(۳۷) امام ابونصر احمد بن محمد المتوفی: ۵۸۶ھ

یہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے فقیہ اور محدث ہیں، ان کا نام احمد بن محمد العتابی البخاری الحنفی ہے، ان کی کتاب ''الفتاوی العتابیہ'' بہت مشہور کتاب ہے، فقہی جزئیات کی بنیادی کتاب ہے اور زیادات الزیادات کی شرح اور جامع الکبیر اور جامع الصغیر کی شرح بھی ان ہی کی کتاب ہے۔ ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۱/ ۴۴۸، فوائد بہیہ/ ۴۸)

(۳۸) امام علاؤالدین الکاسانی المتوفی: ۵۸۷ھ

ملک العلماء کے نام سے مشہور تھے۔ امام علاؤ الدین سمرقندی کی کتاب ''تحفۃ الفقہاء'' کی شرح لکھی ہے، جو ''بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع'' کے نام سے فقہ حنفی کی مشہور ترین کتاب ہے، ان کا عجیب واقعہ ہے کہ امام علاؤالدین سمرقندی سلطنت اسلامی کے سب سے بڑے مفتی تھے اور ان کی بیٹی فاطمہ بھی بہت بڑی فقیہہ تھیں، ان سے نکاح کے لئے بلاد اسلام کے بڑے بڑے شہزادوں کی طرف سے پیغامات آچکے ہیں، مگر جب امام علاؤ الدین کاسانی نے ''بدائع الصنائع'' لکھی تو فاطمہ کا نکاح علاؤ الدین کاسانی کے ساتھ کردیا گیا اور مہر میں ''بدائع الصنائع'' کا ایک نسخہ دیا گیا اور ان کی وفات عجیب وغریب انداز سے ہوئی، جب موت کا وقت آیا تو سورہ ابراہیم پڑھنے لگے ''يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ'' اس آیت شریفہ کے پڑھتے وقت ان کی روح نکلی ہے۔ ملاحظہ ہو: (فوائد بہیہ/ ۶۹، الاعلام ۲/ ۷۰، کشف الظنون ۱/ ۳۱۶، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۶۱)

(۳۹) الامام فخر الدین قاضی خان المتوفی: ۵۹۲ھ

ان کا لقب: قاضی خان، نام: امام فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی الفرغانی الحنفی ہے۔ ان کی بہت ساری کتابوں میں سے ان کی کتاب ''فتاوی قاضی خان'' ان کے زمانہ سے

لے کر آج تک فقہاء کے ہاتھوں میں چلی آرہی ہے، جس میں بے شمار جزئیات ہیں، فقہ حنفی کی مقبول اور بنیادی کتاب ہے۔ ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/ ۲۱۸، الاعلام ۲/ ۲۲۴، فوائد بہیہ/ ۸۴)

(۴۰) امام مرغینانی المتوفی: ۵۹۳ھ

ان کا نام: برہان الدین علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل الفرغانی المرغینانی الحنفی ہے۔ فقہ حنفی کے بہت بلند پایہ کے امام وفقیہ اور حافظ حدیث ہیں، ان کے بارے میں کہا جاتا ہے:

كان إماما، فقيها، حافظا، محدثا، مفسرا، جامعا للعلوم ضابطا للفنون، زاهدا، ورعا، أصوليا.

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''الہدایہ'' ان ہی کی تصنیف ہے۔ ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/ ۸۱۶، فوائد بہیہ/ ۱۸۲)

(۴۱) الامام ابوالحسن الرازی المتوفی: ۵۹۸ھ

ان کی کنیت ابوالحسن اور حسام الدین لقب ہے، نام: علی بن احمد بن کلی الرازی ہے، فقہاء احناف کے بلند پایہ کے فقیہ اور امام ہیں، ان کی بہت ساری تصانیف ہیں، دمشق میں ان کی وفات ہوئی۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام ۴/ ۲۵۶، کشف الظنون ۲/ ۵۲۱، فوائد بہیہ/ ۱۵۳، مقدمہ تاتارخانیہ ۶۱)

(۴۲) الامام محمود بن احمد المتوفی: ۶۱۶ھ

امام محمود بن احمد بن عبد العزیز بن عمر بن مازہ البخاری الحنفی، یہ کبار ائمہ احناف میں سے ہیں۔ ''المحیط البرہانی'' ان ہی کی کتاب ہے۔ اور یہی صاحب ذخیرہ بھی ہیں۔ ''المحیط البرہانی'' کا اختصار کرکے ''ذخیرۃ الفتاوی'' کے نام سے مرتب فرمایا تھا۔ ملاحظہ ہو: (فوائد بہیہ/ ۲۶۹، ۳۳۴، کشف الظنون ۲/ ۵۱۱، ۱/ ۶۲۱، الاعلام ۷/ ۱۶۱)

(۴۳) الامام ظہیر الدین بخاری المتوفی ۶۱۹ھ

ان کی کنیت ابوبکر ہے، لقب: ظہیر الدین، نام: محمد بن احمد البخاری الحنفی ہے، ان کی

بہت ساری کتابیں ہیں۔ ''واقعات الفتاویٰ''، ''النوازل'' اور'' الفتاوی الظہیر یہ'' ان ہی کی کتابیں ہیں۔ ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/ ۲۱۷، فوائد بہیہ/۲۰۳)

(۴۴) الامام ناصر الدین سمرقندی المتوفی: ۶۵۶ھ

ان کی کنیت ابو القاسم ہے، ناصر الدین لقب ہے، نام: محمد بن یوسف السمر قندی ہے، ان کی وفات کے بارے میں اختلاف ہے، ایک قول کے مطابق ۶۵۶ھ اور دوسرے کے مطابق ۵۵۶ھ ہے۔ ''جامع الفتاویٰ''، ''الملتقط'' اور ''خلاصۃ المفتی'' وغیرہ ان ہی کی کتابیں ہیں۔ ملاحظہ ہو: (فوائد بہیہ/ ۲۸۹، کشف الظنون ۲/۴ ۶۵، مقدمہ تاتارخانیہ/۱۷۰)

(۴۵) امام جلال الدین الخبازی ۶۲۹-۶۹۱ھ

ان کی کنیت ابو محمد، لقب: جلال الدین، نام: عمر بن محمد بن عمر الخبازی الجرجندی ہے، ملک شام کے سب سے بڑے فقیہ اور امام تھے، زہد وتقویٰ میں بلند مقام رکھتے تھے۔ ملاحظہ ہو: (فوائد بہیہ/ ۱۹۵، کشف الظنون ۵/ ۶۲۸، الاعلام/ ۶۹۵)

(۴۶) الامام فخر الدین زیلعی المتوفی: ۷۴۳ھ

ان کی کنیت ابو محمد، لقب: فخر الدین، نام: عثمان بن علی بن محجن الزیلعی الحنفی ہے۔ مسلک حنفی کے مشہور ترین فقیہ ہیں۔ ''کنز الدقائق'' کی شرح ''تبیین الحقائق'' ان ہی کی تصنیف ہے۔ ۷۴۳ھ میں قاہرہ میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ (ملاحظہ ہو: (الاعلام ۴/ ۲۱۰، کشف الظنون ۵/ ۱۲۷، فوائد بہیہ/ ۱۵۰، مقدمہ تاتارخانیہ/۶۲)

(۴۷) الامام تاج الشریعہ المتوفی: ۶۷۳ھ

ان کا نام: محمود بن صدر الشریعہ، صاحب شرح وقایہ عبید اللہ بن تاج الشریعہ کے دادا ہیں اور ''الوقایہ'' ان ہی کی کتاب ہے۔ ملاحظہ ہو: (فوائد بہیہ/۲۷۲)

(۴۸) الامام البابرتی ۷۱۴-۷۸۶ھ

ان کی کنیت ابوعبداللہ، لقب: اکمل الدین، نام: محمد بن محمد بن محمود البابرتی ہے، بہت بڑے امام، محقق مدقق اور بلند پایہ کے فقیہ تھے، ان کے زمانہ میں ان جیسے فقیہ اور محدث دوسرے نہیں تھے، فقہ حنفی کے امام تھے، ہر فن کے ماہر تھے، ان کی بہت ساری تصانیف ہیں۔
ملاحظہ ہو: (فوائد بہیہ/ ۲۵۶، الاعلام ۷/ ۴۲، کشف الظنون ۲/ ۸۱۹)

(۴۹) امام بزازی المتوفی: ۸۲۷ھ

ان کا لقب: حافظ الدین، نام: محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری البریقینی الخوارزمی الحنفی ہے، اپنے زمانہ میں آپ سب سے بڑے فقیہ تھے، ان کی بات کو زمانہ کے ہر فقیہ تسلیم کرتے تھے، بزازی کے نام سے مشہور ہیں۔ ''فتاوی بزازیہ'' ان ہی کی تصنیف ہے۔ ۸۲۷ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۶/ ۱۴۸، فوائد بہیہ/ ۲۴۵، الاعلام ۴/ ۴۵)

(۵۰) محقق ابن ہمام ۷۹۰-۷۶۱ھ

ابن الہمام سے مشہور ہیں، ان کا نام: کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید بن مسعود السیواسی الاسکندری ہے، انہوں نے ہدایہ سراج الدین سے پڑھی جو قاری الہدایہ کے نام سے مشہور تھے، آپ کے بارے میں یہ الفاظ منقول ہیں:

كان إماما، نظارا فاهما على البحث، فروعيا أصوليا، محدثا، مفسرا، حافظا، نحويا، كلاميا، منطقيا، جدليا.

ہدایہ کی مشہور ومعروف شرح ''فتح القدیر''، ''للعاجز الفقیر'' ان ہی کی تصنیف ہے، جو پوری دنیا میں مقبول اور مشہور ہے۔ ملاحظہ ہو: (فوائد البہیہ ۲۳۵، کشف الظنون ۶/ ۱۰۷، الاعلام ۶/ ۲۵۵)

(۵۱) الامام ابن کمال باشا المتوفی: ۹۴۰ھ

حدیث وفقہ کے کبار علماء میں ان کا شمار ہوتا تھا، ابن کمال باشا سے مشہور تھے، ان کا

نام: احمد بن سلیمان بن کمال باشا ہے، ان کی مشہور تصانیف میں ''طبقات الفقہاء''، ''طبقات المجتہدین'' اور ''مجموعہ رسائل'' ہیں۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام ۱/۱۳۳، کشف الظنون ۵/ ۱۱۷، فوائد البہیہ ۲۸)

(۵۲) الامام چلپی المتوفی: ۹۴۷ھ

ان کی کنیت ابو العباس اور لقب: شیخ الاسلام، نام شہاب الدین احمد بن یونس بن محمد ہے۔ آپ چلپی کے نام سے مشہور ہیں، ان کی مشہور تصنیف ہے: ''حاشیہ چلپی''۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام ۱/ ۲۷۶، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۶۵)

(۵۳) الامام ابراہیم الحلبی المتوفی: ۹۵۶ھ

ان کا نام: ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحلبی، الحنفی ہے، حلب میں مفتی کے منصب پر فائز تھے، بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں چند کے نام درج ذیل ہیں: "غنية المستلمي" شرح منية المصلي، ''ملتقى الأبحر"، شرح ألفية العراقي. اور قسطنطنیہ میں ۹۵۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام ۱/ ۶۶، کشف الظنون ۵/۲۵)

(۵۴) الامام الفقیہ ابن نجیم المصری ۹۲۶-۹۷۰ھ

ابن نجیم مصری کے نام سے شہرت رکھتے ہیں، ان کا نام: زین الدین بن ابراہیم بن محمد بن محمد بن ابی بکر ہے۔ فقہ حنفی کے کبار علماء میں آپ کا شمار ہے، فقہ حنفی کی مشہور و متداول کتاب ''البحر الرائق''، ''الاشباہ والنظائر'' وغیرہ کے مصنف ہیں۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام ۳/۶۴، کشف الظنون ۵/۳۱۰)

(۵۵) الامام التمرتاشی ۹۳۹-۱۰۰۴ھ

ان کا نام: شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد الخطیب العمری التمرتاشی الغزوی الحنفی ہے۔ آپ اپنے زمانہ میں غزہ کے شیخ الحنفیہ تھے، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''تنویر الابصار'' آپ کی ہی تالیف ہے، جو ''الدر المختار'' کا متن ہے، اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری تصانیف ہیں۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام ۶/ ۲۳۹، کشف الظنون ۱/۴۰۴)

(۵۶) الملاعلی قاری المتوفی:۱۰۱۴ھ

فقہ حنفی کے مشہور فقیہ اور محدث ہیں۔ان کا نام: نورالدین علی بن سلطان محمد القاری الہروی الحنفی ہے۔آپ نے ابوالحسن البکری، احمد بن حجر المکی، عبداللہ سندھی وغیرہ کبار علماء سے علم فقہ اور علم حدیث حاصل کیا، تقریباً ہزار کتابوں کے مؤلف ہیں، جس میں سے چند مشہور کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

مرقاۃ شرح المشکاۃ، شرح النخبۃ ، المناسک، شرح النقایہ اور شرح الشفاء وغیرہ۔

ملاحظہ ہو: (فوائد البہیہ/۱۲، الاعلام ۵/۱۲، کشف الظنون ۵/۶۰۰)

(۵۷) الامام الشرنبلالی المتوفی:۱۰۶۹ھ

ان کا نام: حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی المصری ہے، آپ اپنے زمانہ میں اہل فتویٰ کے مرجع تھے، آپ کی مشہور تصانیف میں سے درس نظامی میں پڑھائی جانے والی کتاب ”نور الایضاح“ ہے، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی تصنیفیں آپ کے زیر قلم آئیں، مثلاً ”مراقی الفلاح“ شرح منظومہ ابن وہبان وغیرہ۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام ۲/۲۰۸، کشف الظنون ۲/ ۸۷۷)

(۵۸) الامام شیخی زادہ المتوفی:۱۰۷۸ھ

شیخی زادہ کے نام سے مشہور ہیں، ان کا نام: امام عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان الکلبیولی ہے، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ”مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر“ ان ہی کی تصنیف ہے۔ ملاحظہ ہو:

(کشف الظنون ۵/۴۴۵، الاعلام ۳/۳۳۲)

(۵۹) الامام الحصکفی ۱۰۲۵-۱۰۸۸ھ

علاؤالدین حصکفی کے نام سے مشہور ہیں اور انہیں ”عمدۃ الفقہاء“ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، ان کا نام محمد بن علی بن محمد الحصکفی ہے، دمشق میں مفتی کے منصب پر فائز تھے، کثیر التصانیف ہیں، آپ کی چند مشہور تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

الدرالمختار فی شرح تنویر الابصار، الدرالمنتقی فی شرح الملتقی، خزائن الاسرار وغیرہ۔

دمشق میں ۱۰۸۸ھ میں وفات پائی۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام ۶/۲۹۴، کشف الظنون ۶/۲۳۲)

(۶۰) الامام الطحطاوی المتوفی:۱۲۳۱ھ

ان کا نام: احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاوی ہے، مصر میں اسیوط کے قریب طحطا گاؤں میں پیدا ہوئے اوراز ہر سے علم حاصل کیا، آپ کی مشہور تصنیف ''حاشیۃ الطحطاوی علی الدر'' اور ''حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح'' ہے۔ قاہرہ میں ۱۲۳۱ھ میں رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

ملاحظہ ہو: (الاعلام ۱/ ۲۴۵، کشف الظنون ۵/۱۵۲، مقدمہ تاتارخانیہ)

(۶۱) الامام ابن عابدین ۱۱۹۸-۱۲۵۲ھ

اپنے زمانہ کے فقہ حنفی کے امام شمار کئے جاتے تھے، ان کا نام محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز بن عابدین الدمشقی ہے، فقہ حنفی کی شہرۂ آفاق کتاب ''حاشیہ درمختار'' جوفتاوی شامی کے نام سے موسوم ہے، ان ہی کی تصنیف ہے اور آج کے زمانہ میں تمام مفتیوں کا مرجع یہی کتاب ہے، اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری کتابیں آپ نے تصنیف کی ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(کشف الظنون ۶/ ۲۸۶، الاعلام ۶/ ۴۲، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۶۹)

(۶۲) الامام علاؤالدین ابن عابدین ۱۲۴۴-۱۳۰۶ھ

آپ علامہ ابن عابدین شامی کے بیٹے ہیں، ان کا نام: محمد علاؤالدین بن محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز بن عابدین الحسینی الدمشقی ہے۔ دمشق میں ۱۳۰۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی، ''قرۃ عیون الاخیار علی الدر المختار'' ان ہی کی تصنیف ہے۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام ۶/ ۲۷۰، کشف الظنون ۴/ ۱۵۶)

(۶۳) الامام الرافعی ۱۲۴۸-۱۳۲۳ھ

ان کا نام: عبدالقادر بن مصطفیٰ بن عبدالقادر البیساری الرافعی الطرابلسی الشامی ہے، دیارمصر میں مفتی کے منصب پر فائز تھے، ازہر میں علم حاصل کیا اور فقہ حنفی میں شہرت پائی، یہاں تک کہ آپ کو ابوحنیفہ الصغیر کا لقب دیا گیا، ان کا شمار احناف کے فقہاء متاخرین میں ہے، ''تقریرات رافعی'' ان ہی کی تصنیف ہے۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام ۴/ ۴۶، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۶۹)

الفصل الثالث:

چند اہم محدثین کا تعارف

آج کل کے مفتیان کرام کو جواب فتوی میں فقہی جزئیات کے ساتھ ساتھ حدیثیں بھی لکھنی پڑتی ہیں؛ اس لئے انتہائی مختصر انداز سے چند اہم اور مشہور محدثین کا تعارف پیش کیا جاتا ہے اور ان کی تصنیف کردہ کتب احادیث کی بھی نشاندہی کی جاتی ہے، ممکن ہے کہ ناظرین کو کچھ فائدہ پہنچ جائے جو نمبروار حسب ذیل ہیں:

(۱) الامام علقمہ بن قیس المتوفی: ۶۲ھ

ان کی کنیت ابوشبل، نام: علقمہ بن قیس بن عبداللہ بن مالک النخعی الکوفی ہے، آپ کبار تابعین میں سے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ کی پیدائش ہوئی، بہت سے صحابہ سے آپ کو احادیث حاصل کرنے کا شرف حاصل ہے، مثلاً حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی، عبداللہ بن مسعود اور سلمان فارسی رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ، آپ ثقہ، متقی، حافظ اور کثیر الاحادیث ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد ہیں، کوفہ میں ۶۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ ملاحظہ ہو: (طبقات ابن سعد ۶/ ۱۴۶، ۱۵۲، رقم: ۱۹۸۲، تہذیب التہذیب ۵/ ۶۴۲، رقم: ۴۸۲۰، الاعلام ۴/ ۲۴۸، مقدمہ تاتارخانیہ ۷۰)

(۲) الامام عبیدۃ السلمانی المتوفی: ۷۲ھ

ان کی کنیت ابوعمر، نام: عبیدۃ بن عمر اور بعض لوگوں نے کہا: عبیدۃ بن قیس بن عمر السلمانی المرادی الکوفی ہے۔ فتح مکہ کے سال مشرف بہ اسلام ہوئے؛ لیکن شرف صحابیت حاصل نہ ہوسکا (ایسے حضرات کو مخضرمی کہا جاتا ہے) آپ اپنی قوم کے سردار تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینۃ المنورہ ہجرت فرمائی اور بہت ساری جنگوں میں حصہ لیا،

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی اور حضرت عبداللہ ابن الزبیر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے علم حدیث حاصل کیا، شعبی فرماتے ہیں کہ آپ قاضی شریح کے ہم پلہ تھے اور قاضی شریح بھی مخضرمی تھے؛ لہٰذا جب کوئی مشکل امر ہوتا تو قاضی شریح آپ سے رابطہ قائم کرتے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ، بیہقی اور مصنف عبدالرزاق میں آپ کی روایات وآثار موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو: (البدایہ والنہایہ ۸/ ۳۲۸، الاعلام ۴/ ۱۹۹ تہذیب التہذیب ۵/ ۴۴۴، رقم: ۴۵۴۶، الطبقات الکبریٰ ۲/ ۱۵۲، رقم: ۱۹۸۲، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۷۰)

(۳) القاضی شریح المتوفی: ۷۸ھ

ان کی کنیت ابوامیہ، نام: شریح بن الحارث بن قیس بن الجہم بن معاویہ بن عامر الکندی الکوفی القاضی ہے۔ اسلام کے اول دور کے قاضی اور فقہاء میں آپ کا شمار ہے، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے دور خلافت میں تقریباً ستر سال تک منصب قضاء کی ذمہ داری پر فائز رہے۔ اور حجاج کے زمانہ میں آپ نے اس عہدہ سے استعفیٰ دے دیا، آپ حدیث میں ثقہ اور قضاء میں مامون تھے، ادب اور شاعری میں آپ کو مہارت تھی۔ ملاحظہ ہو: (البدایہ والنہایہ ۹/ ۲۲، الاعلام ۳/ ۱۶۱، تہذیب التہذیب ۳/ ۶۱۶، رقم: ۲۸۵۱، الطبقات الکبریٰ ۶/ ۱۸۲، رقم: ۲۰۲۵، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۷۱)

(۴) الامام محمد بن الحنفیہ ۱۶-۸۱ھ

کنیت ابوالقاسم، نام: محمد بن علی بن ابی طالب الہاشمی المدنی ہے، آپ ابن الحنفیہ کے نام سے مشہور تھے، آپ کی والدہ کا نام خولہ بنت جعفر بن قیس ہے، جو قبیلہ بنی حنیفہ سے تعلق رکھتی تھیں، آپ کی اولادوں میں عبداللہ، حمزہ، علی، جعفر الاکبر، حسن، ابراہیم، قاسم عبدالرحمٰن، جعفر الاصغر، عون اور رقیہ ہیں۔ حافظ الحدیث تھے، چنانچہ بڑے بڑے محدثین نے آپ سے روایات کی ہیں۔ ملاحظہ ہو: (البدایہ والنہایہ ۹/ ۳۸، طبقات ابن سعد ۵/ ۶۷-۸۸، رقم: ۶۸۰، تہذیب التہذیب ۷/ ۳۳۳، رقم: ۶۴۰۹)

(۵) الامام ابراہیم التیمی المتوفی: ۹۲ھ

ان کی کنیت ابواسماء، نام: ابراہیم بن یزید بن شریک الیتمی الکوفی ہے، آپ حافظ الحدیث اور ثقہ تھے، ان کے قید ہونے کا عجیب واقعہ منقول ہے، ظالمِ زمانہ حجاج بن یوسف نے ابراہیم نخعی کو طلب کیا، تو آپ اس کے دربار میں تشریف لے گئے، حجاج نے کہا: ابراہیم ہے، تو جواب میں ابراہیم التیمی نے کہا: میں ابراہیم ہوں، چنانچہ انہیں گرفتار کرلیا گیا، جب کہ آپ یہ جانتے تھے کہ وہ ابراہیم النخعی کا متلاشی ہے؛ لیکن آپ کی غیرت یہ گوارہ نہ کرسکی کہ ان کو ابراہیم نخعی کا پتہ بتلا دیں؛ لہٰذا آپ کو گرفتار کرکے حجاج کے پاس لایا گیا اور دیماس یعنی حمام میں آپ کو قید کردیا گیا، جہاں دھوپ نہیں آتی تھی اور سردی سے بچاؤ کا کوئی سامان مہیا نہ تھا، جس بنا پر آپ کی قید خانہ میں ہی وفات ہوگئی، اس رات حجاج نے خواب میں دیکھا کہ ایک منادی لگانے والا کہہ رہا ہے کہ آج کی رات ایک جنتی شخص اس دار فانی سے دارالبقاء کو کوچ کرگیا۔ صحیح تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ وہ ابراہیم التیمی تھے۔ ملاحظہ ہو: (الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۶/۲۹۱، رقم: ۲۳۲۶، تہذیب التہذیب ۱/۱۹۳، رقم: ۲۹۲)

(۶) الامام عروہ بن الزبیر ۲۲-۹۳ھ

ان کی کنیت ابوعبداللہ، نام: عروہ بن الزبیر بن العوام الاسدی القرشی ہے، مدینۃ المنورہ کے مشہور فقہاء سبعہ میں آپ کا شمار ہے، عالم دین، نیک، پاکباز تھے، آپ کا شمار کبار تابعین میں ہے، آپ کبھی کسی فتنہ کا حصہ نہ بنے، چنانچہ آپ نے اولاً بصرہ کا رخ کیا، پھر مصر گئے اور وہاں سے مدینۃ المنورہ تشریف لائے، کثیر الاحادیث، عالم، مامون، ثابت اور حجۃ تھے، آپ کی تاریخ وفات کے متعلق مختلف اقوال ملتے ہیں، مثلاً: ۹۱، ۹۲، ۹۵، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱ھ۔ ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب ۵/۵۴۳، رقم: ۶۹۶، الطبقات الکبریٰ ۵/۱۴۱، رقم: ۱۷۳۴، الاعلام ۴/۲۲۶، البدایہ والنہایہ ۹/۱۰۱، مقدمہ تاتارخانیہ ۲/۷۲)

(۷) الامام سعید بن المسیب ۱۳-۹۴ھ

ان کی کنیت ابومحمد، نام: سعید بن المسیب بن حزن بن ابی وہب بن عائذ بن عمران بن مخزوم القرشی المخزومی ہے۔ آپ سید التابعین اور مدینۃ المنورہ کے فقہاء میں سے ایک ہیں۔ حدیث وفقہ اور زہد وتقویٰ کے جامع تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے احکام کے جامع تھے، بہت سے اکابر واصاغر صحابہ سے روایات کیں، مثلاً حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، سعد بن ابی وقاص، حکیم بن حزام رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ۔ ملاحظہ ہو: (البدایہ والنہایہ۹/ ۹۹،تہذیب التہذیب۳/۷۲/۳،الاعلام۳/۱۰۲،مقدمہ تاتارخانیہ۷۲)

(۸) الامام سعید بن جبیر ۴۵-۹۵ھ

ان کی کنیت ابوعبداللہ، نام: سعید بن جبیر بن ہشام الاسدی الوالبی الکوفی ہے، اجلۂ تابعین میں آپ کا شمار ہے، آپ تابعین میں ذی علم شمار ہوتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے علم حدیث حاصل کیا ہے، آپ ہر سال حج وعمرہ کیا کرتے تھے۔ حجاج بن یوسف ظالم نے آپ کو شہید کیا۔ ملاحظہ ہو: (البدایہ والنہایہ۹/ ۶۹،الاعلام۳/۹۳، تہذیب التہذیب۳/ ۳۰۶، رقم: ۲۳۵۲،الطبقات الکبریٰ۶/ ۲۶۷، رقم: ۲۳۱۷،مقدمہ تاتارخانیہ۳/۷)

(۹) الامام ابراہیم النخعیؒ ۴۶-۹۶ھ

ان کی کنیت ابوعمران، نام: ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود بن عمرو بن ربیعہ النخعی الکوفی ہے، کبار تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے، حافظ الحدیث اور عراق کے فقیہ تھے، آپ امامت واجتہاد کے منصب پر فائز تھے، آپ سے سلیمان بن مہران الاعمش، منصور بن المعتمر اور حماد بن ابی سلیمان جیسے مشہور فقہاء نے علم حدیث وعلم فقہ حاصل کیا۔ ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب۱/۱۹۴، رقم: ۲۹۳،طبقات ابن سعد۶/ ۲۷۹، رقم: ۲۳۲۵،الاعلام۱/ ۸۰،مقدمہ تاتارخانیہ۴/۷)

(۱۰) الامام عمر بن عبدالعزیز ۶۱-۱۰۱ھ

کنیت ابوحفص، لقب: امیرالمومنین، نام عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکم الاموی

القرشی ہے۔ پاک طینت خلیفہ اور عادل بادشاہ تھے، آپ کے عدل وانصاف اور زہد وتقویٰ کی وجہ سے آپ کو پانچویں خلیفہ راشد ہونے کا شرف حاصل ہے، آپ خلیفہ ہونے کے ساتھ ساتھ علم دوست بھی تھے۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام ۵/ ۵۰، البدایہ والنہایہ ۹/ ۱۹۲، تہذیب التہذیب ۶/ ۸۱، رقم: ۵۰۹۸، طبقات ابن سعد ۵/ ۵۲۳، رقم: ۹۹۵)

(۱۱) الامام الشعبیؒ ۱۹-۱۰۳ھ

ان کی کنیت ابو عامر، نام: عامر بن شراحیل بن عبد ہے، جب کہ بعض لوگوں نے ان کا نام عامر بن عبداللہ بن شراحیل الشعبی الحمیری الکوفی الہمدانی بتایا ہے۔ آپ کا شمار کبار تابعین اور بڑے بڑے حفاظ حدیث میں ہوتا ہے، آپ کا قوت حافظہ ضرب المثل تھا، آپ علم حدیث میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے، ثقہ تھے، صحابہ اور تابعین کی معتد بہ جماعت سے علم حدیث حاصل کرنے کا آپ کو شرف حاصل ہے، ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب ۴/ ۱۵۶، رقم: ۳۷۵۵، الطبقات الکبری ۶/ ۲۵۹، رقم: ۲۳۱۶، البدایہ والنہایہ ۹/ ۲۳۰، الاعلام ۳/ ۲۵۱)

(۱۲) الامام مجاہد بن جبرؒ ۲۱-۱۰۴ھ

ان کی کنیت ابو الحجاج، نام: مجاہد بن جبر المخزومی المقری ہے، آپ کا شمار کبار تابعین میں ہوتا تھا اور مکہ میں تفسیر کرتے تھے، ذہبی ان کے متعلق فرماتے ہیں:

هو شيخ القراء والمفسرين.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے علم تفسیر حاصل کیا، بڑے بڑے محدثین اور حفاظ حدیث میں آپ کا شمار تھا، اور آپ سے بڑے بڑے محدثین نے علم حدیث حاصل کیا، سجدہ کی حالت میں ۱۰۴ھ میں دار فانی سے دار البقاء کی طرف کوچ کر گئے۔ ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب ۸/ ۴۸، رقم: ۶۷۴۵، الطبقات الکبریٰ ۶/ ۱۹، رقم: ۱۵۴۱، البدایہ والنہایہ ۹/ ۲۲۴، الاعلام ۵/ ۲۷۸، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۶۵)

(۱۳) الامام عکرمہؒ ۲۵-۱۰۵ھ

ان کی کنیت ابوعبداللہ اور نام عکرمہ بن عبداللہ البربری المدنی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، کبار تابعین میں آپ کا شمار تھا، علم تفسیر اور مغازی پر دسترس رکھتے تھے، مختلف شہروں کے سفر کئے، مثلاً افریقہ، یمن، شام، عراق، خراسان وغیرہ۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علم حدیث حاصل کیا، جیسے حضرت عبداللہ بن عباس، علی بن ابی طالب، حسن بن علی، ابوہریرہ، ابن عمرو رضی اللہ عنہم وغیرہ، تقریباً ایسے سو افراد نے آپ سے علم حدیث حاصل کیا، جن میں ستر کے قریب تابعین ہیں۔ ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب ۵/ ۶۳۰، رقم: ۴۸۱۲، الاعلام ۴/ ۲۴۴، البدایہ والنہایہ ۹/ ۲۴۴)

(۱۴) الامام سالم بن عبداللہ المتوفی: ۱۰۶ھ

ان کی کنیت ابوعبداللہ اور نام: سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب العدوی المدنی القرشی ہے، مدینۃ المنورہ کے مشہور فقہاء سبعہ میں سے ایک ہیں، آپ کا شمار سادات تابعین، علماء اور ثقہ لوگوں میں ہے۔ آپ سے ایک وافر مقدار میں تابعین اور حفاظ حدیث نے علم حدیث حاصل کیا۔ سلیمان بن عبدالملک آپ کا بہت اعزاز واکرام کیا کرتا تھا، یہاں تک کہ آپ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا کرتا تھا۔ ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب ۳/ ۲۴۸، رقم: ۲۲۵۱، الطبقات الکبریٰ ۵/ ۱۴۹، رقم: ۱۴۱۷، الاعلام ۳/ ۷۱، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۷۶)

(۱۵) الامام طاؤس بن کیسان ۳۳-۱۰۶ھ

ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن اور نام: طاؤس بن کیسان الخولانی الہمدانی الحمیری الیمانی ہے۔ اکابر تابعین، حافظ حدیث اور فقیہ فی الدین میں آپ کا شمار ہے، خلفاء وبادشاہوں کو غلط کاموں پر ٹوکنے میں جری تھے۔ عبادت، زہد وتقوی، علم نافع اور عمل صالح کے جامع تھے۔ ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب ۴/ ۱۰۰، رقم: ۳۰۸۹، الطبقات الکبریٰ ۶/ ۶۶، رقم: ۱۷۵۴، البدایہ والنہایہ ۹/ ۲۳۵، الاعلام ۳/ ۲۲۴)

(۱۶) الامام حسن البصریؒ ۲۱-۱۱۰ھ

ان کی کنیت ابوسعید اور نام: حسن بن یسار البصری ہے، آپ زید بن ثابت یا جابر بن عبداللہ کے آزاد کردہ غلام تھے، آپ کی والدہ خیرہ امُّ المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ باندی تھیں، آپ کو امہات المومنین کا رضاعی بیٹا ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی دعا: ''اللهم فقهه في الدين، وحببه إلى الناس'' آپ کے حق میں قبول ہوئی۔ محمد بن سعد آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

كان الحسن جامعا للعلم والعمل، عالما، رفيعا، فقيها، مامونا، ثقة، عابدا، زاهدا، ناسكا، فصيحا، جميلا، وسيما.

ملاحظہ ہو: (البدایہ والنہایہ ۹/ ۲۶۶، الاعلام ۲/ ۲۲۶، تہذیب التہذیب ۲/ ۲۴۶، رقم: ۱۲۸۳، مقدمہ تاتارخانیہ ۷۶-۷۷)

(۱۷) الامام محمد بن سیرین ۳۳-۱۱۰ھ

ان کی کنیت ابوبکر بن ابی عمر اور نام: محمد بن سیرین البصری الانصاری ہے، آپ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے، آپ کے سامنے آکر کسی کی برائی کی جاتی تو آپ اس کی اچھائیوں کا تذکرہ کرتے تھے، آپ بردبار، باوقار، خاموش مزاج، اور اللہ سے ڈرنے والے تھے، آپ کو دیکھ کر لوگوں کو اللہ کی یاد آجاتی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات کا جب وقت قریب آیا تو آپ نے محمد بن سیرین کو غسل دینے کی وصیت فرمائی، آپ کو خواب کی تعبیر پر مکمل دسترس حاصل تھی، آپ کے بارے میں یہ الفاظ منقول ہیں:

وكان ثقة مامونا، عالما، رفيعا، فقيها، إماما، كثير العلم، ورعا.

ملاحظہ ہو: (البدایہ والنہایہ ۹/ ۲۶۷-۲۷۴، الاعلام ۶/ ۱۵۴، تہذیب التہذیب ۷/ ۲۰۰، رقم: ۶۱۸۷، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۷۷)

(۱۸) الامام الحکم بن عتیبہ ۵۰-۱۱۳ھ

ان کی کنیت ابوعبداللہ یا ابوعمرو یا ابومحمد ہے، نام: حکم بن عتیبہ بن النہاس ہے، آپ کا شمار اکابر تابعین ومحدثین میں ہے، بڑے بڑے حفاظ حدیث اور محدثین نے آپ سے علم حدیث حاصل کیا ہے، آپ کے متعلق ابن عیینہ فرماتے ہیں:

ما كان بالكوفة بعد إبراهيم والشعبي مثل الحكم وحماد.

(ابراہیم اور شعبی کے بعد کوفہ میں حکم اور حماد جیسا کوئی پیدا نہ ہوا) ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب ۲/۳۹۴، رقم: ۱۵۱۱، الطبقات الکبریٰ ۶/۳۲۳، رقم: ۲۴۹۶، مقدمہ تاتارخانیہ ۷۷-۷۸)

(۱۹) الامام عطاء بن ابی رباح ۲۷-۱۱۴ھ

ان کی کنیت ابومحمد اور نام: عطاء بن اسلم القرشی المکی ہے، اکابر تابعین، ثقہ اور بلند پایہ کے فقیہ اور کثیر الحدیث تھے، آپ حبشی غلام تھے، یمن میں جند میں پیدائش ہوئی اور مکہ میں نشو ونما پائی، چنانچہ آپ مکہ کے مفتی اور محدث کہلائے، ستر حج کئے، ایام منی میں بنوامیہ کا ایک منادی یہ آواز لگایا کرتا تھا کہ عطاء بن ابی رباح کے علاوہ کوئی اور حج کے مسائل کے بارے میں فتویٰ نہ دے۔ ابوجعفر باقر فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں ان سے بڑا فقیہ کسی کو نہیں پایا۔ ملاحظہ ہو: (البدایہ والنہایہ ۹/ ۳۰۶، الاعلام ۴/ ۲۳۵، تہذیب التہذیب ۵/ ۵۶۷، رقم: ۴۷۲۷، الطبقات الکبریٰ ۶/ ۲۰، رقم: ۱۵۴۲، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۷۸)

(۲۰) الامام نافع مولیٰ بن عمر المتوفی: ۱۱۷ھ

ان کی کنیت ابوعبداللہ اور نام: نافع الفقیہ مولیٰ بن عمر المدنی ہے۔ مدینۃ المنورہ کے ائمۂ تابعین میں آپ کا شمار ہوتا تھا، علم فقہ میں امام، بہت ساری روایتوں کے حافظ اور ثقہ تھے، آپ کی تمام روایات میں کوئی غلطی نہیں ملتی ہے، مجہول النسب تھے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو کسی غزوہ میں ملے اور مدینۃ المنورہ میں آپ کی نشو ونما ہوئی۔ ملاحظہ ہو: (البدایہ والنہایہ ۹/۳۱۹، طبقات ابن سعد ۵/۳۴۲، رقم: ۱۰۴۷، تہذیب التہذیب ۸/۴۷۳، رقم: ۷۳۶۶، الاعلام ۸/۵)

(۲۱) الامام عمرو بن شعیب المتوفی: ۱۱۸ھ

ان کی کنیت ابو ابراہیم اور نام: عمرو بن شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن العاص القرشی السہمی ہے، آپ کا شمار کبارِ محدثین میں ہوتا ہے، مکۃ المکرّمہ میں سکونت اختیار کی، سنن اربعہ نے آپ کی سند سے حدیثیں لائیں ہیں۔ ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب ۶/ ۱۵۹، رقم: ۲۵۱۷، الطبقات الکبریٰ ۵/ ۳۳۳، رقم: ۱۰۲۲، الاعلام ۵/ ۷۹، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۷۹)

(۲۲) الامام حافظ قتادہ ۶۱-۱۱۸ھ

ان کی کنیت ابو الخطاب، نام: قتادہ بن دعامۃ بن قتادہ بن عزیز بن عمرو بن ربیعہ بن عمرو بن الحارث بن سدوس السدوسی البصری ہے۔ امام احمد بن حنبل آپ کے متعلق فرماتے ہیں:

قتادة أحفظ أهل البصرة، وكان مع علمه بالحديث رأسا في العربية، ومفردات اللغة، وأيام العرب والنسب.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اور تابعین سے علم حدیث حاصل کیا، جو کچھ سنتے تھے وہ یاد ہو جاتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ آپ کے سامنے صحیفہ جابر صرف ایک مرتبہ پڑھا گیا اور آپ نے اسے یاد کر لیا۔ ملاحظہ ہو: (البدایہ والنہایہ ۹/ ۳۱۳، تہذیب التہذیب ۶/ ۴۸۲، رقم: ۵۷۰۶، الاعلام ۵/ ۱۸۹، طبقات ابن سعد ۷/ ۱۷۱، رقم: ۳۰۳۹، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۷۹)

(۲۳) الامام حماد بن ابی سلیمان المتوفی: ۱۲۰ھ

ان کی کنیت ابو اسماعیل الکوفی اور نام: حماد بن مسلم الاشعری ہے، جب کہ آپ حماد بن ابی سلیمان کے نام سے مشہور ہیں، آپ ابراہیم بن ابی موسیٰ الاشعری کے آزاد کردہ غلام ہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو ابو موسیٰ الاشعری کے پاس بھیجا تھا، آپ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، شعبہ، سفیان ثوری اور حماد بن سلمہ کے استاذ ہیں، یحییٰ بن معین نے آپ کو ثقہ، اور امام احمد بن حنبل نے مقارب الحدیث کہا ہے۔ ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب ۲/ ۴۲۷، رقم: ۱۵۵۹، الطبقات الکبریٰ ۶/ ۳۲۴، رقم: ۲۴۹۷، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۷۹)

(۲۴) الامام ابن شہاب الزہری ۵۸-۱۲۴ھ

ان کی کنیت ابوبکر نام: محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن شہاب بن عبداللہ بن الحارث بن زہرۃ القرشی الزہری ہے۔ جلیل القدر تابعی، اکابر ائمہ اسلام میں سے ایک سب سے پہلے حدیث کو مدون کرنے والے ہیں اور اکابر فقہاء مدینہ وحفاظ حدیث میں سے ایک ہیں۔ ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب ۷/ ۴۲۰-۴۲۴، طبقات ابن سعد ۵/ ۳۴۸، ۳۵۷، رقم: ۱۰۶۵، البدایہ والنہایہ ۹/ ۳۴۰-۳۴۸، الاعلام ۷/ ۹۷)

(۲۵) الامام منصور بن معتمر المتوفی: ۱۳۲ھ

ان کی کنیت ابوعتاب، نام: منصور بن معتمر بن عبداللہ بن ربیعہ السلمی الکوفی ہے۔ آپ کا شمار ائمہ جرح وتعدیل میں اور کوفہ کے اجلۂ محدثین میں ہوتا ہے، کوفہ میں آپ سے بڑا حافظ حدیث کوئی نہ تھا۔ ملاحظہ ہو: (الطبقات الکبریٰ ۶/ ۳۲۸، رقم: ۲۵۰۸، تہذیب التہذیب ۸/ ۳۵۸، رقم: ۷۱۸۷، الاعلام ۷/ ۳۰۵، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۸۰)

(۲۶) الامام یحییٰ بن سعید الانصاری المتوفی ۱۴۳ھ

ان کی کنیت ابوسعید، نام: یحییٰ بن سعید بن قیس بن عمرو بن سہل الانصاری البخاری المدنی القاضی ہے۔ آپ کا شمار مدینۃ المنورہ کے اجلۂ محدثین میں ہوتا ہے، جمحی آپ کے متعلق فرماتے ہیں: میں نے یحییٰ بن سعید سے زیادہ کسی کو زہری کے ہم پلہ نہیں پایا، اگر یہ دونوں حضرات نہ ہوتے تو بہت ساری سنتیں ناپید ہوجاتیں، بنوامیہ کے دور خلافت میں مدینۃ المنورہ کا منصب قضاء آپ کے سپرد کیا گیا۔ ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب ۹/ ۲۳۹، رقم: ۷۸۳۸، الاعلام ۸/ ۱۴۷، الطبقات الکبری لابن سعد ۵/ ۴۲۳، رقم: ۱۲۳۹، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۸۰)

(۲۷) الامام عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ۷۴-۱۴۸ھ

آپ کے نام کے متعلق اختلاف ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: محمد بن سعید

الہاشمی البصری۔ اور ابن سعد فرماتے ہیں: عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ان کا نام یسار بن بلال بن بلیل الانصاری الکوفی ہے، جب کہ زرکلی ان کے نام کے متعلق فرماتے ہیں: محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ الانصاری الکوفی ہے۔ اپنے زمانہ کے فقیہ اور قاضی تھے۔ بنی امیہ کے دور حکومت میں منصب قضاء پر فائز ہوئے اور بنوعباس کے دور حکومت تک مسلسل ۳۳؍سال اس منصب پر فائز رہے، آپ کو ۱۲۰؍ انصاری صحابہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو: (الطبقات الکبریٰ ۶/ ۱۶۶، رقم: ۱۹۹۱، تہذیب التہذیب ۵/ ۱۶۶، رقم: ۱۴۰۵، الاعلام ۶/ ۱۸۹، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۸۱)

(۲۸) الامام الاوزاعی ۸۸-۱۵۸

کنیت: ابوعمر، نام: عبدالرحمٰن بن عمرو بن ابوعمرو الاوزاعی ہے، آپ ملک شام میں فقہ اور علم حدیث کے امام تھے، چنانچہ ملک شام میں بادشاہ سے زیادہ مرتبہ والے تھے اور حکم ابن ہشام کے زمانہ تک اندلس میں آپ کی رائے پر فتویٰ صادر کیا جاتا تھا، آپ کی تاریخ وفات اور جائے وفات دونوں میں کافی اختلاف ہے، تفصیل کے لئے ملاحظ ہو: (تہذیب التہذیب ۵/ ۱۴۸، رقم: ۴۰۸۷، الطبقات الکبریٰ ۷/ ۳۳۹، رقم: ۳۹۸۷، الاعلام ۳/ ۲۲۰، البدایہ والنہایہ ۱۰/ ۱۱۵، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۸۱)

(۲۹) الامام شعبہ بن الحجاج ۸۲-۱۶۰ھ

کنیت: ابو بسطام، نام: شعبہ بن الحجاج بن وردالعتکی الازدی ہے۔ ائمہ جرح وتعدیل میں سے ہیں، واسط میں پیدائش ہوئی اور بصرہ کو جائے سکونت بنایا، یہاں تک کہ وہیں وفات ہوئی۔ آپ نے عراق میں سب سے پہلے محدثین کے حالات قلم بند کئے اور صحیح ضعیف اور متروک کی نشاندہی فرمائی۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: اس سلسلے میں تن تنہا آپ ایک جماعت کے برابر تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: کہ کوفہ میں علم حدیث آپ ہی کی مرہونِ منت ہے۔ ملاحظہ ہو: (البدایہ والنہایہ ۱۰/ ۱۳۲، تہذیب التہذیب ۳/ ۶۲۸، رقم: ۲۸۶۷، طبقات ابن سعد ۷/ ۲۰۷، رقم: ۳۳۸۳، الاعلام ۳/ ۱۶۴)

(۳۰) الامام سفیان الثوری ۹۷-۱۶۱ھ

کنیت: ابوعبداللہ، لقب: امیر المومنین فی الحدیث، نام: سفیان بن سعید بن مسروق الثوری الکوفی ہے۔ آپ اپنے زمانہ کے علوم دینیہ اور تقویٰ کے امام تھے۔ شعبہ، ابوعاصم، سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن معین اور بہت سارے حضرات آپ کو امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ آپ کے بارے میں عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: میں نے گیارہ سو افراد سے علم حدیث لکھی، جس میں سب سے افضل سفیان ثوری ہیں، آپ کی مشہور تصنیف ''الجامع الکبیر'' اور ''الجامع الصغیر'' ہے۔ ملاحظہ ہو: (البدایہ والنہایہ ۱۰/ ۱۳۴، الاعلام ۳/ ۱۰۴، تہذیب التہذیب ۳/ ۳۹۷، رقم: ۲۵۱۹، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۸۲)

(۳۱) الامام حماد بن سلمہ المتوفی: ۱۶۷ھ

کنیت: ابوسلمہ، نام: حماد بن سلمہ بن دینار البصری ہے۔ آپ حافظ، ثقہ اور مامون تھے، البتہ اخیر عمر میں آپ کے حافظہ میں اختلاط کی وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے روایت نہیں لیں، مگر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی سند سے روایتیں نقل کی ہیں۔ ذہبی آپ کے تعلق سے فرماتے ہیں:

كان حماد إماما في العربية، فقيها، فصيحا، مفتي البصرة.

ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب ۲/ ۴۲۳-۴۲۶، رقم: ۱۵۵۸، الاعلام ۲/ ۲۷۲، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۸۲)

(۳۲) الامام حماد بن زید ۹۸-۱۷۹ھ

کنیت ابواسماعیل، نام: حماد بن زید بن درہم الازدی البصری ہے۔ اپنے زمانہ کے عراق کے شیخ اور حافظ الحدیث تھے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگرد خاص تھے۔ ۱۷۹ھ میں ماہ رمضان المبارک میں وفات پائی۔ ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب ۲/ ۴۲۱-۴۲۳، رقم: ۱۵۵۷، الاعلام ۲/ ۱۷۱، اعلاء السنن ۲۱/ ۱۱۲، مقدمہ تاتارخانیہ ۸۲-۸۳)

(۳۳) الامام ابن علیہ ۱۱۰-۱۹۳ھ

کنیت ابو بشر، نام: اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم الاسدی البصری ہے۔ آپ ابن علامہ سے مشہور تھے؛ لیکن آپ کو اس سے ناگواری ہوتی تھی، آپ کا شمار ائمہ ومحدثین اور اکابر حفاظ حدیث میں ہوتا ہے، آپ بہت کم مسکراتے تھے اور ریشم کی تجارت کرتے تھے اور اسی سے اپنا اور اہل خانہ کا خرچ چلاتے تھے، آپ کے بارے میں یہ الفاظ منقول ہیں:

كان حجة في الحديث، ثقة مامونا، نبيلا، جليلا، كبيرا.

ملاحظہ ہو: (الطبقات الکبریٰ ۷/ ۲۳۵، رقم: ۳۴۶۷، البدایہ والنہایہ ۱۰/ ۲۲۴، تہذیب التہذیب ۱/ ۳۹۰، رقم: ۴۵۰، الاعلام ۱/ ۳۰۷، مقدمہ تاتارخانیہ ۸۲-۸۳)

(۳۴) الامام سفیان بن عیینہ ۱۰۷-۱۹۸ھ

کنیت ابو محمد، نام: سفیان بن عیینہ بن ابی عمران میمون الہلالی الکوفی ہے۔ حرم مکی کے محدث عبد اللہ بن روبیہ جو قبیلہ بنی ہلال بن عامر بن صعصعہ سے تعلق رکھتے تھے کے آزاد کردہ غلام تھے، کوفی النسل تھے، چنانچہ کوفہ میں پیدا ہوئے اور مکہ کو جائے سکونت کے طور پر اختیار فرمایا۔ آپ حافظ، ثقہ، ذی علم اور بڑی شان والے تھے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں: کہ اگر مالک بن دینار اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم اٹھ جاتا، آپ نابینا تھے اور ستر حج کئے۔

ملاحظہ ہو: (الطبقات الکبریٰ ۶/ ۴۱، رقم: ۱۶۴۲، تہذیب التہذیب ۳/ ۴۰۳، رقم: ۲۵۱۲۵، العلام ۳/ ۱۰۵، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۸۳)

(۳۵) الامام یحییٰ بن سعید القطان ۱۲۰-۱۹۸ھ

کنیت: ابو سعید، نام: یحییٰ بن سعید بن فروخ القطان التمیمی، اکابر حفاظ حدیث میں آپ کا شمار ہے، ثقہ، مامون، بلند مرتبہ اور حجت تھے، بصرہ میں امام مالک اور شعبہ کے ہم عصر تھے، امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مسلک پر فتوی دیا کرتے تھے، ابراہیم بن محمد تیمی فرماتے ہیں: میں

نے مردوں میں یحییٰ بن سعید سے بڑا ذی علم نہیں دیکھا، جب کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میری آنکھوں نے یحییٰ القطان جیسا نہیں دیکھا۔ ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب ۹/۲۳۴، رقم: ۷۸۳۶، طبقات ابن سعد ۷/۲۱۵، رقم: ۳۳۲۸، الاعلام ۸/۱۴۷، مقدمہ تاتارخانیہ/۸۴)

(۳۶) الامام ابوداؤد الطیالسی ۱۳۳-۲۰۴ھ

کنیت: ابوداؤد، نام: سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی البصری ہے۔ اکابر حفاظ حدیث میں آپ کا شمار ہے، اپنی یادداشت سے حدیثیں بیان کرتے تھے اور کہا کرتے تھے: ان کو تیس ہزار حدیثیں یاد تھیں، آپ سے بڑے بڑے محدثین نے علم حدیث حاصل کیا ہے، مثلاً احمد بن حنبل، علی بن المدینی، اسحاق بن منصور اور محمود بن غیلان وغیرہ۔ آپ کی مشہور تصنیف ''مسند ابی داؤد الطیالسی'' تین جلدوں میں دستیاب ہے، جس میں ۲۷۶۷/ حدیثیں ہیں۔ ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب ۳/ ۴۶۹، رقم: ۲۶۲۶، الاعلام ۳/ ۱۲۵، تقریب التہذیب/ ۴۰۶، رقم: ۲۵۶۵، مقدمہ تاتارخانیہ/۸۴)

(۳۷) الامام الحافظ عبدالرزاق الصنعانی ۱۲۶-۲۱۱ھ

کنیت: ابوبکر، نام: عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الصنعانی ہے۔ تقریباً سترہ ہزار احادیث کے حافظ تھے۔ بخاری اور صحاح ستہ کے رواۃ اور استاذ الاساتذہ میں سے ہیں، آپ کی مشہور تصانیف میں ''جامع الکبری'' ''تفسیر القرآن'' اور ''المصنف'' ہے، جس میں ۲۱۰۳۳/ حدیثیں ہیں۔ محدث کبیر حبیب الرحمٰن الاعظمی کی تحقیق کے ساتھ گیارہ جلدوں میں مارکیٹ میں دستیاب ہے۔ ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب ۵/۲۱۳، رقم: ۴۱۸۵، الاعلام ۳/۳۵۳، کشف الظنون ۵/ ۴۵۷، مقدمہ تاتارخانیہ ۸۴-۸۵)

(۳۸) الامام الحمیدی المتوفی: ۲۱۹ھ

کنیت: ابوبکر، نام: عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ بن اسامہ بن عبداللہ بن

الحمیدی الاسدی المکی القرشی ہے۔ اکابر حفاظ حدیث میں سے اور مکہ کے حدیث کے اماموں میں آپ کا شمار ہے۔ مکہ میں منصب افتاء پر فائز تھے۔ امام بخاریؒ نے آپ سے ۷۵؍ حدیثیں نقل کی ہیں اور بخاری کی سب سے پہلی حدیث ان ہی کی سند سے مروی ہے، صحاح ستہ میں سے ہر ایک میں آپ کی سند سے روایات موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب ۴/ ۲۹۸، رقم: ۳۴۰۸، الاعلام ۴/ ۸۷، مقدمہ تاتارخانیہ ۸۵)

(۳۹) الامام سعید بن منصور المتوفی: ۲۲۷ھ

کنیت: ابوعثمان، نام: سعید بن منصور بن شعبہ الخراسانی المروزی الطالقانی البلخی ہے۔ امام مسلم اور ابوداؤد نے آپ سے روایات نقل کی ہیں اور باقی حضرات نے یحییٰ بن موسیٰ وابی ثور اور عبداللہ دارمی وغیرہ کے واسطے سے روایات نقل کی ہیں۔ آپ کی مشہور تصنیف ''سنن کبریٰ'' ہے، جو سنن سعید بن منصور کے نام سے مشہور ہے۔ اور مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی کی تحقیق کے ساتھ سنن سعید بن منصور کی دو جلدیں چھپ کر مارکیٹ میں دستیاب ہیں، باقی نسخوں کے مخطوطہ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے کتاب مکمل نہ ہو سکی۔ (احقر نے مدینہ منورہ میں اس کی کچھ جلدیں بے ترتیب انداز سے دیکھی ہیں) ملاحظہ ہو: (مقدمۃ التحقیق علی سعید بن منصور ۱/ ۱۷، تہذیب التہذیب ۳/ ۳۷۶، رقم: ۲۴۷۳، کشف الظنون ۵/ ۳۱۹، طبقات ابن سعد ۶/ ۴۴، رقم: ۱۶۵۸، البدایہ والنہایہ ۱۰/ ۲۹۹)

(۴۰) الامام محمد بن سعید ۱۶۸-۲۳۰

کنیت: ابوعبداللہ، نام: محمد بن سعد بن منیع الہاشمی البصری ہے۔ اکابر حفاظ حدیث، ثقہ، علم کے سمندر، ثقہ اور مامون تھے۔ مؤرخ واقدی کے ہم عصر ہیں، خطیب تاریخ بغداد میں آپ کے متعلق فرماتے ہیں:

أن محمد بن سعد من أهل العدالة، وحديثه يدل على صدقه، فإنه يتحرى في كثير من رواياته.

آپ کی مشہور تصنیف ''طبقات ابن سعد'' بارہ جلدوں میں ہے۔ ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب ۷/ ۱۷۰، رقم: ۶۱۳۰، الاعلام ۶/ ۱۳۶، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۸۶)

(۴۱) الامام یحییٰ بن معین ۱۵۸-۲۳۳ھ

کنیت: ابوزکریا، نام: یحییٰ بن معین بن عون بن زیاد بن بسطام بن عبد الرحمٰن البغدادی ہے۔ ائمہ جرح وتعدیل میں سے ہیں، امام احمد آپ کے متعلق فرماتے ہیں: آپ ہم میں اسماء رجال کے سب سے بڑے عالم تھے، آپ اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ حدیثیں لکھی ہیں، آپ کی سند سے امام بخاری، مسلم اور ابوداؤد رحمہم اللہ نے حدیثیں نقل کی ہیں۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام ۸/ ۱۷۲، تہذیب التہذیب ۹/ ۲۹۷-۳۰۳، رقم: ۷۹۳۰، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۸۶)

(۴۲) الامام علی بن المدینی ۱۶۱-۲۳۴ھ

کنیت ابوالحسن نام علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح السعدی ہے، اپنے زمانہ کے بلند پایہ کے محدث تھے آپ کی سند سے امام بخاری، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایات نقل کی ہیں، اختلاف حدیث میں امام احمد بن حنبل سے زیادہ ذی علم تھے۔ ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب ۵/ ۱۰۷، رقم: ۴۹۰۷، الاعلام ۴/ ۳۰۳، الطبقات الکبریٰ ۷/ ۳۲۴، رقم: ۴۰۴۳، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۸۷)

(۴۳) الحافظ ابوبکر بن ابی شیبہ ۱۵۹-۲۳۵ھ

کنیت ابوبکر، نام: عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی الکوفی ہے، حفاظ حدیث میں آپ کا شمار ہے۔ امام بخاری، مسلم اور ابوداؤد اور ابن ماجہ کے استاذ ہیں، صحاح ستہ میں آپ کی سند سے بہت ساری روایات موجود ہیں، آپ کے بارے میں حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

أبوبكر بن أبي شيبة أحد الأعلام وأئمة الإسلام، وصاحب المصنف الذي لم يصنف مثله أحد قط لا قبله ولا بعده.

آپ کی مشہور کتاب ''المصنف ۲۶ ر جلدوں میں محمد بن عوامہ کی تحقیق و تدقیق کے ساتھ چھپ کر آ گئی ہے، جس میں ۳۹۰۹۸ ر حدیث وآثار ہیں۔ ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب ۴/۶۴ ۴، رقم: ۳۶۷۰، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۸۷)

(۴۴) الامام اسحاق بن راہویہ ۱۶۱-۲۳۸ھ

کنیت ابویعقوب، نام: اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن ابراہیم بن مطر الحنظلی التیمی المروزی ہے، آپ ابن راہویہ کے نام سے مشہور ہیں، اپنے زمانہ کے خراسان کے بڑے علماء میں آپ کا شمار تھا، علم حدیث کے حصول کے لئے مختلف شہروں کے اسفار کئے۔ امام احمد بن حنبلؒ، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی وغیرہ جیسے جبال علم حضرات نے آپ سے علم حدیث حاصل کیا۔ ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب ۱/ ۲۳۶، رقم: ۳۶۰، الاعلام ۱/۲۹۲، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۸۹)

(۴۵) الامام الدارمی ۱۸۱-۲۵۵ھ

کنیت ابومحمد، نام: عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہرام بن عبدالصمد التمیمی الدارمی السمرقندی ہے۔ حجاز، شام، مصر، عراق اور خراسان کے علماء حدیث سے علم حدیث حاصل کیا اور سمرقند میں منصب قضاء پر فائز ہوئے اور صرف ایک فیصلہ کر کے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوگئے۔ اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے روایات نقل کی ہیں، ان کی مشہور تصنیف ''مسند الدارمی'' چار جلدوں میں ہے۔ ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب ۴/ ۳۷۴، رقم: ۳۵۲۳، الاعلام ۴/ ۹۵، کشف الظنون ۵/۳۶۱، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۸۷)

(۴۶) الامام محمد بن اسماعیل البخاری ۱۹۴-۲۵۶ھ

کنیت ابوعبداللہ، نام: محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن بردزبہ البخاری الیمانی الجعفی ہے۔ درس نظامی میں پڑھائی جانے والی کتاب ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ''، ''صحیح البخاری'' ان ہی کی تصنیف ہے، جسے پڑھنے کے بعد ہی مدارس میں دستار فضیلت سے

نوازا جاتا ہے، جو اپنے طرز کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے آپ کو سرفراز کیا گیا، آپ کی کتاب پوری دنیا میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے، اس کے ہم پلہ کوئی دوسری کتاب نہیں ہے اور چہار دانگ عالم میں علماء، فقہاء ومحدثین نے اس کتاب کو سراہا اور اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام ٦/٣٤، تہذیب التہذیب ٧/ ٤١، رقم: ٥٩٣١، البدایہ والنہایہ ١١/٢٤-٢٨، لسان المیزان ٥/٨٢، رقم: ٢٧٠، مقدمہ تاتارخانیہ ٩٠)

(٤٧) الامام مسلم القشیری ٢٠٤-٢٦١ھ

کنیت ابوالحسین، نام: مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیساپوری ہے۔ جلیل القدر محدثین میں آپ کا شمار ہے۔ علم حدیث کے حصول کے لئے حجاز، مصر، شام اور عراق کا رخت سفر باندھا، درس نظامی میں پڑھائی جانی والی مسلم شریف ان ہی کی تصنیف ہے، جسے بخاری کے بعد اصح الکتب ہونے کا شرف حاصل ہے، جب کہ بعض حضرات نے صحیح مسلم کو بخاری پر فضیلت دی ہے۔ ملاحظہ ہو: (تہذیب التہذیب ٨/ ١٥٠، رقم: ٦٨٩٤، الاعلام ٧/ ٢٢١، البدایہ والنہایہ ١١/٣٣)

(٤٨) الامام داؤد الظاہری ٢٠١-٢٧٠ھ

کنیت ابوسلیمان، نام: داؤد بن علی بن خلف الاصبہانی الظاہری ہے، اہل الظاہر کے امام ہیں، فرقہ ظاہریہ آپ ہی کی طرف منسوب ہے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ظاہری مطلب ومفہوم کو لینے اور تاویل ورائے وقیاس کو چھوڑنے کی وجہ سے آپ کو اہل الظاہر کے لقب سے موسوم کیا گیا۔ ملاحظہ ہو: (البدایہ والنہایہ ١١/ ٤٧، الاعلام ٢/٣٣٣، لسان المیزان ٢/٤٢٢، رقم: ١٨٤٢، مقدمہ تاتارخانیہ/٩١)

(٤٩) الامام ابن ماجہ ٢٠٩-٢٧٣ھ

ان کی کنیت: ابوعبداللہ، نام محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی ہے۔ ائمہ احادیث میں آپ

کا شمار ہوتا ہے، آپ نے علم حدیث کے حصول کے لئے مختلف ممالک بصرہ، بغداد، شام، مصر، حجاز، ری وغیرہ کا سفر کیا، درس نظامی کی مشہور کتاب ''سنن ابن ماجہ'' آپ ہی کی تالیف ہے۔ ملاحظہ ہو: (البدایہ والنہایہ ۱۱/۵۲، الاعلام ۷/۱۴۴، تہذیب التہذیب ۷/۴۹۸، رقم: ۶۶۶۷)

(۵۰) الامام ابوداؤد السجستانی ۲۰۲-۲۷۵ھ

ان کی کنیت ابوداؤد، نام: سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن یحییٰ بن عمران السجستانی ہے۔ یہ اپنے زمانہ کے احادیث کے بڑے امام تھے اورانہوں نے علم حدیث کے لئے ملک شام، الجزائر، عراق، خراسان وغیرہ کا سفر کیا، حدیث کی مشہور کتاب ''سنن ابی داؤد'' جو درس نظامی میں بھی شامل ہے، آپ ہی کی تصنیف ہے۔ ملاحظہ ہو: (مقدمہ ابی داؤد/ ۵، البدایہ والنہایہ ۱۱/ ۵۵، الاعلام ۳/ ۱۲۲، تہذیب التہذیب ۳/ ۴۵۷، کشف الظنون ۲/ ۴۶)

(۵۱) الامام الترمذی ۲۰۹-۲۷۹ھ

کنیت: ابوعیسیٰ، نام: محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک السلمی، البوغی الترمذی ہے۔ ائمۂ احادیث میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ امام بخاری آپ کے استاذ ہیں، آخرعمر میں نابینا ہوگئے تھے، قوت حفظ میں ضرب المثل تھے، فن حدیث میں آپ کی بہت سی کتابیں ہیں، جن میں سے ''جامع الترمذی'' مشہور اور صحاح ستہ میں داخل ہے۔ ملاحظہ ہو: (البدایہ والنہایہ ۱۱/ ۶۶، الاعلام ۶/ ۳۲۲، تہذیب التہذیب ۷/ ۳۶۴، رقم: ۶۴۵۹)

(۵۲) الامام البزار المتوفی: ۲۹۲ھ

کنیت ابوبکر، نام: محمد بن عمرو بن عبد الخالق بن خلاد بن عبید اللہ العتکی، البصری ہے۔ اہل علم کے درمیان بزار کے نام سے مشہور ہیں، آپ کا شمار حفاظ حدیث اور کبار محدثین میں ہوتا ہے، آپ نے علم حدیث کے لئے مختلف ملکوں کا سفر کیا، جیسے: اصبہان، شام، مصر وغیرہ۔ آپ نے علم حدیث میں دو کتابیں لکھیں: ایک ''مسند الکبیر'' جو ''مسند البزار'' کے نام سے مشہور ہے اور دوسری ''مسند الصغیر''۔ ملاحظہ ہو: (لسان المیزان ۱/ ۲۳۷، رقم: ۷۵۰، مقدمۃ البزار ۸ تا ۱۶، کشف الظنون ۵/ ۴۷، الاعلام ۱/ ۱۸۹)

(۵۳) الامام النسائی ۲۱۵-۳۰۳ھ

آپ کی کنیت: ابوعبدالرحمٰن، نام: احمد بن علی بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار النسائی القاضی الحافظ ہے۔ آپ کی پیدائش خراسان کے قریہ ’’نسا‘‘ میں ہوئی، آپ علم حدیث کی حصول کے لئے مختلف بلاد کا سفر کرتے رہے، یہاں تک کہ آپ نے مصر کو اپنا وطن بنالیا؛ لیکن وہاں کے مشائخ آپ سے حسد کرنے لگے، جس کی وجہ سے آپ مصر کو چھوڑ کر فلسطین کے شہر رملہ چلے گئے، آپ کی تصانیف میں ’’السنن الکبری‘‘ اور درس نظامی میں پڑھائی جانے والی کتاب ’’سنن النسائی الصغریٰ‘‘ ہے۔ ملاحظہ ہو: (البدایہ والنہایہ ۱۱/ ۱۲۳، الاعلام ۱/ ۱۷۱، تہذیب التہذیب ۱/ ۶۷، رقم: ۵۱)

(۵۴) امام ابویعلی الموصلی ۲۱۰-۳۰۷ھ

کنیت ابویعلی، نام: احمد بن علی بن المثنی التمیمی، الموصلی ہے۔ آپ کا شمار علماء حفاظ حدیث میں ہوتا ہے، ثقہ اور مشہور تھے۔ ذہبی نے آپ کو موصل کا محدث شمار فرمایا ہے، علم حدیث حاصل کرنے کے لئے لوگ دور دراز سے سفر کرکے آپ کے پاس تشریف لاتے تھے، چنانچہ بڑے بڑے ائمہ حدیث نے آپ سے علم حدیث حاصل کیا، جن میں سے حافظ احمد بن شعیب النسائی اور ابوحامد محمد بن حبان البستی وغیرہ ہیں۔ آپ کی مشہور تصنیف ’’معجم ابویعلی الموصلی‘‘ اور ’’مسند ابی یعلی الموصلی‘‘ ہیں۔ ملاحظہ ہو: (مقدمہ مسند ابی یعلی الموصلی ۱/ ۱۵، الاعلام ۱/ ۱۷۱، البدایہ والنہایہ ۱۱/ ۱۳۰)

(۵۵) الامام محمد بن خزیمہ ۲۲۳-۳۱۱ھ

کنیت ابوبکر، نام: محمد بن اسحاق بن خزیمہ بن مغیرہ بن صالح بن بکر السلمی ہے۔ آپ اپنے زمانے کے بحر العلوم تھے، چنانچہ آپ فقیہ بھی تھے، مجتہد بھی تھے اور حدیث کے عالم بھی تھے، آپ نے عراق، شام، جزیرہ اور مصر وغیرہ کا سفر کیا، آپ کی تصنیفات ۱۴۰/ سے زائد

ہیں، جن میں ''صحیح ابن خزیمہ'' مشہور ترین کتاب ہے۔ ملاحظہ ہو: (مقدمہ صحیح ابن خزیمہ ۱/ ۱۵، الاعلام ۶/ ۲۹، البدایہ والنہایہ ۱۱/ ۱۴۹)

(۵۶) الامام الطحاوی ۲۲۹-۳۲۱ھ

ان کی کنیت: ابوجعفر، نام: احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ بن سلیمان الازدی الحجری، الطحاوی، المصری، الحنفی ہے۔ آپ حافظ حدیث، فقیہ، مجتہد اور ثقہ امام تھے، مصر میں آپ خاتم الفقہاء فی الحنفیہ میں شمار کئے جاتے تھے، اولاً آپ نے فقہ شافعی حاصل کیا، پھر کلی طور پر عدول عن المذہب کر کے فقہ حنفی کو اپنا لیا۔ آپ کثیر التصانیف ہیں، درس نظامی میں پڑھائی جانے والی ''طحاوی شریف'' (شرح معانی الآثار) اور اس کے علاوہ ''شرح مشکل الآثار'' اور ''احکام القرآن'' اور ''العقیدۃ الطحاویہ'' او ''مناقب ابی حنیفہ'' وغیرہ ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: (مقدمہ مسند للامام الطحاوی ۱/ ۳۷، الفوائد البہیہ / ۴۱-۴۵، اعلاء السنن بیروتی ۲۱/ ۱۳۰ تا ۱۳۴، لسان المیزان ۱/ ۲۷۴، رقم: ۸۳۶، الاعلام ۱/ ۲۰۶، البدایہ والنہایہ ۱۱/ ۱۷۴)

(۵۷) الامام ابن حبان ۲۷۰-۳۵۴ھ

کنیت: ابوحاتم، نام: محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ بن معبد بن سعید البستی التمیمی ہے۔ اور ان کو ابن حبان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، آپ مؤرخ، علامہ، ماہر جغرافی اور بلند پایہ کے محدث تھے، آپ نے خراسان، شام، مصر، عراق وغیرہ کا سفر کیا۔ اور آپ ایک مدت تک سمرقند کے قاضی رہے، آپ کی مشہور ترین کتاب ''الصحیح المسند'' ہے، جو صحیح ابن حبان کے نام سے مشہور ہے، کہا جاتا ہے کہ ان کی یہ کتاب سنن ابن ماجہ سے زیادہ صحیح ہے اور اس کے علاوہ آپ کی بہت سی تصانیف ہیں۔ ملاحظہ ہو: (مقدمہ صحیح ابن حبان، المجلد الاول عند ذکر ترجمۃ ابن حبان، الاعلام ۶/ ۷۸، لسان المیزان ۵/ ۱۱۲، رقم: ۳۸۶، البدایہ والنہایہ ۱۱/ ۲۵۹)

(۵۸) الامام الطبرانی ۲۶۰-۳۶۰ھ

ان کی کنیت ابو القاسم، نام: سلیمان بن احمد بن ایوب بن المطیر، اللخمی، الشامی،

الطبرانی ہے۔ آپ کا شمار حفاظ حدیث اور کبار محدثین میں ہوتا ہے، آپ نے معجم کے نام سے حدیث میں تین کتابیں تصنیف کی ہے۔ (۱) المعجم الکبیر (۲) المعجم الاوسط (۳) المعجم الصغیر۔ اور ان کے علاوہ آپ کی اور بہت ساری تصانیف ہیں، آپ نے حصول علم کے لئے مختلف ممالک کا سفر کیا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (الاصابہ۲/ ۱۰۸، اسد الغابہ۱/ ۵۳۵، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۹۶)

(۵۹) الامام الحافظ الدارقطنی ۳۰۶-۳۸۵ھ

ان کی کنیت ابوالحسن، نام: علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن دینار بن عبداللہ الدار قطنی الشافعی ہے۔ آپ اپنے زمانہ کے امام الحدیث یکتائے زمانہ، نابغۂ روزگار اور اسماء الرجال اور جرح وتعدیل کے امام تھے۔ اور آپ کی تصانیف میں سنن الدارقطنی مشہور ترین کتاب ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے: (البدایہ والنہایہ۱۱/ ۳۱۷، الاعلام۴/ ۳۱۴، کشف الظنون۵/ ۵۴۸)

(۶۰) الامام الحاکم النسیابوری ۳۲۱-۴۰۵ھ

کنیت ابوعبداللہ، نام: محمد بن عبداللہ بن حمدویہ بن نعیم بن الحاکم الضبی الطحمانی النیسابوری ہے۔ حاکم نیشابوری کے نام سے مشہور ہیں، آپ بڑے درجہ کے محدث ومصنف تھے اور صحیح حدیث کو سب سے زیادہ جاننے والے اور ان کو ضعیف روایات سے الگ کرنے والے تھے اور آپ نے مختلف ممالک کا سفر کیا، چنانچہ آپ نے تقریباً دو ہزار اساتذہ سے علم حاصل کیا اور آپ کو نیشاپور کا قاضی بنایا گیا، پھر جرجان کا، آپ کی بہت ساری تصانیف ہیں، ابن عساکر کا قول ہے کہ آپ کی تصانیف تقریباً پندرہ سو ہیں، جن میں سے مشہور کتاب "المستدرک علی الصحیحین" ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے: (البدایہ والنہایہ۱۱/ ۳۵۵، الاعلام۶/ ۲۲۷، لسان المیزان۵/ ۳۳۳-۳۳۳، رقم: ۸۱۳۰، کشف الظنون۲/ ۵۵۰)

(۶۱) الامام الحافظ ابن حزم الظاہری ۳۸۴-۴۵۶ھ

کنیت ابومحمد، نام: علی بن احمد بن سعید بن حزام بن غالب بن صالح بن خلف بن محمد

بن سفیان بن یزید الظاہری، القرطبی الاندلسی ہے۔اوراندلس میں ائمہ اسلام میں آپ کا شمار ہے، چنانچہ کثیر تعداد میں لوگ آپ کے مذہب سے وابستہ ہوئے، جنہیں حزمیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔انتقال مذہب کرتے ہوئے آخرکار آپ نے کسی مذہب کی پیروی نہیں کی اور فقہاء اور علماء پر تنقیدیں کیں۔اوراپنا الگ سے مذاہب اختیار کیا، ان کی مشہور تصنیف ''المحلی بالآثار'' ہے۔ملاحظہ ہو: (الاعلام ۴/۲۵۴، لسان المیزان ۴/۱۹۸، البدایہ والنہایہ ۱۲/۹۱)

(۶۲) الامام البیہقی ۳۸۴-۴۵۸

کنیت ابوبکر، نام: احمد بن حسین بن علی بن موسیٰ الخسر وجردی، البیہقی، النسیابوری، الخراسانی ہے۔علم حدیث کے لئے بغداد، کوفہ، مکہ اور دیگر شہروں کا سفر کرتے ہوئے نیشاپور پہنچے اور تادم آخر یہیں قیام کیا، اپنے زمانہ کے حفظ واتقان اور تصنیف میں یکتا تھے، بیک وقت فقیہ محدث اور اصولیین میں آپ کا شمار ہوتا ہے، فن حدیث وغیرہ میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں، متشدد شافعی تھے، جس کا اثر آپ کی کتابوں سے جھلکتا ہے، آپ کی مشہور تصانیف میں ''السنن الکبری، السنن الصغری، الاسماء والصفات، دلائل النبوۃ'' اور ''شعب الایمان'' وغیرہ ہیں۔ملاحظہ ہو: (الاعلام ۱/۱۱۶، البدایہ والنہایہ ۱۲/۹۴، کشف الظنون ۵/۶۶، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۹۹)

(۶۳) الامام الحافظ ابوعبداللہ الحمیدی ۴۲۰-۴۸۸ھ

کنیت ابوعبداللہ، نام: محمد بن الفتوح بن عبداللہ بن فتوح بن حمید الازدی، المیورقی، الحمیدی، الاندلسی ہے۔جزیرۂ میورقا کے محدث اور مؤرخ تھے۔اصحاب ظواہر میں آپ کا شمار ہے، ابن حزم کے ہم عصر اور تلامذہ میں سے ہیں، کثیر التصانیف ہیں، آپ کی مشہور تصنیف ''الجمع بین الصحیحین'' ہے۔ملاحظہ ہو: (الاعلام ۶/ ۳۲۷، مقدمہ تاتارخانیہ/۱۰۰)

(۶۴) الامام الغزالی ۴۵۰-۵۰۵ھ

کنیت ابوحامد، لقب: حجۃ الاسلام، نام: محمد بن محمد بن محمد الغزالی الطّوسی ہے۔علم

حدیث کے لئے نیشاپور، بغداد، حجاز، ملک شام کے مختلف شہروں اور مصر کا سفر کیا۔ پھر اپنے شہر لوٹ آئے اور بغداد میں درس وتدریس کی خدمت انجام دی۔ تفسیر حدیث، فلسفہ، فقہ، تصوف اور اصول فقہ میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ملاحظہ ہو: (البدایہ والنہایہ۱۲/۳/۱۷۳، الاعلام۷/۲۲، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۱۰۱)

(٦٥) الامام الحافظ ابن الاثیر ٥٥٥-٦٣٠ھ

کنیت ابوالحسن، لقب: عزالدین، نام: علی بن محمد بن عبدالکریم بن عبدالواحد الشیبانی الجزری الموصلی، ابن الاثیر کے نام سے مشہور ومعروف ہیں۔ فقیہ، مؤرخ اور مسلکاً شافعی تھے، علم نسب اور ادب میں مکمل دسترس رکھتے تھے، علماء، فضلاء اور ادباء کے مرجع تھے، آپ کی مشہور تصانیف میں ''الکامل'' ۱۲/ جلدوں میں، ''اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ''، ''اللباب''، بلاغت میں ''جامع الکبیر'' وغیرہ ہیں۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام۴/ ۳۳۱، کشف الظنون ۵/ ٥٦٦، تذکرۃ الحفاظ۴/ ۱۸۵، البدایہ والنہایہ۱۳/ ۱۳۹، مقدمہ تاتارخانیہ۱۰۱)

(٦٦) الامام المنذری ٥٨١-٦٥٦ھ

کنیت ابومحمد، نام: ذکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی بن عبداللہ بن سلام بن سعد بن سعید المنذری، الشافعی المصری ہے۔ مصر میں عرصۂ دراز تک شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے، کثیر التصانیف ہیں۔ ''الترغیب والترہیب'' آپ ہی کی تصنیف ہے۔ ملاحظہ ہو: (البدایہ والنہایہ۱۳/ ۲۱۲، الاعلام۴/ ۳۰، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۱۰۱-۱۰۲)

(٦٧) الحافظ الذہبی ٦٧٣-٧٤٨ھ

نام: امام حافظ شمس الدین بن ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی ترکمانی مصری ہے۔ آپ مؤرخ، محقق بڑے حفاظ حدیث میں شمار کئے جاتے تھے اور اسماء رجال کے بھی ماہر تھے، آپ دمشق میں پیدا ہوئے اور قاہرہ کا آپ نے رخت سفر باندھا اور آپ کثیر التصانیف

ہیں اور آپ کی مشہور تصنیف ''تذکرۃ الحفاظ'' ہے۔ ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۶/۱۲۳، البدایہ والنہایہ ۱۳/ ۲۲۵، الاعلام ۵/ ۳۲۶)

(۶۸) الامام جمال الدین الزیلعی المتوفی: ۷۶۲ھ

کنیت ابو محمد، نام: جمال الدین عبد اللہ بن یوسف بن محمد زیلعی ہے۔ آپ فقیہ اور عالم حدیث تھے اور آپ کی مشہور تصنیف ''نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ'' ہے۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام ۴/ ۱۴۷، الفوائد البہیہ/ ۳۰۱، کشف الظنون ۲/ ۸۲۰، مقدمہ نصب الرایہ/ ۵)

(۶۹) الامام ابن کثیر ۷۰۱-۷۷۴ھ

کنیت ابو الفدا، نام: عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوا بن ورع القرشی البصری ہے۔ آپ حافظ، محدث، فقیہ مؤرخ تھے۔ اور آپ کی تصانیف میں سے ''البدایہ والنہایہ''، ''شرح صحیح البخاری، طبقات الفقہاء الشافعین، تفسیر القرآن الکریم، جامع المسانید'' وغیرہ۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام ۱/ ۳۲۰، کشف الظنون ۵/ ۱۷۶)

(۷۰) الامام الہیثمی ۷۳۵-۸۰۷ھ

کنیت ابو الحسن، نام: نور الدین علی بن ابی بکر بن سلیمان بن ابی بکر بن عمر بن صالح الہیثمی القاہری، مسلکاً شافعی تھے، بڑے حفاظ حدیث میں شمار ہوتے ہیں، آپ کی مشہور تصانیف ''مجمع الزوائد''، ''عشرۃ أجزاء''، ''ترتیب الثقات''، ''تقریب البغیہ''، ''جمع البحرین'' ملاحظہ ہو: (الاعلام ۴/ ۲۶، مقدمہ مجمع الزوائد ۱/ ۲)

(۷۱) الامام الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ ۷۷۳-۸۵۲ھ

نام: شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن علی بن محمود بن احمد۔ اور آپ ابن حجر کے نام سے مشہور ہیں۔ اور آپ کی مشہور تصانیف ''لسان المیزان''، تقریب التہذیب''، ''الإصابہ''، ''فتح الباری''، ''بلوغ المرام عن أدلۃ الأحکام''،

"**التلخیص الحبیر**"، "**تغلیق التعلیق**" وغیرہ ہیں۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام ۱/ ۱۷۸، التفصیل فی مقدمۃ تہذیب التہذیب ۱/ ۸)

(۷۲) الحافظ بدرالدین العینی ۷۶۲-۸۵۵ھ

نام: ابومحمد بدرالدین، محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود العینی ہے۔ آپ مسلکاً حنفی تھے اور بڑے فقیہ اور محدثین میں شمار کئے جاتے ہیں اور آپ کی تصانیف میں: "عمدۃ القاری فی شرح البخاری"، "معانی الآثار فی رجال معانی الآثار"، مبانی الاخیار فی شرح معانی الآثار"، "نخب الافکار فی تنقیح مبانی الاخیار"، "البنایہ فی شرح الہدایہ"، "رمزالحقائق فی شرح الکنز"، "الدرالظاہرۃ"، "المسائل البدریۃ" وغیرہ ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (الفوائد البہیہ/ ۲۷۲، الاعلام ۷/ ۱۶۳)

(۷۳) الامام السخاوی ۸۳۱-۹۰۲ھ

نام: شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد السخاوی ہے۔ آپ اپنے زمانہ کے بڑے محدث، مفسر اور ادیب تھے۔ قاہرہ آپ کی جائے ولادت ہے اور وفات مدینہ منورہ میں پائی، آپ کی مشہور تصانیف میں: "الضوء اللامع فی أعیان القرن التاسع"، "شرح الفیۃ العراقی فی مصطلح الحدیث"، "القول البدیع"، "مقاصد الحسنہ" اور اس کے علاوہ بہت سی تصانیف ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (الاعلام ۶/ ۱۹۴، مقدمہ مقاصد الحسنہ/ ۱۲)

(۷۴) الامام جلال الدین السیوطیؒ ۸۴۹-۹۱۱ھ

آپ کا اسم گرامی: جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن سابق الدین الخضیری السیوطی ہے۔ آپ امام، حافظ، مؤرخ نیز ادیب بھی تھے، آپ کے سر سے باپ کا سایہ بچپن میں اٹھ گیا تھا، جب کہ آپ پانچ سال کے تھے، قاہرہ میں آپ یتیم ہونے کی حالت میں پروان چڑھے، آپ نے بہت سی کتابیں تالیف فرمائیں، جن کی تعداد چھ سو تک پہنچتی ہے،

آپ کی مشہور ترین تصانیف ''جامع الاحادیث''، ''الدرالمنثور''، ''اللآلی المصنوعۃ''، ''تفسیر جلالین'' وغیرہ ہیں۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام۳/ ۳۰۱، کشف الظنون ۱/ ۵۶۲، مقدمہ جامع الاحادیث ۱/ ۱۰)

(۷۵) الشیخ الامام علی المتقی ۸۸۸-۹۷۵ھ

آپ کا اسم گرامی: علاء الدین علی بن حسام الدین بن عبدالملک بن قاضی خان المتقی الشاذلی، المدنی، الجونفوری، البرہانبوری، الہندی ہے۔ آپ نے مدینۃ المنورہ ہجرت فرمائی اور ایک زمانہ تک وہاں قیام کرنے کے بعد مکۃ المکرّمہ میں رہائش اختیار کی اور وہیں رفیق اعلیٰ سے جا ملے، آپ کی مشہور تصنیف میں ''کنزالعمال''، ''منہج العمال''، ''جوامع الکلم''، مجمع بحارالانوار فی مشکل الآثار'' ہے۔ ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۵/ ۵۹۷، الاعلام ۴/ ۳۰۹)

(۷۶) الحافظ العجلونی ۱۰۸۷-۱۱۶۲ھ

کنیت: ابو الفداء، نام: اسماعیل بن محمد بن عبدالہادی، الجراحی، العجلونی، الدمشقی ہے۔ آپ اپنے زمانہ میں شام کے محدث تھے، کثیر التصانیف ہیں، ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں: ''کشف الخفاء''، ''الفيض الجاري في شرح صحيح البخاري'' اور ''شرح حديث المسلسل بالدمشقيين'' وغیرہ۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام ۱/ ۳۲۵، مقدمہ کشف الخفاء ۱/ ۳، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۱۰۶)

الفصل الرابع:

فقہائے مجتہدین کے طبقات ودرجات

علامہ ابن عابدین شامیؒ المتوفی:۱۲۵۲ھ نے علامہ شمس الدین احمد بن سلیمان بن کمال پاشا المتوفی:۹۴۰ھ کے حوالہ سے ائمہ مجتہدین کے کل سات طبقات اور سات درجات نقل فرمائے ہیں، ہم اولاً ان ساتوں طبقات کو نقل کردیتے ہیں، اس کے بعد کچھ تبصرہ بھی کریں گے۔ ملاحظہ فرمایئے:

طبقۂ اولیٰ:- مجتہد فی الشرع یا مجتہد مطلق، یعنی وہ ائمہ مجتہدین جو اصولی قواعد کی بنیاد ڈالنے اور ادلۂ اربعہ سے فروعی احکام کے استنباط کرنے میں کسی کی تقلید نہیں کرتے، جیسے ائمہ اربعہ، امام اوزاعیؒ، امام ابن ابی لیلیٰ، سفیان ثوریؒ وغیرہ ہیں۔

طبقۂ ثانیہ:- مجتہد فی المذہب یا مجتہد منتسب، جو ادلۂ اربعہ سے امام اعظمؒ کے مقرر کردہ اصول کے مطابق احکام کا استنباط کرتے ہیں، اصول میں امام اعظمؒ کی مخالفت نہیں کرتے؛ البتہ فروعی مسائل میں مخالفت بھی کرتے ہیں، جیسے امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔

طبقۂ ثالثہ:- مجتہد فی المسائل: یعنی وہ حضرات جو ایسے مسائل کا استنباط مقررہ اصول کے مطابق کرتے ہیں، جن کے بارے میں مجتہدین فی الاصول اور مجتہد فی المذہب کی طرف سے کوئی صراحت نہیں ہے، یہ لوگ مسائل کے استنباط میں اصول وفروع کسی میں بھی مجتہد مطلق اور مجتہد منتسب کی مخالفت نہیں کرتے، جیسے: امام احمد بن عمر الخصاف اور امام طحاوی، ابوالحسن کرخی، شمس الائمہ حلوانی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔

طبقۂ رابعہ:- اصحاب التخریج: یعنی وہ حضرات جو اجتہاد کرنے پر تو قادر نہیں ہیں؛ لیکن تمام اصول کو ضبط واحاطہ کرنے کی وجہ سے اور مسائل کے مآخذ پر واقف ہونے کی

بناء پر متعدد جہت والے مسائل کی تفصیل پر قدرت رکھتے ہیں، جیسے ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم پلّہ حضرات ہیں۔

طبقۂ خامسہ:- اصحاب الترجیح: یعنی وہ حضرات جو بعض مسائل کو بعض پر ترجیح اور فضیلت دینے پر قدرت رکھتے ہیں، جیسے امام ابوالحسن قدوری رحمہ اللہ اور امام مرغینانی صاحب ہدایہ رحمہ اللہ، یہ حضرات مثلاً یوں کہا کرتے ہیں: ’’ہذا صحیح‘‘، ’’ہذا اولیٰ‘‘، ’’ہذا أصح‘‘، ’’ہذا اوفق للناس‘‘۔

طبقۂ سادسہ:- اصحاب التمییز: یعنی وہ حضرات جو ظاہر الروایہ، نادر الروایہ، نازل الروایہ، واقعات، فتاوی اور اقوی اور اضعف وغیرہ کے درمیان فرق کرنے پر قدرت رکھتے ہیں، جیسے: اصحاب متون معتبرہ، صاحب الکنز، صاحب المختار، صاحب المجمع، صاحب الوقایہ، صاحب النقایہ وغیرہ۔

طبقۂ سابعہ:- جو کھرا کھوٹا اور رباب احکام میں دائیں کو بائیں سے امتیاز کرنے پر قدرت نہیں رکھتے، جیسے: اس زمانۂ انحطاط میں جو اصحاب زبان واصحاب قلم کہلائے جاتے ہیں، ان کی زبان وقلم کا اعتبار بغیر حوالہ کے ہرگز معتبر نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو:
(حاشیہ رسم المفتی قدیم/ ۲۹، جدید دارالکتاب دیوبند/ ۴۷، مقدمہ ایضاح الطحاوی ۱/ ۵۰)

علامہ ابن کمال پاشا کی بات پر وضاحتی گفتگو

(۱) یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ علامہ ابن کمال پاشا نے حضرت امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ اور امام زفرؒ وغیرہ کو مجتہد فی المذہب یا مجتہد منتسب میں جو شمار فرمایا ہے، وہ قابل غور بات ہے؛ اس لئے کہ امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ اور امام زفرؒ مسائل کے استنباط اور قواعد اصول متعین کرکے اس کے تحت جزئیات کا استخراج کرنے میں امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ سے کم درجہ کے نہیں تھے؛ بلکہ امام شافعیؒ خود امام محمدؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: اتنا بڑا صاحب علم میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ ملاحظہ ہو: (فوائد بہیہ/ ۲۱۲)

اس لئے ان حضرات کو ائمہ اربعہ، امام سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ، امام عبداللہ ابن المبارک وغیرہ سے نیچے کے درجہ میں قرار دینا ناانصافی کی بات ہوگی۔ علم وفضل میں یہ حضرات امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے کم درجہ کے نہیں تھے؛ بلکہ یہ حضرات مجتہد مطلق کے درجہ میں تھے اور اصول وفروع دونوں میں امام ابوحنیفہؒ سے اختلاف فرمایا ہے؛ اس لئے انصاف کی بات یہی ہے کہ ان کا نام طبقۂ اولیٰ میں ہونا چاہئے، جیسا کہ امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام اوزاعیؒ، ابن ابی لیلیٰ اور سفیان ثوریؒ وغیرہ کو طبقہ اولیٰ میں شمار کیا گیا ہے۔

(۲) امام طحاویؒ المتوفی ۳۲۱ھ کو طبقۂ ثالثہ میں شمار فرمایا ہے، علامہ ابن عابدین شامیؒ اور علامہ ابن کمال پاشا نے امام طحاوی کو ان کی کتابوں کو دیکھ کر طبقۂ ثالثہ میں شمار فرمایا ہے، حالانکہ یہ بات مسلم ہے کہ کسی کی تالیف وتصنیف کو دیکھ کر اس کا درجہ اور منصب کا کما حقہ سمجھنا مشکل ہے، مثلاً مفتی کفایت اللہ صاحب، مفتی اعظم ہند کا مقام ومنصب ان کی کتاب تعلیم الاسلام کو دیکھ کر نہیں سمجھا جاسکتا، نیز خود امام طحاویؒ کی کتاب ''معانی الآثار'' کے مقدمہ کی عبارت میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے کہ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اس کتاب کے اندر ہر متعارض حدیث کو جمع کر کے ناسخ ومنسوخ اور راجح ومرجوح میں ادلۂ اربعہ احادیث نبویہ واقوال کو جمع کر کے اپنے اجتہاد اور رائے سے فیصلہ کروں گا، چنانچہ نظر طحاوی میں امام طحاویؒ نے بہت سے مسائل میں حضرت امام ابوحنیفہؒ سے اختلاف فرمایا ہے؛ اس لئے ان کو طبقہ ثالثہ میں شمار کرنا ان کے ساتھ ناانصافی ہے؛ بلکہ ان کا شمار کم سے کم طبقۂ ثانیہ میں ہونا چاہئے؛ اس لئے کہ براہ راست قرآن وحدیث سے استدلال کر کے مسائل کا بہترین استنباط کرنے پر قادر تھے۔ امام طحاویؒ فقیہ تھے، محدث بھی تھے اور مجتہد بھی تھے؛ اس لئے ان کا شمار طبقۂ ثانیہ میں ہونا چاہئے۔

(۳) امام ابوبکر جصاص رازیؒ متوفی ۳۷۰ھ کو طبقۂ رابعہ میں شمار کر کے درجہ اجتہاد سے خارج کر دینا ناانصافی کی بات ہے، ان کا مقام امام ابوالحسن کرخیؒ، شمس الائمہ سرخسیؒ،

شمس الائمہ حلوانیؒ وغیرہ کے درجہ سے نیچے نہیں ہے؛ کیوں کہ امام شمس الائمہ حلوانی وغیرہ کا ان کے شاگردوں میں یا شاگردوں کے شاگردوں میں شمار ہیں۔

(۴) اسی طرح صاحب ہدایہ شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانیؒ المتوفی ۵۹۳ھ، اور امام ابوالحسین قدوریؒ متوفی ۴۳۸ھ کو طبقۂ خامسہ میں شمار کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا؛ بلکہ ان کا شمار طبقۂ رابعہ میں ہونا چاہئے۔

بہرحال علامہ ابن کمال پاشا نے طبقات فقہاء کے لئے جو درجات متعین فرمائے ہیں اور علامہ شامیؒ نے ''رسم المفتی'' میں بعینہٖ نقل کر دیا ہے اور انہوں نے درجہ بندی کے ساتھ جن فقہاء کا نام متعین فرمایا ہے وہ حتمی نہیں ہے، ان میں کچھ آگے پیچھے بھی ہے۔

فتویٰ نویسی کے اہم اصول اور الفاظ ترجیح کی رعایت

(۱) فتویٰ لکھتے وقت مفتی کی ذمہ داری ہے کہ کتب فقہ سے مفتی بہ قول اختیار کرے اور حتی الامکان کوشش کی جائے کہ جس قول میں الفاظ ترجیح موجود ہوں، اسی قول کے مطابق جواب لکھے اور ساتھ میں اسی کی عبارت بھی نقل کردے۔

(۲) ظاہر الروایہ اصل ہوا کرتی ہے اور ظاہر الروایات میں امام محمد کی ۶ رکتابوں کو بنیادی حیثیت حاصل ہے: مبسوط، زیادات، الجامع الکبیر، الجامع الصغیر، السیر الکبیر، السیر الصغیر۔ ان کی روایات عام طور پر متون میں ہوتی ہیں؛ لیکن اگر متون اور ظاہر الروایہ کے خلاف کسی جزئیہ کے بارے میں الفاظ ترجیح مل جائیں، تو پھر ظاہر الروایہ اور متون کو چھوڑ کر الفاظ ترجیح کے ساتھ قول راجح پر فتویٰ لکھنا ضروری ہوتا ہے۔

(۳) الفاظ ترجیح بہت سارے ہیں، جن میں سے اکثر کو علامہ شامیؒ نے ''رسم المفتی'' میں نقل کر دیا ہے، ان کو ہم بھی یہاں نقل کر دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(۱) وعليه الفتوىٰ (۲) به يفتى (۳) به نأخذ (٤) عليه الاعتماد (٥) عليه عمل اليوم (٦) عليه عمل الأمة (٧) هو الصحيح (٨) هو الأصح (٩) هو

الأظهر (١٠) هو المختار في زماننا (١١) عليه فتوى مشايخنا (١٢) هو الأشبه (١٣) هو الأوجه (١٤) هو الأحوط. ملاحظہ ہو: (عقود رسم المفتي، مکتبہ دارالکتاب دیوبند/ ۱۳۸)

(۴) الفاظ الترجیح کا تعارض: اگر کسی مسئلہ میں فقہاء کے اقوال متعارض ہوں اور ہر ایک پر الفاظ ترجیح بھی منقول ہوں، تو ایسی صورت میں جو قول 'علیہ الفتویٰ' کے الفاظ سے مروی ہو، اس کو سب پر ترجیح ہوگی۔ اور اگر لفظ ''الفتوی علیہ'' اور ''بہ یفتی'' میں تعارض ہوجائے تو لفظ ''بہ یفتی'' کے ساتھ جو قول مروی ہے، اس کو ترجیح دی جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی مسئلہ میں ایک دوسرے کے بارے میں ایک قول میں ''اصح'' ہو اور ایک قول میں ''صحیح'' ہو، تو ''اصح'' کے ساتھ جو قول مروی ہے اس کو ترجیح حاصل ہوگی؛ لیکن علامہ شامی نے ''منیہ'' کے حوالہ سے اس کے برخلاف بھی قول نقل کیا ہے کہ ''اصح'' کے مقابلہ میں ''الصحیح'' کو ترجیح حاصل ہوگی؛ لیکن جمہور کے نزدیک ''اصح''، ''صحیح'' کے مقابلہ میں زیادہ مؤکد ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (عقود رسم المفتی، دارالکتاب دیوبند/ ۱۳۹-۱۴۳)

بہرحال ایسے حالات میں فتویٰ لکھتے وقت مفتی کو جزئیات کے ساتھ ساتھ مستفتی کے حالات پر بھی غور کرکے جواب لکھنا چاہئے۔

الفصل الخامس:

مفتی اور قاضی کی ذمہ داری اور دائرہ عمل

(۱) مفتی پر ضروری ہے کہ زمانہ اور حالات پر واقف رہے اور جب کوئی استفتاء آجائے اس پر بار بار غور کرے اور مستفتی اور موجودہ حالات پر بھی نظر رکھے، اس کے بعد خوب سوچ سمجھ کر ایسا جواب لکھنے کی کوشش کرے جو مسئلہ کی رو سے صحیح بھی ہو اور مفتی کے جواب سے غلط اثر بھی نہ پڑے اور مستفتی کا مسئلہ بھی حل ہوجائے اور مسئلہ حل ہونے کا مطلب یہی ہے کہ صحیح مسئلہ لکھا جائے، چاہے مستفتی کے خلاف ہی کیوں نہ پڑے۔

(۲) مسئلہ لکھنے سے پہلے فقہی جزئیات اور اس کے مطابق قرآن وحدیث کے نصوص کو بھی پیش نظر رکھا جائے اور ہر جواب کے ساتھ فقہی جزئیات یا قرآن وحدیث کے نصوص کی عربی عبارت لکھی جائے؛ اس لئے کہ آج کے زمانہ میں مفتی مجتہد نہیں ہے؛ بلکہ مفتی ناقل ہے، صحیح طور پر نقل کردینا یہی بہت بڑا کام ہے۔

(۳) فرضی سوالات کے جواب دینے کی کوشش نہ کرے۔

(۴) غیر واضح سوال کا جواب بھی نہ دیا جائے، حتی الامکان مستفتی سے سوال واضح کرالیا جائے۔

(۵) مفتی اور قاضی کی ذمہ داری بہت ہی زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔

جب دو فریق کے درمیان اختلاف ہوتا ہے، کوئی ہارنے کے لئے تیار نہیں ہوتا ہے، ایک سے ایک آگے ہو تو ایسے حالات میں مسئلہ مفتی کے سر لاکر ڈال دیا جاتا ہے، تو ایسے مسائل کے جواب لکھنے میں بہت ہی سوچ بوجھ اور تدبر سے کام لینا ضروری ہے اور ایسے مسائل کا جواب لکھنے میں جلدی نہ کی جائے؛ بلکہ جہاں تک ہوسکے تاخیر سے کام لیا جائے اور کوشش کی جائے کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ اس کے بارے میں واقفیت حاصل ہوجائے۔

(۶) میراث کے مسائل کے جواب لکھنے میں خاندان اور ورثاء اور حق داروں کے بارے میں خوب سوچ وچار کیا جائے اور مستفتی سے سوال جواب کر کے مجمل سوال کو خوب اچھی طریقہ سے واضح کروالیا جائے۔

(۷) حتی الامکان کوشش کی جائے کہ مسئلہ لکھنے میں مسلک پر قائم رہے، اسی طرح قاضی کے فیصلہ کرنے میں مسلک کی رعایت ملحوظ رکھی جائے؛ البتہ انتہائی مجبوری میں قول ضعیف پر مسئلہ لکھا جائے اور مسلک غیر پر فتویٰ لکھنے کے لئے بہت سارے شرائط ہیں؛ اس کے لئے ایک الگ سے عنوان قائم کیا گیا ہے، وہیں سے ملاحظہ کیا جائے، اس اجمالی گفتگو کے بعد مفتی اور قاضی کی ذمہ داری اور دائرہ عمل سے متعلق پندرہ باتیں دلائل کے ذریعہ سے پیش کرتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ اس تحریر کے ذریعہ سے کسی باذوق طالب علم کو فائدہ پہنچ جائے گا۔

(۱) دیانت پر فتویٰ (۲) مفتی اور قاضی کا فرق (۳) جاہل قاضی کا فیصلہ (۴) مفتی کے فتوی پر قاضی کا فیصلہ (۵) دیانت وقضاء کا فرق (۶) مسائل دیانت وقضاء میں تعارض (۷) ایک واقعہ میں فتویٰ وفیصلہ میں تعارض کا حل (۸) مفتی کی ذمہ داری ودائرۂ عمل (۹) مفتی کے لئے واقعہ کی تحقیق (۰) مفتی پر ہر سوال کا جواب لازم نہیں (۱۱) غیر واضح سوال کا جواب (۱۲) عدالت میں پیشی سے قبل فیصلہ درست نہیں (۱۳) المرأۃ کالقاضی کی اصطلاح (۱۴) الزوج کالقاضی کی اصطلاح (۱۵) قضائے قاضی ظاہراً و باطناً کی وضاحت۔

اب ہر ایک کو الگ الگ سرخیوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) دیانت پر فتویٰ

اگر صاحبِ معاملہ واقعہ سے متعلق اپنے ارادہ اور نیت کا اظہار نہ کرے، تو مفتی کا فریضہ یہ ہے کہ سائل کے زبانی اور تحریری بیان اور سوال کے مطابق استفتاء کا جواب لکھ کر دیا کرے، مثلاً اگر شوہر نے بیوی سے کہا: تجھے طلاق طلاق طلاق، تو مفتی تاسیس اور اصل پر حمل کرتے ہوئے تین طلاق کے وقوع پر فتویٰ دیا کرے گا۔ اور اگر مستفتی از خود اپنی نیت وارادہ

کوظاہر کرتا ہےاور کہتا ہے کہ میں نے مذکورہ الفاظ سے صرف ایک طلاق کاارادہ کیا تھااور بعد کے دولفظ تاکید کے لئے کہہ دئے ہیں،تو ایسی صورت میں مفتی دیانت کااعتبار کرتے ہوئے اس کے معاملہ کو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سونپتے ہوئے صرف ایک طلاق واقع ہونے پرفتوی لکھ دیا کرے گا؛ لیکن اگر مذکورہ واقعہ میں معاملہ عدالت میں پہنچنے کے بعد شوہر اپناارادہ تاکید ہی کا ظاہر کرتا ہےتو قاضی تسلیم نہیں کرے گا؛ بلکہ ظاہر کے مطابق تین طلاق کا فیصلہ دے کرشوہر کورجوع کرنے سے منع کرے گا۔

تو معلوم ہوا کہ مفتی کے فتویٰ کا دارومدار درحقیقت دیانت پر ہوتا ہےاور قاضی کے فیصلہ کا مدار واقعہ کے ظاہر پر ہوتا ہے؛ البتہ مفتی کوظاہر پرفتویٰ دینے کا حق اس وقت حاصل ہوسکتا ہے کہ جب مستفتی ظاہر کے خلاف اپنی نیت اورارادے کا اظہار نہ کرے، ورنہ اظہار نیت کے بعد دیانت پرفتویٰ دینا مفتی پرلازم ہوتا ہے۔اس حکم کو''الاشباہ والنظائر'' میں ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

التاسيس خير من التاكيد، فإذا أراد باللفظ بينهما تعين الحمل على التاسيس، ولذا قال أصحابنا: لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثا، فإن قال: أردت به التاكيد صدق ديانة لا قضاء. (الأشباه والنظائر، قديم، ص: ۲۱۹)

تاسیس اوراصل کااعتبار کرنا تاکید کے مقابلہ میں بہتر ہوا کرتا ہے۔اور جب لفظ میں تاکید وتاسیس دونوں کا احتمال ہوتو تاسیس واصل پر حمل کرنا متعین ہوجاتا ہے۔اوراسی وجہ سے ہمارے فقہاء احناف نے کہا ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق طلاق طلاق،تو تین واقع ہونے پرفتویٰ دیا جائے گا۔اوراگر کہتا ہے کہ میں نے تاکید کاارادہ کیا ہے،تو اس کی نیت ودیانت کا اعتبار کرکے مفتی ایک طلاق کا فتویٰ اور قاضی ظاہر کا اعتبار کرکے تین طلاق کا فیصلہ دے گا۔

اورعلامہ ابن عابدین شامیؒ نے بھی بہت وضاحت سے اس کونقل فرمایا ہے، جو درمختار کی عبارت کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے:

كرر لفظ الطلاق وقع الكل، وإن نوى التاكيد دين، وتحته في الشامية: وقع الكل قضاء، وكذا إذا طلق بأن لم ينو استئنافا، ولا تاكيدا؛ لأن الأصل عدم التاكيد. (درمختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچی ۳/ ۲۹۳، زكريا جديد ديوبند ٤/ ٥٢١)

شوہر نے لفظ طلاق کومکرر استعمال کردیا تو سب واقع ہوجائیں گی۔ اور اگر شوہر نے تاکید کی نیت کی ہے، تو دیانۃً مان لی جائے گی اور شامی میں ہے کہ: قضاءً سب واقع ہوجائیں گی اور ایسا ہی جب اس طرح طلاق کا لفظ مکرر استعمال کیا ہے کہ نہ ہر لفظ سے طلاق کی نیت کی اور نہ ہی تاکید کی، تو سب واقع ہوجائیں گی؛ اس لئے کہ اصل حکم عدم تاکید کا ہے۔

اورامام زیلعیؒ نے ''تبیین الحقائق'' میں ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

إذا قال: أنت طالق، طالق، طالق، قال: إنما أردت به التكرار صدق ديانة لا قضاء، فإن القاضي مامور باتباع الظاهر. (تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب الكفايات، جديد زكريا ۳/ ۸۲، كراچی ۲/ ۲۱۸)

جب شوہر نے کہا کہ تجھے طلاق، طلاق، طلاق اور کہا کہ میں نے اس سے تکرار وتاکید کا ارادہ کیا تھا، تو دیانت کا اعتبار کرکے مفتی ایک طلاق کا فتویٰ دے گا اور قاضی ظاہر کا اعتبار کرکے تین طلاق پر فیصلہ دے گا۔

اورامام فخر الدین قاضی خاں اورصاحب ہندیہ نے حسب ذیل عبارت میں نقل فرمایا ہے:

رجل قال لامرأته: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، فقالت:

ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا: تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق، پھر کہا: میں نے اول

عنيت به الأولى الطلاق، وبالثانية والثالثة إفهامها، صدق ديانة، وفي القضاء طلق ثلاثا.

(هندية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول قديم ١/ ٣٥٦، جديد زكريا ١/ ٤٢٣، قاضي خان على هامش الهندية ١/ ٤٦١، جديد زكريا ديوبند ١/ ٢٧٩)

سے طلاق کا ارادہ کیا ہے اور ثانی اور ثالث سے بیوی کو سمجھانے کا ارادہ کیا تھا، تو دیانۃً تصدیق کر کے مفتی ایک طلاق کا فیصلہ دے گا اور قاضی کی عدالت میں تین طلاق کا فیصلہ کیا جائے گا۔

اور اس مضمون کی عبارتیں ’’بدائع الصنائع‘‘، ہدایہ، البحر الرائق اور تاتارخانیہ‘‘ وغیرہ میں بھی وضاحت کے ساتھ موجود ہیں۔

(۲) قاضی اور مفتی کا فرق

قاضی اور مفتی میں بنیادی فرق یہ ہے کہ مفتی حکم شرعی کا مخبر ہوتا ہے اور قاضی حکم شرعی کا ملزم ہوتا ہے؛ کیوں کہ جب مفتی سے حکم شرعی معلوم کیا جائے اور فتویٰ سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا اندیشہ بھی نہیں ہے، تو بلا تحقیق کے فتویٰ لکھ دیا کرے گا؛ اس لئے کہ وہ صرف حکم شرعی کی خبر دیتا ہے، ہاں البتہ اگر سائل کی غرض فاسد کا اندیشہ ہو تو تفتیش و تحقیق کی بھی گنجائش ہے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اور قاضی کے لئے صرف مدعی کے بیان ودعوی کے مطابق فیصلہ کر دینا جائز نہیں ہے؛ بلکہ قاضی پر لازم ہے کہ دونوں فریق سے رابطہ قائم کر کے شہادتِ شرعیہ یا بیان حلفی وغیرہ کے ذریعہ سے واقعہ کی پوری طرح تحقیق کر کے فیصلہ صادر کرے؛ اس لئے کہ وہ حکم شرعی کو لازم کرتا ہے۔ اور قاضی اور مفتی کے درمیان اس فرق کو علامہ علاء الدین حصکفیؒ نے ’’الدر المختار‘‘ میں اور علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ’’عقود رسم المفتی‘‘ میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

لا فرق بين المفتي والقاضي إلا أن المفتي مخبر عن الحكم،

والقاضي ملزم به. (عقود رسم المفتي، جديد دارالكتاب ديوبند، ص: ٤٥، قديم: ٢٧، درمختار قبيل مطلب لا يجوز العمل بالضعيف حتى لنفسه عندنا، كراچی ١/ ٧٤، زكريا ديوبند ١/ ١٧٦)

قاضی اور مفتی میں صرف اتنا فرق ہے کہ مفتی حکم شرعی کی خبر دینے والا ہوتا ہے اور قاضی حکم شرعی کو مکلّف پر لازم کرنے والا ہوتا ہے۔

اس اصول کو چند نظائر سے واضح کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے؛ لہٰذا ہم اس کے لئے تین نظیریں پیش کرتے ہیں۔

(۱) حرمت مصاہرت کا مسئلہ ہے کہ شوہر نے بیوی کی ماں کے ساتھ جماع کرلیا، یا شوہر کے اصول وفروع میں سے کسی نے بیوی کے ساتھ جماع کرلیا ہے، تو مفتی صرف یہ حکم بتلادے گا کہ بیوی شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی ہے، مگر مفتی کا فتویٰ چونکہ ملزم نہیں ہے؛ اس لئے فتویٰ کی وجہ سے نکاح سے خارج نہ ہوگی؛ بلکہ اس کے لئے متارکت یا قضائے قاضی شرط ہے، یعنی شوہر خود تفریق کا جملہ استعمال کرے یا قاضی فسخ کا فیصلہ کردے، اس کے بعد عدت گذار کر آزاد ہوسکتی ہے، اس کے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ مفتی کے فتویٰ میں کوئی الزام نہیں؛ بلکہ محض خبر ہے اور قاضی کے فیصلہ میں الزام ہے، اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج لآخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة. وفي الشامية: إلا بعد تفريق القاضي، أو بعد المتاركة. (الدرالمختار مع الشامي كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچی ٣/ ٣٧، زكريا ديوبند ٤/ ١١٤)

اور حرمتِ مصاہرت سے نکاح ختم نہیں ہوتا ہے، یہاں تک کہ عورت کے لئے دوسری جگہ نکاح کرنا حلال نہ ہوگا، مگر شوہر کے چھوڑ دینے اور عدت ختم ہونے کے بعد۔ اور شامی میں ہے کہ: مگر قاضی کے فسخ کرنے یا شوہر کے چھوڑ دینے کے بعد۔ (عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح حلال ہوگا)

(۲) خیار بلوغ میں مفتی کا فتویٰ یہ ہوگا کہ شوہر کے لئے بیوی کو اپنے پاس رکھنے کا حق نہیں، مگر قضائے قاضی یا شوہر کے متارکت کے بغیر نکاح سے جدا نہیں ہو سکے گی، تو اس میں بھی مفتی کا فتویٰ صرف خبر کے درجہ میں اور قاضی کا فیصلہ ملزم ہے۔ (شامی، کتاب النکاح، باب الولی، کراچی ۳/ ۷۰، زکریا دیوبند ۴/ ۱۷۶)

(۳) رجوع فی الہبہ کے ساتھ موانع مرتفع ہو جائیں، تو مفتی کا فتویٰ یہ ہوگا کہ واہب کے لئے رجوع کرنا جائز ہے، مگر موہوب لہ کی رضامندی یا قضائے قاضی کے بغیر مال موہوب واپس نہیں لے سکتا؛ لہٰذا اس میں بھی مفتی کا فتویٰ صرف خبر کے درجہ میں اور قاضی کا فیصلہ ملزم ہے۔ (کنز الدقائق، باب الرجوع فی الہبۃ، مطبع مجتبائی دہلی، ص: ۳۵۵، ہندیۃ قدیم ۴/ ۳۹۰، جدید زکریا دیوبند ۴/ ۴۱۵)

ان مثالوں سے مفتی کا صرف مخبر حکم ہونا اور قاضی کا ملزم حکم ہونا واضح ہو چکا ہے۔

(۳) جاہل قاضی کا فیصلہ

اگر چہ قاضی کا متبحر عالم ہونا افضل اور بہتر ہے؛ لیکن مجبوری میں قول صحیح کے مطابق جاہل کو بھی قاضی بنانا جائز اور درست ہے، مگر وہ کسی تجربہ کار مفتی سے فتویٰ لے کر اپنا فتویٰ صادر کیا کرے گا، اس مسئلہ کو ''کنز الدقائق'' کے حاشیہ میں ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

ویجوز تقلید الجاهل في الصحيح، ويعمل بفتوى غيره والأولىٰ له المجتهد. (حاشية كنز الدقائق، مطبع مجتبائي /٢٧٦)

اور صحیح قول کے مطابق جاہل کو قاضی بنانا جائز ہے اور وہ غیر کے فتوی کے مطابق عمل کیا کرے گا۔ اور افضل یہی ہے کہ عہدۂ قضاء کے لئے مجتہد ہی ہو۔

(۴) مفتی کے فتوی پر قاضی کا فیصلہ

اگر قاضی جاہل ہے یا عالم تو ہے؛ لیکن علمی تبحر نہیں ہے، تو اس کے لئے مفتی سے فتویٰ

حاصل کرکے فتوی کے مطابق فیصلہ دینے کا حکم ہے۔ اور جب قاضی مفتی سے فتویٰ طلب کرے گا تو مفتی مسائل دیانت پر فتویٰ لکھ کر دے گا یا مسائل قضاء پر؟ تو حضرات فقہاء نے اس کے متعلق یہی حکم لکھا ہے کہ ایسی صورت میں مفتی پر لازم ہے کہ مسائل قضاء پر فتویٰ لکھ کر قاضی کو دے دے، تا کہ قاضی مسائل قضاء کے مطابق فیصلہ صادر کرسکے۔ اس مسئلہ کو علامہ شامیؒ "درمختار" کی عبارت: "المفتي يفتي بالديانة، والقاضي يقضي بالظاهر" کے تحت ایک جزئیہ کی وضاحت کرتے ہوئے نقل فرماتے ہیں: اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ تو طلاق والی ہے اور اس سے شوہر جھوٹی خبر دینے کا ارادہ کرتا ہے، تو مفتی شوہر کے ارادہ کے مطابق عدم وقوع طلاق کا فتویٰ دے گا۔ اور قاضی ظاہر کے مطابق وقوع طلاق پر فیصلہ صادر کرے گا۔ اور اگر اس مسئلہ کو قاضی مفتی سے دریافت کرے گا، تو مفتی ظاہر کے مطابق وقوع طلاق کا فتویٰ دے گا، چنانچہ اس کو ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:

فإن القاضي إذا سأل المفتي عن هذه الحادثة لا يفتي بعدم الوقوع؛ لأنه إنما سأله عما يحكم به فلا بد أن يبين له حكم القضاء. (شامي، كتاب القضاء، مطلب في الإجتهاد وشروطه، زكريا ديوبند ٨/ ٣٩، كراچی ٥/ ٣٦٥)

لہٰذا اگر قاضی اس حادثہ کے بارے میں مفتی سے فتویٰ طلب کرے تو مفتی مسائل دیانت کے مطابق عدم وقوع پر فتویٰ نہ دے گا؛ اس لئے کہ قاضی نے یوں سوال کیا ہے کہ وہ کس پر فیصلہ دے گا؟ لہٰذا مفتی پر لازم ہے کہ قضاء کا حکم بیان کردے۔

(۵) دیانت وقضاء کا فرق

دیانت اور قضاء کا دارومدار واقعہ کی شہرت اور عدم شہرت پر نہیں ہے؛ بلکہ جب تک معاملہ قاضی کی عدالت میں نہیں پہنچتا ہے اس وقت تک دیانت کے دائرے میں رہتا ہے۔ اور جس وقت معاملہ قاضی کی عدالت میں پہنچ جائے گا، اس وقت دیانت کے دائرے سے نکل کر قضاء کے دائرے میں داخل ہوجائے گا۔

فإن مدار الديانة القضاء ليس على الاشتهار وعدمه، بل يبقى الأمر تحت الديانة ما لم يرفع إلى القاضي. (فيض الباري، كراچی ۱/ ۱۸۷)

بے شک دیانت اور قضاء کا دار ومدار معاملہ کی شہرت وعدم شہرت پر نہیں ہے؛ بلکہ جب تک معاملہ قاضی کی عدالت میں نہ پہنچ جائے گا، اس وقت تک دیانت کے ماتحت رہتا ہے۔

نیز معاملہ عدالت میں پہنچنے سے پہلے چونکہ شہادتِ شرعیہ اور بیان حلفی وغیرہ سے حقیقت واقعہ کی گہرائی تک رسائی نہیں ہو پاتی ہے؛ بلکہ صاحب معاملہ کی صداقت اور دیانت پر موقوف رہتا ہے؛ اس لئے دیانت کو بینه وبین اللہ اور تنزہ اور تورع سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور دیانت اور تنزہ اور بینه وبین اللہ کے الفاظ کو فقہاء نے الفاظِ مترادفہ میں شمار فرمایا ہے، جیسا کہ قواعد الفقہ کی عبارت ذیل سے واضح ہوتا ہے:

الديانة عند الفقهاء: هي والتنزه وبينه وبين الله مترادفة. (قواعد الفقه، أشرفي بك ڈپو ديوبند ۲۹۵)

فقہاء کے نزدیک لفظ دیانت اور تنزہ اور لفظ ”بینه وبین اللہ“ الفاظ مترادفہ میں سے ہیں۔

اور اگر سائل نے جھوٹا بیان دے کر مفتی سے اپنی غرض فاسد کے مطابق فتویٰ حاصل کرلیا ہے، تو اس کا گناہ مفتی پر نہ ہوگا؛ بلکہ سائل ہی پر اس گناہ کا وبال ہوگا؛ اس لئے کہ مفتی سے جو معلوم کیا گیا اسی کے مطابق شریعت کا حکم بتلا دیا ہے؛ اس لئے کہ مفتی کو دیانت ہی پر فتویٰ دینے کا مکلّف بنایا گیا ہے۔ اس کو علامہ شامیؒ نے اور صاحب قواعد الفقہ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

المفتي يفتي بالديانة، وزيد في قواعد الفقه يعني أنه إنما يحكم على حسب إظهار المكلف سواء كان موافقا للظاهر أو مخالفا. (شامي، كتاب القضاء، مطلب في الإجتهاد وشروطه، كراچی ۵/ ۳٦۵، زكريا ديوبند ۸/ ۳۹، قواعد الفقه، أشرفي ديوبند ۵۷۹)

مفتی دیانت کے مطابق فتویٰ دیا کرے گا، یعنی صاحب معاملہ اور مکلّف کے اظہار اور بیان کے مطابق حکم شرعی بتلا یا کرے گا، وہ چاہے ظاہر کے موافق ہو یا مخالف۔

(۶) مسائل دیانت وقضاء میں تعارض

اوپر جو دیانت وقضاء کا فرق بیان کیا گیا ہے، اس کی وجہ سے بے شمار مسائل میں حلت وحرمت کے تعارض کا اشکال پیش آجاتا ہے؛ اس لئے تعارض پر تبصرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، اس کے لئے دو باتیں ذہن میں رکھنا ضروری ہے:

(۱) قاضی کا فیصلہ یقین پر ہوتا ہے اور مفتی کا فتویٰ احتیاط پر ہوتا ہے۔

(۲) قاضی کے لئے صرف مدعی کے بیان پر فیصلہ دینا جائز نہیں ہے؛ بلکہ شرعی گواہ یا بیان حلفی وغیرہ سے حقیقت واقعہ پر واقفیت کے بعد یقین پر فیصلہ دینا لازم ہے، اس کے برخلاف مفتی کا فتویٰ صرف سائل کے بیان کو مان کر اسی کے مطابق ہوتا ہے؛ اس لئے کہ دیانت کا لفظ کتب فقہ میں تصدیق کرنے اور مان لینے کے معنی میں بھی آیا ہے، جیسا کہ ''ہدایہ'' کی اس عبارت سے واضح ہوجاتا ہے۔

ولو نوى الطلاق عن وثاق لم يدين في القضاء، ويدين فيما بينه وبين الله تعالیٰ. (هداية، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق، أشرفي بك ڈپو ديو بند ۲/ ۳۵۹)

اور اگر شوہر نے لفظ طلاق سے قید بندی سے آزادی کی نیت کی ہے، تو قضاءً تسلیم نہیں کی جائے گی اور دیانۃً تسلیم کرلی جائے گی۔

اور اس تعارض کو مثالوں سے دفع کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شوہر نے بیوی سے کہہ دیا کہ اگر تم سے لڑکا پیدا ہوا تو ایک طلاق اور لڑکی پیدا ہوئی تو دو طلاق، اتفاق سے لڑکا لڑکی دونوں پیدا ہوگئے اور کون پہلے پیدا ہوا معلوم نہ ہوسکا، تو قضاءً ایک طلاق اور دیانۃً دو طلاق واقع ہوجائیں گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر لڑکے کی تقدیم معلوم ہوجاتی تو قضاءً ودیانۃً دونوں صورتوں میں ایک طلاق واقع ہوتی۔ اور اگر لڑکی کی تقدیم معلوم ہوجاتی، تو دونوں صورتوں میں دو طلاق واقع ہوجاتی، مگر ایک طلاق بہر حال یقینی ہے؛ اس لئے قاضی جانب

یقین کے لحاظ سے ایک طلاق پر فیصلہ اور مفتی جانب احتیاط کے لحاظ سے دو طلاق کا فتویٰ دے گا۔ اور اس مسئلہ میں اگر ایک لڑکی اور دو لڑکے پیدا ہوتے تو قضاءً ایک طلاق اور دیانۃً تین طلاق واقع ہو جاتیں، تو اس مسئلہ میں حلت وحرمت کا اختلاف ہے کہ قاضی رجعت کو حلال قرار دے گا اور مفتی حرام قرار دے گا؟

اب اگر کسی جگہ قاضی اور مفتی دونوں موجود ہیں اور دونوں سے متعارض حکم حاصل کیا گیا ہے، تو قاضی کے فیصلہ پر رجعت کر کے بیوی کو اپنے پاس رکھنے میں گناہ نہ ہوگا؛ اس لئے کہ قاضی کے فیصلہ سے مفتی کا فتویٰ کالعدم ہو چکا ہے، جو کہ فتویٰ و فیصلہ کے تعارض کی بحث میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اور اگر کسی جگہ صرف مفتی ہے قاضی نہیں ہے اور مفتی نے تین طلاق کا فتویٰ دے دیا ہے، تو اس کے لئے رجعت کرنا جائز نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ اس کو رجعت کے لئے حکم شرعی کہیں سے بھی حاصل نہیں ہوا ہے۔ اس تفصیل سے حلت وحرمت کے تعارض کا اشکال مرتفع ہو گیا ہوگا، کتب فقہ میں اس مسئلہ کو ان الفاظ سے نقل کرتے ہیں:

قال لها: إن ولدت غلاما فأنت طالق واحدا، وإن ولدت جارية فأنت طالق ثنتين، فولدت غلاما وجارية ولم يدر الأول تلزمه طلقة واحدة قضاء، وفي الاحتياط ثنتان تنزها.

(تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب التعليل، كراچى ٢/ ٢٣٨، زكريا ديوبند ٣/ ١١٤، هداية رشديه ٢/ ٣٦٧، أشرفي ٢/ ٣٨٧، البحرالرائق، كوئٹه ٤/ ٣١، زكريا ديو بند ٤/ ٥٠)

شوہر نے بیوی سے کہہ دیا کہ اگر تم سے لڑکا ہوا تو ایک طلاق۔ اور اگر لڑکی ہوئی تو دو طلاق، پھر لڑکا لڑکی دونوں پیدا ہوئے اور پہلے کون پیدا ہوا معلوم نہ ہوسکا، تو قضاءً ایک طلاق لازم اور دیانۃً اور احتیاطاً دو طلاقیں ہوں گی۔

ولو ولدت غلامين وجارية وقعت واحدة قضاء وثلاثا تنزها. (البحرالرائق، کتاب الطلاق، باب التعليق، كوئٹه ٤/ ٣١، زكريا ديوبند ٤/ ٥٠، تبيين الحقائق، كوئٹه ٢/ ٢٣٩، زكريا ديوبند ٣/ ١١٤)

اور اگر دولڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوجائے تو قضاءً ایک طلاق اور دیانۃً تین طلاقیں ہوں گی۔

(۷) ایک واقعہ میں فتویٰ وفیصلہ میں تعارض کا حل

اگرایک ہی واقعہ سے متعلق صاحب معاملہ مفتی سے فتویٰ لے کر پھر قاضی سے فیصلہ حاصل کرتا ہے اور مفتی نے دیانت پر فتویٰ دیا تھا اور قاضی نے قضاء اور ظاہر پر فیصلہ دے دیا، مثلاً شوہر نے بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق، طلاق، طلاق اور کہتا ہے کہ میں نے صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی، تو مفتی نے دیانت کا اعتبار کر کے سائل کی نیت وارادہ کے مطابق ایک طلاق پر فتویٰ دے کر رجعت کا حکم دے دیا۔ اور قاضی نے ظاہر کا اعتبار کر کے تین طلاق کا فیصلہ دے کر رجعت سے منع کر دیا، تو ایسی صورت میں صاحب معاملہ پر مفتی کا فتویٰ چھوڑ کر قاضی کے فیصلہ پر عمل کرنا واجب ہے؛ اس لئے کہ قاضی کے فیصلہ سے مفتی کا دیانت کا فتویٰ متروک ہوجاتا ہے۔ اور اگر معاملہ قاضی کے پاس پہنچ گیا تھا اور قاضی نے تین طلاق پر فیصلہ دے دیا اور اس کے بعد معاملہ مفتی کے پاس پہنچ جاتا ہے اور مفتی دیانت پر فتویٰ دینا چاہے، تو مفتی کو اس معاملہ میں فتویٰ دینے کا حق باقی نہیں رہے گا۔ اور اگر مفتی کو قاضی کا فیصلہ معلوم نہیں تھا اور مفتی نے دیانت پر فتویٰ دے دیا ہے، تو صاحب معاملہ کو ایسی صورت میں مفتی کے فتویٰ پر عمل کرنا جائز نہیں؛ بلکہ قاضی کے فیصلہ پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ اس مسئلہ کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

وكذلك المقلد إذا أفتاه

اوراسی طرح جب کسی مفتی نے صاحب معاملہ

إنسانا في حادثة ثم رفعت إلى القاضي فقضى بخلاف رأى المفتي، أنه يأخذ بقضاء القاضي، ويترك رأى المفتي؛ لأن رأى المفتي يصير متروكا بقضاء القاضي.

(بدائع الصنائع، كتاب القضاء، زكريا ديوبند ٥/ ٤٤٥، كراچی ٧/ ٦)

مقلد کو کسی واقعہ میں فتویٰ دے دیا، تو اس نے قاضی کی عدالت میں پیش کر دیا ہے اور قاضی نے مفتی کے فتوی کے خلاف فیصلہ کر دیا ہے، تو صاحب معاملہ قاضی کے فیصلہ کو اختیار کر کے مفتی کے فتوی کو ترک کر دے گا؛ اس لئے کہ قاضی کے فیصلہ کی وجہ سے مفتی کا فتویٰ متروک ہو جاتا ہے۔

(۸) مفتی کی ذمہ داری اور دائرہ عمل

قاضی اور مفتی میں یوں بھی فرق ہے کہ قاضی پر شہادتِ شرعیہ وغیرہ کے ذریعہ سے واقعہ اور معاملہ کی حقیقت اور گہرائی تک رسائی لازم ہے، اس کے بغیر قاضی کو فیصلہ دینے کا حق نہیں ہے؛ لیکن اس کے برخلاف مفتی کو شہادت شرعیہ وغیرہ کے ذریعہ سے واقعہ کی تحقیق لازم نہیں ہے؛ بلکہ سائل کے بیان اور سوالیہ تحریر کے مطابق حکم شرعی کی خبر دیا کرے گا، ہاں البتہ اگر مستفتی کی غرض فاسد کا اندیشہ ہو جائے تو واقعہ کی تحقیق بھی کر سکتا ہے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اسی کو فتویٰ سے موسوم کیا جاتا ہے اور احتیاط کے پہلو کو اختیار کرتے ہوئے سائل کے سوال اور بیان کے مطابق جواب دینے کو دیانت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، نیز مفتی کے لئے فرضی اور امکانی سوالات کا جواب دینا بھی جائز ہے، مگر قاضی کے لئے اس کی اجازت نہیں ہے۔ اس کو ''فیض الباری'' میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

إن المفتي يحتاج إلى علم المسئلة فقط، ويجيب على الاحتمالات والتقديرات أيضا

بے شک مفتی کو صرف مسئلے کے علم کی ضرورت ہے اور مفتی فرضی اور امکانی سوالات کا بھی جواب دے سکتا ہے، مثلاً یوں کہے کہ اگر واقعہ

فلو كان الأمر كذلك كان الجواب ذلك، بخلاف القاضي؛ فإنه يحتاج إلى علم الواقعة.

ایسا ہے،تو جواب یوں ہوگا،اس کے برخلاف قاضی کے لئے ضروری ہے کہ اصل واقعہ کی حقیقت معلوم کرے۔

(فيض الباري، کراچی ۱/ ۱۸۷)

(۹) مفتی کے لئے واقعہ کی تحقیق

اور مفتی کے پاس جو مسائل اور سوالات آتے ہیں وہ دو قسم پر ہوسکتے ہیں:

قســــم اول:- وہ مسائل جن کا تعلق صرف سائل کی ذات سے ہے اور ان میں غلط بیانی سے سائل کوئی ناجائز فائدہ بھی اٹھا نہیں سکتا، تو ایسے امور میں مفتی صرف سائل کے بیان کے مطابق جواب لکھا کرے گا، تحقیق واقعہ کے پیچھے نہیں پڑے گا، اس کو علامہ ابن نجیم مصریؒ نے ''البحر الرائق'' میں ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

ويجيب على ما في الرقعة لا على ما يعلمه. (البحر الرائق، كتاب القضاء، فصل في المستفي، زكريا ديوبند ٦/ ٤٥٠، كوئٹه ٦/ ٢٦٨)

اور مفتی اس کے مطابق جواب دیا کرے گا، جو سوال نامہ میں لکھا ہوا ہے، اور اپنی معلومات کے مطابق جواب نہیں دے گا۔

اور صاحب *قواعد الفقہ* اس کو ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

المفتي يفتي بالديانة، يعني أنه إنما يحكم على حسب إظهار المكلف سواء كان موافقا للظاهر أو مخالفا، ويختار ما هو الأحوط في حقه تنزها.

مفتی دیانت پر فتویٰ دیا کرے گا، یعنی مکلّف اور سائل کے بیان اور اظہار واقعہ کے مطابق حکم بتلائے گا، چاہے وہ ظاہر کے مطابق ہو یا مخالف اور خوف خدا کے پیش نظر اس کے حق میں احتیاط کا پہلو اختیار کرے گا۔

(قواعد الفقه أشرفي ديوبند ٥٧٩)

قسم دوم:- ایسےاموراورایسےمسائل جن میں غلط بیانی سے مستفتی ناجائز فائدہ اٹھاسکتاہے یادوسروں کونقصان پہنچاسکتاہے یاان امور کاتعلق دوفریق سے ہےاور سائل اپنی غرض فاسد کے لئےمفتی سے فتویٰ طلب کرتاہے،تو ایسے امور میں مفتی کے لئے صرف سائل کے بیان پر فتویٰ لکھنا مناسب نہیں ہے؛ بلکہ حسب گنجائش معلومات فراہم کرنا یا دوفریق کا معاملہ ہوتو دونوں فریق کو بلاکر معاملہ کی تحقیق کر کے جواب دینا مستحسن ہے؛ بلکہ بعض دفعہ واقعہ کی تحقیق لازم اورضروری ہوجاتی ہے ؛اس لئے کہ اگرمفتی بغیر دوراندیشی کے ایسے امور میں فتویٰ لکھ دیتاہےاوراس کےفتویٰ کے ذریعہ سے ناجائز فائدہ اٹھایاجائے یاکسی کی حق تلفی کی جائےتو خودمفتی کا بھی اس گناہ میں مبتلا ہوجانے کا خطرہ ہے؛اس لئےمفتی کا دوراندیش اور مدبر ہونا بھی ضروری ہے، نیزبعض لوگ مفتی کو یہ کہہ کراپنی غرض فاسد کےمطابق سوال کرکے جواب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مفتی کوتفتیش اورتحقیق واقعہ کا حال معلوم کرنے کاحق نہیں ہے؛ بلکہ سائل جوبھی سوال کرے گا بلاتحقیق اس کا جواب دینا مفتی پر لازم ہے۔ یہ دعویٰ غلط ہے؛ بلکہ مفتی کوتحقیق واقعہ کا بھی حق ہےاور واقعہ کی تحقیق کے بعدحق کے مطابق فتویٰ لکھ دیا کرے گا، نیز ہرسوال کا جواب دینے کا بھی مفتی پابندنہیں ہے، ہاں البتہ بالکل قاضی کی طرح شہادت شرعیہ وغیرہ کے ذریعہ سے مفتی کوعدلیہ کی شکل اختیار کرنے کا حق نہیں ہے،ہم اس اصول کی تائید کے لئے کتب فقہ کی تین عبارات پیش کرتے ہیں۔

(۱) علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی عبارت:''**وشرط بعضهم تيقظه**'' کےتحت شامی میں اس کوان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:

وهذا شرط لازم في زماننا، فإن العادة اليوم أن من صار بيده فتوى المفتي استطال على خصمه وقهره بمجرد قوله: أفتاني المفتي	اور مفتی کے متیقظ اور دوراندیش ہونے کی شرط ہمارے زمانے میں لازم اورضروری ہے؛ اس لئے کہ اس زمانہ میں لوگوں کی عادت یہ ہوگئی ہے کہ جس کے ہاتھ میں مفتی کا فتویٰ ہوتاہےوہ اپنے مخالف فریق پر یہ کہہ کر

لأن الحق معي والخصم جاهل لا يدري ما في الفتوى، فلابد أن يكون المفتي متيقظا يعلم حيل الناس ودسائسهم، فإذا جاء السائل يقرره من لسانه ولا يقول له إن كذا فالحق معک، وإن كان كذا فالحق مع خصمک؛ لأنه يختار لنفسه ما ينفعه ولا يعجز عن إثباته بشاهدي زور، بل الأحسن أن يجمع بينه وبين خصمه، فإذا ظهر له الحق مع أحدهما كتب الفتوى لصاحب الحق. (شامي، كتاب القضاء، زكريا دوبند ۸/ ۳۰، کراچی ۵/ ۳۵۹)

غالب آجاتا ہے کہ میرے پاس مفتی کا فتوی ہے، جو ہمارے موافق ہے، اورفریق کے ان پڑھ ہونے کی وجہ سے اس کوفتویٰ میں کیا ہے؟ یہ معلوم نہیں ہوتا؛ اس لئے مفتی کولوگوں کے حیلے اور ان کی خفیہ سازشوں سے باخبر ہونا ضروری ہے؛ لہٰذا جب سائل اپنی زبان سے اپنی بات ثابت کرنے کی کوشش کرے تو مفتی اس سے یہ نہ کہے کہ اگر واقعہ ایسا ہے،تو حق تیرے ساتھ اوراگر واقعہ ایسا ہے تو حق تیرے مخالف فریق کے ساتھ ہے؛اس لئے کہ ایسی صورت میں سائل اپنے نفع کا پہلو اختیار کرے گا اور جھوٹا گواہ قائم کر کے غرض کوثابت کرنے سے عاجز نہ رہے گا؛ بلکہ مفتی کے لئے مستحسن یہی ہے کہ دونوں فریق کو بلا کر واقعہ کی تحقیق کرلے،پھر جس کے موافق حق ثابت ہو جائے اس کے موافق فتویٰ کا جواب لکھ دیا کرے۔

(۲) اوراسی صفحہ میں علامہ شامیؒ آگے اور وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

فإذا أخذ الفتوى قهر خصمه ووصل إلى غرضه الفاسد فلا يحل للمفتي أن يعينه على ضلاله، وقالوا: من جهل بأهل زمانه فهو جاهل ويسأل عن

پس جب سائل فتوی حاصل کرے گا،تو اپنے فریق پرغلبہ حاصل کرلے گا اوراس کے ذریعہ سے اپنی غرض فاسد تک پہنچ جائے گا؛ اس لئے مفتی کے لئے سائل کی گمراہی پر تعاون کرنا جائز نہیں ہے۔اورفقہاء نے کہا: ہے کہ

أمـر شـرعي، وتدل القرائن للـمـفتي الـمتيـقظ أن مراده التوصل إلى غرض فاسد كما شهـدنـاه كثيرا. (شـامي، كتـاب الـقـضـاء، زكـريـا دوبند ۸/ ۳۰-۳۱، كراچی ۵/ ۳۵۹)

جو اہل زمانہ کے حالات سے واقف نہیں ہے وہ جاہل ہے۔ اور کوئی امر شرعی سے متعلق سوال کرے تو دوراندیش مفتی کو قرائن سے اس کی مراد کا پتہ لگ جاتا ہے کہ اس کی مراد غرض فاسد کو حاصل کرنا ہے، جیسا کہ ہم نے اس کا بہت زیادہ مشاہدہ کرلیا ہے

(۳) تیسری عبارت ''رسائل ابن عابدین'' میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ ''نشر العرف'' میں اس طرح نقل فرماتے ہیں:

فإنـا نرى الرجل يأتي مستفتيا عـن حـكـم شـرعـي ويـكـون مـراده التـوصـل بذلك إلى إضـرار غيـره، فـلو أخرجنا له فتـوى عـما سئل عنه نكون قد شـاركـنـاه في الإثم؛ لأنـه لم يتوصل إلى مراده الذي قصده إلا بسببـنـا. (رسـائـل ابـن عـابدين، مطبع ثاقب بکڈپو دیوبند ۲/ ۱۳۱)

پس بے شک آدمی کو ہم دیکھتے ہیں کہ حکم شرعی سے متعلق سائل بن کر آتا ہے، حالانکہ اس کی غرض اس کے ذریعہ سے کسی کو نقصان پہنچانا ہوتی ہے، تو اگر ہم مسئول عنہ سے متعلق بلا تحقیق جواب دے دیں گے تو گناہ میں ہم بھی شریک ہوجائیں گے؛ اس لئے کہ وہ اپنی فاسد مراد تک نہیں پہنچ سکتا مگر ہمارے فتوی کی وجہ سے۔

(۱۰) مفتی پر ہر سوال کا جواب لازم نہیں

مفتی کا دوراندیش اور متیقظ اور چوکنا ہونا لازم ہے؛ لہٰذا اگر اپنی دوراندیشی سے کسی سوال کا جواب دینا مناسب نہ سمجھے، تو جواب دینا لازم نہیں، نیز فقہاء نے لکھا ہے کہ ہر سوال کا جواب دینے والا مفتی نہیں؛ بلکہ مجنون ہے؛ اس لئے مفتی کا بہت محتاط ہونا لازم ہے، اس کو

’’رسم المفتی‘‘ کے مقدمہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

عـن ابـن مسـعـود وابن عبـاس –رضـي الله عـنهمـا– من أفتى عـن كـل مـاسئل فهو مجنون. (مقدمة رسم المفتي قديم/٣، جديد دارالكتاب ديوبند/٤)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص ہر سوال کے جواب میں فتویٰ دیتا ہے وہ مجنون ہے۔

عـن أبـي واصـل قـال: قـال عبـدالله: مـن أفتـى الناس بكل مايسألونه فهو مجنون. (المعجم ٩/ ١٨٨، رقم: ٨٩٢٤)

حضرت ابو واصل فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص لوگوں کے ہر سوال کے جواب میں فتوی دیتا ہے وہ مجنون ہے۔

(۱۱) غیر واضح سوال کا جواب

اگر سوال واضح نہیں ہے تو مفتی اگر مگر کر کے جواب نہ دیا کرے؛ اس لئے کہ اس سے مستفتی کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اور بسا اوقات مستفتی تر دد میں مبتلا ہوجاتا ہے؛ بلکہ ایسے غیر واضح سوالات کے متعلق مستفتی سے وضاحت طلب کر کے سوال کی نوعیت سے اچھی طرح واقفیت کے بعد جواب لکھا کرے گا۔ ’’فتاویٰ تاتارخانیہ‘‘ کے مقدمہ میں اس اصول کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

فـإذا لـم يتـضـح فإنه يسئل عن الـمستـفتـي حتـى يقف علـى كـيـفيتــه السـؤال، ثـم يجيب فيـصيـب بتـوفيـق الله تـعـالىٰ. (مقدمة تاتارخانية، قديم ١/ ٨٣)

پھر جب سوال واضح نہ ہو تو مستفتی سے پوچھ لے تا آنکہ سوال کی نوعیت سے پوری طرح واقفیت حاصل ہوجائے، پھر اس کے بعد جواب لکھ دے تو اللہ کی توفیق سے جواب صحیح اور درست ہوا کرے گا۔

اور حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ کی عبارت اور بھی واضح ہے، ملاحظہ فرمایئے:

فلا يجوز للمفتي أن يتعجل في الجواب إن كان هناك إبهام في السوال، فيجب عليه أن يزيل ذلك الإبهام بمراجعة المستفتي، أو بالطرق الأخرى حتى تتبين صورة المسألة بوضوح. (أصول الإفتاء وأدابه، ص: ۳۰۲)

(۱۲) عدالت میں پیشی سے قبل فیصلہ درست نہیں

اگر عدالت میں معاملہ کی پیشی سے پہلے خارج عدالت قاضی کو واقعہ کا علم ہوجائے اور قاضی اپنے علم کے مطابق اس واقعہ کے متعلق فیصلہ دے دے، تو وہ شرعی طور پر فیصلہ نہ ہوگا؛ بلکہ فتویٰ ہوجائے گا، جب کہ قاضی صاحبِ علم بھی ہے؛ لہٰذا صاحب معاملہ کو اسے فیصلہ نہیں سمجھنا چاہئے؛ بلکہ فتویٰ سمجھ لینا چاہئے۔ علامہ ابن نجیم مصریؒ نے اس مسئلہ کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

وأما شرائطه: وهو الرابع، في الحكم أن يكون بعد تقدم دعوى صحيحة من خصم على خصم، فإن فقد هذا الشرط لم يكن حكما، وإنما هو إفتاء صرح الإمام السرخسي. (البحرالرائق، كتاب القضاء، كوئٹه ٦/ ٢٥٦، زكريا ديوبند ٦/ ٤٣١، بزازية على هامش الهندية ٥/ ١٦٤، جديد زكريا ديوبند ٢/ ٨٢)

اور بہرحال شرط رابع فیصلہ کے متعلق یہ ہے کہ ایک فریق کا دوسرے فریق کے خلاف صحیح دعویٰ پیش ہونے کے بعد قاضی فیصلہ دے سکتا ہے، پس اگر یہ شرط فوت ہوجائے تو یہ فیصلہ نہ ہوگا؛ بلکہ فتویٰ ہوجائے گا، امام شمس الائمہ سرخسیؒ نے اس کی صراحت کردی ہے۔

ہاں اگر عدالت میں پیشی ہوچکی ہے، تو اس کے بعد قاضی داخل عدالت اور خارج عدالت ہر جگہ تحقیق واقعہ کے بعد فیصلہ دے سکتا ہے۔ اور وہ شرعاً فیصلہ ہی ہوگا، فتویٰ نہ ہوگا۔

ويقضي في المسجد أو في داره — اور قاضی کو خارج عدالت مسجد اور اپنے گھر

لأن الحكم عبادة لا تختص بمكان، فجاز أن يحكم في منزله ولو حكم في أي مكان شاء جاز. (تبيين الحقائق، كتاب القضاء، كوئٹه ٤/ ١٧٨، زكريا ٥/ ٨٧)

میں بھی فیصلہ دینے کا حق ہے؛ اس لئے کہ فیصلۂ شرعی ایک عبادت ہے، جو کسی مقام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے؛ لہٰذا اپنے گھر میں فیصلہ دینا جائز ہوگا۔ اور اگر کسی بھی مقام میں فیصلہ دے دے تو بھی جائز ہے۔

(۱۳) ’’المرأۃ کالقاضی‘‘ کی اصطلاح

’’المرأۃ کالقاضی‘‘ والی عبارت کتبِ فقہ میں کثرت سے ملتی ہے۔ اور یہ باب طلاق سے متعلق ہی استعمال ہوا کرتی ہے اور اس عبارت میں عورت کو جو قاضی کے حکم میں قرار دیا گیا ہے، اس کا مطلب جب تک واضح نہ ہوگا مسئلہ کی نوعیت سامنے نہیں آسکتی ہے۔ اور یہ عبارت دو حیثیت سے استعمال ہوتی ہے اور دونوں حیثیتوں میں واضح فرق یوں ہوا کرے گا کہ پہلی میں قاضی کا فیصلہ شوہر کے خلاف عورت کے موافق ہوگا۔ اور دوسری میں شوہر کے موافق عورت کے خلاف فیصلہ ہوگا، اب دونوں حیثیتوں کو ملاحظہ فرمائیے:

حیثیت ۱: عورت کو قاضی کی طرح ظاہر کا اعتبار کر کے اپنے نفس کے متعلق حلت وحرمت کا از خود فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، مثلاً جب شوہر نے یہ کہہ دیا: تجھے طلاق، طلاق، طلاق اور از خود طلاق کا اقرار بھی کرتا ہے، مگر کہتا ہے کہ میں نے تکرار وتاکید کا ارادہ کیا تھا، تین طلاق کا ارادہ نہیں کیا ہے۔ اور عورت نے خود بھی تین طلاق شوہر کی زبان سے سن رکھی ہیں، یا عادل شخص کی شہادت سے اس کو یقین حاصل ہو چکا ہے، اب اگر یہ معاملہ قاضی کی عدالت میں پہنچ جاتا ہے، تو مسئلہ آسان ہے، قاضی شوہر کی نیت کا اعتبار نہیں کرے گا؛ بلکہ ظاہری الفاظ کا اعتبار کر کے تین طلاق کا فیصلہ دے کر رجعت سے منع کردے گا۔ اور بیوی بالکلیہ آزاد ہوجائے گی؛ لیکن وہاں قاضی نہ ہونے کی وجہ سے یا کسی اور عذر شدید کی وجہ سے معاملہ قاضی کی عدالت تک نہیں پہنچ سکتا؟ اور مفتی نے دیانت کا اعتبار کر کے ایک طلاق کا

فتویٰ دے کر رجعت کو جائز قرار دیا ہے اور شوہر مفتی کے فتوی کی بنا پر رجعت کر کے بیوی کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے، تو ایسی صورت میں جس طرح ظاہر پر فیصلہ کرنا قاضی پر لازم ہوتا ہے، اسی طرح عورت کو بھی قاضی کی طرح ظاہر کا اعتبار کر کے اپنے نفس کے متعلق فیصلہ کا حکم دیا گیا ہے؛ اس لئے اب عورت کے لئے اپنے اوپر شوہر کو قدرت دینا جائز نہیں؛ بلکہ خلع کر کے آزادی حاصل کرنا یا مال دے کر طلاق حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور اگر شوہر ان میں سے کسی پر بھی راضی نہیں ہے، تو علاقہ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جا کر عدت گذار کر دوسرے مرد سے نکاح کر کے باعصمت زندگی گذار سکتی ہے، اس طرح عورت کو ظاہر کا اعتبار کر کے اپنا فیصلہ خود کرنے کو حضرات فقہاء ''المرأة کالقاضي'' کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور مسئلہ کے اس پہلو کو حضرات فقہاء ان الفاظ سے ذکر کرتے ہیں:

وإذا قال: أنت طالق، طالق، طالق، وقال: إنما أردت به التكرار صدق ديانة لا قضاء، فإن القاضي مامور لاتباع الظاهر، والله يتولى السرائر، والمرأة كالقاضي لا يحل لها أن تمكنه إذا سمعت منه ذلک أو علمت به؛ لأنها لا تعلم إلا الظاهر. (تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كوئٹه ٢/ ٢١٨، جديد زكريا ٣/ ٨٢، هندية قديم ١/ ٣٥٤، جديد زكريا ١/ ٤٢٢)

جب شوہر بیوی کے متعلق کہے کہ تجھے طلاق، طلاق، طلاق اور کہتا ہے کہ میں نے اس سے تکرار و تاکید کا ارادہ کیا تھا، تو دیانۃً مان لیا جائے گا اور قضاءً تسلیم نہیں کیا جائے گا؛ اس لئے کہ قاضی ظاہر کے اعتبار کرنے کا پابند ہے اور دلوں کی باتوں کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے اور عورت کو قاضی کی طرح قرار دیا گیا ہے؛ اس لئے یہ جائز نہیں ہے کہ شوہر کو اپنے اوپر قدرت دے دے، جب کہ اس نے خود شوہر کے یہ الفاظ سن لئے ہیں، یا اس کو یقین سے معلوم ہو گیا ہے؛ اس لئے کہ وہ صرف ظاہر کی بات جان سکتی ہے۔

اور مذکورہ عبارت میں یہ لحاظ رہنا چاہئے کہ شوہر تین بار لفظ طلاق استعمال کرنے کا

اقرار کرتا ہے، مگر تین مراد لینے کا انکار کرتا ہے۔ اور قاضی کا فیصلہ شوہر کے خلاف ہوا ہے۔

حیثیت ۲ہے: یہ ہے کہ شوہر نے بیان دیا کہ میں نے طلاق ہی نہیں دی یا کہتا ہے کہ میں نے تین طلاقیں نہیں دی اور شوہر کی طرف سے اس میں نیت وارادہ کا بھی کوئی دعویٰ نہیں ہے؛ بلکہ طلاق ہی کا سرے سے انکار کرتا ہے؛ حالانکہ بیوی نے اپنے کان سے تین طلاق شوہر کی زبان سے سن رکھی تھیں، یا کسی ایک عادل شخص کی شہادت سے اس کو تین طلاق کا یقین ہوگیا ہے اور معاملہ قاضی کی عدالت میں پہنچ گیا ہے اور عورت کے پاس اپنے اس دعوی کے ثبوت کے لئے دو شرعی گواہ موجود نہیں ہیں۔ اور قاضی نے شوہر سے حلف لے کر شوہر کے قول کے مطابق فیصلہ دے کر اپنے پاس رکھنے کا اختیار دے دیا ہے۔ اور ادھر عورت کے بیان کے مطابق مفتی نے دیانت پر فتویٰ دے دیا کہ جب عورت نے خود سن لیا ہے، تو اس کو اب شوہر کے پاس رہنا اور اپنے اوپر اس کو قدرت دینا جائز نہیں ہوگا اور نہ ہی شوہر کو قتل کر دینا یا خودکشی کر لینا جائز ہوسکتا ہے؛ بلکہ خلع کر کے یا مال دے کر طلاق حاصل کر کے آزادی حاصل کر لینا لازم ہوگا۔ اور مال دے کر آزادی حاصل کرنے کا فتویٰ اس لئے دیا گیا ہے، تاکہ مفتی کا فتویٰ قاضی کے فیصلہ کے معارض نہ ہو اور قاضی کا فیصلہ بحالہ باقی رہ جائے اور شوہر ان میں سے کسی بات پر بھی راضی نہیں ہے، تو قاضی کی طرح عورت کو اپنے یقین اور ظاہر کا اعتبار کرنے کا اختیار ہے۔ اور علاقہ چھوڑ کر بھاگ جانے اور عدت گذار کر دوسرے مرد سے نکاح کر کے باعصمت زندگی گذارنے کا حق ہے، تو اس طرح عورت کو قاضی کی طرح ظاہر کا اعتبار کر کے اپنا فیصلہ خود کرنے کا جو اختیار دیا گیا ہے، اس کو حضرات فقہاء ”المرأۃ کالقاضی“ کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب دونوں شکلوں کا فرق یوں واضح ہوجاتا ہے کہ پہلی شکل میں قاضی کا فیصلہ شوہر کے مخالف تھا اور دوسری شکل میں شوہر کے موافق ہے؛ لیکن اس شکل میں عورت کو کوئی راستہ نہ ملے اور شوہر جھوٹی قسم کھا کر عورت کو اپنے پاس رکھ لیتا ہے، تو عورت گنہگار نہ ہوگی؛ بلکہ سارا گناہ شوہر پر ہوگا، مسئلے کے اس پہلو کو حضرات فقہاء ان الفاظ سے ذکر کرتے ہیں:

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه، والفتوى على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدى نفسها بمال أو تهرب، (وقوله) إنها ترفع الأمر للقاضي فإن حلف ولا بينة لها فلا إثم عليه. شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، مطلب: في قول البحر، كراچی ٣/ ٢٥١، زكريا ٤/ ٤٦٣، كراچی ٣/ ٣٠٥، زكريا ٤/ ٥٣٨، البحرالرائق، کوئٹه ٣/ ٢٥٧، جديد زكريا ٣/ ٤٤٨)

اور عورت قاضی کے حکم میں ہے، جب کہ اس نے سن رکھا ہے یا اس کو کسی عادل شخص نے بتایا ہے، اس کے لئے شوہر کو اپنے اوپر قدرت دینا جائز نہیں ہے۔ اور فتویٰ اس پر ہے کہ عورت کا شوہر کو قتل کر دینا یا خودکشی کر لینا جائز نہیں ہے؛ بلکہ مال کے بدلے اپنے نفس کو شوہر سے آزاد کر لے یا بھاگ جائے اور بے شک عورت اپنا معاملہ قاضی کی عدالت میں پیش کر دے، تو اگر شوہر جھوٹی قسم کھا لیتا ہے اور عورت کے پاس گواہ نہیں ہے، تو گناہ شوہر پر ہوگا۔

وفي البحر: يحل لها أن تتزوج بزوج آخر فيما بينه وبين الله تعالىٰ. (البحرالرائق، كتاب الطلاق، باب الرجعة، كوئٹه ٤/ ٥٧، زكريا ٤/ ٩٦)

اور ''البحرالرائق'' میں ہے کہ: عورت کے لئے دوسرے مرد سے نکاح کر لینا دیانۃً جائز ہے۔

نیز اسی طرح اگر بیوی حنفی المسلک ہے اور شوہر شافعی المسلک ہے اور شوہر نے طلاق کنائی دے دی ہے، تو اگر شافعی المسلک قاضی نے رجوع کا فیصلہ دے دیا ہے، تو ظاہراً اور باطناً دونوں اعتبار سے لازم ہو جائے گا۔ (فیض الباری کراچی ۱/ ۱۸۸)

اس کے برخلاف اگر شافعی المسلک قاضی نے فیصلہ نہیں دیا ہے؛ بلکہ صرف ان کے

مفتی نے جواز رجعت کا فتویٰ دے دیا ہے، تو ''المرأۃ کالقاضی'' کے تحت بیوی کو شوہر کے پاس نہ جا کر عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کا حق ہوگا۔

(۱۴) ''الزوج کالقاضی'' کی اصطلاح

حضرت اقدس مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم صدر مفتی دارالعلوم دیوبند نے بوقت مطالعہ اس اصطلاح کا اضافہ فرمایا ہے کہ بعض امور میں شوہر بھی قاضی کے حکم میں ہوجاتا ہے کہ عورت دعویٰ کرتی ہے کہ شوہر کے اصول وفروع میں سے فلاں مرد نے میرے ساتھ جماع کیا ہے، مثلاً شوہر کے باپ نے میرے ساتھ جماع کرلیا ہے یا شہوت سے چھولیا ہے اور اس پر عورت کے پاس شرعی گواہ موجود نہیں ہے، تو شوہر کی تصدیق کے بغیر بیوی کی حرمت کا ثبوت نہیں ہوگا؛ اس لئے ''الزوج کالقاضی'' کی اصطلاح بھی صحیح ودرست ہوگی، اس مسئلہ کو شامی میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها. (شامي، ٣/ ٣٣، زكريا ديوبند ٤/ ١٠٨)	عورت کو شہوت سے چھونے کی وجہ سے حرمت کے ثبوت کے لئے شوہر کی تصدیق مشروط ہے

(۱۵) قضائے قاضی ظاہراً وباطناً

قضائے قاضی ظاہراً نافذ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ: ظاہری حجت کی بنا پر بینہ وبین الناس نافذ ہوجائے گا۔ اور باطناً نافذ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ: بینہ وبین اللہ بھی نافذ ہوجائے اور عنداللہ باطنی خرابی کی وجہ سے کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا، اب قضائے قاضی ظاہراً وباطناً کو مثالوں سے واضح کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ کسی نے قاضی کے سامنے جھوٹے گواہ پیش کرکے اپنا دعویٰ

ثابت کردیا ہے،مگر قاضی کو ان کے جھوٹ کا علم نہیں ہوا؛ بلکہ قاضی کی تحقیق میں وہ گواہ سچے ہیں؛ اس لئے قاضی نے اپنی تحقیق کے مطابق ان گواہوں کی شہادت سے مدعی کے حق میں فیصلہ دے دیا،تو یہ فیصلہ بالاتفاق ہر معاملہ میں ظاہراًنافذ ہوجائے گا؛ البتہ باطناً بھی نافذ ہوگا یانہیں؟ تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ حقوق مالیہ اور باب معاملات میں بالاتفاق ظاہراً نافذ ہوسکتا ہے، باطناً نافذ نہیں ہوگا۔ اور عقود وفسوخ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ظاہراً وباطناً دونوں اعتبار سے نافذ ہوجائے گا،مگر حضرات ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک باطناً نافذ نہیں ہوگا؛ بلکہ صرف ظاہراً نافذ ہوسکتا ہے۔ (ایضاح الادلہ ص: ۳۶۵)

حضراتِ حنفیہ کا فتویٰ حضراتِ صاحبین رحمہم اللہ کے قول پر ہے۔ اور حضراتِ فقہاء رحمہم اللہ نے اس قسم کے ضابطوں کے استنباط کے لئے بخاری ومسلم کی اس حدیث شریف کو اصول کے درجہ میں قرار دیا ہے:

إنكم تختصمون إلي ولعل بعضكم أن يكون الحن بحجته من بعض، فاقضى له على نحو ما اسمع منه، فمن قطعت له من حق أخيه شيئا فلا يأخذه، فإنما اقطع له به قطعة من النار. (بخاري ١/ ٣٦٨، رقم: ٢٦٨٠، ف: ٢٦٠٣، مسلم شريف ٢/ ٧٤، رقم: ١٧١٣)

بے شک تم لوگ میرے پاس فیصلہ لے کر آتے ہو اور بسا اوقات تم میں سے کوئی دوسرے فریق سے زبان کی فصاحت سے اپنی حجت اچھی طرح قائم کردیتا ہے اور میں اس کے لئے جو سنتا ہوں اسی کے مطابق فیصلہ کردیتا ہوں؛ لہٰذا میں جس کے لئے اس کے بھائی کے حق میں جو کچھ کاٹ کر دیتا ہوں، چاہئے کہ وہ اس کو نہ لے؛ اس لئے کہ میں اس کے لئے جہنم کا ٹکڑا کاٹ کر اس کو دیتا ہوں۔

حضرات فقہاء کی عبارتیں اس بارے میں کثرت سے ملتی ہیں۔ اور ''درمختار'' و ''شامی'' کی عبارتیں نقل کرکے باقی چند کتابوں کا صرف نام ذکر کردیتے ہیں۔

وينفذ القضاء بشهادة الزور

جھوٹے گواہ سے قاضی کا فیصلہ ان امور میں

ظـاهــرا وبـاطـنـا حيـث كـان كـالـمحل قابلا والقاضي غير عالم بزورهم في العقود كبيع، ونـكــاح، والفسوخ، كـإقـالـة وطـــلاق، وقــــالا، وزفـــر، والثـلاثة: ظـاهـرا فقط، وعليه الـفتوى. (الـدرالـمـختـار، كراچی ٥/ ٤٠٥، زكـريا ديو بند ٨/ ٩٤-٩٥، هـكـذا بـدائع، كراچی ٧/ ١٥، زكريا ديوبند ٥/ ٤٨٥)

ظاہراً و باطناً دونوں طرح نافذ ہوجاتا ہے، جن میں محل حق بننے کے قابل ہو اور قاضی کو ان کے جھوٹ کا کوئی علم نہ ہو، مثلاً عقود میں جیسے بیع وشراء ونکاح اور فسوخ میں جیسے اقالہ اور طلاق وغیرہ۔ اور صاحبین رحمہما اللہ اور امام زفر رحمہ اللہ اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک صرف ظاہراً نافذ ہوسکتا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

وفـي الشـامية: الـمرأة بالنفاذ ظاهرا أن يسلم القاضي المرأة إلـى الـرجـل ويـقـول: سلمي نـفسك إليـه، فـإنـه زوجـك ويـقـضـى بـالـنفقة، والقسم، وبـالـنـفـاذ بـاطـنا أن يحل لـه وطـؤهـا، ويـحـل لها التمكين فيـمـا بيـنـهـا وبيـن الله تـعالىٰ. (شـامـي، كـراچـی ٥/ ٤٠٥، زكـريـا ديوبند ٨/ ٩٤)

اور شامی میں ہے: ظاہراً نافذ ہونے سے مراد یہ ہے کہ قاضی عورت کو مرد کے دعوے کے مطابق اس کے حوالہ کردے اور کہہ دے کہ تم اپنے آپ کو اس کے حوالے کرو؛ اس لئے کہ وہ تمہارا شوہر ہے اور نان ونفقہ اور برابری کا حکم کردے۔ اور باطناً نافذ ہونے سے مراد یہ ہے کہ مرد کے لئے اس کے ساتھ جماع کرنا اور عورت کے لئے اس کو قدرت دینا اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جائز وحلال ہو۔

إن مـا عـد الأملاك المرسلة يـنـفـذ بـاطـنا. (شـامي، كـراچـی ٥/ ٤٠٥، زكريا ديوبند ٨/ ٩٥)

بے شک ملکیت مرسلہ کے علاوہ باقی تمام امور میں باطناً نافذ ہوجاتا ہے۔

’’ملکیتِ مرسلہ‘‘ اس کو کہتے ہیں: جس کے مالک ہونے کا سبب نہ بیان کیا جائے۔

اور اسی کے ہم مضمون عبارتیں کتب معتبرہ میں بےشمار موجود ہیں۔ (بدائع کراچی ۷/ ۱۵، زکریا دیوبند۵/ ۴۸۵، اوجز المسالک قدیم ۵/ ۲۴۷، جدید۱۳/ ۵۵۶، نووی ۲/ ۵۷، فیض الباری ۳/ ۲۲۵، مرقاۃ، المکتبۃ الاشرفیہ ۷/ ۲۵۳، نیل الاوطار ۸/ ۵۴۶)

نیز اگر شوہر شافعی المسلک ہے اور عورت حنفی المسلک ہے اور شوہر نے طلاق کنائی دے کر رجوع کرلیا ہے، تو عورت کو ’’المرأۃ کالقاضی‘‘ کے ضابطے سے شوہر کے پاس نہ جا کر عدت گذار کر دوسری شادی کر لینے کا اختیار ہے؛ لیکن شافعی المسلک قاضی نے رجعت کا فیصلہ دے دیا ہے، تو قضائے قاضی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اصول کے مطابق ظاہراً و باطناً دونوں طرح نافذ ہوجائے گا۔ رجوع کرنا حنفیہ کے نزدیک صحیح ہوجائے گا، اسی مسئلہ میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فإن حكم القاضي الشافعي بالرجوع نفذ ظاهرا وباطنا.

(فيض الباري كراچی ۱/ ۱۸۸)

اس لئے کہ شافعی المسلک قاضی کے لئے رجوع کا فیصلہ ظاہراً و باطناً دونوں طرح نافذ ہوجائے گا اور شوہر کا رجوع کرنا صحیح ہوجائیگا۔

الفصل السادس:

مسئلۂ تقلید پر مختصر و مدلل بحث

جزوی مسائل کے اختیار کرنے کے سلسلے میں بحث کا دار و مدار ایک امام کے مسلک کی تقلید اور پابندی کی اہمیت کے ثبوت پر ہے۔ اور مجتہد واحد کے مذہب کی پابندی کی اہمیت لازم ہے؛ اس لئے اس کی تفصیلی وضاحت ضروری ہے؛ لہٰذا مجتہد واحد اور ایک امام کے مسلک کی پابندی اور تقلید سے متعلق بطور تمہید دس باتوں کی وضاحت کی جارہی ہے:

(۱) تقلید کی ضرورت (۲) اقسام نصوص (۳) تقلید مطلق (۴) ائمہ اربعہ کی تقلید لازم کیوں؟ (۵) صحابہ کی تقلید (۶) تقلید شخصی (۷) عوام غیر مجتہد کے لئے ایک امام کی پابندی کیوں؟ (۸) مقلد کی قسمیں (۹) مقلد محقق کا تفرد (۱۰) شہرۂ آفاق پانچ محققین کے تفردات۔

(۱) تقلید کی ضرورت

تمام امت مسلمہ پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے۔ اور مطاع بالذات خداوند تعالیٰ کی ذات واحد ہے۔ اور ایک عام آدمی کے لئے یہ بات کسی طرح دائرہ امکان میں نہیں آسکتی کہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہو کر اس کی مرضی معلوم کر سکے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ پیغمبر سے براہ راست رجوع کر کے حکم الٰہی کا علم حاصل کر سکے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کا راستہ صرف اور صرف یہی ہوسکتا ہے کہ قرآن کریم اور احادیث رسول کی طرف رجوع کیا جائے اور قرآن کریم اور احادیث رسول کی طرف رجوع کے لئے قرآن وحدیث کی نصوص کے اقسام کو سمجھنا لازم ہے، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ جس نص سے متعلق بحث کی جارہی ہے وہ کس قسم اور کس درجہ کی ہے؟ اور قرآن کریم اور احادیث شریفہ کے نصوص کی گہرائی میں پہنچ کر اس کے مطلب کا انتخاب کرنا اور متعارض نصوص کے درمیان تطبیق دے کر تعارض کو ختم کرنا اور ناسخ ومنسوخ کو سمجھ کر ناسخ کو اختیار کرنا عام آدمی کے بس کی بات نہیں؛ بلکہ ائمہ مجتہدین ہی یہ کام کر سکتے ہیں؛ اس لئے عام آدمی پر لازم ہے کہ وہ ائمہ مجتہدین کی تقلید کرے۔

(۲) اقسام نصوص

قرآن کریم اور احادیث شریفہ کی نصوص کل چار قسموں پر ہیں: (۱) قطعی الثبوت قطعی الدلالت (۲) قطعی الثبوت ظنی الدلالت (۳) ظنی الثبوت قطعی الدلالت (۴) ظنی الثبوت ظنی الدلالت۔ اور اس کو فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

بيان ذلك أن الأدلة السمعية أربعة: الأول: قطعي الثبوت والدلالة، كنصوص القرآن المفسرة أو المحكمة، والسنة المتواترة التي مفهومها قطعي، والثاني: قطعي الثبوت ظني الدلالة، كالآيات المؤولة الثالث عكسه كأخبار الآحاد التي مفهومها قطعي الرابع ظنيهما كأخبار الآحاد التي مفهومها، فبالأول يثبت الفرض والحرام، وبالثاني والثالث الواجب وكراهة التحريم، وبالرابع السنة والمستحب.

(شامي، زكريا ١/ ٢٠٧، ٩/ ٤٨٧، كراچی ١/ ٩٥، ٦/ ٣٣٧، العرف الشذي على هامش الترمذي ١/ ٦، حاشية الطحطاوي على المراقي قديم/ ٣، جديد دارالكتاب ديوبند/ ٥٧، حاشية شرح نقاية ١/ ٤، قديم ١/ ٢٢)

اس کی وضاحت یوں ہے کہ ادلۂ سمعیہ چار ہیں: (۱) قطعی الثبوت قطعی الدلالت، جیسا کہ قرآن کریم کی نصوص مفسرہ اور نصوص محکمہ اور وہ احادیث متواترہ جن کا مفہوم قطعی ہو۔ (۲) قطعی الثبوت ظنی الدلالت، جیسا کہ وہ آیات قرآنیہ جن میں تاویل کی گنجائش ہوتی ہے۔ (۳) اس کے برعکس ہے، وہ اخبار احاد جن کی دلالت قطعی ہونے کی وجہ سے تاویل کی گنجائش نہ ہو۔ (۴) ظنی الثبوت ظنی الدلالت، جیسا کہ وہ اخبار احاد جن کا مفہوم ظنی ہونے کی وجہ سے تاویل کی گنجائش ہو، اول سے فرضیت اور حرمت ثابت ہوتی ہے، ثانی اور ثالث سے واجب اور کراہت تحریمی ثابت ہوتی ہے۔ اور رابع سے سنت یا مستحب ثابت ہوتا ہے۔

اب نصوص کی چاروں قسموں میں سے ہر ایک کی اجمالی تفصیل ذیل میں درج کی جارہی ہے:

(۱) **قطعی الثبوت قطعی الدلالة:** - اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی وہ نصوص جن کا ثبوت قطعی ہو اور دلالت بھی قطعی ہو۔ اور قطعی الثبوت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن یا احادیث متواترہ سے ثابت ہو۔ اور قطعی الدلالت کا مطلب یہ ہے کہ اس نص سے جو حکم ثابت ہورہا ہے، اس میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہ ہو اور اس نص کے ذریعہ سے کسی شئ کے کرنے کا حکم کیا جائے تو اس کا کرنا فرض ہوگا۔ اور اگر ترک کرنے کا حکم کیا جائے اور اس کے اختیار کرنے سے منع کیا جائے، تو اس نص سے اس شئ کی حرمت ثابت ہوتی ہے اور ایسے نصوص کا منکر کافر ہوجاتا ہے، جیسا کہ اس آیت کریمہ سے ثابت ہے:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ. (البقرة: ۱۸۵) جس شخص کی زندگی میں رمضان کا مہینہ آجائے وہ رمضان کا روزہ ضرور رکھ لے۔

یہ آیت قرآن سے ثابت ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت ہے۔ اور "**فليصمه**" سے فرضیت صوم میں تاویل کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے قطعی الدلالت ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ. (المائدة: ۳) تم پر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کردیا گیا ہے۔

یہ آیت قرآن سے ثابت ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت ہے اور مذکورہ اشیاء کی حرمت میں تاویل کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے قطعی الدلالت ہے۔ اور اسی طرح بہت سی احادیث شریفہ بھی قطعی الثبوت قطعی الدلالت ہیں، جیسا کہ پانچ نمازوں کا ثبوت اور نماز کے اوقات خمسہ کا ثبوت یہ احادیث تواتر سے ثابت ہیں؛ اس لئے قطعی الثبوت ہیں اور پانچ وقت نماز کے فرض ہونے میں تاویل کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے قطعی الدلالت ہیں اور اس موضوع کی روایات کتب احادیث میں طویل بھی آئی ہیں اور مختصر بھی اور ہم یہاں پر مختصر سی ایک حدیث امامت جبرئیل سے متعلق اور ایک حدیث پانچ نمازوں کی فرضیت سے متعلق اور

ایک حدیث کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق نقل کرتے ہیں:

(١) نـزل جبـرئيل فـأمـني فـصـليت معه، ثم صليت معه، ثم صليت معه، ثم صليت معه، ثـم صـليـت مـعـه يـحسب بـإصـابـعـه خمـس صلوات. (بـخاري شريف ١/ ٤٥٧، رقم: ٣١١٧، ف: ٣٢٢١، مسـلـم شريف ١/ ٢٢١، بيـت الأفـكـار، رقـم: ٦١٠، أبـوداؤد شريف ١/ ٥٦، دارالسلام، رقم: ٣٩٤)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے تشریف لاکر میری امامت فرمائی، تو میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، اس کے بعد پھر دوسری نماز پڑھی، پھر تیسری نماز پڑھی، پھر چوتھی نماز پڑھی، پھر پانچویں نماز پڑھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں سے پانچ نمازیں شمار فرمائیں۔

(٢) قـال: يـا مـحـمـد! إنهن خمس صلوات كل يوم وليلة. (مسـلـم شـريف ١/ ٩١، بيت الأفكار، رقم: ١٦٢)

(لیلۃ الاسریٰ میں آخری مرتبہ میں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد! یہ نمازیں دن ورات میں پانچ ہی ہوں گی۔

وفـي البخاري: لا يبدل القول لـدي. الحديث (بـخاري شريف ١/ ٥١، رقم: ٣٤٧، ف: ٣٤٩، ترمذي شـريف ١/ ٥١، دالسـلام، رقم: ٢١٣، نزهة النظر/١١)

اور بخاری شریف میں اس کا اضافہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارے یہاں قول میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

(٣) مـن كـذب عـلـيّ متعمدا فـليتبوأ مقعده من النار. (مسلم شريف ١/ ٧، بيت الأفكار، رقم: ٤)

جوشخص مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

(۲) **قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ:-** یہ ایسی نص ہے جس کا ثبوت قرآن سے ہو، مگر اس میں تاویل اور مختلف معنی مرادی نکالنے کا احتمال ہو، تو اس کا ثبوت چونکہ قرآن سے ہے؛ اس لئے قطعی الثبوت ہے اور اس کے معنی مرادی میں مختلف جہتوں کا احتمال ہوتا ہے؛ اسی لئے اس کی دلالت قطعی نہیں ہے؛ بلکہ ظنی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلاثَةَ قُرُوْءٍ. (البقرة: ٢٢٨) مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین قروء تک روکے رکھیں۔

اس آیت کریمہ میں لفظ ''قروء'' دو احتمال رکھتا ہے: (۱) قروء سے حیض مراد ہے، جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے یہی مراد لیا ہے، نیز حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا راجح قول بھی یہی ہے، مگر امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے لفظ ''قروء'' سے حیض مراد نہیں لیا ہے؛ بلکہ اس سے طہر مراد لیا ہے۔ (عمدۃ القاری، دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۰/۳۰۶، زکریا دیوبند ۱۴/۳۳۷، بخاری شریف ۲/۸۰۲)

لہٰذا آیت کے اس لفظ میں تاویل کی گنجائش ہونے کی وجہ سے ائمہ مجتہدین کے درمیان معنی مرادی کے متعین کرنے میں اختلاف واقع ہوگیا ہے۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا. [المائدة: ٦]

یہ آیت کریمہ نص قرآنی ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت ہے؛ لیکن اس کے معنی مرادی میں تاویل کی گنجائش ہونے کی وجہ سے ائمہ میں اختلاف ہوگیا ہے، چنانچہ حضرات حنفیہ نے ''لٰمَسْتُمْ'' سے جماع مراد لیا ہے۔ اور حضرات ائمہ ثلاثہ امام کسائی اور حمزہ کی قرأت اَوْ ''لَمَسْتُمُ النِّسَآءَ'' کے مطابق ''لمس بالید'' مراد لیتے ہیں۔ اور امام شافعیؒ کا مفتی بہ قول یہی ہے کہ ''لٰمَسْتُمْ'' سے لمس بالید مراد ہے؛ اس لئے ان حضرات کے نزدیک مس مرأۃ ناقض وضو ہے اور حنفیہ کے نزدیک چونکہ جماع مراد ہے؛ اس لئے مس مرأۃ ناقض وضو نہیں ہے؛ لہٰذا معنی مرادی میں تاویل کی گنجائش ہونے کی وجہ سے ظنی الدلالت ہے، اسی طرح مسح علی الخفین کی روایت بے شمار صحابہ سے تواتر کے ساتھ مروی ہے؛ لہٰذا تواتر اسانید کی وجہ سے

حدیث شریف قطعی الثبوت ہے، مگر اس کے معنی مرادی میں تاویل کی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ شیعہ، امامیہ اور خوارج نے یہ کہا ہے کہ مسح علی الخفین مطلقاً جائز نہیں ہے۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا موزوں پر مسح کرنا سورۂ مائدہ کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اور ابن رشد مالکیؒ نے ”بدایۃ المجتہد ۱/ ۱۸، ایضاح الطحاوی ۱/ ۲۴۱“ میں امام مالک کا قول نقل کیا ہے کہ مسح علی الخفین صرف مسافر کے لئے جائز ہے، مقیم کے لئے جائز نہیں ہے، مگر حضرت امام بوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور جمہور فقہاء کے نزدیک مسح علی الخفین مسافر اور مقیم دونوں کے لئے جائز ہے۔ امام ترمذی نے مسح علی الخفین کی روایت کو انیس صحابہ سے نقل فرمایا ہے۔ (ترمذی مع العرف الشذی ۱/ ۲۷، نخبۃ الفکر ۱۲)

اور صاحب بدائع نے امام حسن بصریؒ کے حوالے سے نقل فرمایا ہے کہ ستر بدری صحابہ سے مسح علی الخفین کی روایت مروی ہے۔ (بدائع قدیم ۱/ ۷، جدید زکریا ۱/ ۷۷)

لہٰذا یہ حدیث شریف تواتر سے ثابت ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت ہے، مگر تاویل کی گنجائش ہونے کی وجہ سے ظنی الدلالت ہے۔

(۳) **ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ:-** یہ ایسی نص ہے جو خبر واحد یا خبر مشہور سے ثابت ہو اور اس کے معنی مرادی میں تاویل کی گنجائش نہ ہو اور تمام امت نے متفق ہوکر اس کے ایک معنی مراد لئے ہوں، جیسا کہ حدیث شریف میں حضور پاک کا ارشاد ہے:

ألا! لا یحج بعد هذا العام مشرک ولا یطوف بالبیت عریان. آگاہ ہوجاؤ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرسکتا اور نہ ہی بیت اللہ شریف کا طواف ننگے ہوکر کیا جاسکتا ہے۔

(نسائي ۲/ ۳۹، دارالسلام، رقم: ۲۹۶۰)

یہ حدیث شریف تواتر اسانید سے مروی نہ ہونے کی وجہ سے ظنی الثبوت ہے، مگر اس کے معنی مرادی میں تاویل کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے قطعی الدلالت ہے؛ لہٰذا ۹ھ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امارت کے تحت حج کے موقع پر اس اعلان کے بعد مشرک کے لئے حج کرنا اور ننگے ہوکر بیت اللہ کا طواف کرنا ہمیشہ کے لئے حرام ہوگیا ہے اور اس کی

حرمت میں امت میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور اسی طرح صدقۂ فطر کی روایت ہے:

عن ابن عمر قال: فرض رسول الله صدقة الفطر على الذكر والأنثى، والحر، والمملوك. الحديث (ترمذي شريف ١/١٤٦، دارالسلام، رقم: ٦٧٥)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مرد اور عورت اور ہر آزاد وغلام پر صدقۂ فطر فرض فرمایا ہے۔

اور یہاں فرض سے واجب مراد ہے۔ اور یہ حدیث شریف خبر متواتر نہ ہونے کی وجہ سے ظنی الثبوت ہے اور صدقہ فطر کے وجوب پر تاویل کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے قطعی الدلالت ہے۔

(۴) **ظنی الثبوت ظنی الدلالة:-** یہ ایسی نص ہے جو خبر واحد سے ثابت ہو اور اس کے معنی مرادی میں تاویل کی بھی گنجائش ہو، جیسا کہ جمعہ سے پہلے چار رکعت سنت کی روایت ہے۔ حضرات حنفیہ اس کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں اور یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر سے ثابت ہے۔

عن عبدالله بن مسعود أنه كان يصلي قبل الجمعة أربعا وبعدها أربعا. الحديث (ترمذي ١/١١٧-١١٨، دارالسلام، رقم: ٥٢٣)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ چار رکعت جمعہ سے پہلے پڑھتے تھے اور چار رکعت جمعہ کے بعد پڑھتے تھے۔

یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر ہے۔ اور ''ابن ماجہ شریف'' (ص: ۸۰، دارالسلام، رقم: ۱۱۲۹) میں یہ حدیث شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے؛ لیکن سند کمزور ہے اور یہ حدیث شریف ظنی الثبوت ہے اور تاویل کی گنجائش ہونے کی وجہ سے ظنی الدلالت ہے؛ لہٰذا حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھنا سنت ہے اور امام مالک، اور امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے

نزدیک چار رکعت پڑھنا سنت نہیں ہے۔ (بذل المجہود سہارنپور، قدیم ۲/ ۱۹۸، دارالبشائر الاسلامیہ بیروت ۵/۱۹۳، ایضاح الطحاوی ۲/ ۳۲۸)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة. الحديث (ابن ماجة، ص: ۸۰، دارالسلام، رقم: ۱۱۵۱، سنن الترمذي، النسخة الهندية ۱/ ۹۶، دارالسلام، رقم: ۴۲۱)

یہ حدیث شریف خبر واحد ہونے کی وجہ سے ظنی الثبوت ہے اور تاویل کی گنجائش ہونے کی وجہ سے اس کی دلالت بھی ظنی ہے؛ لہٰذا جماعت شروع ہوجانے کے بعد سنتیں پڑھنا مکروہ تحریمی یا حرام نہ ہوگا؛ بلکہ صرف مکروہ تنزیہی ہوسکتا ہے اور جماعت کھڑی ہوجانے کے بعد فجر کی سنت تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔

بحث کا خلاصہ

اوپر کی تفصیل سے نصوص شرعیہ کی چاروں قسموں کی حیثیت معلوم ہوگئی ہے کہ ان میں سے پہلی قسم پر عمل کرنے کے لئے کسی کو دوسرے کی تقلید کی ضرورت نہیں ہے؛ اس لئے کہ وہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہے، اس میں کسی انسان کو تاویل کی گنجائش نہیں ہے؛ بلکہ اس کی عبارت النص پر عمل کرنا سب پر فرض ہے؛ لیکن اس کے علاوہ بقیہ تینوں قسموں پر ہر شخص کا کسی امام اور مجتہد کی رائے کے بغیر عمل کرنا بہت دشوار ہے، جیسا کہ آیت کریمہ: ’’**وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ**‘‘ میں لفظ ’’قروء‘‘ سے کیا مراد ہے؟ اس کو متعین کرنا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ لفظ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے مشترک ہے، اس کے معنی حیض کے بھی آتے ہیں، طہر کے بھی آتے ہیں، اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت کریمہ میں کون سے معنی مراد ہیں؟ اس کو متعین کرنا امام مجتہد ہی کا کام ہوسکتا ہے، اسی طریقہ سے ’’ابوداؤد شریف، باب المخابرہ‘‘ کے تحت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث شریف مروی ہے:

من لم یذر المخابرة فلیوذن بحرب من الله و رسوله. (ابوداؤد شریف ۲ / ٤٨٣، دارالسلام، رقم الحدیث: ٣٤٠٦)

جو شخص مزارعت اور بٹائی کا معاملہ ترک نہ کرے وہ اللہ اور اللہ کے رسول سے جنگ کا اعلان کردے۔

اب اس حدیث شریف کے ظاہر سے مزارعت کی حرمت واضح ہوجاتی ہے؛ حالانکہ مزارعت کی بہت سی قسمیں ہیں، ان میں سے کئی قسمیں جائز ہیں اور کچھ صورتیں ناجائز بھی ہیں؛ لیکن کون سی صورت جائز اور کون سی ناجائز ہے؟ اس کی تعیین کیا ہر کس وناکس کرسکتا ہے؟ یہ عالم مجتہد ہی کا کام ہے، غیر مجتہد تو اس حدیث شریف کو دیکھ کر مزارعت کی ساری قسموں کو ناجائز کہہ دے گا اور ''**مسلم شریف کتاب المزارعت**'' کے تحت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

أن رسول الله صلی الله علیه وسلم عامل أهل خیبر بشطر ما خرج منها من زرع أو ثمر. (مسلم ۲/ ١٤، رقم الحدیث:)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے مزارعت اور مساقات کا معاملہ اس طرح کیا ہے کہ کھیتی اور باغات کی پیداوار کی ایک خاص مقدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرے گا۔

اب اس حدیث شریف سے مزارعت اور بٹائی کے معاملہ کا جائز ہونا واضح ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **لا صلاة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب. الحدیث** (بخاري شریف ۱/ ۱۰٤، رقم الحدیث: ٧٤٨، ف: ٧٥٧، ترمذي ۱/ ٧٠، دارالسلام، رقم: ٢٤٧)

اس حدیث شریف کے ظاہر کا تقاضہ یہ ہے کہ امام، مقتدی، منفرد سب پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اور عوام غیر مجتہد اس کو دیکھ کر یہی کہیں گے کہ امام ومقتدی سب پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے؛ لیکن دوسری طرف حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من کان له إمام فقراءة الإمام له قراءة. الحدیث (طحاوي شریف ۱/ ۱۲۸، رقم: ۱۲۵۹، ابن ماجة، ص: ٦١، دارالسلام، رقم: ۸۵۰)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت:

إنما جعل الإمام لیؤتم به، فإذا قرأ فانصتوا. الحدیث (طحاوي شریف ۱/ ۱۲۸، رقم: ۱۲۵۷)

اب حضرت جابر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایات کا تقاضہ یہ ہے کہ مقتدی کے اوپر کسی قسم کی قرأت لازم نہیں ہے؛ بلکہ خاموش رہنا لازم ہے، تو کیا اس طرح دو متعارض روایات کے معنی کو صحیح طور پر متعین کرنا غیر مجتہد کے بس کی بات ہوسکتی ہے؟ یہ ہر گز ممکن نہیں، یہ صلاحیت اللہ تعالیٰ نے صرف مجتہد کے اندر رکھی ہے؛ اس لئے غیر مجتہد کو اوپر ذکر کردہ نصوص شرعیہ کی چاروں قسموں میں سے بعد کی تینوں قسموں یعنی قطعی الثبوت، ظنی الدلالت اور ظنی الثبوت قطعی الدلالت اور ظنی الثبوت ظنی الدلالت میں سے ہر ایک میں مجتہد کی تقلید کا پابند ہو جانا لازم ہے۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ احکام شرعیہ اور قرآن وحدیث پر عمل کرنے کے لئے کسی امام کی تقلید لازم نہیں ہے، ہر مسلمان براہ راست عمل کرسکتا ہے، یہ سراسر غلط اور جہالت ہے۔

(۳) تقلید مطلق

غیر مجتہد عوام کا عالم مجتہد اور عالم متبحر کی رائے کی تقلید کرنے کا حکم قرآن کریم احادیث شریفہ سے ثابت ہے، ہم اس سلسلہ میں اختصار کے ساتھ قرآن کریم کی دو آیتیں اور دو احادیث شریفہ علی الترتیب پیش کرتے ہیں، آیت کریمہ:

(۱) **فَاسْأَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ.** (الأنبیاء: ۷) اگر تم نہیں جانتے ہو تو جاننے والے لوگوں کی طرف رجوع کرو۔

یہ آیت کریمہ اگرچہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے، مگر ''**العبرة لعموم**

اللفظ لا لخصوص المورد'' کے اصول سے ہمیشہ کے لئے عام ہے۔ اس آیت کریمہ سے یہ اصول کلی نکلتا ہے کہ غیر عالم اور غیر مجتہد کو عالم اور مجتہد کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ اور اسی رجوع کو تقلید کہا جاتا ہے:

(۲) یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ. (النساء: ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ اور اللہ کے رسول اور اولی الامر یعنی علماء مجتہدین کی اطاعت کرو۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت جابر، حضرت حسن بصری، عطاء ابن ابی رباح، حضرت ابو العالیہ رحمہم اللہ وغیرہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر یہی کی ہے کہ ''اولی الامر'' سے علماء مجتہدین ہی مراد ہیں؛ لہٰذا غیر مجتہدین کو مجتہدین کی اطاعت اور ان کے استنباط کردہ مسائل کا پابند ہونا لازم ہے۔

حدیث ۱: امام طبرانی علیہ الرحمہ نے ''المعجم الاوسط'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث شریف نقل کی ہے:

عن علي – رضي الله عنه – قال: قلت: يا رسول الله! إن نزل بنا أمر ليس فيه بيان أمر ولا نهي فما تأمرني؟ قال: شاوروا فيه الفقهاء والعابدين ولا تمضوا فيه رأى خاصة.

(المعجم الأوسط، رقم: ۱٦۱۸، مجمع الزوائد ۱/ ۱۷۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر ہمارے درمیان کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے کہ جس کے متعلق کوئی حکم کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں واضح نہ ہو، تو آپ ہم کو اس کے بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے متعلق فقہاء وعابدین سے رجوع کرکے ان کے مشورہ پر عمل کرو اور اپنی مخصوص رائے سے اس میں کوئی عمل نہ کرنا

اس حدیث شریف میں صاف طور پر وضاحت ہے کہ جب تم اپنے معاملات میں پریشان ہو جاؤ اور صحیح بات سمجھ میں نہ آئے تو تم اس بارے میں فقہاء عابدین سے مشورہ کرو اور انہیں کی طرف رجوع کرو اور اس میں اپنی رائے سے کوئی عمل ہرگز نہ کرنا اور فقہاء کی طرف اس طرح رجوع کرنے ہی کو تقلید کہتے ہیں۔

حدیث۲: ''جامع ترمذی''، ''سنن ابن ماجہ'' اور ''مسند امام احمد'' میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إني لا أدري ما بقائي فيكم فاقتدوا بالذين من بعدي، وأشار إلى أبي بكر وعمر.

(ترمذي ۲/ ۲۰۷، دارالسلام، رقم: ۳۶۶۳، مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۳۸۲، ۳۸۵، ۵/ ۳۹۹، رقم: ۲۳۶۳٤، ۲۳٦٦٥، ۲۳۸۱۳)

مجھ کو معلوم نہیں ہے کہ تمہارے درمیان میرا رہنا کتنے دن ہے؛ لہٰذا تم میرے بعد ان دونوں کی اقتداء کرو اور اشارہ فرمایا حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی طرف۔

اور اقتداء کا لفظ دینی امور میں اپنے سے بالاتر آدمی کی اطاعت کے لئے بولا جاتا ہے، اب مذکورہ تفصیل سے غیر مجتہد اور عوام پر عالم مجتہد کی تقلید کا لازم ہونا واضح ہو چکا ہے اور اس زمانہ میں چونکہ کوئی بھی مجتہد کے درجہ کا آدمی نہیں ہے؛ اس لئے مجتہدین کی تقلید کے بغیر قرآن وحدیث کے منشاء کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا کسی کے لئے ممکن نہیں ہے؛ لہٰذا تمام عوام اور غیر مجتہد علماء پر اپنے دینی مسائل کے متعلق کسی نہ کسی امام کی تقلید کرنا واجب ہوگا۔

(۴) ائمہ اربعہ کی تقلید لازم کیوں؟

یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اگر غیر مجتہد اور عوام پر مجتہد کی تقلید لازم ہے تو صرف ائمہ اربعہ کی تقلید کیوں لازم ہے؟ ان کے علاوہ دوسرے مجتہدین بھی تو ہیں، جیسا کہ حضرت امام سفیان ثوریؒ، سفیان ابن عیینہؒ، امام عبداللہ ابن مبارکؒ، امام اسحاق بن

راہویہؒ، امام داؤد ظاہریؒ، امام حسن بصریؒ، امام محمد بن سیرینؒ، امام اوزاعیؒ وغیرہ، آخر ان کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی؟

جواب: شیخ عبد الغنی نابلسیؒ نے علامہ محلی کی ''جمع الجوامع'' کے حوالہ سے خلاصۃ التحقیق میں اس اشکال کا بہت واضح انداز میں جواب دیا ہے کہ اس زمانہ میں ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی دوسرے مجتہد کی تقلید اس لئے جائز نہیں ہے کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب کے علاوہ دوسرے مجتہدین کے مذاہب مدون نہیں ہیں اور ان کے مذاہب کی شرائط وقیودات سے بعد کے لوگ واقف نہیں ہیں؛ حالانکہ کسی بھی مذہب پر عمل کرنے کے لئے اس کی شرائط وقیودات کا جاننا اور ان کا پابند ہونا لازم ہے، جو یہاں مفقود ہے۔ اور ائمہ اربعہ کے مذاہب مدون ہو چکے ہیں اور ان کے مذاہب کی شرائط وقیودات ان کی فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں اور ان کے مذاہب مع شرائط وقیودات ہم تک پہنچے ہیں اور ان کے مذاہب پر شرائط وقیودات کے ساتھ پابند ہو کر عمل کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ اور دوسرے مجتہدین کے مذاہب پر اس طرح عمل کرنا ممکن نہیں ہے؛ کیوں کہ ان کے مذاہب مدون نہیں ہیں۔ اس کو شیخ عبد الغنی نابلسیؒ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وأما تقليد مذهب من مذاهبهم الآن غير المذاهب الأربعة فلا يجوز لا لنقصان في مذهبهم ورجحان المذاهب الأربعة عليهم؛ لأن فيهم الخلفاء المفضلين على جميع الأمة، بل لعدم تدوين مذاهبهم وعدم معرفتنا الآن بشروطها وقيودها، وعدم وصول ذلك

اس دور میں ائمہ مجتہدین میں سے ائمہ اربعہ کے مذاہب کے علاوہ دوسرے کسی کے بھی مذہب کی تقلید جائز نہیں (اور یہ عدم جواز) ان کے مذاہب میں نقص اور کمی اور ائمہ اربعہ کے مذاہب کے ارجح ہونے کی وجہ سے نہیں ہے؛ بلکہ اس لئے ہے کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب میں تمام امت پر برتری اور فوقیت رکھنے والے جانشین موجود ہیں، البتہ دیگر مجتہدین کے مذاہب مدون نہ ہونے کی وجہ

إلينا بطريق التواتر. (خلاصة التحقيق في بيان حكم التقليد والتلفيق، ص:۳)

سے اور اس دور میں ان کے مذہب پر اپنی تمام شروط وقیود کے ساتھ ہماری عدم واقفیت اور ہم تک تواتر کے ساتھ نہ پہنچنے کی وجہ سے ان کے مذاہب کی تقلید ممکن نہیں ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلی قدس سرہ نے اس کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

إن هذه المذاهب الأربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الأمة أو من يعتد به منها على جواز تقليدها إلى يومنا هذا، وفي ذلك من المصالح مالا يخفى لا سيما في هذه الأيام التي قصرت فيها الهمم جدا، واشربت النفوس الهوى وأعجب كل ذي رأى برأيه.

(حجة الله البالغة، قديم ۱/ ۱۵۴، جديد مكتبه حجاز ۱/ ۴۳۱-۴۳۲)

ان چاروں مدون وجمع شدہ مذاہب کی تقلید کے جواز پر آج تک امت کے قابل اعتماد افراد کا اجماع رہا ہے اور اس (تقلید) میں ایسی مصالح ہیں جو مخفی نہیں ہیں، بالخصوص اس زمانے میں جس میں ہمیں بہت زیادہ کوتاہ ہوگئیں ہیں اور طبیعتوں میں خواہشات جاں گزیں ہوگئیں ہیں اور ہر شخص اپنی رائے کو اچھا سمجھتا ہے، اس لئے تقلید لازم ہے

نیز علامہ کمال الدین ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی ''کتاب التحریر'' کے حوالہ سے شیخ نابلسیؒ نے اس بات پر اجماع نقل فرمایا ہے کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب کے علاوہ دیگر کسی اور کے مذہب پر عمل کرنا جائز نہیں ہے:

صرح في التحرير لابن الهمام: أن الإجماع إنعقد على عدم العمل بمذهب يخالف الأربعة

ابن الاہمام کی کتاب تحریر میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ ائمہ اربعہ کے مخالف مذہب پر عمل کے عدم جواز پر اجماع منعقد ہو

لإنضباط مذاهبهم واشتهارها وكثرة إتباعها . (خلاصة التحقيق، ص: ٤)

چکا ہے، ان کے مذاہب کے ضبط ہوجانے اور ان کے مشہور ہوجانے اور ان کے متبعین کی کثرت کی وجہ سے۔

(۵) صحابہ کی تقلید

نیز عوام اور غیر مجتہد کے لئے براہ راست صحابہ کرام کی تقلید بھی ممکن نہیں ہے؛ اس لئے کہ ایسے مسائل کثرت کے ساتھ موجود ہیں کہ جن میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف ہے، اب اگر صحابہ کی تقلید کی اجازت دی جائے تو مسئلہ پر کوئی بھی عمل نہیں کرے گا؛ بلکہ اپنی خواہشات نفس پر ہی عمل کرے گا، مثلاً کسی مسئلہ میں ایک صحابی کی رائے جواز کی ہے اور دوسرے صحابی کی رائے عدم جواز کی ہے، تو صحابہ کے نام نہاد مقلد کو جب جواز کا پہلو آسان معلوم ہوگا تو قائل جواز کی تقلید کرے گا اور جب عدم جواز کا پہلو آسان معلوم ہوگا تو عدم جواز کے قائل کی تقلید کرے گا، یہ صحابہ کی تقلید نہیں ہے؛ بلکہ اپنی خواہش نفس کی تقلید ہے، جو ناجائز اور حرام ہے۔ اور اگر کسی ایک صحابی کی تقلید کرنا چاہے تو یہ بھی ممکن نہیں ہے؛ اس لئے کہ ہر صحابی کا مسلک اپنی شرائط کے ساتھ مدون نہیں ہے۔ اس کی شیخ عبدالغنی نابلسیؒ نے ان الفاظ کے ساتھ وضاحت فرمائی ہے:

وقد نقل الإمام الرازي إجماع المحققين على منع العوام من تقليد أعيان الصحابة وأكابرهم.

(خلاصة التحقيق، ص: ٤)

اور حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے عوام الناس کے براہ راست صحابہ رضی اللہ عنہم اور اکابر صحابہ کی تقلید کی مخالفت پر محققین کا اجماع نقل فرمایا ہے۔

(٦) تقلید شخصی

تقلید شخصی کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک امام کا تمام مسائل میں مقلد ہوجائے، جب

اس امام اور دوسرے امام کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو دوسرے کے مسلک کو اختیار نہ کرے؛ بلکہ اپنے امام کی رائے پر عمل کرے، اس کو تقلید شخصی کہا جاتا ہے۔ اور اس کا ثبوت عہد صحابہ اور ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں بھی موجود تھا، چنانچہ ہم تقلید شخصی سے متعلق صحابہ کے عمل اور صحابہ کی رائے کے ثبوت میں دو احادیث شریفہ پیش کرتے ہیں:

(۱) بخاری، ترمذی، مسند امام احمد میں حضرت ہزیل بن شرحبیل رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ معلوم کیا گیا کہ ایک شخص کا انتقال ہوا، بوقت انتقال اپنی ایک لڑکی اور ایک بہن، ایک پوتی کو چھوڑا، تو اب میراث کس طرح تقسیم ہوگی؟ تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ بتایا کہ کل مال دو حصوں میں تقسیم ہو کر ایک نصف لڑکی کو ملے گا اور دوسرا نصف بہن کو ملے گا، پوتی کو کچھ نہیں ملے گا؛ لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مسئلہ معلوم کرلو۔ چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مسئلہ معلوم کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ لڑکی کو نصف ملے گا اور پوتی کو سدس ملے گا، دو ثلث کو مکمل کرنے کے لئے، اس کے بعد جو ایک ثلث بچتا ہے وہ بہن کو عصبہ مع غیرہ کے اصول سے عصبہ ہونے کی وجہ سے مل جائے گا، جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے فتوی کے خلاف فتوی صادر فرمایا تو لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا، تو اس وقت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ موجود رہیں گے مجھ سے مسئلہ معلوم نہ کرو، انہیں کی تقلید کرو، تو اس طرح ایک شخص کی تقلید کا نام ہی تقلید شخصی ہے۔ حدیث شریف حسب ذیل ہے:

سئل أبو موسیٰ عن ابنة وابنة ابن وأخت فقال: للابنة النصف وللأخت النصف وانت ابن مسعود فسيتابعني	حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک لڑکی ایک پوتی اور ایک بہن کے سلسلہ میں (میراث) کا سوال کیا گیا، تو آپ نے جواب دیا: لڑکی اور بہن دونوں کو نصف نصف

فسئل ابن مسعود واخبر بقول أبي موسیٰ، فقال: لقد ضللت إذا أوما أنا من المهتدين اقضي فيها بما قضى النبي صلى الله عليه وسلم للابنة الصنف، ولابنة الابن السدس تكملة للثلثين وما بقي فللأخت، فأتينا أبا موسیٰ فأخبرناه بقول ابن مسعود فقال: لا تسئلوني ما دام هذا الحبر فيكم. الحديث (بخاري ۲/ ۹۹۷، رقم: ٦٤٧٩، ف: ٦٤٣٦، مسند أحمد ۱/ ٤٦٣، رقم: ٤٤٢٠)

ملے گا (اور پوتی محروم ہوگی) اور تم ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ بہت ممکن ہے کہ وہ میری متابعت کریں، چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے وہی سوال کیا گیا اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے قول کی بھی خبر دی گئی، تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تب تو میں بے راہ ہو جاؤں گا اور راہ یابوں میں سے نہیں رہ سکوں گا، میں تو اس سوال کا وہی جواب دوں گا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے، کہ لڑکی کو نصف، پوتی کو ثلثان کی تکمیل کے لئے سدس ملے گا۔ اور مابقیہ بہن کا حق ہوگا، پھر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ابن مسعودؓ کے قول کی خبر دی، تو آپ نے فرمایا کہ جب تک تم میں یہ عالم موجود ہیں اس وقت مجھ سے ہرگز مسئلہ مت پوچھنا

(۲) دوسری حدیث شریف:- بخاری، مسلم وغیرہ میں حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اہل مدینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایسی عورت کے متعلق سوال کیا جس کو طواف زیارت کے بعد حیض آ گیا ہے کہ وہ عورت طواف وداع کے لئے رکی رہے گی یا وطن روانہ ہوسکتی ہے؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے طواف وداع چھوڑ کر روانہ ہونے کے جواز پر فتویٰ دیا، تو اہل مدینہ نے صاف کہہ دیا کہ آپ کا فتویٰ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے فتوی کے خلاف ہے اور ہم آپ کے فتوی کی وجہ سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو نہیں چھوڑیں گے، اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کوئی ناگواری کا اظہار

نہیں فرمایا؛ اس لئے کہ اہل مدینہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تقلید کرتے تھے، ان کے فتوؤں اور ان کی رائے کے مقابلہ میں دوسروں کی رائے اور فتوی کو اختیار نہیں کرتے تھے، اب غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کا فتویٰ اپنے پیشوا کی رائے کے خلاف ہونے کی وجہ سے اہل مدینہ نے مسترد کردیا ہے، اسی کو تقلید شخصی کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف ذیل میں درج کی جاتی ہے، روایت ملاحظہ فرمائیے:

عن عكرمة أن أهل المدينة سألوا ابن عباس عن امرأة طافت ثم حاضت، قال لهم تنفر قالوا: لا نأخذ بقولك وندع قول زيد. (بخاري ۱/ ۲۳۷، رقم: ۱۷٦٥، ف: ۱۷٥٨، عمدة القاري ۱۰/ ۹۷، فتح الباري ۳/ ٥٨٦)

وفي بعض النسخ: أفندع قول زيد.

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مدینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس عورت کے متعلق سوال کیا جس کو طواف کے بعد حیض آگیا ہے، تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ عورت وطن روانہ ہوسکتی ہے، تو اہل مدینہ نے کہا کہ آپ کے فتویٰ کو ہم اختیار نہیں کریں گے، اور کیا ہم زید بن ثابت کے فتوی کو چھوڑ سکتے ہیں؟

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تقلید شخصی کا سلسلہ دور صحابہ سے جاری رہا ہے۔ اور صحابہ کے زمانہ میں بھی تقلید شخصی کی ضرورت محسوس کی جاتی تھی۔ اور دور صحابہ کے بعد فقہاء نے بھی تقلید شخصی کو اہمیت دی ہے۔ اور جتنا زمانہ گذرتا گیا تقلید کی ضرورت اتنی محسوس ہوتی گئی؛ اس لئے ہر مسلمان پر کسی نہ کسی ایک امام کی تقلید کرنا لازم ہے۔ اور چونکہ ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے کسی بھی مجتہد کا مذہب اپنے شرائط کے ساتھ مدون نہیں ہوا ہے؛ اس لئے اب تقلید کا دائرہ ائمہ اربعہ کے درمیان محدود ہوگیا ہے؛ لہٰذا ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا واجب ہوگا۔

(۷) عوام اور غیر مجتہد کے لئے ایک امام کی تقلید کی پابندی

اب ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید لازم ہے۔ اور ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں

ہے کہ کسی مسئلہ میں کسی ایک امام کی تقلید کرے اور دوسرے مسئلہ میں کسی دوسرے امام کی تقلید کرے؛ اس لئے کہ اگر اس کی اجازت ہو جائے گی تو بجائے دینی مسائل پر عمل کرنے کے اپنی خواہش نفس پر عمل کرے گا، مثال کے طور پر اگر کسی مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی رائے میں آسانی معلوم ہو جائے تو اس میں امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرے گا اور دوسرے مسئلہ میں امام مالکؒ یا امام شافعیؒ کی رائے آسان معلوم ہو جائے تو اس میں امام شافعیؒ یا امام مالکؒ کی تقلید کرے گا، جیسا کہ امام مالکؒ کے نزدیک مسح علی الخفین کی کوئی مدت متعین نہیں ہے اور دوران سفر مقیم بننے کے لئے چار دن کے قیام کی نیت کافی ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسح علی الخفین کی مدت مسافر کے لئے تین دن تین رات اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات متعین ہے۔ اور دوران سفر کسی جگہ پندرہ دن سے کم قیام کی نیت سے مقیم نہیں ہوسکتا، اب کوئی شخص خواہش نفس کی پیروی کرتے ہوئے ایسا کرسکتا ہے کہ دوران سفر کسی جگہ ایک ہفتہ قیام کی نیت کر لے اور امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کے نام سے قصر کرتا رہے اور روزہ بھی ترک کرتا رہے اور مسح علی الخفین کے مسئلہ میں بجائے امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرنے کے امام مالکؒ کی تقلید کے نام سے موزہ نہ اتارے اور مستقل مسح کرتا رہے، تو یہ خواہشات نفس کی تقلید نہیں تو کیا ہے؟ اسی لئے کسی ایک متعین امام کی تقلید کرنا اس کی شرائط ولوازمات کے ساتھ ہر مسلمان پر لازم ہے، اسی کا نام تقلید شخصی ہے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام طحاویؒ، امام شمس الائمہ حلوائیؒ، امام فخر الاسلام بزدویؒ، امام ابوالحسن کرخی۔ کو دیکھئے کتنے بڑے بڑے محدث اور فقیہ تھے، مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقلد تھے اور انہیں کے پابند تھے۔

حضرت امام ترمذیؒ کو دیکھئے کتنے بڑے محدث اور فقیہ اور صاحب کمال تھے، ترمذی شریف انہیں کی تصنیف ہے، مگر پھر بھی حضرت امام شافعیؒ کے مقلد تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کتنے بڑے محدث تھے، مگر امام شافعیؒ کے مقلد تھے اور انہیں کے پابند رہے ہیں، اسی طرح امام ابوداؤد اور امام نسائی کو دیکھئے کتنے بڑے بڑے محدث اور فقیہ تھے، مگر حضرت

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے۔ اور انہیں کے پابند رہے ہیں۔ حافظ الدنیا ابن عبد البر مالکی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھئے کتنے بڑے فقیہ اور محدث تھے، مگر حضرت امام مالک کے مقلد تھے۔ جب اتنے بڑے بڑے فقہاء اور محدثین کے لئے تقلید شخصی لازم تھی تو ان سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے جو اپنے آپ کو تقلید شخصی سے بالاتر سمجھے؛ لہٰذا تقلید شخصی وجوب کے درجہ سے کم نہیں ہے۔ شیخ عبد الغنی نابلسیؒ خلاصۃ التحقیق میں نقل فرماتے ہیں:

قال المقلد إذا عمل بحكم من مذهب لا يرجع عنه إلى آخر من مذهب آخر. (خلاصة التحقيق، ص: ٥)

مقلد جب کسی ایک مذہب کے مسئلہ پر عمل کرے گا، تو اس مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔

اور دوسری جگہ نقل کرتے ہیں:

قال الشيخ المناوي في شرح الجامع: وعلى غير المجتهد أن يقلد مذهبا معينا. (خلاصة التحقيق، ص: ٧)

شیخ مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح جامع میں ارشاد فرمایا کہ غیر مجتہد پر کسی متعین مذہب کی تقلید کرنا واجب اور ضروری ہے۔

اور علامہ محلی کی شرح ''جمع الجوامع'' کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے کہ جو شخص مرتبہ اجتہاد کو نہیں پہنچا ہے، اس کے اوپر مجتہدین میں سے کسی معین مجتہد کی تقلید کو لازم کرلینا واجب ہے:

وفي شرح جمع الجوامع للمحلي: والأصح أنه يجب على العامي وغيره ممن لم يبلغ رتبة الإجتهاد التزام مذهب معين من مذاهب المجتهدين. (خلاصة التحقيق ٨)

اور محلی کی جمع الجوامع کی شرح میں ہے کہ اصح بات یہ ہے کہ عامی اور غیر عامی جو مرتبہ اجتہاد تک نہ پہنچے ہوں، ان کے لئے مجتہدین کے مذاہب میں سے معین ومخصوص مذہب کو لازم پکڑنا واجب اور ضروری ہے۔

صاحبِ ہدایہ -علیہ الرحمہ- فرماتے ہیں کہ عامی آدمی پر فقیہ اور مجتہد کے قول کا اتباع کرنا لازم اور ضروری ہے:

لأن علـى العامي الاقتداء بالفقهاء لعدم الاهتداء في حقه إلى معرفة الأحاديث. الخ.	اس لئے کہ عام لوگوں میں معرفت حدیث کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے فقہاء کرام کی اقتداء اور تقلید واجب اور ضروری ہے۔

(هداية، مكتبه أشرفي ديوبند ۱ / ۲۲۶)

اور شیخ نابلسیؒ نقل فرماتے ہیں کہ مقلد محض پر لازم ہے کہ فقیہ یا مفتی مجتہد کے فتوی کے بغیر کسی مسئلہ پر عمل نہ کرے:

لا يجوز للمقلد العمل في كل واقعة من الأعمال والأحكام إلا بتقليده واستفتائه من مفت مجتهد، أو حامل فقه. (خلاصة التحقيق، ص: ٤)

(۸) مقلد کی قسمیں

مقلد کی دو قسمیں ہیں: (۱) مقلد محض (۲) مقلد محقق۔

مقلد محض: مقلد محض ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کو علوم شرعیہ اور قرآن وحدیث کے اسرار ورموز پر پوری طرح تبحر اور مہارت حاصل نہ ہو، چاہے دوسرے فنون میں کتنے ہی ماہر ہوں۔ اور ایسے لوگ تین قسموں پر ہوسکتے ہیں:

(۱) وہ لوگ جو عربی اور اسلامی علوم وفنون سے بالکل ناآشنا ہوں۔

(۲) وہ لوگ جو عربی ادب وزبان سے اچھی طرح واقف ہوں؛ لیکن علوم اسلامیہ کو باقاعدہ پڑھ کر عالم نہ بنے ہوں۔

(۳) وہ لوگ جو باقاعدہ عربی اور علوم اسلامیہ کے مدارس میں داخلہ لے کر فارغ التحصیل ہوچکے ہوں، مگر قرآن وحدیث کے اسرار ورموز کے علوم میں پوری طرح تبحر اور بصیرت حاصل نہ ہوئی ہو، ان تینوں قسم کے لوگوں پر اپنے امام کے قول یا مفتی کے فتوی پر عمل

کرنا واجب ہے، ان کے لئے اس کے سوا چارہ کار نہیں ہے، ورنہ کوئی شخص آیت کریمہ: ”وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ“ کے ظاہر سے استدلال کرکے نماز میں استقبال قبلہ کی فرضیت کا انکار کر بیٹھے گا۔ حدیث شریف: ”أفطر الحاجم والمحجوم“ الحديث (ترمذی ۱/۱۶۰) کو دیکھ کر کوئی شخص پچھنا لگوانے کے بعد روزہ توڑ دے گا، حالانکہ اگر روزہ توڑ دے گا تو کفارہ واجب ہو جائے گا۔ اور اگر مفتی سے فتوی حاصل کرنے کے بعد روزہ توڑ دے گا تو کفارہ لازم نہ ہوگا؛ کیوں کہ وہ تو مقلد محض ہے، مفتی جو کہے گا اس پر عمل کرنا اس کی ذمہ داری ہے، ایسے لوگوں کو اصطلاح میں مقلد محض کہا جاتا ہے۔

شیخ عبدالغنی نابلسیؒ اس مسئلہ کو ان الفاظ کے ساتھ نقل فرماتے ہیں:

لا يجوز للمقلد العمل في كل واقعة من الأعمال والأحكام إلا بتقليده واستفتائه من مفت مجتهد، أو حامل فقه. (خلاصة التحقيق، ص: ٤)

مقلد کے لئے کسی بھی واقعہ میں کسی مفتی مجتہد یا کسی فقیہ کی تقلید کئے بغیر اور فتویٰ حاصل کئے بغیر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ نقل فرماتے ہیں کہ عامی آدمی پر فقیہ اور مفتی کے قول کا اتباع کرنا لازم ہے:

لأن على العامي الاقتداء بالفقهاء لعدم الاهتداء في حقه إلى معرفة الأحاديث. الخ.

اس لئے کہ عام لوگوں میں معرفت حدیث کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے فقہاء کرام کی اقتداء اور تقلید واجب اور ضروری ہے۔

(هداية، مكتبه أشرفي ديوبند ١/ ٢٢٦)

مفتی ناقل اور مقلد محض کا فتویٰ

جس شخص نے باقاعدہ دینی مدارس میں داخلہ لے کر علوم وفنون کے سارے مراحل کرکے فتویٰ لکھنے کی ممارست بھی حاصل کر لی ہے اور اپنے امام کے اقوال کو کافی حد تک ضبط

بھی کرلیا ہے، مگر اجتہاد اور مسائل کی تخریج کرنے یا ائمہ مجتہدین کے اقوال کے درمیان بعض کو بعض پر ترجیح دینے کا ملکہ اور صلاحیت پیدا نہیں ہوئی ہے؛ البتہ ائمہ کے مسلک اور اقوال کو اچھی طرح نقل کرنے کی صلاحیت ہے، تو ایسا شخص مفتی نہیں ہے؛ بلکہ ناقل ہے؛ کیوں کہ مفتی کے لئے قوت اجتہاد شرط ہے۔ اور اس زمانہ میں جتنے حضرات منصب افتاء پر فائز ہیں وہ در حقیقت ناقل فتویٰ ہیں؛ اس لئے سب کے سب مقلد محض ہیں، کوئی بھی مقلد محقق کے دائرہ میں داخل نہیں؛ لہٰذا ان میں سے کسی کو تنہا اپنا تفرد اختیار کرنے کا حق بھی نہیں ہے، ان کے اوپر اپنے امام یا مفتی مجتہد کے قول کو بعینہٖ نقل کرنا لازم ہے۔

علامہ شیخ ابن ہمامؒ اس بات کو ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:

أما غير المجتهد ممن يحفظ أقوال المجتهد فليس بمفت والواجب عليه إذا سئل أن يذكر قول المجتهد كأبي حنيفة على جهة الحكاية فعرف أن ما يكون في زماننا من فتوى الموجودين ليس بفتوى بل هو نقل كلام المفتي ليأخذ به المستفتي.	بہر حال غیر مجتہد حضرات جنہیں صرف مجتہد کے اقوال یاد ہیں وہ مفتی نہیں، چنانچہ ان پر ضروری ہے کہ جب ان سے سوال کیا جائے تو مجتہد کے قول کو حکایت کے طور پر ذکر فرمائیں مثلاً کہے کہ یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے، تو اس سے معلوم ہوگیا کہ موجودہ دور کے لوگوں کا فتویٰ حقیقت میں فتویٰ نہیں؛ بلکہ وہ مفتی کے کلام کی نقل ہے، تاکہ مستفتی اپنے عمل کے لئے اس کو اختیار کرے۔

(فتح القدير زكريا ۷/ ۲۳۸، بحر الرائق زكريا ٦/ ٤٤٦، كوئٹه ٦/ ٢٦٤، شامي كراچی ١/ ٦٩، زكريا ١/ ١٦٨)

اسی کو علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''عقود رسم المفتی'' میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وإن لم يكن من أهل الإجتهاد	اور اگر وہ مجتہد نہیں ہے، تو اس کے لئے فتوی

لا یحل له أن یفتي إلا بطریق الحکایة، فیحکی ما یحفظ من أقوال الفقهاء. (عقود رسم المتفي، زکریا ۱٤٤، قدیم ۷۹)

دینا حکایت ہی کے طریقہ سے جائز ودرست ہوگا، چنانچہ اس کو فقہاء کے اقوال میں سے جو یاد ہو وہ نقل کرے گا۔

اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ دوسری جگہ مفتی ناقل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ مفتی ناقل کو یہ حق ہے کہ مقلدین محققین اور مفتیان مجتہدین میں سے جو زیادہ فقیہ نظر آئے اس کے قول کو اپنے فتویٰ میں نقل کر کے اس کی طرف منسوب کردے۔

وإن کان المفتي مقلدا غیر مجتهد یأخذ من هو أفقه الناس عنده، ویضیف الجواب إلیه. (عقود رسم المتفي، زکریا ۱٤۳، قدیم ۷۹)

اگر مفتی مقلد محض ہے، مفتی مجتہد نہیں ہے، تو فتویٰ دینے میں اپنی نگاہ میں فقہاء میں سے جو سب سے بڑا فقیہ ہو اس کے قول کو اسی کی طرف منسوب کر کے نقل کردیا کرے۔

اور ایسے مفتی ناقل اور غیر مجتہد کے بارے میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ حموی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے کہ ان کے لئے قواعد واصول سے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے؛ بلکہ نقل صریح کو پیش کرنا لازم ہے:

لا یحل الإفتاء من القواعد والضوابط، وإنما علی المفتي حکایة النقل الصریح کما صرحوا به. (عقود رسم المتفي، زکریا ۱٤٤، قدیم ۷۹، حموي علی الأشباه ص: ۱۵۷، زکریا ص: ۲۷۹)

قواعد واصول سے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے اور مفتی (غیر مجتہد) پر صریح قول کو نقل کر دینا لازم ہے، جیسا کہ فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے۔

اور امام الحرمین، امام غزالی، علامہ سمعانی اور علامہ کیاہراسی رحمہم اللہ وغیرہ فرماتے

ہیں کہ مقلد پر واجب ہے کہ اپنے امام کے قول ورائے کے صحیح اور صواب ہونے کا اعتقاد رکھے اور جب تک درجۂ اجتہاد تک نہ پہنچے اس وقت تک امام کے اقوال وآراء کی علتوں پر غور وفکر کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کو صاحب ''اعلاء السنن'' ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں:

صرح إمام الحرمين، وابن السمعاني، والغزالي، والكياهراسي وغيرهم قالوا: كل مقلد من مقلدي الأئمة يجب عليه اعتقاد ذلك في إمامه ما دام لم يصل إلى مقام الكمال. (مقدمه إعلاء السنن ۲/ ۲۲۸)

امام الحرمین، ابن السمعانی، غزالی اور کیاہراسی وغیرہم نے صراحت کے ساتھ فرمایا کہ مقلدین ائمہ میں سے ہر ایک پر جب تک درجۂ کمال تک نہ پہنچ جائے اپنے امام کے بارے میں اس کا اعتماد واعتقاد واجب اور ضروری ہے۔

مقلد محقق اور مفتی مجتہد

مقلد محقق یا مفتی مجتہد ایسے شخص کو کہا جاتا ہے، جس کو ایسی خداداد صلاحیت اور ملکہ منجانب اللہ عطا ہوا ہے، جس کی وجہ سے اپنے امام کے اصول کے مطابق اجتہاد کر کے جزوی مسائل کی تخریج اور استنباط پر دسترس حاصل ہو چکی ہو، ایسے شخص پر بھی اپنے امام کی تقلید کی پابندی لازم ہے؛ البتہ مقلد محقق یا مفتی مجتہد کو مقلد محض اور مفتی ناقل کے مقابلہ میں چار امور میں امتیاز حاصل ہے:

(۱) جن مسائل میں اپنے امام سے کوئی صراحت منقول نہیں ہے، ان میں اپنے امام کے اصول وقواعد کے مطابق جزوی احکام کا استنباط کرسکتا ہے۔

(۲) اپنے امام کی طرف سے جن مسائل میں ایک سے زائد اقوال منقول ہیں، ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے یا تطبیق دینے کا حق حاصل ہوتا ہے۔

(۳) عموم بلویٰ اور ضرورتِ شدیدہ کے موقع پر کسی دوسرے امام کے قول پر فتویٰ

دے سکتا ہے؛ لیکن دوسرے امام کے قول پر فتویٰ دینے کے لئے تلفیق سے بچنے کی شرائط کی پابندی لازم ہے۔ اور تلفیق سے متعلق بحث آگے آرہی ہے۔

(۴) ایسے شخص کو اگر اپنے امام کا کوئی قول ایسا نظر آئے جو غیر منسوخ صحیح اور صریح حدیث کے خلاف ہے۔ اور اس کے معارض کوئی دوسری حدیث بھی نہیں ہے اور امام کے قول پر شرح صدر بھی نہ ہو، تو امام کے قول کو چھوڑ کر اس حدیث پر عمل کر کے اپنا تفرد اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ (مستفاد: درس ترمذی ۱/۱۲۳)

علامہ زین الدین بن نجیم مصریؒ نے مقلد محقق کی تین شرطیں نقل فرمائی ہیں:

(۱) ائمہ کے مذاہب پر اچھی طرح عبور حاصل ہو۔

(۲) مجتہد مطلق کے اقوال کے درمیان امتیاز کرنے کی قدرت حاصل ہو۔

(۳) ائمہ مجتہدین کے اقوال میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی صلاحیت حاصل ہو، نیز ہر قول کے رجحان کو دلیل سے ثابت کرنا اور متعدد اقوال کے درمیان موازنہ کر کے راجح کو اختیار کرنا اور مرجوح کو ترک کرنا بھی مجتہد ہی کا وظیفہ ہے، چاہے وہ مجتہد مقید ہی کیوں نہ ہو۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/ ۴۹۶)

والمراد بالأهلية هنا أن يكون عارفا مميزا بين الأقاويل له قدرة على ترجيح بعضها على بعض. (البحرالرائق ۲/ ۲۷۰)

اور یہاں اہلیت سے مراد یہ ہے کہ وہ ائمہ کے چند اقوال کے درمیان امتیاز کرنے اور معرفت رکھنے والا ہو، اس کو بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دینے کی قدرت حاصل ہو۔

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ صحیح معنی میں مسلک حنفی میں با اختیار قاضی اور مفتی وہی ہے جس کو علم حدیث اور اجتہاد میں بصیرت حاصل ہو۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اقوال اور مسلک کا حافظ ہو اور اس پر اچھی طرح واقف ہو۔

وقد سئل متى يحل لرجل أن يفتي ويلي القضاء؟ قال: إذا

اور سوال کیا گیا کہ انسان کے لئے منصب قضاء وافتاء پر فائز ہونا کب جائز ہوسکتا ہے؟

كـان بصيرا بالحديث و الرأى عارفا بقول أبي حنيفة حافظا له.

(بـحـرالـرائـق، كوئٹه ٦/ ٢٧٠، زكريا ديوبند ٦/ ٤٥٤)

تو جواب دیا کہ جب حدیث پر بصیرت اور اجتہاد پر قدرت حاصل ہو، امام ابوحنیفہؒ کے اقوال سے واقف اور ان کا حافظ ہو۔

علامہ شامیؒ ''منحۃ الخالق'' میں نقل فرماتے ہیں کہ دلیل اور علت کو اچھی طرح سمجھ کر مسئلہ بتلانے کا حق صرف مقلد محقق کو ہے۔ اور مقلد محقق یا مفتی مجتہد وہی ہوسکتا ہے جو کتاب وسنت کا ایسا عالم ہو جو عدالت ودیانت داری کے ساتھ متصف ہو اور اجتہاد ورائے کی صلاحیت بھی ہو۔ اور اگر یہ صلاحیت نہیں ہے تو وہ فن حدیث کے راوی کے درجہ میں ہے، اس کو صرف نقل کرنے کا حق ہے، تصرف کا حق نہیں ہے۔

إن الـمـفـتـي يـنـبـغـي أن يكون عـدلا عالما بالكتاب و السنة، و اجتهـاد الـرأى، قـال: إلا أن يـفـتـى بشـيء قـد سـمعه، فإنه يـجـوز وإن لـم يـكـن عـالـمـا بـالـكتاب و السنة؛ لأنه حاك مـا سـمع من غيره فهو بمنزلة الـراوي فـي بـاب الأحاديث.

(منحة الخالق على هامش البحر، كوئٹه ٦/ ٢٦٩، زكريا ٦/ ٤٥٢)

مفتی کے لئے مناسب ہے کہ وہ عادل، کتاب وسنت کا جاننے والا ہو اور اسے اجتہاد ورائے پر قدرت ہو، فرمایا کہ جس مسئلہ کو سن رکھا ہے اسی پر فتویٰ دینا اس کے لئے جائز ہے، اگرچہ وہ کتاب وسنت کا جاننے والا نہ ہو؛ اس لئے کہ وہ تو دوسرے سے سنی ہوئی بات کو نقل کر رہا ہے، چنانچہ ایسا مفتی بابِ حدیث میں راوی کے درجہ میں ہے۔

وقـولـه: إن مثل المحقق له أن يـقـول ذلک؛ لأنه أهل للنظر في الدليل، وأما مثلنا فلا يجوز

اور محقق جیسوں کے لئے ایسی بات کرنے کی اجازت ہے؛ کیوں کہ وہ دلیل میں غور وفکر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور ہم جیسا

لـه العـدول عـن قول الإمـام أصلا. (منحة الخالق علی هامش البحر، کوئٹه ٦/ ٢٦٩، زکریا ٦/ ٤٥٢)

انسان تو اس کے لئے امام کے قول سے بالکلیہ عدول کی اجازت نہیں۔

شیخ محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح معنی میں مفتی وہی ہوتا ہے جو کتاب وسنت اور ائمہ کے اقوال سے اچھی طرح واقف ہو۔ اور حقیقت میں دلیل وعلت کے ساتھ فتویٰ دینے کا حق ایسے ہی مفتی مجتہد کو حاصل ہوتا ہے۔

وإعـلـم أن ما ذكر في القاضي ذكـر فـي المفتي، فلا يفتى إلا الـمـجتهـد، وقـد استقـر رأى الأصـوليين على أن المفتي هو الـمجتهد. (فتـح القـدير، قديم ٧/ ٢٥٦، زكريا ديوبند ٧/ ٢٣٨)

اور جاننا چاہئے کہ جو شرطیں قاضی کے لئے ذکر کی گئی ہیں، وہی شرطیں مفتی کے لئے بھی ہیں، چنانچہ فتویٰ مجتہد حضرات ہی دیں گے اور اس بات پر تو اصولیین کا اجماع ہو چکا ہے کہ مفتی مجتہد ہی ہوسکتا ہے۔

مقلد محقق کا انتقال عن المذہب

مقلد محقق یا مفتی مجتہد کو ان تمام خصوصیات کا حامل ہونے کے باوجود یہ اختیار نہیں ہے کہ اپنے امام کے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے امام کے مذہب میں منتقل ہو جائے، مجتہد مطلق اور مجتہد منتسب اور مجتہد فی المسائل کے علاوہ ان سے نیچے کے درجات یعنی اصحابِ تخریج، اصحابِ ترجیح، اصحابِ تمییز میں سے کسی کے لئے بھی باقاعدہ تقلید کرنے کے بعد انتقال مذہب جائز نہیں ہے، صاحب اعلاء السنن حضرت امام الحرمین، امام غزالی، علامہ ابن السمعانی، علامہ کیاہراسی رحمہم اللہ کے حوالہ سے اس حکم کو ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:

صـرح إمــام الـحـرمين، وابن الســمـعــاني، والـغـزالـي،

امام الحرمین، ابن السمعانی، غزالی اور کیاہراسی وغیرہم نے صراحت کے ساتھ

والکیاهراسي وغیرهم قالوا: فالظاهر القول بوجوب التقلید المعین في هذا الزمان، وبالمنع من الانتقال مطلقا سواء کان عامیا أو فقیها.

فرمایا ہے کہ ظاہر بات یہی ہے کہ اس زمانہ میں معین شخص کی تقلید واجب اور ضروری ہے، چنانچہ مطلق طور پر خواہ وہ عامی ہو یا فقیہ، اس کے لئے ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف عدول ممنوع ہوگا۔

(مقدمه إعلاء السنن ۲/ ۲۲۸)

اور محقق شیخ ابن الہمام اور علامہ ابن نجیم مصری رحمہما اللہ نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل فرمایا ہے کہ ایک مذہب کو اختیار کرنے کے بعد اس کو چھوڑ کر دوسرے مذہب میں منتقل ہوجانا بہت بڑا گناہ ہے، اگرچہ مقلد محقق اپنے اجتہاد اور برہان کے ذریعہ سے منتقل ہورہا ہو؛ لہٰذا جن کے اندر اجتہاد کی صلاحیت نہیں ہے، ان کا اپنا مسلک بدلنا بطریق اولیٰ ناجائز اور مستوجب تعزیر ہوگا۔

وقالوا: المنتقل من مذهب إلی مذهب باجتهاد وبرهان آثم یستوجب التعزیر فبلا اجتهاد وبرهان أولیٰ. (فتح القدیر قدیم ۷/ ۲۵۷، زکریا ۷/ ۲۲۸، البحر الرائق، کوئٹه ٦/ ۲٦٦، زکریا دیوبند ٦/ ٤٤۷، خلاصة التحقیق ۲۳)

اور فقہاء نے فرمایا کہ ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف اجتہاد اور دلیل کے ذریعہ منتقل ہونے والا گنہگار اور مستحق تعزیر ہے، تو جو شخص بلا دلیل واجتہاد کے منتقل ہورہا ہو وہ بدرجۂ اولیٰ مستحق تعزیر اور گنہگار ہوگا۔

(۹) مقلد محقق کا تفرد

مقلد محقق کے تفرد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ میں اپنے امام کا کوئی قول صراحت کے ساتھ موجود ہو، مگر عالم محقق کو اپنے امام کے قول کے مخالف کوئی حدیث نظر آجائے، یا

اپنے امام کے مختلف اقوال میں سے قول مرجوح کی دلیل مضبوط نظر آجائے، یا دوسرے امام کے قول کی دلیل زیادہ قوی نظر آجائے اور اپنے امام کے قول کو چھوڑ کر اس حدیث پر عمل کرنے یا قول مرجوح پر عمل کرنے یا دوسرے امام کے قول کو اختیار کرنے کی کوئی اہم ضرورت بھی نہیں ہے؛ بلکہ صرف دلیل کو قوی سمجھ کر ہی تفرد اختیار کررہا ہے، تو ایسی صورت میں اپنے امام کے قول کو چھوڑ کر جانب مخالف کو اختیار کرلیتا ہے تو اس کو اصطلاح میں مقلد محقق کا تفرد کہا جاتا ہے۔ اور عالم محقق کو اس طرح تفرد اختیار کرکے اسی کے مطابق عمل کرنے کی گنجائش ہے، مگر یہ حق محقق کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔ اور اس طرح تفرد اختیار کر لینے کی وجہ سے اس کو امام کے مذہب سے خارج بھی نہیں سمجھا جائے گا۔ اساطین امت نے اس کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

ونظير هذا ما نقله العلامة البيري في أول شرحه على الأشباه عن شرح الهداية لابن الشحنة الكبير والد شارح الوهبانية وشيخ ابن الهمام ونصه إذا صح الحديث وكان على خلاف المذهب عمل بالحديث، ويكون ذلك مذهبه، ولا يخرج مقلده عن كونه حنفيا بالعمل به فقد صح عن أبي حنيفة أنه قال: إذا صح الحديث فهو مذهبي، وقد حكى ذلك الإمام ابن

اور اس کی نظیر وہ ہے جس کو علامہ بیری رحمۃ اللہ علیہ نے اشباہ کی شرح کے شروع میں شارح وہبانیہ کے والد ابن شحنہ الکبیر کی ہدایہ کی شرح اور شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا ہے۔ اور بالکل وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جب مذہب کے خلاف کوئی صحیح حدیث موجود ہوتو حدیث پر عمل کیا جائے گا۔ اور یہی اس کا مذہب ہوگا، نیز اس پر عمل کرنے کی وجہ سے مقلد دائرہ حنفیت سے خارج نہیں ہوگا؛ کیوں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے صحت کے ساتھ مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: کہ جب حدیث صحیح موجود ہوتو وہی میرا مذہب ہے۔ اور اس روایت کو

عبدالبر عن أبي حنيفة وغيره من الأئمة، ونقله أيضا الإمام الشعراني عن الأئمة الأربعة قلت: ولا يخفى أن ذلك لمن كان أهلا للنظر في النصوص ومعرفة محكمها من منسوخها. (شامي، كراچی ۱/۶۷، زکریا ۱/۱۶۷، عقود رسم المفتي قديم ۶۶-۷۱، زکریا ۱۱۵-۱۱۸)

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ سے نقل فرمایا ہے، نیز امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ائمہ اربعہ سے نقل فرمایا ہے، میں کہتا ہوں کہ یقیناً یہ اس شخص کے لئے ہے جسے نصوص میں غور وفکر کرنے کی اہلیت ہو۔ اور نصوص میں سے منسوخ اور محکم کی معرفت حاصل ہو۔

تفرد افضل نہیں

مذکورہ تقریر سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ مقلد محقق کو دلائل پر غور کرکے اپنا تفرد اختیار کرنے کی اجازت ہے، مگر تفرد کی صرف اجازت ہی ہے، لازم نہیں ہے اور چونکہ عالم محقق کا اجتہاد اپنے امام اوران کے تلامذہ جو مجتہد فی المذہب اور مجتہد منتسب ہیں، ان کے اجتہاد پر ہرگز فائق نہیں ہوسکتا؛ اس لئے محقق کے لئے افضل اوراولیٰ یہی ہے کہ تفرد اختیار نہ کرکے اپنے امام کے قول کے مطابق ہی عمل کرے۔ اور اس بات کو اساطین علماء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

إن اجتهادهم أقوى من اجتهاده (وقوله) واجتهاده لا يبلغ اجتهادهم. (شرح عقود رسم المفتی قديم ۶۸، زکریا ۱۱۸-۱۱۹)

کیوں کہ ان ائمہ کا اجتہاد محقق عالم کے اجتہاد سے زیادہ قوی اور بڑھا ہوا ہے، اس کا اجتہاد ان لوگوں کے اجتہاد کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا ہے۔

تفرد کی شرائط

عالم محقق کے تفرد کی متعدد شرائط میں سے دو شرطیں بہت زیادہ اہم ہیں، ان کی

رعایت کئے بغیر تفرد جائز نہیں ہے۔ اور ایک تیسری شرط مستحسن ہے۔

(۱) تفرد اختیار کرنے میں کسی قسم کا عناد وضد اور خواہش نفس کا دخل نہ ہو۔

(۲) تفرد کا دائرہ عمل ائمہ اربعہ کے مذاہب کے درمیان محدود ہو اور چاروں ائمہ کے مذاہب اور اجماع کی مخالفت لازم نہ آرہی ہو۔

فأقول أيضا تقييد ذلك بما إذا وافق قولا في المذهب إذا لم يأذنوا في الإجتهاد فيما خرج عن المذهب بالكلية مما إتفق عليه أئمتنا؛ لأن اجتهادهم أقوى من اجتهاده، فالظاهر أنهم رأوا دليلا أرجح مما رآه حتى لم يعملوا به.

(شرح عقود رسم المفتي قديم ٦٧، زكريا ١١٨)

اور میں کہتا ہوں کہ اس کو ایک اور قید کے ساتھ مقید کیا جائے، وہ یہ کہ محقق کا تفرد مذہب کے کسی قول کے موافق ہو؛ کیوں کہ جس مسئلہ پر ہمارے ائمہ متفق ہیں، اس سے بالکلیہ خروج کر کے اجتہاد کرنے کی فقہاء نے اجازت نہیں دی ہے؛ کیوں کہ ان ائمہ کرام کا اجتہاد بہرحال اس محقق کے اجتہاد سے زیادہ قوی ہے، حاصل یہ ہے کہ ان ائمہ نے محقق عالم کی دلیل سے زیادہ راجح دلیل پا کر اس پر ترک عمل سے کام لیا ہے۔

(۳) غیر منسوخ صحیح حدیث کی وجہ سے تفرد اختیار کیا جائے؛ لہٰذا اگر ان شرائط میں سے ایک شرط بھی فوت ہو جائے تو تفرد اختیار کرنا جائز نہ ہوگا، نیز محقق کا تفرد اپنے مذہب کے مختلف اقوال میں سے کسی ایک قول کے موافق ہونا مناسب اور اولیٰ ہے۔ اور کسی مسئلہ میں مذہب سے بالکلیہ خارج ہونا غیر مناسب امر ہے۔

تفرد کے اقسام

تفرد کی مختلف قسموں میں سے چار قسموں پر واقفیت حاصل کرنا ہر صاحب علم کے لئے ضروری ہے:

(۱) محقق اپنے اجتہاد اور رائے سے ایسا تفرد اختیار کرے، جس سے ائمہ اربعہ کی

مخالفت اور خرق اجماع لازم آجائے، تو ایسا تفرد بالا جماع ناجائز وحرام ہے، جیسا کہ شیخ ابن تیمیہ نے ایسے انتالیس مسائل میں تفرد اختیار فرمایا ہے، مثلاً علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک جہنم فنا ہوجائے گی اور اس کے بعد تمام کفار جنت میں داخل ہوجائیں گے اور جنت ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔ (فتاوی حدیثیہ لابن حجر ہیتمی، ص:۸۷) فتاوی حدیثیہ میں اسی طرح نقل فرمایا ہے۔

اور شیخ ابن تیمیہ کے نزدیک روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے سفر کرنا جائز نہیں ہے۔

(العرف الشذی علی الترمذی ۱/۸۲، فتاوی حدیثیہ ص:۸۷)

اور شیخ ابن تیمیہ کے تفردات کے متعلق آگے تفصیل آرہی ہے۔

(۲) عموم بلویٰ یا ضرورت شدیدہ کی وجہ سے عامۃ المسلمین کی رعایت اور مصالح کے مطابق محقق اپنے امام کے قول ضعیف یا مذہب غیر پر فتویٰ صادر کرتا ہے تو یہ درحقیقت تفرد نہیں ہے؛ بلکہ یہ فتوی اور اپنے مسلک کا مسئلہ ہے، اس پر عمل کرنا تمام مقلدین کے لئے جائز ہے، محقق کی ذات کے ساتھ خاص نہیں ہے، جیسا کہ مفقود الخبر کے مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک سے عدول کر کے حضرت امام مالکؒ کے مسلک پر فتویٰ دیا گیا ہے۔ (شامی کراچی ۴/ ۲۹۵، زکریا دیوبند ۶/ ۴۶۰)

اس کی تفصیل عدول عن المذہب کی بحث کے تحت آرہی ہے۔

(۳) محقق اپنے مذہب کے مخالف دیگر ائمہ مذاہب میں سے کسی کے قول کے موافق حکم کو اختیار کرتا ہے اور اس کے اختیار کرنے میں عموم بلویٰ یا ضرورت شدیدہ وغیرہ کا کوئی عذر بھی نہیں ہے، محض اپنی نظر میں غیر کا قول اقویٰ ہونے کی وجہ سے اس پر عمل کرتا ہے، ایسا تفرد اگرچہ عالم محقق کے لئے جائز ہے، مگر غیر مناسب اور غیر اولیٰ ہے۔

ينبغي تقييد ذلك بما إذا وافق قولا في المذهب إذ لم يأذنوا في الاجتهاد فيما خرج	اس کو ایک اور قید کے ساتھ مقید کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ جب محقق کا قول مذہب کے کسی قول کے موافق ہو؛ کیوں کہ

عن المذهب بالكلية مما إتفق عليه أئمتنا. (شرح عقود رسم المفتی قدیم ٦٧، زکریا ١١٨)

جس مسئلہ پر ہمارے ائمہ متفق ہیں اس سے بالکلیہ خروج کرکے اجتہاد کرنے کی ان ائمہ نے اجازت نہیں دی ہے۔

(۴) کسی مسئلہ کے متعلق اپنے مذہب میں متعدد اقوال موجود ہیں، ان میں جو قول راجح اور مفتی بہ ہے، اس کو چھوڑ کر قول ضعیف اور قول غیر مفتی بہ کو اس لئے اختیار کرنا کہ محقق کی نظر میں قول ضعیف کی دلیل قوی ہے اور قول ضعیف کو دلیل کی روشنی میں اختیار کرنے میں محقق کو شرح صدر اور اطمینان حاصل ہے، تو ایسی صورت میں عالم محقق کے لئے قول ضعیف پر ذاتی طور پر عمل کرنے میں تفرد اختیار کرنا بالا تفاق جائز ہے، مگر مقلد محض کے لئے ایسے مسائل میں عالم محقق کی تقلید جائز نہیں ہے؛ بلکہ اپنے امام کے قول راجح اور قول مفتی بہ پر عمل کرنا لازم ہے، جیسا کہ مسئلہ طلاق سکران میں حنفیہ کا قول راجح اور قول مفتی بہ یہی ہے کہ طلاق واقع ہوجائے گی۔ اور امام ابوالحسن کرخی رحمۃ اللہ علیہ اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک امام شافعیؒ کے قول کے مطابق یہی ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وطلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر والنبيذ، وهو مذهب أصحابنا، وكان الشيخ أبوالحسن الكرخي يختار أنه لا يقع شيء، وهو قول الطحاوي. (فتاوی تاتارخانية ٣/ ٢٥٦، درمختار کراچی ٣/ ٢٤١، زکریا دیوبند ٤/ ٤٤٧، ٤٤٨)

جس کو شراب اور نبیذ سے سکر پیدا ہوا ہو، اس کی طلاق واقع ہوجائے گی اور یہی ہمارے اصحاب کا مذہب ہے۔ اور شیخ ابوالحسن کرخی رحمۃ اللہ علیہ عدم وقوع طلاق کو اختیار کرتے تھے اور یہی حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

اب مقلد محض کے لئے امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ اور طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کرکے قول مفتی بہ کو چھوڑ دینا جائز نہیں ہے، اسی طرح بعد کے علماء محققین میں سے اگر کوئی

امام کرخیؒ کے قول کو اختیار کرتا ہے، تو اس کو اس کا حق ہے۔ اور اس میں اس کو متفرد کہا جائے گا، مگر غیر مجتہد عالم اور مقلد محض نیز مفتی ناقل کے لئے اس محقق کے قول کو اختیار کر کے عدم وقوع طلاق پر فتویٰ دینا جائز نہ ہوگا۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

مقلد محض کا مقلد محقق کے تفرد کا اتباع

متعدد دلائل سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ مقلد محض کے لئے اپنے اجتہاد کے ذریعہ دلائل کے رجحان پر عمل کرنے میں تفرد اختیار کرنا جائز ہے، یہ صرف عالم محقق کے لئے ذاتی طور پر عمل کے لئے جائز ہے۔ اور اس کی یہ تحقیق جمہور کی رائے اور قول مفتی بہ کے خلاف ہے؛ اس لئے اس کی ذات تک محدود رہے گی، متعدی نہیں ہوگی۔

وأما في حق العلم به لنفسه، فالظاهر جوازه له (وقوله) يجوز له أن يعمل عليها، وإن كان مخالفا لمذهبه؛ لأن المجتهد يلزمه إتباع ما أدى إليه اجتهاده. (شرح عقود رسم المفتي قديم ١٠٣، جديد زكريا ١٩١)

اور مقلد محقق کے لئے اپنے تفرد پر ذاتی طور سے عمل کرنے کی اجازت ہے، نیز اپنے مذہب کے مخالف ہونے کے باوجود اس قول پر عمل کرنا اس کے لئے جائز ہے؛ کیوں کہ مجتہد کے لئے اپنے اجتہاد کردہ مسئلہ کا اتباع لازم اور ضروری ہے۔

اور کوئی کتنا ہی بڑا محقق کیوں نہ ہو، اگر جمہور کی رائے اور اپنے امام کے قول راجح کے مخالف پہلو کو اختیار کرے گا، اگر چہ یہ عمل اس کے حق میں جائز ہے، مگر عالم مقلد کے لئے اس کی اتباع جائز نہیں ہے؛ بلکہ مسلک جمہور ہی واجب الاتباع ہوتا ہے؛ اس لئے کہ مقلد محض اور غیر مجتہد کے لئے عالم محقق کے تفرد کا اتباع کرنا جائز نہیں ہے، اسی وجہ سے محقق ابن ہمامؒ کے تفردات کے متعلق ان کے تلمیذ خاص حضرت علامہ قاسم بن قطلو بغا فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ کے تفردات جو جمہور کی رائے اور مذہب مشہور کے خلاف ہیں، وہ قابل اتباع نہیں۔

ولهذا قال العلامة قاسم في حق شيخه خاتم المحققين الكمال ابن الهمام: لا يعمل بأبحاث شيخنا التي تخالف المذهب. (شرح عقود رسم المفتی قديم ٦٨، جديد زكريا ١١٨)

اسی وجہ سے علامہ قاسم نے اپنے شیخ خاتمہ المحققین کمال ابن الہمام کے بارے میں فرمایا کہ ہمارے شیخ کے ان مسائل پر عمل نہ کیا جائے جو مذہب کے خلاف ہیں۔

(وقوله): فإن له اختيارات خالف فيها المذهب فلا يتابع عليها كما قاله تلميذه العلامة قاسم. (شرح عقود رسم المفتی قديم ٧٧، زكريا ديوبند ١٣٨)

یقیناً ان کے کچھ ایسے تفردات ہیں جن میں انہوں نے مذہب کی مخالفت کی ہے؛ لہٰذا ان کی اتباع نہیں کی جائے گی، جیسا کہ آپ کے شاگرد علامہ قاسم نے فرمایا ہے۔

اور مقلد غیر محقق اور مفتی غیر مجتہد کی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ مسلک کے قول مشہور پر فتوی دیا کرے، اگر چہ مسلک کا قول مشہور اس کو بظاہر ضعیف اور کمزور معلوم ہو رہا ہو، پھر بھی قول مشہور اور جمہور کی رائے کے مطابق فتویٰ دینا لازم ہے۔ اور عالم محقق کے تفرد کے مطابق فتویٰ دینا مقلد محض کے لئے روا نہیں ہے، اساطین امت اس کو ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:

وإن كان مقلدا جاز له أن يفتي بالمشهور في مذهبه، وأن يحكم به وإن لم يكن راجحا عنده مقلدا في رجحان المحكوم به إمامه الذي يقلده كما يقلده في الفتوى. (شرح عقود رسم المفتی قديم ١٠٤، زكريا ديوبند ١٩٥)

اگر (مفتی غیر مجتہد) مقلد ہو تو اس کے لئے اپنے مذہب کے مشہور قول پر فتویٰ دینا جائز ہے اور (قاضی کو) اس پر فیصلہ کرنا بھی جائز ہے، اگر چہ اس کے نزدیک یہ قول راجح نہ ہو وہ مقلد ہے، محکوم بہ کے رجحان میں اپنے اس امام کا جس کی اس نے تقلید کی ہے، جیسا کہ فتویٰ دینے میں اس کی تقلید کرتا ہے۔

(۱۰) شہرۂ آفاق پانچ محققین کے تفردات

اس موضوع سے متعلق اساطین امت کے تفردات بھی ہیں، کہ ان کے تفردات کو مقلد محض کے لئے اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں ماقبل میں عدم جواز کی بات ثابت ہوچکی ہے، اب یہاں سے بطور مثال شہرۂ آفاق پانچ محققین کے بعض تفردات کی نشاندہی کی جارہی ہے:

(۱) حضرت امام طحاویؒ کے تفردات

حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے تفردات میں سے چار تفردات بطور نظیر پیش کئے جارہے ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہ، سفیان ثوری، ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح، مجاہد بن جبیر رحمہم اللہ وغیرہ کے قول کے مطابق طلوع صبح صادق کے بعد اگر طلوع شمس سے قبل طواف کیا جائے یا صلوۃ عصر کے بعد غروب سے قبل طواف کیا جائے، تو اسی وقت صلاۃ طواف پڑھ لینا بلاکراہت جائز ہے۔ (شرح معانی الآثار ۱/ ۲۹۷، ایضاح الطحاوی ۳/ ۴۵۸)

لیکن حضرت امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد بن حسن شیبانی رحمہم اللہ کے نزدیک ان اوقات میں صلاۃ طواف مکروہ ہے، اگر ان اوقات میں طواف کیا جائے تو طلوع شمس یا غروب شمس تک صلوۃ طواف کو موقوف کردیا جائے۔ اور اگر مسلسل کئی طواف کئے جائیں تو سب کی نمازیں طلوع یا غروب تک موقوف کردی جائیں، اس کے بعد علی الترتیب پڑھ لی جائیں اور ان دونوں اوقات میں بلا صلاۃ کے تسلسل طواف بلا کراہت جائز ہے۔ اور ان اوقات کے علاوہ دیگر اوقات میں ہر طواف کی نماز متصلاً پڑھنا لازم ہے۔ اور ایک طواف کے بعد اس کی نماز ادا کرنے سے قبل دوسرا طواف کیا جائے گا تو یہ عمل مکروہ تحریمی ہے۔ (شامی کراچی ۲/ ۴۹۹، زکریا دیوبند ۳/ ۵۱۲)

مگر حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ائمہ ثلاثہ کے قول کے مطابق فجر اور عصر کے بعد صلاۃ طواف بلا کراہت جائز ہے۔ اور حنفیہ میں یہ حضرات امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا تفرد ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ اور امام طحاوی رحمہم اللہ کے قول میں تھوڑا سا فرق یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عصر کے بعد غروب تک جائز ہے۔ اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اصفرار شمس تک جائز ہے۔ (ایضاح الطحاوی ۳/۴۵۹)

اور جو لوگ فجر اور عصر کے بعد مسلسل کئی کئی طواف کرتے ہیں، ان کے لئے متعدد نمازوں کو موقوف کر دینے میں واقعتاً ایک قسم کی مشقت ہے؛ اس لئے اگر حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس تفرد کو حاجت عامہ کے تحت فتویٰ تسلیم کیا جائے گا، تو عامۃ المسلمین کی ایک اہم ضرورت پوری ہو جائے گی، شاید اسی وجہ سے شیخ عبدالحئی لکھنویؒ نے حضرت امام طحاویؒ کے مسلک کو اختیار فرمایا ہے۔ اور موطا امام محمد کے ”حاشیہ التعلیق الممجد ص: ۲۱۴“ میں اس کی تائید فرمائی ہے۔ علمائے کرام سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ پر غور کیا جائے، اگر سب لوگ امام طحاویؒ کے فتوی پر متفق ہو جائیں تو ایک اہم مسئلہ حل ہو جائے گا۔

(۲) حضرت امام طحاویؒ کے نزدیک طلاق سکران واقع نہیں ہوتی ہے، اس مسئلہ میں امام ابوالحسن کرخیؒ نے امام طحاویؒ کی موافقت فرمائی ہے، مگر جمہور احناف کے نزدیک سکران کی طلاق واقع ہو جاتی ہے، جمہور کے قول کے مطابق حنفیہ کا فتوی ہے۔

(۳) اگر نماز کے اندر شک ہو جائے کہ دو رکعت پڑھی ہیں یا تین رکعت؟ (درمختار کراچی ۲/۲۴۱، زکریا ۳/۳۵۰، تاتارخانیہ ۳/۲۵۶، النخب الافکار قلمی ۶/۲۶۳)

اسی طرح شک ہو جائے کہ تین رکعت پڑھی ہیں یا چار رکعت؟ تو ایسی صورت میں جمہور احناف کے نزدیک غالب ظن پر عمل کرے گا، مگر حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ائمہ ثلاثہ کے قول کے مطابق اقل پر محمول کیا جائے گا۔ (مستفاد: ایضاح الطحاوی ۲/۲۵۱، طحاوی شریف ۱/۲۵۱)

(۴) جمہور احناف کے نزدیک عصر کا وقت غروب شمس پر ختم ہوتا ہے، مگر حضرت

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اصفرار اور تغیر شمس پر عصر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ (ایضاح الطحاوی ۲/ ۲۲۷، امانی الاحبار ۲/۴/۲۸)

(۲) علامہ ابن تیمیہ کے تفردات

شیخ ابن تیمیہؒ مسلکاً حنبلی ہیں اور علمائے محققین میں شیخ ابن تیمیہ کے تفردات سب سے زیادہ ہیں۔ اور ان کے تفردات کل: ۱۷۹ ر ہیں، ان کے تفردات چار قسموں پر ہیں:

(۱) ایسے تفردات جن میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے قول مشہور کو چھوڑ کر قول غیر مشہور کو اختیار فرمایا ہے، ایسے کل چھبیس تفردات ہیں۔

(۲) ایسے تفردات جن میں امام احمد حنبلؒ کے مذہب کو چھوڑ کر باقی کسی ایک امام کا مذہب اختیار فرمایا ہے اور ایسے کل سولہ تفردات ہیں۔

(۳) ایسے تفردات جن میں چاروں اماموں کے مذہب کو ترک کر دیا ہے، ایسے کل سترہ تفردات ہیں۔

(۴) ایسے تفردات جن میں جمہور امت کے اجماع کی مخالفت فرمائی ہے اور ایسے کل انتالیس مسائل ہیں۔ اور ہم ان کے کل ۱۷۹ ر تفردات میں سے علامہ شہاب الدین ابن حجر ہیتمی مکی کی کتاب فتاوی حدیثیہ کے حوالہ سے خارق اجماع ۱۸ ر تفردات نقل کرتے ہیں۔ اور ایک تفرد ہدیۃ المہتدی کے حوالہ سے پیش کرتے ہیں، مگر راقم الحروف کو نیز بعض متبحر علماء کو ان تفردات میں سے بعض کو شیخ ابن تیمیہؒ کی طرف منسوب کرنے میں تردد ہے؛ البتہ ان میں سے اکثر کو شیخ ابن تیمیہؒ کی طرف منسوب کرنے میں کوئی تردد نہیں ہے۔

(۱) شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہیں۔ (فتاوی حدیثیہ، ص: ۸۷)

(۲) شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جہنم ہمیشہ کے لئے باقی نہیں رہے گی؛ بلکہ کسی وقت فناء ہو جائے گی اور تمام کفار بھی بعد میں جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ (فتاوی حدیثیہ، ص: ۸۷)

(۳) شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس طہر میں جماع کیا ہو اس میں بیوی کو طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔ (ایضاً)

(۴) شیخ ابن تیمیہ کے نزدیک حالت حیض میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (ایضا)

(۵) شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین سو سے زائد مسائل میں غلطی کی ہے۔ (فتاوی حدیثیہ ص:۸۷)

(۶) شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انبیاء علیہم السلام غیر معصوم ہیں۔ (ایضا)

(۷) شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی جاہ نہیں اور نہ ہی آپ کو کوئی وسیلہ بنایا جائے گا۔ (ایضاً)

(۸) شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے سفر کرنا معصیت ہے۔ (ایضاً)

(۹) شیخ ابن تیمیہؒ کے نزدیک عالم اپنی نوع کے اعتبار سے قدیم ہے۔ (ایضاً)

(۱۰) شیخ ابن تیمیہؒ کے نزدیک- العیاذ باللہ- خدا تعالیٰ فاعل مختار نہیں ہے۔ (ایضاً)

(۱۱) شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرآن کریم حادث ہے۔ (ایضاً)

(۱۲) شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک- العیاذ باللہ- اللہ تعالیٰ عرش کے بالکل برابر ہے، نہ چھوٹا ہے نہ بڑا۔ (ایضاً)

(۱۳) شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک- العیاذ باللہ- اللہ تعالیٰ مرکب ہے، اپنے وجود میں اجزاء کا محتاج ہے۔ (ایضاً)

(۱۴) مائع اور بہنے والی اشیاء میں جاندار کے مرنے سے ابن تیمیہؒ کے نزدیک ناپاک نہیں ہوتیں، مثلاً پانی میں چوہا گر کر مر جائے تو پانی ناپاک نہ ہوگا۔ (ایضاً)

(۱۵) شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جنبی کے لئے حالت جنابت میں رات میں نفل پڑھنا جائز ہے۔ (ایضاً)

(۱۶) شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واقف کی شرط کا اعتبار نہیں (ایضاً)

(۱۷) شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اجماع کی مخالفت نہ تو کفر کا سبب ہے اور نہ ہی فسق کا۔ (ایضاً)

(۱۸) شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جبری ٹیکس حلال ہے۔ (ایضاً)

(۱۹) شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس طرح میں ممبر سے نیچے اتر رہا ہوں، اسی طرح آسمان سے خدا تعالیٰ اترتا ہے۔ (ہدایۃ المہتدی، ص:۱۱)

نیز علامہ ابن تیمیہؒ کے اس موقف کو علامہ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ (۱/ ۵۷) میں ذکر فرمایا ہے۔ ابن بطوطہ فرماتے ہیں کہ دمشق کی جامع مسجد کے ممبر پر کھڑے ہو کر تقریر کرتے ہوئے ابن تیمیہ کو میں نے خود دیکھا دو سیڑھیاں نیچے اتر کر فرمایا: ''ینزل کنزولي ھــذا'' مگر محققین نے سفر نامہ ابن بطوطہ کے اس واقعہ کا اس لئے اعتبار نہیں کیا ہے کہ ابن بطوطہ ۹ر رمضان ۷۲۶ھ کو دمشق پہنچا ہے اور علامہ ابن تیمیہ شعبان ۷۲۶ھ کے شروع میں گرفتار ہو کر دمشق کے قلعہ میں قید ہو چکے تھے، جب شعبان میں گرفتار ہو گئے تو رمضان میں خطبہ کیسے دے سکتے ہیں؟ ہاں البتہ ابن تیمیہ کی کتاب شرح حدیث النزول کے مباحث کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ ان کے نزدیک نزول کے معنی حقیقی مراد ہیں، مگر جمہور اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک معنی حقیقی مراد نہیں ہیں؛ بلکہ یہ متشابہات میں سے ہے اور اس کی تشریح کو مطلقاً مشروع نہیں سمجھتے ہیں؛ لہٰذا ابن بطوطہ کی بات کو مسترد کر دینے کے بعد بھی علامہ ابن تیمیہؒ کا مسلک اس مسئلہ میں جمہور سے الگ ہے۔ اور تفرد اپنی جگہ باقی ہے۔
(مستفاد: درس ترمذی ۲/ ۲۰۱-۲۰۳)

علامہ ابن تیمیہ حنبلی کے یہ تمام تفردات اجماع امت کے خلاف ہیں۔

(۳) شیخ ابن الہمام کے تفردات

شیخ ابن الہمامؒ کے متعدد تفردات میں سے اس خاکسار کو کتب فقہ کے مختلف اور منتشر مقامات سے صرف دس تفردات پر رسائی ہو سکی ہے، جو درج ذیل ہیں:

(۱) اذان کے جواب میں حیعلتین کی جگہ جمہور احناف کے نزدیک حیعلتین پڑھنا مسنون یا مستحب نہیں ہے؛ بلکہ حوقلہ یعنی: ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' پڑھنا مسنون ہے، مگر شیخ ابن الہمامؒ کے نزدیک حیعلتین اور حوقلہ دونوں پڑھنا مستحب ہے۔

اختار المحقق في الفتح الجمع بين الحيعلة والحوقلة عملا بالأحاديث الواردة وجمعا بينهما. (....................)

محقق ابن الہمامؒ نے فتح القدیر میں حیعلتین اور حوقلہ دونوں کو جمع کرکے پڑھنے کو اختیار فرمایا ہے، تاکہ دو مختلف حدیثوں کے مابین جمع کرتے ہوئے عمل ہو جائے۔

(۲) مغرب کی اذان کے بعد جماعت سے قبل نفل پڑھنا جمہور احناف کے نزدیک ممنوع اور مکروہ ہے، مگر شیخ ابن الہمامؒ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔ حنابلہ کے یہاں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ بخاری شریف۲/ ۱۰۹۵، رقم: ۷۰۶۸، ف: ۷۳۶۸ میں جواز کی حدیث موجود ہے۔

ويكره التنفل قبل صلاة المغرب بين أذانين صلاة إن شاء إلا المغرب. (طحطاوي على المراقي ١١٠، نفع المفتي والسائل ٦٥، إعلاء السنن ٢/ ١٠٦، مراقي الفلاح ١٠٢)

مغرب کی نماز سے قبل نفل پڑھنا مکروہ ہے؛ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مغرب کے علاوہ ہر اذان واقامت کے مابین نماز ہے۔

وقال أبوحنيفة ومالك: لا ينبغي وقال ابن الهمام: بالإباحة. (درمختار كراچی ١/ ١٤، العرف الشذي على هامش الترمذي ١/ ٤٧، زكريا ٢/ ٢٣١)

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مناسب نہیں ہے۔ اور ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ بلا کراہت اباحت کے قائل ہیں۔

(۳) ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر آقا نے اپنی صغیرہ باندی کو مکاتب بنا دیا اور اس کے بعد بدل کتابت ادا کرنے سے قبل مولیٰ نے صغیرہ باندی کا نکاح کسی شخص کے ساتھ کر دیا ہے، تو یہ نکاح حالت کتابت میں بالغ ہونے کے بعد اجازت دینے پر موقوف رہے گا۔ اور اگر

اس اثناء میں صغیرہ باندی بالغ ہونے سے قبل بدل کتابت ادا کر کے آزاد ہوجائے تو جمہور احناف کے نزدیک آزاد ہوجانے کے بعد نکاح کا نفاذ مولیٰ کی طرف سے دوبارہ اجازت پر موقوف رہے گا؛ اس لئے کہ صغیرہ کا نکاح ولی کی اجازت پر موقوف رہتا ہے۔ اور یہاں پر صغیرہ کا عصبہ نسبی موجود نہیں ہے؛ اس لئے عصبہ سببی یعنی مولیٰ ہی اس کا ولی ہے؛ لہٰذا اب فی الفور نکاح کا نفاذ مولیٰ کی اجازت پر موقوف رہے گا، مگر محقق شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب دوبارہ مولیٰ کی اجازت پر موقوف نہیں رہے گا؛ بلکہ آزاد ہونے کے ساتھ ساتھ نکاح نافذ ہوجائے گا، اس کی تفصیل ''فتح القدیر، شامی، البحر الرائق'' میں موجود ہے۔

وقد بحث المحقق في فتح القدير بأن الذي يقتضيه النظر عدم التوقف على إجازة المولىٰ بعد العتق بل بمجرد عتقها ينفذ النكاح. (البحر الرائق ۳/ ۱۹۸، زکریا ۳/ ۳٤۱، فتح القدیر ۳/ ۳۹۸، شامي، کراچی ۳/ ۱۷۳، زکریا ٤/ ۲۳۲)

اور محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتح القدیر'' میں بایں الفاظ بحث فرمائی ہے کہ نظر اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ حریت کے بعد مولیٰ کی اجازت پر نکاح موقوف نہیں؛ بلکہ صرف اس کی آزادی سے نکاح نافذ ہوجائے گا۔

(۴) مفقود الخبر کے اوپر موت کا حکم لگانے میں ۱۲۰، ۱۱۰، ۱۰۵، ۹۰/سال چار اقوال حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اور ان کے تلامذہ سے مروی ہیں۔ اور متأخرین نے ساٹھ سال کا قول بھی اختیار فرمایا ہے، مگر شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ۷۰/سال پر موت کا حکم لگایا جائے گا، اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ امت محمدیہ کی عمریں ساٹھ سے ستر سال تک ہوا کریں گی۔ (حاشیہ سراجی، ص: ۶۲، فتح القدیر ۶/ ۱۴۹، شامی کراچی ۶/ ۲۹۶، زکریا ۹/ ۴۲۶)

یہ شیخ ابن الہمامؒ کا تفرد ہے؛ کیوں کہ اس کا قائل ان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

(۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے قبل کسی نبی کی شریعت کے مطابق عبادت فرماتے تھے، یا کشف صادق سے جو ظاہر ہوتا تھا، اسی کے مطابق عبادت فرماتے تھے، تو

حضرات جمہور احناف اس بات پر متفق ہیں کہ کشف صادق کے مطابق عمل فرماتے تھے، مگر شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی نبی کی شریعت سے جو بات ثابت ہوتی تھی، اس کے مطابق عبادت فرمایا کرتے تھے۔ (درمختار کراچی ۱/ ۹۰، زکریا ۱/ ۱۹۸) درمختار میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

(٦) اگر حالت نماز میں مسح علی الخفین کی مدت ختم ہوجائے اور اپنے پاس پانی بھی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں جمہور احناف کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی اور موزہ اتارنے کی بھی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ اسی حالت میں باقی رہے گا، مگر شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز فاسد ہوجائے گی۔

لو تمت المدة وهو في صلاته ولا ماء يمضي على الأصح في صلاته إذ لا فائدة في النزع؛ لأنه للغسل ولا ماء خلافا لمن قال من المشايخ تفسد لكن الذي يظهر صحة هذا القول؛ لأن الشرع قدر منع الخف بمدة فيرى الحدث بعدها إذ لابقاء لها مع الحدث. (فتح القدير ١/ ١٥٣، درمختار مع الشامي كراچی ١/ ٢٧٦، زكريا ١/ ٤٦٣)

اگر دوران نماز مسح خف کی مدت پوری ہوجائے اور پانی موجود نہ ہو تو اسی طرح نماز پوری کرے گا؛ اس لئے کہ نزعِ خف سے کوئی فائدہ نہیں؛ کیوں کہ فائدہ تو پاؤں دھونے سے ہوتا ہے اور یہاں پانی موجود نہیں ہے، اس میں بعض مشائخ نے اختلاف کرتے ہوئے فسادِ صلاۃ کا حکم لگایا ہے؛ لیکن اسی قول کی صحت ظاہر ہے؛ کیوں کہ شریعت نے نزع خف کی ممانعت ایک مدت کے ساتھ متعین فرما دی ہے، چنانچہ مدت ختم ہوتے ہی حدث سرایت کر جائے گا؛ لہٰذا حدث کے ساتھ نماز باقی نہیں رہ سکتی۔

(۷) جمہور احناف کے نزدیک تسمیہ علی الوضوء سنت یا مستحب ہے، واجب نہیں، نیز حضرت امام شافعی، امام مالک، کے نزدیک بھی واجب نہیں ہے، مگر مسلک حنفی کے مشہور محقق

شیخ ابن الہمامؒ کے نزدیک تسمیہ علی الوضوء واجب ہے، یہ محقق ابن الہمام کا اپنا تفرد ہے، شیخ ابن الہمامؒ نے اس کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

فأدى النظر إلى وجوب التسمية في الوضوء غير أن صحته لا تتوقف عليها؛ لأن الركن إنما يثبت بالقاطع. (فتح القدير ١/ ٢٣، معارف السنن ١/ ١٥٤)

چنانچہ نظر کا تقاضہ یہ ہے کہ وضو میں تسمیہ واجب ہے؛ البتہ اس کی صحت تسمیہ پر موقوف نہیں؛ کیوں کہ رکنیت کا ثبوت دلیل قطعی سے ہی ہوتا ہے۔

اور صاحب معارف السنن اس کو ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں:

التسمية عند ابتداء الوضوء سنة عند أبي حنيفة، ومالك والشافعي، وسفيان الثوري، وأبي عبيد وابن المنذر (إلى قوله) وتفرد بالوجوب منا الشيخ ابن الهمام. (معارف السنن ١/ ١٥٥)

ابتدائے وضو میں بسم اللہ پڑھنا حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، سفیان ثوری، ابوعبید ارو ابن المنذر رحمہم اللہ کے نزدیک سنت ہے۔ اور ہمارے مشائخ میں حضرت علامہ ابن الہمامؒ نے تسمیہ کے وجوب کے ذریعہ تفرد اختیا کیا ہے۔

(۸) جمہور احناف کے نزدیک ابن رضاعی کی بیوی، حقیقی بیٹے کی بیوی کی طرح بالاتفاق حرام ہو جاتی ہے، مگر شیخ ابن الہمام کے نزدیک صلبی بیٹے کی بیوی تو حرام ہو جاتی ہے، مگر ابن رضاعی کی بیوی حرام نہیں ہوتی ہے، اس کو فتح القدیر میں ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے:

وعلى هذا فالاستدلال على تحريم حليلة الأب والابن من الرضاع بقوله: يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب

اس بناء پر رضاعی باپ اور بیٹے کی بیوی کی حرمت پر ان کے قول: ”يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب “(دودھ پلانے کی وجہ سے وہ تمام لوگ حرام ہوجاتے ہیں جو

مشکل؛ لأن حرمتهما ليست بسبب النسب، بل بسبب الصهرية (إلى قوله) فإثبات تحريم حليلة كل من الأب والابن من الرضاعة قول بلا دليل، بل الدليل يفيد حلها. (فتح القدير ٣/ ٤٧٧، شامي، كراچی ٣/ ٢١٣، زكريا ديوبند ٤/ ٣٩٦)

نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں) سے استدلال مشکل ہے؛ کیوں کہ ان دونوں کی حرمت نسب کی وجہ سے نہیں ہے؛ بلکہ صہریت (رشتہ داری) کی وجہ سے ہے، چنانچہ رضاعی باپ اور بیٹے کی بیوی کی حرمت کا قول بلا دلیل ہے؛ بلکہ دلیل تو اس کی حلیت کا فائدہ دیتی ہے۔

(۹) جمہور احناف کے نزدیک رضاعی باپ کی بیوی اسی طرح بالا تفاق حرام ہو جاتی ہے، جس طرح نسبی باپ کی بیوی حرام ہو جاتی ہے، مگر شیخ ابن الہمامؒ کے نزدیک رضاعی باپ کی بیوی حرام نہیں ہوتی ہے، جیسا کہ اوپر کی عبارت سے واضح ہو چکا۔ (فتح القدیر ۳/ ۴۴۷، شامی کراچی ۳/ ۲۱۳، زکریا دیوبند ۴/ ۳۹)

(۱۰) میاں بیوی کی خلوت کے صحیح ہونے میں جمہور کے نزدیک کلب عقور مخل بن جاتا ہے، چاہے کاٹنے والا کتا شوہر کا ہو یا بیوی کا، ہر حال میں کلب عقور کی موجودگی میں خلوت صحیح نہیں ہوگی، مگر شیخ ابن الہمامؒ کے نزدیک کلب عقور اگر بیوی کا ہے، تب تو خلوت صحیح نہیں ہوگی؛ لیکن اگر شوہر کا ہے تو خلوت صحیح ہو جائے گی؛ کیوں کہ کتا اپنے مالک کو نیچے دیکھنے میں تو حملہ کرتا ہے، مگر اوپر دیکھنے میں حملہ نہیں کرتا ہے۔

والكلب يمنع إن كان عقورا مطلقاً، وفي الفتح: وعندي أن كلبه لا يمنع مطلقاً، وفي الشامية: وعلله في الفتح: لأن الكلب قط لا يعتدى على

اور کتا اگر کاٹنے والا ہے، تو مطلق طور سے وہ مانع خلوت ہے۔ اور فتح القدیر میں ہے کہ میرے نزدیک اگر مرد کا کتا ہے، تو وہ مطلق طور پر مانع خلوت نہیں (خواہ کاٹنے والا ہو یا نہ ہو) اور فتح القدیر میں اس کی علت یہ بیان

سيده، ولا على من يمنعه سيده عنه، وحينئذ فلو رأه الكلب فوقها يكون سيده في صورة الغالب لها، فلا يعدو عليه. (درمختار مع الشامي، کراچی ۳/ ۱۱۵، زکریا دیوبند ٤/ ۲٤۹، فتح القدير ۳/ ۳۳۳)

کی ہے کہ کتا اپنے آقا اور ایسے شخص پر جس سے آقا اس کو منع کرے، کبھی بھی حملہ نہیں کرسکتا ۔ اور اس وقت (جماع کی حالت میں) اگر کتا اپنے مالک کو عورت کے اوپر دیکھ لے تو وہ یہی سمجھے گا کہ اس کا مالک عورت پر غالب ہے، چنانچہ وہ اس پر حملہ نہیں کرے گا۔

(۴) مسندالہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے تفردات

حضرت شاہ صاحب محدث دہلویؒ کے تفردات میں سے چار تفردات ہم یہاں بطور نظیر پیش کرتے ہیں:

(۱) جمہور احناف کے نزدیک صلاۃ فجر میں دعائے قنوت مشروع نہیں ہے۔ اور ثبوت قنوت کی روایات منسوخ ہیں، مگر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک صلاۃ فجر میں قنوت پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں برابر ہے، ان کے نزدیک فجر میں دعائے قنوت خلاف اولیٰ بھی نہیں ہے، بلکہ بلا کراہت جائز ہے، یہ حضرت شاہ صاحبؒ کا اپنا تفرد ہے۔

قنوت الصبح وعندي أن القنوت وتركه سيان. (حجة الله البالغة ۲/ ۱۱)

قنوت فجر کے بارے میں میرے نزدیک فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں برابر ہے۔

(۲) جمہور احناف کے نزدیک اقامت جمعہ کے لئے شہر یا قصبہ یا ایسا قریہ کبیرہ کا ہونا شرط ہے کہ جس کی آبادی ڈھائی تین ہزار سے کم نہ ہو، مگر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کے نزدیک اتنے بڑے گاؤں میں جمعہ جائز ہے جہاں پچاس آدمی رہتے ہوں، یہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا تفرد ہے۔

والأصح عندي أنه يكفي أقل ما يقال فيه قرية (وقوله) الجمعة على خمسين رجلا، وأقول: الخمسون يتقرى بهم القرية. (حجة الله البالغة ۲/ ۳۰)

میرے نزدیک زیادہ صحیح یہی ہے کہ جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے اتنی آبادی کافی ہے جس کو چھوٹا گاؤں کہا جاتا ہے، اور جمعہ پچاس آدمیوں پر لازم ہے اور میں کہتا ہوں کہ پچاس آدمیوں کی آبادی گاؤں کے دائرہ میں داخل ہے۔

(۳) جمہور احناف کے نزدیک صلاۃ جہریہ اور سریہ دونوں میں ہر حال میں فاتحہ خلف الامام جائز نہیں ہے، مگر حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے نزدیک مقتدی کے لئے امام کے پیچھے اس طرح قراءت فاتحہ افضل اور اولیٰ ہے کہ امام کو خلل نہ ہو۔ یہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تفرد ہے۔

وإن كان ماموما وجب عليه الإنصات والاستماع فإن جهر الإمام لم يقرء إلا عند الإسكاتة، وإن خافت فله الخيرة، فإن قرأ فليقرأ الفاتحة قراءة لا يشوش على الإمام، وهذا أولى الأقوال عندي، وبه يجمع بين أحاديث الباب. (حجة الله البالغة ۱/ ۹)

اور اگر وہ مقتدی ہے، تو اس کا خاموش رہنا اور غور سے سننا واجب وضروری ہے، چنانچہ اگر امام جہراً قراءت کرے تو سکتہ کے وقت پڑھ لیا کرے۔ اور اگر امام سری قراءت کرے تو مقتدی کو اختیار ہے؛ لہٰذا اگر قراءت کرنا ہی چاہے تو اس طرح قراءت کرے کہ امام کے لئے باعث تشویش نہ ہو، یہی قول چند اقوال میں سے میرے نزدیک اولیٰ ہے، اور اس سے باب کی مختلف روایتوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

(۴) جمہور احناف کے نزدیک نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مسنون یا مستحب نہیں ہے؛ البتہ اگر بنیت دعا پڑھی جائے تو لاحرج اور لابأس کے درجہ میں ہے۔

ولو قرأ الفاتحة في صلاته على

اگر نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ دعا اور ثناء کے

الجنازة إن قصد الدعاء والثناء لم يكره، وإن قصد التلاوة كره. (الأشباه والنظائر قديم، ص: ۹۸، زكريا ديوبند ص: ۱۷۹)

ارادہ سے پڑھے تو مکروہ نہیں۔ اور اگر بغرض تلاوت پڑھے تو مکروہ ہے۔

ولا يقرأ فيها القرآن، ولو قرأ الفاتحة بنية الدعاء فلا بأس به، وإن قرأها بنية القراءة لا يجوز. (هندية، كراچی ۱/ ۱٦٤، زكريا ۱/ ۲۲۵، درمختار كراچی ۲/ ۲۱۳، زكريا ۳/ ۱۰۷)

اور نماز جنازہ میں قرآن نہیں پڑھے گا۔ اور اگر فاتحہ بغرض ثناء اور دعا پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔ اور اگر اسے بنیت قراءت پڑھے تو جائز نہیں ہے۔

مگر حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے نزدیک نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مسنون ہے، یہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کا تفرد ہے۔

ومن السنة قراءة فاتحة الكتاب؛ لأنها خير الأدعية. (حجة الله البالغة ۲/ ۳٦)

اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا سنت ہے؛ کیوں کہ یہ بہترین دعاء ہے۔

(۵) حضرت شیخ الاسلامؒ کے تفردات

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کے متعدد تفردات ہیں، ان میں سے تین تفردات بطور نظیر پیش کرتے ہیں:

(۱) مسلک احناف کے تمام فقہاء کے نزدیک صلاۃِ تراویح، صلاۃِ کسوف، صلاۃِ استسقاء کے علاوہ باقی تمام نوافل کو رمضان وغیر رمضان ہر حال میں اس طرح باجماعت پڑھنا کہ مقتدی چار افراد یا اس سے زائد ہوں مکروہ تحریمی ہے، نیز اکابر اہل فتاوی میں سے

حضرت گنگوہی، حضرت تھانوی، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبند، حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی دامت برکاتہم نے بھی اپنے اپنے فتاوی میں مکروہ تحریمی نقل فرمایا ہے۔

(درمختار، زکری۲، ۵۰۰، درمختار مع الشامی کراچی۲/ ۴۹، تاتارخانیہ۱/ ۶۳۶، جدید۲/ ۳۲۷، رقم: ۲۵۹۲، عالمگیری قدیم۱/ ۸۳، جدید۱/ ۱۷۶، کبیری/ ۴۱۱، فتاوی رشیدیہ/ ۳۵۴، جدید مکتبہ فقیہ الامت دیوبند۱/ ۵۲۵، فتاوی محمودیہ میرٹھ۹/ ۳۷۸، فتاوی دارالعلوم۴/ ۲۲۱، احسن الفتاوی۳/ ۴۶۹، امداد الفتاوی۱/ ۲۴۸)

مگر حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ائمہ ثلاثہ کے قول کے مطابق مکروہ نہیں ہے۔ یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تفرد ہے۔

(۲) تراویح میں ختم قرآن کریم کے موقع پر آخری رکعت میں رکوع سے قبل ہاتھ اٹھا کر مختلف دعائیں مانگنا اور مختلف مقامات سے دعائیہ آیتیں پڑھنا حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں جائز ہے۔ (المغنی لابن قدامہ۱/ ۴۵۷)

مگر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں مشروع یا مسنون نہیں ہے۔

(فتاوی دارالعلوم مکتبہ فقیہ الامت۴/ ۲۷۳، ۴/ ۲۶۵، فتاوی رحیمیہ مکتبہ دارالاشاعت کراچی۶/ ۲۴۱)

لیکن حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ مسلک حنبلی کے مطابق دعائیہ آیتیں پڑھتے تھے؛ البتہ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، اس لئے کہ یہ حضرت شیخ الاسلام کا رحمۃ اللہ علیہ کا تفرد ہے۔ اور تفرد میں تلفیق کا اعتبار نہیں ہے؛ کیوں کہ تفرد محقق کے ذاتی عمل کے دائرہ میں محدود ہوتا ہے، مقلد مقید کے لئے اس کی اتباع مشروع نہیں ہے۔ تلفیق کی بحث میں تفصیل دیکھئے۔

(۳) فرض نماز یا تراویح ہر قسم کی جہری نمازوں میں حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام حفصؒ کے نزدیک ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ جہراً پڑھنا مسنون ہے، مگر یہ عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سے ثابت نہیں ہے؛ اس لئے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسنون یا مستحب نہیں ہے۔ (فتح القدیر، مکتبہ اشرفیہ۱/ ۲۹۶، کفایت المفتی ۴/ ۴۶۷، فتاوی دارالعلوم جدید مکتبہ فقیہ الامت۴/ ۲۶۸)

لیکن حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت امام شافعیؒ اور امام حفصؒ کے قول کے مطابق مسنون یا مستحب ہے، یہ حضرت کا تفرد ہے۔ اور حضرت عالم محقق تھے؛ اس لئے ان کے لئے اس طرح کا تفرد اختیار کرنا جائز تھا۔ (حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے یہ معمولات رمضان کے ساتھ خاص ہیں)۔

اب مذکورہ پانچوں علماء محققین میں سے علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے جو تفردات ذکر کئے گئے ہیں، وہ سب کے سب خارق اجماع تفردات ہیں، ایسے تفردات کا اختیار کرنا خود محقق کے لئے بھی جائز نہیں ہے، شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ باقی چاروں محققین کے جو تفردات ذکر کئے گئے ہیں، وہ سب خود محقق کے لئے تو جائز مگر غیر مجتہد مقلد کے لئے ان کی اتباع مشروع نہیں ہے۔ ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ نے اس کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

وإن لم يتكامل له الأدوات كما يتكامل للمجتهد المطلق فيجوز لمثله أن يلفق بين المذهبين إذا عرف دليلهما.

(حجة الله البالغة ١/ ١٥٧)

اور اگر اس میں وہ شرائط ولوازمات اس طرح مکمل طور پر نہ پائے جاتے ہوں، جس طرح مجتہد مطلق میں مکمل طور پر موجود ہوتے ہیں، تو اس جیسے مجتہد کے لئے دو مذہبوں کے درمیان تلفیق کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ دونوں مذاہب کے دلائل سے خوب واقف ہو۔

وإن مثلنا فلا يجوز له العدول عن قول الإمام أصلا. (منحة الخالق على هامش البحر، كوئٹه ٦/ ٢٧٠، زكريا ٦/ ٤٥٤)

اور بے شک ہم جیسوں کے لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے عدول کرنا ہرگز جائز نہیں ہے

مکتوب گرامی حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ

حضرت مولانا محمد صاحب لائل پوریؒ کے سوال کے جواب میں حضرت اقدس شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ العزیز نے عالم محقق کے لئے بعض مسائل میں تفرد اختیار کرنے اور دوسروں کو اس کی اتباع نہ کرنے کے متعلق یہ مبسوط مکتوب گرامی تحریر فرمایا ہے۔ اور حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور حضرت شیخ ابن ہمامؒ کے تفردات کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان حضرات کے تفردات کو نہ ماننے اور اختیار نہ کرنے سے ان لوگوں کے احترام میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ اور ہم سب حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں، ہم پر ہر مسائل میں ان ہی کی اتباع لازم ہے، مکتوب گرامی حسب ذیل ہے:

جناب مولانا محمد صاحب لال پور!

محترم المقام زید مجدکم　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ باعثِ سرفرازی ہوا، جس پر آپ نے کوئی تاریخ درج نہیں فرمائی، یہ تحریر کا بڑا نقص ہے۔

محترم! ہم سب اور ہمارے اسلاف کرام حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد ہیں، اساتذۂ کرام کے ہم خوشہ چیں ہیں، ان کے احسان اور علوم سے استفادہ کرنے والے اور شکر گذار ضرور ہیں، مگر تقلید صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کرتے ہیں اور اسی کو علمی روشنی میں ضروری اور باعث نظام امت سمجھتے ہیں، ہم دوسرے ائمہ مذاہب کو بھی حق پر سمجھتے ہیں، ہم مصوبہ کی رائے پر جو کہ اقرب الی الصواب ہے، فروع میں تمام مجتہدین کو صائب اور مصنفین کی رائے پر دائر بین الحق سمجھتے ہیں۔

بہر حال ہمارے اکابر فقط امام صاحب کی فقہ کے مقلد ہیں، دوسروں کے اقوال کو مرجوح سمجھتے ہیں، باطل نہیں کہتے ہیں اور نہ اس پر عمل درآمد کرتے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ العزیز کو جو سلسلہ کے بہت بڑے امام اور حضرت شاہ محمد اسماعیل صاحب کے استاذ الاستاذ اور جد بزرگوار ہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں مطاع قرار نہیں دیتے۔ حجۃ اللہ البالغہ کی جلد ثانی میں شاہ صاحبؒ نے بہت سے مسائل میں خلاف فرمایا ہے، ہم ان پر نہ فتویٰ دیتے ہیں اور نہ عمل کرتے ہیں اور بحمد اللہ ہمارے پاس ان مسائل فرعیہ کے جوابات بھی مکمل طور پر موجود ہیں۔ اور اسی طرح پر محقق العصر علامہ ابن الہمامؒ وغیرہ دوسرے اکابر کے تفردات بھی ہم معمول بہا نہیں قرار دیتے۔ اور یہی مسلک ہم نے اسلاف کرام سے ارجح پایا ہے، جب حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ جو کہ سید الطائفہ اور حضرت شاہ اسماعیل صاحبؒ کے روحانی اور نسبی بڑے ہیں، ان کے اقوال اور فتاوی کے ساتھ ہمارا یہ طرز ہے تو حضرت شاہ اسماعیل صاحبؒ کے وہ اقوال جو کہ خلاف فقہ حنفی ہوں گے ہمارے نزدیک کس طرح قابل عمل ہوں گے؟ اس لئے ایضاح الحق الصریح میں اگر کوئی مسئلہ خلاف فقہ حنفی مذکور ہو تو وہ بھی ہمارے اساتذہ کے نزدیک غیر معمول بہ ہی ہوگا، نہ اس پر فتویٰ دیا جائے گا اور نہ اس پر عمل کیا جائے گا، پس کتاب مذکور اگر حسب رائے آنجناب حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی نہ ہو، جیسا کہ غیر مقلد کے تصرفات کو دوسری کتابوں کے متعلق نواب قطب الدین صاحب مرحوم سے حضرت شیخ الہند نے نقل فرمایا تھا، تو کچھ تعجب نہیں ہے۔ اور اگر ان کی ہو تو یقیناً ہمارے اسلاف کرام کے یہاں ان مسائل میں جو کہ فقہ حنفی کے خلاف ہیں، غیر معمول بہ ہوگی؛ اس لئے شاہ صاحب شہید مرحوم کے احترام میں کوئی خلل نہیں پڑتا، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ان اقوال کے نہ ماننے سے جو کہ حجۃ اللہ البالغہ کی جلد ثانی میں خلاف حنفیہ مذکور ہیں۔ ان کے احترام میں فرق نہیں پڑتا ہے۔

چونکہ میں عدیم الفرصت بہت زیادہ ہوں؛ اس لئے ایضاح الحق الصریح کے ایسے مسائل بالاستیعاب نہ دیکھ سکا، اگر ممکن ہو تو ان کا حوالہ صفحہ وار دے کر مطلع فرمائیں، تو شکر

گذار ہوں گا۔ اور بوقت فرصت ان پر غور کروں گا۔ دربارۂ احتیاط الظہر حضرت گنگوہیؒ کی رائے حفظ عوام اور تحقیق صاحب البحر الرائق پر مبنی ہے، حضرت گنگوہیؒ کی نظر جزئیات فقہ پر بہت زیادہ تھی، حضرت نانوتویؒ کی نظر کلیات اور اصول پر بہت زیادہ تھی، جزئیات فرعیہ اور مصالح عوام پر ان کی نظر اس قدر نہیں تھی، جس قدر حضرت گنگوہیؒ کی تھی، اس وجہ سے وہ عموماً جزئیات فرعیہ کے فتاویٰ کو حضرت گنگوہیؒ کے حوالہ کر دیتے تھے، عوام کی غلط کاریوں نے بہت سے اکابر کو وقت کے مسائل میں روک تھام پر مجبور کیا ہے، چنانچہ صاحب البحر الرائق کی تفصیل اس پر پوری روشنی ڈالتی ہے، میں نے خود جدہ میں دیکھا کہ امام جب جمعہ سے فارغ ہوا تو بڑی جامع مسجد میں زور سے تکبیر کہی گئی، اور بھرے مجمع میں امام آگے بڑھا اور مجمع میں احتیاط الظہر کی چار رکعات با جماعت علانیہ پڑھی گئیں، اس وقت حضرت شیخ الہندؒ نے بھی دیکھا اور اس عمل سے تعجب فرمایا، الغرض حدود شرعیہ کا تحفظ مفتی پر بہت زیادہ ضروری ہے، خصوصاً جب کہ عوام کی بے اعتدالی حد سے بہت زیادہ تجاوز کر گئی ہو، ایسے امور علامہ ابن نجیمؒ کو پیش آئے اور ایسے ہی امور حضرت گنگوہیؒ کو متعدد فتاوی میں پیش آئے، جن کو غیر محقق علماء نے محسوس نہیں کیا۔ اور حضرت گنگوہیؒ کے فتاوی پر معترض ہوئے، فتاوی دربارہ احتیاط الظہر، میلاد رائج و رسوم وچہلم وغیرہ اسی قسم کے عوام کے غلو وغلط کاریوں کے ثمرات ہیں، حضرت نانوتویؒ کو عوام کی ان غلط کاریوں کا مشاہدہ کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ واللہ اعلم

اگر میری معروضات قابل اطمینان ہوں تو فبہا ورنہ بوقت فرصت خدشات پر اپنی ٹوٹی پھوٹی معلومات کو پیش کر دوں گا، ان کو تحریر فرمائیں۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

از دیوبند ۲۲/ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ

الفصل السابع:

مسئلۂ تلفیق پر مدلل بحث

تقلید کا مسئلہ مختصر طور پر آپ کے سامنے آچکا ہے۔ اور تلفیق کا مسئلہ انتہائی پیچیدہ اور بہت ہی اہم ہے؛ اس لئے اس مسئلہ کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور تلفیق کے مسئلہ کو واضح کرنے کے لئے ہم تین امور پر بحث کریں گے: (۱) تلفیق کی حقیقت (۲) تلفیق کا حکم (۳) تلفیق کے اقسام۔

بحث ۱: تلفیق کی حقیقت

اس کی حقیقت اہل لغت نے اس طرح بیان کی ہے کہ یہ باب تفعیل کا مصدر ہے، اس کے معنی ایک کنارہ کو دوسرے کنارہ کے ساتھ ملا دینے کے ہیں۔

التلفيق: مصدر لفق ضم شقة إلى أخرى. (لغة الفقهاء ١٤٤)	تلفیق مصدر ہے، لفق باب تفعیل کا جس کے معنی ہیں، ایک سرے کو دوسرے سرے سے ملانا

اور فقہاء کی اصطلاح میں تلفیق کے معنی ہیں متعدد مذاہب کو ایک عمل میں اس طرح جمع کر دیا جائے کہ کسی بھی ایک مذہب کے مطابق وہ عمل صحیح نہ ہو سکے۔

التلفيق: هو القيام بعمل يجمع فيه بين عدة مذاهب حتى لا يمكن اعتبار هذا العمل صحيحا في أي مذهب من المذاهب. (لغة الفقهاء ١٤٤)	تلفیق کسی عمل کو چند مذاہب کے مابین جمع کر کے اس طرح کرنا کہ ان مذاہب میں سے کسی بھی مذہب کے مطابق اس عمل کی صحت ممکن نہ ہو۔

اور صاحب قواعد الفقہ نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے کہ اپنی خواہشات نفسانی کی اتباع میں رخصت تلاش کرنا، سہولت پسندی اختیار کرنا۔

التلفيق: هو تتبع الرخص عن هوى. (لغة الفقهاء ٢٣٦)

خواہشات نفسانی کی اتباع میں رخصت تلاش کرنا

بحث ۲: تلفیق کا حکم

مقلد کے اوپر اپنے امام کے مذہب کے مطابق اپنی عبادات اور معاملات کے صحیح رکھنے کے لئے دوشرطیں بہت اہمیت کی حامل ہیں:

شرط ۱: کسی امام کی تقلید کرکے اس کے مذہب کے مطابق عمل کرلینے کے بعد پھر اس سے رجوع کرلینا بالاتفاق باطل اور ناجائز ہے، اس کو حضرات فقہاء نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے، جوذیل میں درج ہیں:

كما لو صلى ظهرا بمسح ربع الرأس مقلدا للحنفي، فليس له إبطالها باعتقاده لزوم مسح الكل مقلدا للمالكي. (شامي، كراچی ١/ ٧٥، زكريا ١/ ١٧٧)

جیسا کہ اگر کوئی شخص مسلک حنفی کی تقلید کرتے ہوئے ربع رأس کا مسح کر کے ظہر کی نماز پڑھ لے تو اس کے لئے مسلک مالکی کی تقلید میں کل رأس کے مسح کے لزوم کا اعتقاد کرکے نماز ظہر کو باطل کرنا جائز نہیں ہے۔

شرط ۲: مقلد کا کسی عبادت یا معاملہ میں تلفیق کا طریقہ اختیار کرنا بالاجماع باطل اور ناجائز ہے؛ لہٰذا مقلد کے لئے تقلید شخصی کی پابندی کرنا اور تلفیق خارق اجماع سے گریز کرنا شرط ہے، اس کے بغیر اس کی عبادت اور معاملات کا صحیح ہونا مشکل کن ہے۔

إن الحكم الملفق باطل بالإجماع وأن الرجوع عن التقليد بعد العمل باطل إتفاقا. (درمختار مع الشامي، كراچی ١/ ٧٥، زكريا ١/ ١٧٧)

بے شک حکم ملفق بالاجماع باطل ہے۔ اور عمل کرنے کے بعد تقلید سے رجوع کرلینا بالاتفاق باطل ہے۔

لہٰذا ان دونوں شرطوں کی رعایت کے بغیر مقلد کی عبادت کا صحیح ہونا بہت مشکل ہے؛ اس لئے ان کی رعایت واجب اور لازم ہے۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے وضو کیا، اس کے بعد اس کے بدن سے خون بہہ گیا اور مس مرأۃ بھی کرلیا، اس کے بعد بغیر اعادۂ وضو کے نماز پڑھتا ہے، تو اس نماز کے صحیح قرار دینے میں خارق اجماع تلفیق لازم آجائے گی؛ اس لئے کہ خروج دم کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق وضوٹوٹ گیا ہے اور مس مرأۃ کی وجہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق، اب اس حالت میں نماز پڑھنے سے اس کی نماز بالاجماع باطل ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خروج دم کی وجہ سے اور امام شافعیؒ اور امام مالک، امام احمد بن حنبلؒ ان سب کے نزدیک مس مرأۃ کی وجہ سے؛ لہٰذا اس کی نماز کو اگر صحیح مان لیا جائے تو ایک پانچویں مذہب کی ایجاد لازم آجائے گی، اسی کا نام خارق اجماع ہے۔ اور ایسی خارق اجماع تلفیق کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔

متوضي سال من بدنه دم، ولمس امرأة، ثم صلى فإن صحة هذه الصلاة ملفقة من مذهب الشافعي والحنفي، والتلفيق باطل فصحته منفية.

(مقدمه إعلاء السنن ۲/ ۱۹۹، شامي، كراچی ۱/ ۷۵، زكريا ۱/ ۱۷۷)

ایسا وضو کرنے والا جس کے بدن سے خروج دم ہوا اور اس نے مس مرأۃ بھی کرلیا، پھر اس نے نماز ادا کی، تو اس نماز کی صحت شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حنفی مذہب کے مابین ملفق ہے۔ اور تلفیق باطل ہے؛ اس لئے اس کی صحت منتفی ہوجائے گی۔

والحاصل أن جميع هذه الوجوه التي استدل بها هذا القائل بالتلفيق الخارق للإجماع المعتبر بذلك

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ تمام صورتیں جن کے ذریعہ اس قائل نے خارق اجماع تلفیق کے جواز پر استدلال کیا ہے، وہ فاسد ہے، ان وجوہ کے ذریعہ استدلال کا کوئی اعتبار نہیں

فاسدة لا اعتداد بها، ولا يجوز اعتبار ذلك منه لمخالفة الصريح في منع التلفيق. (خلاصة التحقيق، ص: ١٦)

ہے۔اور تلفیق کا عدم جواز اس لئے بھی ہے کہ اس کا اعتبار کرنے میں صریح اقوال کی مخالفت لازم آجاتی ہے۔

بحث۳: تلفیق کے اقسام

امت کی تین قسمیں ہیں:(۱) مجتہد مطلق (۲) مجتہد مقید (۳) مقلد محض۔مسئلہ تلفیق کو سمجھنے کے لئے ان تینوں قسموں کی حیثیت کا اعتبار لازم ہے۔

(۱) **مجتهد مطلق**: اس کے لئے کسی کی تقلید جائز نہیں ہے،اس پر اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنا لازم ہے۔

فأهل الاجتهاد المطلق لا يجوز لهم تقليد غيرهم مطلقا، وإنما الواجب عليهم العمل باجتهادهم. (خلاصة التحقيق ١٦)

مجتہد مطلق کے لئے غیر کی تقلید جائز نہیں ہے اور یقیناً ان کے اوپر اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔

(۲) **مجتهد مقيد**: جس کو آزادانہ اجتہاد کی اجازت نہیں ہے؛ بلکہ اصول مذاہب میں اپنے امام کی تقلید کرنا واجب ہے؛ البتہ فروعی اور جزوی مسائل میں اپنے اجتہاد سے کام لینے کی اجازت ہے،ایسے مجتہدین کے فرق مراتب کے ساتھ چار درجات ہیں، جن کو''رسم المفتی'' وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے، مجتہد فی المذہب سے لے کر اصحاب ترجیح تک اس میں داخل ہیں، یہ حکم صاحب''خلاصۃ التحقیق'' نے ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

وأهل الاجتهاد المقيد يجب عليهم تقليد أهل الاجتهاد المطلق في مذاهبهم فقط دون الفروع. (خلاصة التحقيق: ١٦)

مجتہد مقید پر اصول مذاہب میں مجتہد مطلق کی تقلید واجب ہے، فروعی مسائل میں واجب نہیں۔

اور مجتہد مقید کو فروعی مسائل میں اپنے امام کے قول کے خلاف اجتہاد کے مطابق عمل کرنا جائز ہے، اگرچہ اس کے اجتہاد کی وجہ سے تلفیق بھی لازم آجائے، شرط یہ ہے کہ تلفیق سے خارق اجماع لازم نہ آئے۔

خارقِ اجماع تلفیق

خارقِ اجماع تلفیق کا مطلب یہ ہے کہ مجتہد مقید مسائل میں ایسا طریقہ اختیار کرے، جس سے ائمہ اربعہ میں سے کسی کے بھی مذہب کے مطابق عمل درست نہ ہو؛ بلکہ ایک پانچویں مذہب کی ایجاد اس سے لازم آرہی ہو، تو ایسی تلفیق بالاتفاق ناجائز اور باطل ہے۔ اور دین اسلام کو کھلواڑ بنانا ہے۔

متى عمل عبادة أو معاملة ملفقة أخذلها من كل مذهب قولا لا يقول به المذهب الآخر فقد خرج عن المذاهب الأربعة، واخترع له مذهبا خامسا فعبادته باطلة ومعاملته غير صحيحة وهو متلاعب في الدين. (خلاصة التحقيق ١٧)

جب بھی کوئی عبادت یا معاملہ ملفق طریقہ پر انجام دیا جائے، بایں طور کہ ہر مذہب سے ایک ایسا قول اختیار کرے جس کو دوسرے مذہب والے نے اختیار نہیں کیا ہے، تو وہ مذاہب اربعہ سے خروج کرنے والا اور پانچویں مذہب کا مخترع ہوگا، چناں چہ اس کی عبادت باطل اور معاملہ غیر صحیح ہوگا، نیز وہ دین کے ساتھ کھلواڑ کرنے والا ہوگا۔

اس سے واضح ہوا کہ مجتہد مقید کے لئے اپنے اجتہاد میں تلفیق کی اجازت تو ہے؛ لیکن خارقِ اجماع تلفیق کی اجازت نہیں ہے، ہم اس کو عنقریب انشاءاللہ مثالوں سے واضح کریں گے۔

مقلد مقید اور مقلد محض

اس کے دائرہ میں تمام غیر مجتہد مقلدین داخل ہیں، جس میں اصحابِ تمیز اور رسمی طور

پر فارغ التحصیل علماء اور عربی داں عوام اور جہلاء سب آجاتے ہیں، ان پر اپنی عبادات اور معاملات کی صحت کے لئے کسی امام کی تقلید واجب ہے، ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں ہے کہ کبھی کسی امام کے مسلک پر عمل کریں اور کبھی کسی اور امام کے مسلک پر۔

قال الشيخ المناوي في شرح الجامع: وعلى غير المجتهد أن يقلد مذهبا معينا. (خلاصة التحقيق، ص: ٧)

شیخ مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع کی شرح میں ارشاد فرمایا: کہ غیر مجتہد کے لئے معین مذہب کی پیروی ضروری اور لازم ہے۔

وفي شرح جمع الجوامع للمحلي: الأصح أنه يجب على العامي وغيره ممن لم يبلغ رتبة الاجتهاد التزام مذهب معين من مذاهب المجتهدين. (خلاصة التحقيق ٦)

اور محلی کی جمع الجوامع کی شرح میں ہے: کہ صحیح قول کے مطابق عامی یا ایسے تعلیم یافتہ جو درجہ اجتہاد کو نہیں پہنچ سکے، ان کے لئے مجتہدین کے مذاہب میں سے کسی معین مذہب کی تقلید واجب اور ضروری ہے۔

لأن على العامي الاقتداء بالفقهاء لعدم الاهتداء في حقه إلى معرفة الأحاديث. (هداية ١/ ٢٢٦)

کیوں کہ معرفت احادیث میں عدم اہلیت کی وجہ سے فقہاء کی اقتداء عامی حضرات کے لئے واجب وضروری ہے۔

مجتہد مقید کی تلفیق

مجتہد مقید کی تلفیق کی چار قسمیں ہوسکتی ہیں:

(۱) الگ الگ دو مسئلوں میں تلفیق

دو مسئلے الگ الگ ہیں، ان میں سے ایک مسئلہ میں اپنے اجتہاد کے ذریعہ سے امام

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دیتا ہے، بغیر اجتہاد کے تقلید نہیں کر رہا ہے۔ اور دوسرے مسئلہ میں امام شافعیؒ کے قول کو ترجیح دے رہا ہے، یہاں بھی بغیر اجتہاد کے تقلید نہیں کر رہا ہے، بلکہ اپنے اجتہاد سے کام کر رہا ہے، مثال کے طور پر امام شافعیؒ کے نزدیک خروجِ دم ناقضِ وضو نہیں ہے، مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناقض وضو ہے، اب اگر مجتہد مقید حنفی المسلک ہے، وہ اپنی دلیل کی روشنی میں اجتہاد کر کے امام شافعیؒ کے قول کو ترجیح دیتا ہے اور کہتا ہے کہ خروجِ دم ناقضِ وضو نہیں ہے، تو یہ اس کے لئے جائز ہے، مگر یہ ظاہراً تو تلفیق ہے، حقیقت میں تلفیق نہیں ہے؛ بلکہ یہ اس مجتہد کا تفرد ہے، اسی طرح حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مس مرأۃ ناقض وضو ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناقض وضو نہیں ہے، اب ان حالات میں مجتہد مقید اگر حنفی المسلک ہے، وہ اپنے دلائل کی روشنی میں اجتہاد سے امام شافعیؒ کے قول کو ترجیح دیتا ہے، تو یہ اس کے لئے جائز ہے؛ کیوں کہ یہ اس کا تفرد ہے، تلفیق نہیں ہے، اسی طریقہ سے قراءت خلف الامام امام شافعیؒ کے نزدیک واجب ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے، تو اگر حنفی المسلک مجتہد مقید اپنے دلائل کی روشنی میں امام شافعیؒ کے مسلک کو راجح سمجھتا ہے، تو یہ اس کا تفرد ہے، تلفیق نہیں ہے۔ اور اسی طرح شافعی المسلک مجتہد مقید اگر امام ابوحنیفہؒ کے قول کو دلیل کی روشنی میں راجح سمجھتا ہے، تو یہ اس کا تفرد ہے، تلفیق نہیں ہے۔ اور مجتہد مقید کے لئے اس طرح کی تلفیق جائز ہے، مگر غیر مجتہد کے لئے مجتہد مقید کے تفرد کی اتباع جائز نہیں ہے، جس کو ہم نے تفرد کی بحث میں واضح کر دیا ہے۔

أما حكمه إذا كان بين قولين فقط دون العمل بأن رجح مجتهد قول الشافعي في الاحتجام، وقول أبي حنيفة في المس، أو في عدم ركنية الفاتحة للصلاة، فهو جائز.

(مقدمه إعلاء السنن ۲/ ۱۹۸)

بہر حال عمل سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف دو قول کے مابین تلفیق کا حکم بایں طور کہ ایک مجتہد مسئلہ احتجام میں امام شافعیؒ کے قول کو اور مس مرأۃ یا نماز کے لئے فاتحہ کی عدم رکنیت کے سلسلہ میں ابوحنیفہؒ کے قول کو راجح قرار دیتا ہے، تو یہ جائز اور درست ہے۔

(٢) دو وقتوں میں دو عمل کی تلفیق

مجتہد مقید الگ الگ دو مسئلوں کی دو عملوں میں تلفیق کرتا ہے، مثلاً ایک نماز اس طرح پڑھتا ہے کہ وضو کے بعد خروج دم ہو گیا اور وضو کا اعادہ نہیں کیا اور فاتحہ خلف الامام بھی کی، اس کے بعد دوسرے وقت میں دوسری نماز اس طرح پڑھی کہ وضو کے بعد خروج دم ہوا اور وضو کا اعادہ کر لیا اور فاتحہ خلف الامام نہیں کی، تو ایسی صورت میں پہلی نماز امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق صحیح ہو گئی۔ اور دوسری نماز امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق صحیح ہو گئی، تو یہ تلفیق خارج اجماع نہیں ہوئی۔ اور اس قسم کی تلفیق صرف مجتہد مقید کے لئے دلائل کی روشنی میں جائز ہے، مگر مستحسن بھی نہیں ہے۔ اور خارقِ اجماع تلفیق وہ ہے کہ جس میں کسی بھی امام کے مسلک کے مطابق عمل صحیح نہ ہو۔ اور اس قسم کی تلفیق عالم مجتہد کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔

وكذا (جاز) لو لفق بينهما في عملين لا في عمل واحد بأن صلى صلاة بعد الاحتجام بلا إعادة الوضوء، ولم يترك الفاتحة مثلا وصلى أخرى بإعادة الوضوء بعده واقتصر في القراءة على آية. (مقدمه إعلاء السنن ٢/ ١٩٨)

اور یہ صورت بھی دائرہ جواز میں داخل ہوگی کہ اگر کوئی صرف دو عمل کے درمیان تلفیق کرے، مثلاً ایک مرتبہ پچھنا لگوانے کے بعد بلا اعادۂ وضو کے نماز پڑھے اور نماز میں فاتحہ کا بھی التزام کرے۔ اور دوسری مرتبہ پچھنا لگوانے کے بعد وضو کا اعادہ کر کے نماز پڑھے اور قراءت میں صرف ایک آیت پر اکتفا کرے (تو یہ صورت جائز ہے)

اور اس عبارت میں جواز کی جو شکل بیان کی گئی ہے، وہ صرف مجتہد کے حق میں جائز ہے، غیر مجتہد کے لئے جائز نہیں ہے۔

(٣) عمل واحد میں مجتہد مقید کی تلفیق

مجتہد مقید کے لئے دو اماموں کی تقلید کرتے ہوئے ایک عمل کی ایک وقت میں تلفیق

جائز نہیں ہے، مثلاً وضوایک عمل ہے، مجتہد مقید وضو کے بعد پچھنا لگواتا ہے، جس کی وجہ سے خروج دم ہو جاتا ہے اور خروجِ دم امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق ناقض وضو نہیں ہے، مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناقض وضو ہے، اب اسی وضو کے بعد مس مرأۃ بھی کر لیتا ہے، اور مس مرأۃ امام شافعیؒ کے نزدیک ناقض وضو ہے، مگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناقض وضو نہیں ہے، تو ایسی صورت میں اگر وضو کا اعادہ کئے بغیر وہ شخص نماز پڑھ لے گا، تو کسی بھی امام کے نزدیک نماز صحیح نہیں ہوگی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس لئے صحیح نہیں کہ خروج دم ناقض وضو ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس لئے صحیح نہیں کہ مس مرأۃ ان کے نزدیک ناقض وضو ہے؛ لہٰذا دونوں اماموں کے مسلک کے مطابق وضو ٹوٹ گیا اور بغیر وضو نماز پڑھنا لازم آ گیا، ایسی تلفیق سب کے نزدیک خارقِ اجماع ہے، یہ تلفیق کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اسی کو حضرات علماء نے ان الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے:

إن التلفيق بين أقوال المجتهدين إن كان مبطلا للإجماع لم يجز، وإلا جاز، نظيره صلاة من احتجم ومس المرأة بعد الوضوء من غير تجديده، فإنها باطلة إجماعا. (مقدمه إعلاء السنن ٢/ ١٩٧)

یقیناً مجتہدین کے اقوال کے مابین تلفیق اگر مبطل اجماع ہے، تو جائز نہیں، ورنہ جائز ہے، مثلاً بلا اعادہ وضو ایسے شخص کی نماز جس نے وضو کرنے کے بعد مس مرأۃ کیا اور پچھنا بھی لگوایا تو بالاجماع یہ نماز باطل ہے۔

(۴) ایک وقت میں دو عمل کی تلفیق

ایک وقت میں دو عملوں کی تلفیق ایک ساتھ کرنا مجتہد مقید کے لئے جائز نہیں ہے، مثال کے طور پر وضو ایک عمل ہے۔ اور نماز اس سے جداگانہ دوسرا عمل ہے۔ اور وضو اور خروج دم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناقض وضو ہے، مگر امام شافعیؒ کے نزدیک ناقض وضو نہیں ہے۔ اور

نماز کے اندر سورہ فاتحہ کا پڑھنا امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فرض نہیں ہے، نیز قراءت خلف الامام امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک واجب ہے، اب اگر کوئی شخص وضو کر لیتا ہے اور اس کے بعد خروج دم ہوجاتا ہے۔ اور اعادۂ وضو کے بغیر نماز پڑھ لیتا ہے اور نماز میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا ہے، تو ایسی صورت میں اس شخص کی یہ نماز امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خروج دم کی وجہ سے صحیح نہیں ہوئی۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ترک سورہ فاتحہ کی وجہ سے نماز باطل ہوگئی۔ یہ تلفیق اگر چہ دو عملوں میں ہے؛ لیکن دونوں کو ایک وقت میں ایک ساتھ جمع کرنے کی وجہ سے عمل واحد میں تلفیق کے حکم میں ہوکر تلفیق خارق اجماع ہوگئی ہے؛ اس لئے یہ بھی جائز نہیں ہے، کیوں کہ کسی بھی امام کے نزدیک اس کی نماز صحیح نہیں ہوئی، اگر اس کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو مذہب خامس کی ایجاد لازم آجائے گی؛ اس لئے تلفیق کی یہ شکل بھی بالاجماع باطل ہے۔ اور حضرات علماء نے اس کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

وكذا صلاة من أخذ بقول الشافعي في الاحتجام وبقول أبي حنيفة في عدم ركنية الفاتحة للصلاة، فاكتفى بآية من القرآن ولم يقرأ الفاتحة، فإنها باطلة إجماعا. (مقدمه إعلاء السنن ۲/ ۱۹۸)

اور اسی طرح اس شخص کی نماز جو مسئلہ احتجام (خروج دم کے ناقض وضو نہ ہونے) میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو لیتا ہے۔ اور سورۂ فاتحہ کے رکن صلاۃ نہ ہونے میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو لیتا ہے، اور صرف ایک آیت قرآنی پر اکتفا کرتا ہے، تو اس کی نماز بالاجماع باطل ہے۔

شیخ عبدالغنی نابلسیؒ، علامہ محلیؒ کی شرح جمع الجوامع کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں:

إذا علمت هذا لم تتوقف في بطلان العمل الملفق من مذهبين أو ثلاثة، أو أربعة إذا

جب تمہیں یہ معلوم ہوگیا تو دو یا تین یا چار مذہبوں کے مابین ملفق عمل کا بطلان موقوف نہیں رہا؛ کیوں کہ اس جیسے میں تلفیق خارق

التلفيق في مثل ذلک خرق للإجماع، فلا يجوز للمجتهد فما بالک بالمقلد القاصر.

اجماع ہے؛ لہٰذا جب مجتہد کے لئے جائز نہیں، تو بھلا مقلد قاصر کے لئے کیسے جائز ہوسکتی ہے۔

(خلاصة التحقيق، ص: ١٩)

مقلد مقید کی تلفیق

مقلد مقید اس کو کہا جاتا ہے کہ جس کے اندر اجتہاد کی کوئی صلاحیت نہیں ہے اور اس کو مقلد محض اور مقلد قاصر بھی کہا جاتا ہے، ایسے مقلد کے اوپر اپنے امام کے اصل مذہب کی تقلید واجب ہوتی ہے، اس کے لئے کسی قسم کی تلفیق جائز نہیں ہے۔

إذا كان المجتهد لا يصير له التلفيق إذا أدى اجتهاده إليه على حسب ما قدمناه، فكيف بالمقداد القاصر. (خلاصة التحقيق، ص: ٢٥)

اور جب مجتہد کا اجتہاد مودی الی التلفیق ہو، تو اس کے لئے یہ جائز نہیں، تو بھلا وہ شخص جو ادنیٰ درجہ کا مقلد ہو اس کے لئے تلفیق کی کیسے اجازت ہوگی؟

مقلد مقید کی تلفیق کی قسمیں

مقلد مقید کی تلفیق کی پانچ قسمیں ہوسکتی ہیں: (١) عمل واحد میں تلفیق (٢) متعدد عمل کی تلفیق (٣) مقلد مقید کی دو وقتوں میں دو عمل کی تلفیق (٤) مقلد مقید کی الگ الگ دو مسئلوں میں اپنی رائے سے تلفیق (٥) مذہب واحد میں مقلد مقید کی تلفیق۔ اب ہم ان پانچوں قسموں کو علی الترتیب بیان کرتے ہیں:

(١) عمل واحد میں تلفیق

وضو ایک عمل ہے، اس میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خروج دم ناقض وضو ہوتا ہے۔ اور

مس مرأۃ ناقض وضونہیں ہوتا۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مس مرأۃ ناقض وضو ہے، خروج دم نہیں، اب اگر وہ شخص وضو کر لیتا ہے، اس کے بعد اس کے بدن سے خون بہتا ہے اور وہ مس مرأۃ بھی کر لیتا ہے۔ اور بغیر اعادۂ وضو کے نماز پڑھ لیتا ہے، تو اس کی نماز بالاتفاق باطل ہو جائے گی، امام شافعیؒ کے نزدیک مس مرأۃ کی وجہ سے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خروج دم کی وجہ سے۔ یہ تلفیق خارق اجماع ہے، اور کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے، نہ مجتہد مقید کے لئے جائز ہے اور نہ ہی مقلد محض کے لئے۔

فإن احتجم ومس المرأة لا تجوز صلاته بالإجماع، أما عندنا فللاحتجام، وأما عند الشافعي فللمس. (خلاصة التحقيق، ص: ۱۸، مقدمة إعلاء السنن ۲/ ۱۹۷، ۲/ ۱۹۹)

اگر کسی نے پچھنا لگوایا اور مس مرأۃ کا ارتکاب کیا، تو اس کی نماز بالاجماع جائز نہیں، ہمارے نزدیک احتجام کے ناقض وضو ہونے کی وجہ سے اور امام شافعیؒ کے نزدیک مس مرأۃ کے ناقض وضو ہونے کی وجہ سے۔

اور اسی طرح اگر کسی شخص نے امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے ہوئے بغیر ولی کے نکاح کیا اور امام مالکؒ کی تقلید کرتے ہوئے بغیر شہادت کے نکاح کیا۔ اور عمل واحد میں ایسا کیا یعنی بغیر ولی اور بغیر شہود کے ایک ساتھ دونوں اماموں کی تقلید کرتے ہوئے نکاح کیا، تو یہ نکاح باطل ہو جائے گا؛ اس لئے کہ یہ تلفیق خارق اجماع ہے۔ اور وطی کرنے کی صورت میں حد بھی واجب ہو جائے گی؛ اس لئے کہ صحت نکاح کے لئے کوئی شبہہ کا پہلو بھی موجود نہیں ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شہادت نہ ہونے کی وجہ سے نکاح باطل ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ولی نہ ہونے کی وجہ سے۔

إذا نكح بلا ولي تقليدا لأبي حنيفة أو بلا شهود تقليدا للإمام مالك، ووطي لا يحد

جب کسی نے بغیر ولی کے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتے ہوئے نکاح کر لیا یا بغیر گواہ کے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی

ولو نكح بلا ولي ولا شهود أيضا تقليدا لهما حد. (خلاصة التحقيق، ص: ٢١، مقدمة إعلاء السنن ٢/ ١٩٧، ٢/ ١٩٩)	تقلید کرتے ہوئے نکاح کرلیا اور وطی کرلی، تو مستحق حد نہیں۔ اور اگر ولی اور گواہوں کے بغیر دونوں اماموں کی تقلید کرتے ہوئے نکاح کیا تو مستحق حد ہوگا۔

(۲) ایک وقت میں متعدد عمل کی تلفیق

ایک وقت میں دوعملوں کی تلفیق ایک ساتھ کرنا نہ مجتہد مقید کے لئے جائز ہے اور نہ ہی مقلد مقید کے لئے۔ مثال کے طور پر کہ وضوا یک عمل ہے۔ اور نماز اس سے جداگانہ دوسرا عمل ہے۔ اور وضو کے اندر ربع سر یا اس سے زیادہ مسح کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فرض ہے؛ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک فرض نہیں ہے؛ بلکہ ربع رأس سے کم مسح کرنا ان کے نزدیک جائز ہے۔ اور نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فرض نہیں؛ بلکہ کسی بھی آیت کریمہ کے پڑھ لینے سے قراءت کی فرضیت ادا ہوجاتی ہے، اب کوئی شخص وضو میں ربع رأس سے کم مسح کرتا ہے اور نماز میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا اور یہ دونوں عمل ایک وقت میں ایک نماز میں کرتا ہے، تو اس کا وضو امام شافعیؒ کے مسلک پر صحیح ہوا، مگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحیح نہیں۔ اور نماز امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحیح ہوگئی اور امام شافعیؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہوئی۔ اور چونکہ دونوں عملوں کو ایک ساتھ ایک نماز میں جمع کیا ہے؛ اس لئے اس کی نماز امام شافعیؒ کے نزدیک ترک فاتحہ کی وجہ سے باطل اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وضو نہ ہونے کی وجہ سے باطل ہے، تو یہ تلفیق بھی خارقِ اجماع ہے؛ اس لئے اس کی نماز باطل ہوجائے گی۔ (الحیلۃ الناجزۃ ص: ۳۰، ۲۶، ایضاح النوادر ۲/ ۱۴۳)

جیسا کہ ''اعلاء السنن'' کی اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے:

صلاة من أخذ بقول الشافعي في الاحتجام وبقول أبي حنيفة في عدم ركنية الفاتحة	اور اسی طرح اس شخص کی نماز جو مسئلہ احتجام (خروج دم کے ناقض وضو نہ ہونے) میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو لیتا ہے۔ اور

للصلاة، فاكتفى بآية من القرآن ولم يقرأ الفاتحة، فإنها باطلة إجماعا. (مقدمه إعلاء السنن ۲/ ۱۹۸)

سورۂ فاتحہ کے رکن صلاۃ نہ ہونے میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو لیتا ہے، اور صرف ایک آیت قرآنی پر اکتفا کرتا ہے، تو اس کی نماز بالاجماع باطل ہے۔

(۳) مقلد مقید کی دو وقتوں میں دو عمل کی تلفیق

مقلد مقید اگر الگ الگ دو عملوں میں دو وقتوں میں تلفیق کرتا ہے، مثال کے طور پر ایک نماز حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتے ہوئے ان کے مذہب کے مطابق پڑھتا ہے اور دوسری نماز امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتے ہوئے ان کے مذہب کے مطابق پڑھتا ہے، مثلاً ایک وقت میں وضو کے بعد خروج دم ہوگیا اور وضو کا اعادہ کئے بغیر نماز ادا کی اور اس نے سورۂ فاتحہ پڑھی اور دوسرے وقت میں دوسری نماز حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتے ہوئے ان کے مذہب کے مطابق پڑھی، یعنی خروج دم کے بعد اعادہ وضو کرلیا اور نماز میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی یا قرأت خلف الامام نہیں کی، اس طرح کی تلفیق مجتہد اور عالم محقق کے لئے تو اپنے اجتہاد کی روشنی میں جائز ہو جاتی ہے، یہی وہ تلفیق ہے جس کو علماء یوں کہا کرتے ہیں کہ دو عملوں میں تلفیق جائز ہے، یہ صرف مفتی مجتہد کے لئے جائز ہے، جس کو اساطین علماء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وكذا (جاز) لو لفق بينهما في عملين لا في عمل واحد بأن صلى صلاة بعد الاحتجام بلا إعادة الوضوء، ولم يترك الفاتحة مثلا وصلى أخرى بإعادة الوضوء بعده واقتصر في القراءة على آية. (مقدمه إعلاء السنن ۲/ ۱۹۸)

اور یہ صورت بھی دائرہ جواز میں داخل ہوگی کہ اگر کوئی صرف دو عمل کے درمیان تلفیق کرے، مثلاً ایک مرتبہ پچھنا لگوانے کے بعد بلا اعادۂ وضو کے نماز پڑھے اور نماز میں فاتحہ کا بھی التزام کرے۔ اور دوسری مرتبہ پچھنا لگوانے کے بعد وضو کا اعادہ کرکے نماز پڑھے اور قراءت میں صرف ایک آیت پر اکتفا کرے (تو یہ صورت جائز ہے)

اس طرح تلفیق مجتہد کے لئے اپنے اجتہاد کی روشنی میں جائز تو ہے؛ لیکن مستحسن بھی نہیں ہے۔ اور مقلد محض کے لئے مطلقاً ناجائز ہے؛ اس لئے کہ ان کی عبادت کے صحیح ہونے کے لئے کسی ایک مذہب کی تقلید واجب ہے۔

الأصح أنه يجب على العامي وغيره ممن لم يبلغ رتبة الاجتهاد التزام مذهب معين من مذاهب المجتهدين.

(خلاصة التحقيق ٦)

اور صحیح بات یہ ہے کہ عامی یا ایسے تعلیم یافتہ جو درجۂ اجتہاد کو نہیں پہنچ سکے، ان کے لئے مجتہدین کے مذاہب میں سے معین مذہب کی تقلید واجب اور ضروری ہے۔

وقوله: وعلى غير المجتهد أن يقلد مذهبا معينا. (خلاصة التحقيق ٧)

اور غیر مجتہد پر معین مذہب کی تقلید کرنا لازم ہے۔

(۴) مقلد مقید کی الگ الگ دو مسئلوں میں اپنی رائے سے تلفیق

اصحاب تمیز اور رسمی طور پر سند یافتہ علماء اور عربی داں عوام یہ سب مقلد محض اور مقلد مقید کے دائرہ میں داخل ہیں، ایسے لوگ کبھی ایسی غلطی کر سکتے ہیں کہ اپنے آپ کو صاحب اجتہاد اور صاحب الرائے سمجھ بیٹھیں اور کسی مسئلہ میں امام شافعیؒ کے قول کو ترجیح دیں اور امام ابوحنیفہؒ کے قول کو مرجوح قرار دیں۔ اور کبھی کسی دوسرے مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کو ترجیح دیں اور امام شافعیؒ کے قول کو مرجوح قرار دیں، ایسا کرنا ان کے لئے جائز نہیں۔ مثال کے طور پر کبھی ایک شخص امام شافعیؒ کے قول کو راجح قرار دے کر خروج دم کو ناقض وضو نہیں مانتا اور امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق نماز پڑھتا ہے اور نماز میں فاتحہ خلف الامام بھی کرتا ہے۔ اور کبھی امام ابوحنیفہؒ کے قول کو راجح قرار دے کر خروج دم کو ناقض وضو کہتا ہے اور نماز میں قرأت خلف الامام نہیں کرتا، اس طرح کی تلفیق مجتہد اور عالم محقق کے لئے تو جائز ہو جاتی ہے؛ کیوں کہ یہ اس کا تفرد ہو جاتا ہے، تلفیق نہیں، مگر مقلد مقید اور مقلد محض کے لئے جائز

نہیں ہے؛ کیوں کہ اس کے اندر قوت اجتہاد نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے مقلد مقید کے حق میں یہ تلفیق ہی رہے گی، جو کہ نا جائز ہے، تفرد نہ ہوگا۔

(۵) مذہب واحد میں مقلد محض کی تلفیق

اس کی شکل یہ ہوتی ہے، مثلاً کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے درمیان اختلاف ہے، مثال کے طور پر غبن فاحش کے ساتھ فروختگی امام ابو یوسفؒ اور امام ہلال کے نزدیک صحیح نہیں ہے، ایسی صورت میں بیع فاسد ہو جاتی ہے، مگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیع جائز ہو جاتی ہے، اب اگر مقلد مقید کبھی امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق بیع کو فاسد کہتا ہے اور کبھی امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق بیع کو صحیح کہتا ہے، تو یہ مذہب واحد میں تلفیق ہے، یہ باطل نہیں ہے، جائز ہے؛ اس لئے کہ دونوں اماموں کے اصول مذاہب ایک ہیں۔ اور حضرات محققین نے اسے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

فأما نقله عن قاضي خان جواز التلفيق من قول أبي حنيفة وأبي يوسف فهو تلفيق من مذهب واحد إذ أصول القولين واحدة، وعبارته ولو باعها بغبن فاحش لا يصح في قول أبي يوسف وهلال؛ لأن القيم كالوكيل ولو أجاز أبوحنيفة الوقف بشرط الاستبدال لأجاز البيع بغير فاشح كما هو مذهبه في بيع

بہر حال قاضی خاں کے حوالہ سے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول سے تلفیق کے جواز کو نقل کرنا تو وہ ایک مذہب میں تلفیق ہے؛ کیوں کہ دونوں قولوں کے اصول ایک ہی ہیں اور اس کی عبارت یہ ہے کہ اگر کسی نے اس کو غبن فاحش کے ذریعہ فروخت کر دیا تو امام ابو یوسف اور ہلال کے نزدیک درست نہیں؛ اس لئے کہ متولی کی حیثیت وکیل کی ہے۔ اور اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ استبدال کی شرط کے ساتھ وقف کو جائز قرار دیتے ہیں تو غبن فاحش کے ساتھ بیع کو بھی

الوكيل به. (خلاصة التحقيق في بيان حكم التقليد والتلفيق / ٢٤)

جائز قرار دیتے ہیں، جیسا کہ وکیل بالبیع کے مسئلہ میں یہی امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔

اور مذہب واحد میں تلفیق کے مسئلہ کو اس طرح واضح کیا ہے کہ مثال کے طور پر امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف ہوجائے اور بعد میں اصحابِ ترجیح نے بھی دونوں قولوں کو صحیح کہا ہو، تو ایسی صورت میں مقلد مقید علماء کے لئے ان دونوں قولوں میں کبھی کسی ایک قول کے مطابق فیصلہ کردینا یا فتویٰ دینا اور کبھی اس کے خلاف دوسرے قول کے مطابق فتویٰ دینا جائز ہے، مثال کے طور پر شئ مشاع کا وقف امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، امام محمدؒ کے نزدیک باطل ہے، تو حنفی المذہب مقلد علماء کے لئے کسی بھی ایک کو جب چاہیں اختیار کرنا جائز ہے۔ اور اسی طرح منقول کا وقف حضرت امام محمد کے نزدیک جائز ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اور مقلد مقید علماء کے لئے ان میں سے کوئی بھی قول اختیار کرلینا جائز ہے، مگر غیر عالم عوام کے لئے جائز نہیں۔

فللحنفي المقلد أن يحكم بحصة وقف المشاع وبطلانه لاختلاف الترجيح، وإذا كان في المسألة قولان مصححان جاز الافتاء والقضاء بأحدهما.

چنانچہ حنفی مقلد کے لئے ترجیح کے مختلف ہونے کی وجہ سے وقف مشاع کی صحت وبطلان دونوں کا حکم لگانا درست ہے۔ اور جب کسی مسئلہ میں دو صحیح قول ہوں تو ان دونوں میں سے ایک پر افتاء وقضاء جائز ہے۔

(درمختار مع الشامي، كراچى ٤/ ٣٦٢، زكريا ٦/ ٥٥٤)

وجواز وقف المنقول مطلقا عند محمد، وإذا جرى فيه التعامل عند أبي يوسف. (شامي، كراچى ٤/ ٣٦٢، زكريا ٦/ ٥٥٥)

اور وقف منقول کا جواز امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلق طور پر جائز ہے۔ اور جب اس میں تعامل ناس جاری ہوجائے تو ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی درست ہے۔

تلفیق کی کونسی قسم جائز

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوا کہ تلفیق کی کل نو (۹) قسمیں ہیں اور ان میں سے چار قسمیں مجتہد مقید سے متعلق ہیں اور پانچ قسمیں مقلد محض سے متعلق ہیں۔ اور مجتہد مقید سے متعلق چار قسمیں یہ تھیں:

(۱) الگ الگ دو مسئلوں میں تلفیق (۲) دو وقتوں میں دو عمل کی تلفیق (۳) عمل واحد میں تلفیق (۴) ایک وقت میں دو عمل کی تلفیق ۔ اور تلفیق کے یہ اقسام متعدد مذاہب سے متعلق ہیں، مذہب واحد سے متعلق نہیں۔ اور ان میں اول الذکر دونوں قسمیں مجتہد مقید کے لئے دائرۂ جواز میں تو داخل ہوجاتی ہیں، مگر مستحسن نہیں ہے۔ اور مؤخر الذکر دونوں قسمیں مجتہد کے لئے بھی دائرۂ جواز میں داخل نہیں ہوتی ہیں۔ اور مقلد مقید سے متعلق پانچ قسمیں یہ تھیں:

(۱) عمل واحد میں تلفیق (۲) ایک وقت میں دو عمل کی تلفیق (۳) دو وقتوں میں دو عمل کی تلفیق (۴) الگ الگ دو مسئلوں میں اپنی رائے سے تلفیق (۵) مذہب واحد میں تلفیق۔ اور ان میں اول الذکر چار قسمیں تعدد مذاہب سے متعلق ہیں اور یہ چاروں قسمیں مقلد محض کے لئے دائرۂ جواز میں داخل نہیں ہوتی ہیں۔ اور صرف مؤخر الذکر ایک قسم جو مذہب واحد سے متعلق ہے وہ مقلد محض میں سے اصحاب تمییز کے لئے تو جواز کے دائرہ میں آجاتی ہے، مگر عوام جہلاء کے لئے اپنے مسلک کے مفتی سے فتویٰ حاصل کئے بغیر یہ بھی جائز نہیں ہے، اب ماقبل میں ذکر کردہ تلفیق کی اقسام کو دوبارہ پڑھ کر دیکھ لیجئے۔

دیانات ومعاملات میں تلفیق

تلفیق کی جو اقسام ذکر کی گئی ہیں، ان میں مسائل دیانات وعبادات اور مسائل معاملات میں کچھ فرق بھی ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں حکم شرعی یہ ہے کہ جس طریقہ سے مسائل دیانات وعبادات میں تلفیق ناجائز ہے، اسی طریقہ سے مسائل معاملات میں بھی

تلفیق ناجائز اور ممنوع ہے۔ اس کو شیخ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ نے ”خلاصۃ التحقیق فی احکام التقلید والتلفیق“ میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

إذا علمت هذا كله ظهر لك عدم صحة التلفيق بوجه من الوجوه إجماعا في العبادات والمعاملات. (خلاصة التحقيق، ص: ۲۲)

جب تم ان تمام باتوں پر مطلع ہوگئے، تو تمہارے سامنے یہ بالکل واضح ہوگیا ہے کہ عبادات ومعاملات میں اجماعی طور پر کسی بھی طریقہ سے تلفیق جائز نہیں ہے۔

اور دیانات میں تلفیق کے عدم جواز کی مثال عمل واحد میں مجتہد مقید کی تلفیق کی بحث اور ایک وقت میں دو عمل کی تلفیق کی بحث میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اور معاملات میں تلفیق کی مثال عمل واحد میں مقلد مقید کی تلفیق کی بحث میں بغیر ولی کے نکاح سے متعلق جو عبارت گذر چکی ہے، اس میں دیکھی جاسکتی ہے۔

الفصل الثامن:

ضرورت، حاجت اور عمومِ بلویٰ پر مدلل بحث

ضرورت، حاجت اور عمومِ بلویٰ تینوں بحث الگ الگ طریقہ سے تفصیل سے واضح کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) بحث ضرورت

مسئلہ ضرورت کے متعلق ہم یہاں پر نو مسائل تفصیل سے واضح کریں گے: (۱) ضرورت کی تعریف (۲) ضرورت کے مراتب (۳) ضرورت کے اسباب (۴) ضرورت کے اقسام اور امر حرام کے اختیار کرنے کا حکم (۵) ضرورت کی تاثیر صرف گناہ کی حد تک ہے یا رفع حرمت تک؟ (۶) ضرورت پر مبنی احکام قانون شرعی سے مستثنیٰ ہوتے ہیں یا نہیں؟ (۷) ضرورت کی تاثیر کی حد کیا ہے؟ (۸) ”الحاجة تنزل منزلة الضرورة“ کا مطلب (۹) اضطراری ضرورت کی مثالیں اور مواقع استعمال۔

(۱) ضرورت کی لغوی تعریف

لغت کے اندر ضرورت کے معنی ایسی شدید ترین مشقت جس کے ازالہ کے لئے کوئی سہارا نہ ہو۔ صاحب لغت الفقہاء نے ضرورت کی لغوی تعریف ان الفاظ میں نقل فرمائی ہے:

الضرورة الحاجة الشديدة والمشقة والشدة التي لا مدفع لها. (لغة الفقهاء، ص: ۲۸۳)

ضرورت نام ہے حاجت شدیدہ کا اور ایسی مشقت و پریشانی کا جس کے دفعیہ کے لئے کوئی سہارا نہ ہو۔

اور صاحب ”قواعد الفقہ“ رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے تعریف کی ہے کہ ضرورت ضرر سے مشتق ہے، اس کے معنی ایسی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا ہو جانا جس کے دفعیہ کے لئے کوئی چارۂ کار نہ ہو۔

الضرورة مشتقة من الضرر، وهو النازل مما لا مدفع له. (قواعد الفقه، ص: ۳۵۸)

ضرورت مشتق ہے ضرر سے اور وہ ایسی مشقت اور پریشانی کا نام ہے جس کے دفعیہ کے لئے کوئی چارہ نہ ہو۔

اصطلاحی تعریف

شریعت کی اصطلاح میں ضرورت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی شدت مشقت اور مصیبت کی اس حد کو پہنچ جائے کہ حرام اور ممنوع چیز کو اختیار نہ کیا جائے، تو ہلاکت یا قرب ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ علامہ حمویؒ نے ضرورت کی تعریف ان الفاظ سے فرمائی ہے:

الضرورة بلوغه حدا إن لم يتناول الممنوع هلک أوقارب. (حموي على هامش الأشباه، مطبع ديوبند ۱/ ۱۴۰، کراچی ۱/ ۱۱۹، مطبع زکریا دیوبند ۱/ ۲۵۲)

ضرورت نام ہے انسان کا اس درجہ پر پہنچ جانا کہ اگر اشیاء ممنوعہ کا استعمال نہ کیا جائے تو ہلاک یا قریب الہلاک ہو جائے گا۔

اور علامہ محمد الامین جکنی شنقیطی نے تفسیر اضواء البیان میں ضرورت کی تعریف اس طرح بیان فرمائی ہے کہ آدمی مجبوری کی اس حد تک پہنچ جائے کہ ہلاکت کا یقین یا ظن غالب کی وجہ سے اکل میتہ مباح ہو جائے۔

حد الإضطرار المبيح لأكل الميتة الخوف من الهلاک علما أوظنا. (تفسير أضواء البيان ۱/ ۱۷۱)

اضطرار کی حد جو تناول میتہ کی اباحت کا سبب ہے، یہ ہے کہ یقینی یا ظنی طور سے ہلاکت کا اندیشہ ہو جائے۔

اور صاحب اضواء البیان نے حنفیہ کی طرف منسوب کر کے اس طرح تعریف فرمائی ہے کہ آدمی مجبوری کی اس حد کو پہنچ جائے کہ اسے اپنی جان یا کسی عضو کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہو۔

وحد الإضطرار عند الحنفية هو أن يخاف على نفسه أو على عضو من أعضائه يقينا كان أو ظنا. (تفسير أضواء البيان ١/ ١٧٦)	اور اضطرار کی حد حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ یقین یا ظن غالب سے اپنے نفس یا اعضاء میں سے کسی عضو کی ہلاکت کا خوف ہو۔

اور صاحب ''القاموس الفقہی'' رحمۃ اللہ علیہ نے ضرورت کی اصطلاحی حقیقت ان الفاظ میں نقل فرمائی ہے:

الضرورة المشقة المبيحة لأكل الميتة ونحوها. (القاموس الفقهي، ص: ٢٢٤)	ضرورت ایسی شدید مشقت اور مجبوری کو کہتے ہیں کہ جس سے مردار جیسی شئ کا کھالینا مباح ہوجاتا ہے۔

اور امام ابوبکر جصاصؒ نے ''احکام القرآن'' کے اندر ضرورت کی حقیقت بیان فرمائی ہے کہ نہ کھانے کی وجہ سے بھوک کی اس حد کو پہنچ جائے کہ اپنی جان یا اعضاء کی ہلاکت کا خطرہ ہو۔

الضرورة هي خوف الضرر بترك الأكل إما على نفسه أو عضو من أعضائه. (أحكام القرآن للجصاص ١/ ١٣٠، أحكام القرآن للشيخ تهانوی ١/ ٨٧)	ضرورت یہ ہے کہ ترک اکل کی وجہ سے اپنے نفس یا اعضاء میں سے کسی عضو پر ضرر کا خوف ہو۔

الحاصل: ضرورت کی ان تمام تعریفات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ درحقیقت ضرورت ایسی مجبوری کا نام ہے، جس میں اضطرار کی شکل پیش آجاتی ہے۔

(۲) ضرورت کے مراتب خمسہ

ضرورت کا لفظ پانچ مواقع اور معانی کے لئے مستعمل ہوتا ہے: (۱) ضرورت بمعنی اضطرار (۲) ضرورت بمعنی حاجت (۳) ضرورت بمعنی منفعت (۴) ضرورت بمعنی زینت (۵) ضرورت بمعنی فضول۔

وفي فتح المدبر : ههنا خمسة مـراتـب : ضـرورة، وحـاجة، ومـنـفـعة، وزيـنة، وفـضـول .

اور ''فتح المدبر'' میں ہے: یہاں ضرورت کے پانچ مراتب ہیں: (۱) ضرورت (۲) حاجت (۳) منفعت (۴) زینت (۵) فضول۔

(حـمـوي عـلـى الأشبـاه مطبع ديو بند، ص: ١٤٠، مطبع زكريا، ص: ٢٥٢)

''فتح المدبر'' اس کتاب کا پورا نام یہ ہے: ''فتح المدبر للعاجز المقصر'' یہ کتاب حضرت علامہ محمد بن ابراہیم بن احمد السدیسی متوفی: ۹۲۱ھ کی ہے۔ اور حموی کے بعض نسخوں میں ''فتح القدیر'' اور بعض میں ''فتح المدیر'' کے الفاظ ہیں، مگر یہ سب نسخوں کی غلطی ہے، صحیح نام ''فتح المدبر'' ہے۔ اور ''اعلام'' اور ''کشف الظنون'' میں اس کی وضاحت دیکھ لی جائے، اس کتاب کا اس وقت جامعہ ازہر مصر کے کتب خانہ میں قلمی نسخہ موجود ہے۔

(۱) ضرورت بمعنی اضطرار یعنی ایسی شدید مجبوری اور مصیبت میں مبتلا ہو جانا کہ اگر حرام اشیاء کا استعمال نہیں کیا جائے گا، تو جان یا اعضاء کی ہلاکت کا خطرہ ہے، تو ایسی ضرورت کی وجہ سے ایسے حرام امور کا اختیار کر لینا جائز اور مباح ہو جاتا ہے، جن کی حرمت قطعی الثبوت، قطعی الدلالت (اسی رسالہ کے ص: ۲۷ پر قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت کی تفصیل دیکھئے) نصوص سے ثابت ہے، مثلاً اکل میتہ، اکل ربوا، شرب خمر اور کلمۂ کفریہ کا زبان پر جاری کر لینا، ان تمام امور کی حرمت نص قرآنی سے قطعیت کے ساتھ ثابت ہے، یہ سب امور اضطراری ضرورت میں مباح ہوجاتے ہیں۔

الـضرورة بـلـوغـه حدا إن لم يتناول الممنوع هلك أوقارب، وهـذا يبيـح تـنـاول الحـرام .

ضرورت نام ہے انسان کا اس درجہ پر پہنچ جانا کہ اگر اشیاء ممنوعہ کا استعمال نہ کیا جائے تو ہلاک یا قریب الہلاک ہوجائے گا۔ اور یہ حرام کے استعمال کو جائز کر دیتی ہے۔

(حـمـوي عـلـى هـامش الأشباه، مطبع ديـوبـنـد ١/ ١٤٠، كراچی ١/ ١١٩، مطبع زكريا ديو بند ١/ ٢٥٢)

اوراضطراری ضرورت کی وضاحت ماقبل میں مثالوں اوردلیلوں کے ساتھ کی جاچکی ہے۔

(۲) ضرورت بمعنی حاجت: یعنی ایسی مجبوری اور پریشانی میں مبتلا ہو جانا کہ اگر حرام اشیاء کا استعمال نہیں کیا جائے گا، تو جان یا اعضاء کی ہلاکت کا خطرہ تو نہیں ہے، مگر سخت مشقت اور دشوارکن حالات سے دوچار ہونا پڑے گا، تو ایسی ضرورت کی وجہ سے ایسے حرام امور کا اختیار کرنا جائز نہیں ہوتا ہے، جن کی حرمت قطعیت کے ساتھ ثابت ہے؛ لہٰذا ضرورت بمعنی حاجت کی وجہ سے اکل میتہ، شرب خمر، کلمہ کفریہ کا زبان پر جاری کرنا اوران جیسے حرام امور کا اختیار کرنا جائز نہیں ہے، اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

والحاجة كالجائع لو لم يجد ما يأكله لم يهلك غير أنه يكون في جهد ومشقة، وهذا لا يبيح الحرام، ويبيح الفطر في الصوم. (حموي على هامش الأشباه، مطبع إدارة النشر ١/ ١٤١، مطبع زكريا ١/ ٢٥٢)

اورضرورت بمعنی حاجت جیسا کہ بھوکا آدمی اگر کھانے کو نہ پائے گا تو ہلاک بھی نہ ہوگا؛ البتہ یہ بات ہے کہ وہ تکلیف اورمشقت میں رہے گا۔ اوراس درجہ کی ضرورت قطعی حرام چیز کو مباح نہیں کرسکتی؛ البتہ روزہ دار کے لئے افطار کرنے اور روزہ توڑ دینے کی اجازت ہے۔

البتہ ضرورت بمعنی حاجت کی وجہ سے جو مشقت پیش آتی ہے، اس کو رفع کرنے کے لئے ایسے ممنوع امور کا اختیار کرلینا جائز ہے جن کی ممانعت دلیل قطعی سے ثابت نہ ہو؛ بلکہ صرف دلیل ظنی سے ثابت ہو، جیسا کہ روزہ توڑ دینے اوراس کی وجہ سے وجوب کفارہ کا حکم دلیل ظنی یعنی حدیث سے ثابت ہے؛ اس لئے ضرورت بمعنی حاجت کی وجہ سے روزہ توڑ دینا مباح اور جائز ہو جاتا ہے، جیسا کہ حموی کی عبارت: "**ويبيح الفطر في الصوم**" سے واضح ہوتا ہے۔ اور بخاری، مسلم میں روزہ توڑ دینے والی روایت ان الفاظ میں وارد ہوئی ہے:

عن أبي هريرة أن رجلا أفطر في رمضان في زمن النبي ﷺ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک

فأمره رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يكفر بعتق رقبة، أو صيام شهرين متتابعين، أو إطعام ستين مسكينا، فقال: لا أجد، فأتي رسول الله صلى الله عليه وسلم بعرق فيه تمر، فقال: خذ هذا فتصدق به، فقال: يا رسول الله! إني لا أجد أحدًا أحوج إليه مني، فضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى بدت أنيابه، ثم قال: كله. (طحاوي ۱/ ۳۲۸، بخاري ۱/ ۲۵۹، رقم: ۱۸۹، ف: ۱۹۳٦، مسلم شريف ۱/ ۳۵٤)

میں ایک شخص نے رمضان میں روزہ توڑ دیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم فرمایا کہ ایک غلام آزاد کر کے یا پے در پے ساٹھ روزے رکھ کر یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا کر کفارہ ادا کردے، تو اس شخص نے عرض کیا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ٹوکرا آیا، جس میں کھجوریں تھیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو لے کر صدقہ کردو، تو اس شخص نے کہا کہ میں اپنے سے زیادہ اس کا محتاج کسی کو نہیں پاتا ہوں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آگئی، حتی کہ آپ کے دندانِ مبارک ظاہر ہوگئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو تم ہی کھالو۔

(۳) ضرورت بمعنی منفعت: اس کی وجہ سے کسی قسم کے حرام یا مکروہ تحریمی امور کا اختیار کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ صرف مباح امور کا اختیار کرنا جائز ہوسکتا ہے، مثلاً کسی عمدہ غذا کی خواہش ہو تو عمدہ غذا کھالینا جائز ہے۔

والمنفعة كالذي يشتهي خبز البر ولحم الغنم والطعام الدسم. (حموي على الأشباه، قديم ۱/ ۱٤۱، زكريا ديوبند ۱/ ۲۵۲)

اور ضرورت بمعنی منفعت جیسا کہ کوئی شخص گیہوں کی روٹی اور بکرے کا گوشت اور روغن دار کھانے کی خواہش کرتا ہے۔

(۴) ضرورت بمعنی زینت: مثلاً حلوا اور مٹھائی وغیرہ یا عمدہ کپڑے کی خواہش ہونا۔

والزينة كالمشتهي بحلوى والسكر. (حموي على الأشباه، قديم ١/ ١٤١، زكريا ديوبند ١/ ٢٥٢)

اور ضرورت بمعنی زینت جیسا کہ حلویٰ اور میٹھی چیز کی خواہش کرنا۔

(۵) ضرورت بمعنی فضول: یعنی حرام اور مشتبہ چیزیں کھانا یا پیٹ بھر جانے کے بعد بھی کھاتے رہنا، جس سے سانس لینا بھی دشوار ہو جائے۔

والفضول: التوسع بأكل الحرام والشبهة. (حموي قديم ١/ ١٤١، زكريا ديوبند ١/ ٢٥٢)

اور فضول کا مطلب یہ ہے کہ حرام اور مشتبہ چیزوں کو کھانے میں توسع پیدا کرنا۔

ضرورت کے ان پانچوں مراتب میں سے ہم صرف اول الذکر دو سے متعلق بحث کریں گے، ان دونوں کی بحث آگے آ رہی ہے۔

اضطراری ضرورت کا حکم

اگر ایسی شدید اضطراری شکل پیش آ جائے کہ اگر شئ حرام اختیار نہ کی جائے گی، تو اپنی جان یا اعضاء کی ہلاکت کا خطرہ ہے، تو ایسی صورت میں حرام اشیاء استعمال کر کے اپنی جان یا اعضاء کی حفاظت کر لینے کی اجازت ہے۔ اور اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان الفاظ سے ارشاد فرمایا ہے:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ. (البقرة: ١٧٣)

جو شخص (بھوک سے بہت ہی) بیتاب ہو جائے اور وہ طالب لذت نہ ہو۔ اور نہ ہی ضرورت وحاجت سے تجاوز کرنے والا ہو، تو اس پر بقدر ضرورت کھانے میں کچھ گناہ نہیں۔

اور علامہ حمویؒ ''الاشباہ والنظائر'' کے حاشیہ میں نقل فرماتے ہیں:

وهذا يبيح تناول الحرام. (حموي على هامش الأشباه قديم ١/ ١٤٠، زكريا ١/ ٢٥٢)

اور یہ حرام کے استعمال کو جائز کر دیتا ہے۔

اورعلامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں:

فلو خاف الهلاك عطشا وعنده خمر له شربه قدر ما يدفع العطش. (شامي، كراچی ٦/ ٣٣٨، زكريا ديوبند ٩/ ٤٨٨)

لہٰذا اگر اس کے پاس شراب موجود ہو اور پیاس کی وجہ سے ہلاکت کا اندیشہ ہو تو دفع پیاس کے لئے بقدر ضرورت پینے کی اجازت ہوگی۔

امام ابوبکر جصاص ''احکام القرآن'' میں ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں:

لأن أكل الميتة مباح في حال الضرورة كسائر الأطعمة في غير حال الضرورة. (أحكام القرآن جصاص ١/ ١٢٩)

کیوں کہ بوقت ضرورت میتۃ کا کھانا، اسی طرح جائز ہے جیسا کہ حالت ضرورت کے علاوہ میں تمام مطعومات جائز ہیں۔

اور امام علاء الدین بغدادیؒ نے تفسیر خازن میں نقل فرمایا ہے کہ جو شخص حالت اضطراری میں اکل میتۃ وغیرہ کے ذریعہ جان کی حفاظت نہ کرے اور اسی حالت میں مرجائے تو وہ جہنمی ہوگا۔

من اضطر إلى أكل الميتة فلم يأكل منها حتى مات دخل النار. (تفسير خازن ١/ ١٠٦، هكذا في أحكام القرآن جصاص ١/ ١٢٩)

جو شخص میتۃ کھانے پر مجبور ہوگیا اور اس کا استعمال نہیں کیا حتی کہ جاں بحق ہوگیا تو وہ مستحق نار ہوگا۔

امورمحرمہ کی اباحت کی شرائط واصول

ضرورت اور اضطرار کے وقت حرام اشیاء کے استعمال کے دائرۂ جواز میں آنے کے لئے دو اصولی شرطوں کی رعایت مشروط ہے۔

اصول۱ : الضرورات تبيح المحظورات. (الاشباہ والنظائر قدیم/۱۴۰، زکریا/۲۵۱)

ترجمہ: ضرورت ممنوع اور حرام اشیاء کو مباح کر دیتی ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس اصول میں ضرورت سے کیا مراد ہے؟ تو حضرات فقہاء نے جہاں بھی اس اصول کا ذکر فرمایا ہے، وہاں پر مثال میں جن امور محرمہ کے استعمال کے جواز کا ذکر کیا ہے، وہ سب ایسے امور ہیں جو صرف حالت اضطرار اور حالت مخمصہ ہی میں جواز اور اباحت کے دائرہ میں آسکتے ہیں؛ لہٰذا جن اشیاء کی حرمت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے، ان کی اباحت کے لئے جہاں پر ضرورت کا لفظ استعمال ہوا ہے، وہاں ضرورت سے حالت اضطرار اور حالت مخمصہ ہی مراد ہوتی ہے، اس کو حضرات فقہاء نے مذکورہ اصول کے ذیل میں ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة واساغة اللقمة بالخمر والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه، وكذا إتلاف المال وأخذ مال الممتنع من أداء الدين بغير إذنه ودفع الصائل ولو أدى إلى قتله. (الأشباه قديم ١٤٠، زكريا ديوبند ٢٥١)

اور اسی وجہ سے حالت مخمصہ میں میتہ کا کھانا اور شراب سے لقمہ کا اندر کرنا اور زبردستی کی وجہ سے کلمہ کفر کا تلفظ کرنا جائز ہے۔ اور اسی طرح دوسرے کے مال کا تلف کرنا اور ادائے گی دین میں ٹال مٹول کرنے والے شخص کے مال کو بغیر اس کی اجازت کے لے لینا جائز ہے۔ اور (محرم کے لئے) حملہ کرنے والے کے حملہ کو دفع کرنا گو اس کے قتل کا باعث کیوں نہ ہو (ضرورت کی وجہ سے جائز ہے)

حضرات فقہاء نے قرآن وحدیث کی نصوص سے یہی مطلب واضح فرمایا ہے اور نصوص شرعیہ کا منشاء سمجھنے کی جو لیاقت اور صلاحیت اللہ تعالیٰ نے حضرات فقہاء کو عطا فرمائی ہے وہ کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔

الفقهاء وهم أعلم بمعاني الحديث. (ترمذي ١/ ١٩٣)

حضرات فقہاء ہی حدیث نبوی کے اسرار ورموز کو زیادہ جانتے ہیں۔

اصول ۲: **ما أبیح للضرورۃ یتقدر بقدرھا.** (الأشباہ ھندي ۱/ ۱۴۰، کراچی ۱/ ۱۱۹، زکریا دیوبند ۱/ ۲۵۲)

جو چیز ضرورت کی وجہ سے مباح ہوتی ہے وہ بقدر ضرورت مباح ہوتی ہے۔ اس اصول کے ہر پہلو پر غور کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ شدت مجبوری میں جب حرام اشیاء کا استعمال مباح ہوجاتا ہے، تو کس قدر اور کس مقدار میں مباح ہوتا ہے؟ صرف اتنی ہی مقدار مباح ہوتی ہے جتنی سے مشقت کی شدت رفع ہوجائے، اس سے زائد استعمال کی اجازت نہیں ہوتی، اس کو امام ابوبکر جصاص حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے ''احکام القرآن'' میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

فمتی أکل بمقدار ما یزول عنہ الخوف من الضرورۃ في الحال فقط زالت الضرورۃ ولا اعتبار في ذلک بسد الجوعۃ. (أحکام القرآن جصاص ۱/ ۱۳۰)

جب اتنی مقدار کا استعمال کرلے کہ اس وقت شدت ضرورت کی وجہ سے پیش آنے والی ہلاکت کا خوف زائل ہوجائے تو ضرورت ختم ہوجائے گی اور اس میں بھوک کے ختم ہونے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

اور دوسری جگہ نقل فرمایا ہے کہ مضطر کے لئے صرف اتنی مقدار کھانے کی اجازت ہے، جس سے اس کی رمق اور جان بچ جائے، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے۔

لا یأکل المضطر من المیتۃ إلا مقدار ما یمسک بہ رمقہ. (أحکام القرآن جصاص ۱/ ۱۳۰، أحکام القرآن تھانوي ۱/ ۸۷)

مضطر صرف اتنی ہی مقدار میں میتہ کا استعمال کرے گا کہ جس سے اس کی رمق باقی رہ سکے۔

(۳) ضرورت کے اسباب

ضرورت کے جن اسباب کی وجہ سے امر حرام مباح ہوجاتا ہے، صاحب تفسیر خازن نے ان کی تعداد تین نقل فرمائی ہے:

(۱) جبر واکراہ: اگر کسی شخص کے اوپر قتل وغیرہ اسباب ہلاکت کے ذریعہ سے حرام امر کے اختیار کرنے پر زور وزبردستی کرتا ہے، تو ایسی صورت میں امر حرام اختیار کرکے اپنی حفاظت جائز ہے

(۲) اس قدر شدید بھوک وپیاس میں مبتلا ہوجائے کہ اگر حرام چیز کھائی پی نہ جائے تو جان کی ہلاکت کا شدید خطرہ ہے، تو ایسی صورت میں بھی حرام اشیاء استعمال کرکے جان کی حفاظت کرلینا جائز ہے؛ بلکہ بعض حالات میں واجب ہوجاتا ہے۔

(۳) فقر: ایسا فقر وفاقہ کا عالم کہ جس میں کھانے پینے کے لئے کوئی چیز میسر نہ ہو، حرام اشیاء میسر ہیں اور مخمصہ کی حالت نہیں ہے؛ البتہ شدید محتاجی کا عالم ہے، تو ایسی صورت میں بھی امر ممنوع اختیار کرلینے کی گنجائش ہے، جیسا کہ حسب ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے:

المضطر علی ثلاثة أقسام: إما بإكراه أو بجوع في مخمصة أو بفقر لا يجد شيئا البتة، فالتحريم يرتفع مع وجود هذه الأقسام بحكم الاستثناء في قوله تعالیٰ: ”فلا إثم عليه“ وتباح الميتة. (تفسیر خازن ۱/ ۱۰۶)

مضطر کی تین قسمیں ہیں: اکراہ، یا مخمصہ کی حالت تک پہنچا دینے والی بھوک، یا ایسا فقر جس میں یقینی طور پر کھانے پینے کی کوئی چیز میسر نہ ہو، تو ان قسموں کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ کے قول: ”فلا اثم علیہ“ میں استثناء کے حکم سے حرمت مرتفع ہوجاتی ہے۔ اور میتہ مباح ہوجاتا ہے۔

اور صاحب ”تفسیر کبیر“ رحمۃ اللہ علیہ نے امر حرام کے جائز ہونے کے لئے اسباب حلت دو بیان فرمائے ہیں:

(۱) سخت بھوک جس میں کھانے کے لئے حلال چیز بالکل میسر نہ ہو، جس کے ذریعہ جان بچ سکے، تو ایسے وقت میں یہ شخص مضطر کہلائے گا اور اس کے لئے حرام چیز کا استعمال جائز ہوجائے گا۔

(۲) امر حرام کے اختیار کرنے پر مجبور اور زور زبردستی کی جائے، تو ایسی صورت میں امر حرام کا اختیار کرلینا جائز ہے۔

وهـذه الـضـرورة لهـا سببـان: أحـدهما الجوع الشديد أن لا يـجـد مـأكـولا يسد به الرمق، فـعـنـد ذلک يـكـون مضطرا، الثـانـي: إذا أكرهه على تناوله مـكره، فيحل له تناوله. (تفسير كبير ٢/ ١٢١)

اور اس ضرورت کے دو اسباب ہیں: (۱) ایسی شدید بھوک جس میں سد رمق کے لئے کوئی اشیاء ماکولہ میسر نہ ہوسکے، تو اس وقت ایسا شخص مضطر ہوجاتا ہے (۲) جب اس کو امر حرام کے اختیار کرنے پر کوئی مکرہ اکراہ وزبردستی کرے، تو اس کے لئے امر حرام کو اختیار کرنا حلال ہوجاتا ہے۔

(۴) اضطراری ضرورت کے اقسام اور امر حرام کا اختیار کرنا صرف جائز ہے یا واجب؟

اضطراری ضرورت کی چار قسمیں ہیں: (۱) اضطراری ضرورت میں شئ کی حرمت کا تعلق حقوق اللہ کے ساتھ ہو۔ اور جان کی حفاظت سے متعلق ہو۔

(۲) حرمت کا تعلق حقوق اللہ سے ہو۔ اور ایمان وکفر سے متعلق ہو۔

(۳) حقوق العباد میں سے حقوق مالی کے ساتھ ہو۔

(۴) حقوق العباد میں سے حقوق جانی کے ساتھ ہو۔

اب ہر ایک کی تفصیل الگ الگ طور پر مثالوں کے ساتھ واضح کی جاتی ہے، جس سے یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ ضرورت کی وجہ سے اشیاء محرمہ کا اختیار کرنا ایسا نہیں ہے کہ ہر جگہ صرف اجازت ہی ہوتی ہے۔ اور ایسا بھی نہیں ہے کہ ہر جگہ واجب ہوجاتا ہے؛ بلکہ بعض مواقع میں اجازت کے درجہ میں رہتا ہے۔ اور بعض مواقع میں واجب کے درجہ میں ہوجاتا ہے، اب ہر ایک کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

(۱) حرمت کا تعلق حقوق اللہ سے ہو اور جان کی حفاظت سے متعلق ہو

کوئی شخص بھوک و پیاس کی وجہ سے اس درجہ مجبور ہوجائے کہ اگر اشیاء محرمہ کا استعمال

نہیں کرے گا تو ہلاکت کا خطرہ ہے، مثلاً اگر اکل میتہ یا اکل خنزیر یا شرب خمر کو اختیار نہیں کرے گا، تو ہلاکت کا خطرہ ہے، تو ایسی صورت میں بقدر ضرورت مذکورہ اشیاء محرمہ کو اختیار کرکے جان کی حفاظت کر لینا واجب ہے۔ اور اگر اختیار نہ کرکے مر جائے گا تو سخت گنہگار ہوگا، اس کو امام ابوبکر جصاصؒ نے ''احکام القرآن'' میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

ولـذلک قال أصحابنا في من أكـره عـلـى أكـل الميتة فلم يأكلها حتى قتل كان عاصيا لله كـمن اضطر إلى ميتة بأن عدم غيرهـا مـن الـمأكولات فلم يـأكـل حتى مات كان عاصيا.

(أحكام القرآن جصاص ۱/ ۱۲۹)

اسی وجہ سے ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ جس شخص کو میتہ کھانے پر مجبور کیا گیا اور اس نے اس کو نہیں کھایا یہاں تک کہ جاں بحق ہوگیا، تو وہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہوگا، اس کی مثال ایسی ہے، جیسا کہ کوئی شخص خود میتہ کھانے پر مجبور ہوجائے، بایں طور کہ اس کے پاس بجز اس کے ماکولات میں سے کچھ بھی موجود نہ ہو۔ اور پھر بھی وہ میتہ نہ کھائے اور اسی حالت میں مر جائے تو وہ گنہگار ہوگا۔

اور امام علاء الدین بغدادیؒ نے ''تفسیر خازن'' کے اندر ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

مـن اضـطـر أكـل الـميتة فلم يأكل منها حتى مات دخل النار.

(تفسير خازن ۱/ ۱۰٦)

جو شخص میتہ کھانے پر مجبور ہوگیا اور اس کا استعمال نہیں کیا حتی کہ جاں بحق ہوگیا، تو وہ مستحق نار ہوگا۔

(۲) حرمت کا تعلق حقوق اللہ سے ہو اور ایمان وکفر سے متعلق ہو

ضرورت کی وجہ سے امر محرمہ کے اختیار کرنے میں حرمت کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، مگر ایمان وکفر سے متعلق ہے، مثلاً کسی شخص کو کلمہ کفریہ کے استعمال کرنے پر یا سبّ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قتل کے ذریعہ سے یا قطع اعضاء کے ذریعہ سے مجبور کیا جائے، تو کلمۂ کفریہ یا سبّ نبی

کو اختیار کر کے جان کی حفاظت کر لینا جائز تو ہے، مگر واجب نہیں ہے، نیز اگر ایسی حالت میں کلمۂ کفریہ اور سبّ نبی کو زبان پر جاری کئے بغیر جان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے، تو گنہگار نہ ہوگا؛ بلکہ عند اللہ اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔ اس کو "فتاوی عالمگیری" کے اندر ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وإن أكره على الكفر بالله تعالىٰ أو على سب النبي ﷺ بقتل، أو قطع رخص له إظهار كلمة الكفر والسب، فإن أظهر ذلك وقلبه مطمئن بالإيمان فلا يأثم، وإن صبر حتى قتل كان مثابا. (هندية، كراچی ٥/ ٣٨، هندية جديد اتحاد، الباب الثاني ٥/ ٤٧)

اور اگر کلمۂ کفریہ یا نبی صلی اللہ علیہ کو گالی دینے پر بذریعہ قتل یا قطع اعضاء مجبور کیا گیا، تو اس کو کلمۂ کفر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی کا اظہار (زبان کے ذریعہ) کرنے کی اجازت ہے، چنانچہ اگر اس نے ان چیزوں کا اظہار کر دیا؛ حالانکہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے، تو گنہگار نہیں ہوگا۔ اور اگر اس نے برداشت کر لیا یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا، تو ثواب کا مستحق ہوگا۔

(۳) حرمت کا تعلق حقوق العباد میں سے حقوق مالی کے ساتھ ہو

اضطراری ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے شئ محرم کے اختیار کرنے میں حرمت کا تعلق حقوق العباد میں سے حقوق مالیہ کے ساتھ ہو، مثلاً اگر اپنے پاس جان بچانے کے لئے کوئی چیز کھانے کو نہیں ہے اور غیر کا مال موجود ہے، تو ایسی صورت میں غیر کا مال استعمال کر کے اپنی جان کی حفاظت کر لینے کی اجازت ہے، واجب نہیں ہے، اسی طریقہ سے دوسرا آدمی غیر کے مال کو ہلاک کرنے پر قتل کے ذریعہ سے دھمکی دے رہا ہے، تو غیر کے مال کو تلف کر کے اپنی جان کی حفاظت کر لینا جائز ہے، واجب نہیں؛ لہٰذا اگر غیر کا مال تلف نہ کر کے ہلاکت اور قتل کی مشقت پر صبر کرتے ہوئے مر جاتا ہے، تو عند اللہ مستحق اجر ہوگا۔ اور اگر غیر کے مال کو تلف

کر کے جان کی حفاظت کرلیتا ہے، تو تلف شدہ مال کا تاوان ادا کرنا ظالم پر لازم ہوگا، اس پر نہیں ہوگا، اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

ورخص له إتلاف مال مسلم بقتل أو قطع ويوجر له لو صبر وضمن مال رب المال المكره. (درمختار على الشامي، كراچی ٦/ ١٣٥، زكريا ديوبند ٩/ ١٨٦)

اور اس کے لئے مسلمان کا مال تلف کردینا جائز ہے، جب کہ قتل یا قطع کے ذریعہ سے مجبور کیا جائے اور اگر صبر کرلے تو مستحق اجر ہوگا اور اس ظالم پر مسلمان کے مال کا تاوان ادا کرنا بعد میں لازم ہوگا۔

(۴) حرمت کا تعلق حقوق العباد میں سے حقوق جانی کے ساتھ ہو

اضطراری ضرورت کی وجہ سے امر حرام کے اختیار کرنے میں حرمت کا تعلق حقوق العباد میں سے حقوق جانی کے ساتھ ہو، مثلاً غیر کو قتل کرنے پر قتل کے ذریعہ مجبور کیا جائے، یا قطع اعضاء کے ذریعہ سے مجبور کیا جائے، تو ایسی صورت میں غیر کو قتل کر کے اپنی جان بچانا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ اپنی جان مارے جانے کے مقابلہ میں غیر کی جان مارنے میں فساد وبگاڑ زیادہ ہے، اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

لو أكره على قتل غيره بقتل لا يرخص له، فإن قتله أثم؛ لأن مفسدة قتل نفسه أخف من مفسدة قتل غيره. (الأشباه والنظائر قديم ١/ ١١٩)

اگر کوئی شخص قتل کے ذریعہ غیر کے قتل پر مجبور کیا جائے، تو اس کو اس کی اجازت نہیں، چنانچہ اگر اس نے غیر کو قتل کردیا تو گنہگار ہوگا؛ کیوں کہ اپنی ذات کے قتل کرنے کا مفسدہ غیر کے قتل کرنے کے مفسدہ سے آسان اور ہلکا ہے۔

اور اس کو علامہ زین الدین ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ نے ''البحر الرائق'' میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

ولو أكره على قتل غيره من

اور اگر دوسرے کے قتل پر بذریعہ قتل مجبور کیا

قتل لا يرخص له لإحياء نفسه. (البحرالرائق، کوئٹه ۸/ ۷٤، زکریا دیو بند ۸/ ۱۳٤)

گیا تو اس کے لئے اپنی جان بچانے کی خاطر اس کی اجازت نہیں ہوگی۔

(۵) ضرورت کی تاثیر نفی گناہ کی حد تک ہے یا رفع حرمت تک؟

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ضرورت کی وجہ سے امرِ حرام کا اختیار کرنا جائز ہے، تو کیا ضرورت شدیدہ کی وجہ سے امر حرام میں سے حرمت مرتفع ہوکر حلت آجاتی ہے، یا حرمت بحالہ باقی رہتی ہے؟ اور صرف اس کے استعمال میں گناہ مرتفع ہوجاتا ہے، تو اس سلسلے میں اساطین علماء کے دو فریق ہوگئے ہیں:

فریق اول: صاحب تفسیر احمدی، صاحب تفسیر کبیر، صاحب روح المعانی، صاحب تفسیر ابن کثیر، صاحب تفسیر خازن، صاحب البحر الرائق، صاحب عنایہ اور علامہ شامی وغیرہ رحمہم اللہ زوالِ حرمت کے قائل ہیں۔ اوران حضرات نے اپنی اپنی کتابوں میں اس قسم کی عبارتیں نقل فرمائی ہیں:

يرتفع الحرمة أصلا حتى لو صبر ومات يموت آثما. الخ (تفسير أحمدية ٤/ ٣٠، ١/ ٤٠)

اور حرمت بالکلیہ مرتفع ہوجاتی ہے، یہاں تک کہ اگر صبر سے کام لے اور جاں بحق ہوجائے تو حالت گناہ میں موت واقع ہوگی۔

لأن هذه الأشياء مستثناة عن الحرمة في حال الضرورة، والاستثناء عن الحرمة حل. (شامي، كراچی ٦/ ١٣٤، زكريا ديو بند ٩/ ١٨٤، تفسير كبير ٢/ ١٢٦، شيخ زاده ١/ ٤٨، روح المعاني ٢/ ٤٢، تفسير ابن كثير ١/ ٢٢، تفسير خازن ١/ ١٠٦، البحرالرائق، كوئٹه ٨/ ٧٢، زكريا ديوبند ٨/ ١٣٢، عناية على فتح القدير ٩/ ٢٤٠)

اس لئے کہ یہ تمام چیزیں بوقت ضرورت حرمت سے مستثنیٰ ہیں اور حرمت سے استثناء شدہ شئ حلال ہوتی ہے۔

فریق ثانی: صاحب التفسیر الوسیط، صاحب تفسیر عزیزی، ترجمہ شیخ الہند، تفسیر معارف القرآن، تفسیر حقانی، روائع البیان وغیرہ میں رفع حرمت کا انکار کیا ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ بقائے حرمت کے ساتھ ساتھ صرف رفع گناہ ہے، حرمت زائل نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے کہ حلال وحرام کا قانون مکمل ہو چکا ہے، اس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا۔

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيْدِ. [سورة ق: ۲۹]

مگر جو شخص اضطراری حالت میں مبتلا ہو جائے تو اس کو حرام چیز کے استعمال کی اجازت دی ہے، مگر وہ چیز اپنی جگہ حرام ہی رہتی ہے۔ اور استعمال کرنے والا خدا کے نزدیک صرف مجرم نہیں ٹھہرے گا، اس مضمون کو ان حضرات نے اس قسم کی عبارات سے واضح فرمایا ہے:

بأن الحرمة باقية إلا أنه تعالیٰ أسقط الإثم عن المضطر وغفر له لإضطراره. (التفسير الوسيط ۳/ ۲٦٤، تفسير عزيزي ۱/ ٦١٢، ترجمة شيخ الهند، ص: ۱٤۱، معارف القرآن ۱/ ۳٦۹، تفسير حقاني ۳/ ٢٦، روائع البيان ۱/ ۱٥٦)

حرمت علی حالہٖ باقی ہے؛ البتہ خدائے عزوجل نے مضطر سے گناہ ساقط فرما دیا ہے اور بوجہ اضطرار حرمت کے اختیار کرنے کو معاف فرمایا ہے۔

(٦) کیا ضرورت پر مبنی احکام قانون شرعی سے مستثنیٰ ہوتے ہیں؟

جو امور قواعدِ شرعیہ اور قانونِ شرعی کی روشنی میں حرام اور ناجائز ہیں، اور ان کا اختیار کرنا شرعی طور پر جائز نہیں ہے، مگر ضرورتِ شدیدہ کی وجہ سے ان امور کا بقدر ضرورت وقتی طور پر اختیار کر لینا بالاتفاق جائز ہے؛ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ضرورت کی وجہ سے جو امر حرام اختیار کرنا مباح ہو جاتا ہے، یہ قواعدِ شرعیہ سے استثنائی حکم کی حیثیت رکھتا ہے یا خود یہ حکم بھی قواعد شرعیہ کے دائرہ میں داخل ہوتا ہے؟ تو اس سلسلے میں رفع حرمت اور بقائے حرمت سے متعلق جو دو فریق اوپر بیان کئے گئے ہیں، وہی دو فریق یہاں بھی ثابت ہوں گے، چنانچہ جو لوگ یہ کہتے ہیں حرمت مرتفع ہو جاتی ہے، ان کے نزدیک ضرورت پر مبنی حکم قواعد شرعیہ کے دائرہ میں داخل ہے۔ اور وہ لوگ سورہ بقرہ کی آیت کریمہ:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةَ وَالدَّمَ وَلَحۡمَ الۡخِنۡزِيۡرِ وَمَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيۡرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَيۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ. [البقرة: ۱۷۳]

سے استدلال کرتے ہیں۔ اور جو لوگ ارتفاع حرمت کے قائل نہیں ہیں؛ بلکہ بقائے حرمت کے قائل ہیں، وہ لوگ ضرورت پر مبنی احکام کو قواعد شرعیہ کے دائرہ سے خارج اور مستثنیٰ مانتے ہیں۔ اور یہ لوگ استدلال میں سورۂ انعام کی آیت کریمہ:

وَمَا لَكُمۡ اَلَّا تَاۡكُلُوۡا مِمَّا ذُكِرَ اسۡمُ اللّٰهِ عَلَيۡهِ وَقَدۡ فَصَّلَ لَكُمۡ مَّا حَرَّمَ عَلَيۡكُمۡ اِلَّا مَا اضۡطُرِرۡتُمۡ اِلَيۡهِ. [الأنعام: ۱۱۹] کو پیش کرتے ہیں۔

بہر حال ان لوگوں کی بات زیادہ وزنی معلوم ہوتی ہے، جنہوں نے ضرورت پر مبنی احکام کو قواعد شرعیہ سے استثنائی احکام قرار دیا ہے۔ ترجمہ شیخ الہند کے حاشیہ پر حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بہت واضح انداز سے نقل فرمایا ہے اور علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

> ''یعنی حلال وحرام کا قانون تو مکمل ہو چکا، اس میں اب تغیر اور تبدل نہیں ہوسکتا؛ البتہ مضطر جو بھوک پیاس کی شدت سے بیتاب اور لاچار ہو، وہ اگر حرام چیز کھا پی کر جان بچالے بشرطیکہ مقدار ضرورت سے تجاوز نہ کرے اور لذت مقصود نہ ہو (غیر باغ ولا عاد) تو حق تعالیٰ ان کے تناول محرم کو اپنی بخشش اور مہربانی سے معاف فرما دے گا، گویا وہ چیز تو حرام ہی رہی، مگر اسے کھا پی کر جان بچانے والا خدا کے نزدیک مجرم نہ رہا، یہ بھی تمام نعمت کا ایک شعبہ ہے''۔ (ترجمہ شیخ الہند، ص:۱۴۲)

اور حضرات فقہاء نے بعض امور میں قواعد شرعیہ سے مستثنیٰ تسلیم کیا ہے۔ اور بعض امور میں مستثنیٰ تسلیم نہیں کیا ہے، جو ''البحر الرائق'' اور شامی کی عبارت سے واضح ہوسکتا ہے۔
(البحر الرائق، کوئٹہ ۸/۷۳، زکریا دیوبند ۸/۱۳۳، شامی کراچی ۶/۱۳۵، زکریا دیوبند ۹/۱۸۵)

(۷) ضرورت کی تاثیر تمام محرمات میں ہوتی ہے یا چند ابواب میں؟

ضرورت کا تعلق تمام محرمات میں نہیں ہوتا؛ بلکہ بعض محرمات میں ہوتا ہے، مثال کے طور پر حالت مخمصہ میں اکل میتۃ، اکل خنزیر اور شرب خمر میں ضرورت کی تاثیر ہوتی ہے، اسی طریقہ سے قتل کے ذریعہ سے مذکورہ اشیاء کے کھانے پر مجبور کیا جائے یا کلمہ کفریہ زبان پر جاری کرنے اور سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مجبور کیا جائے تو ضرورت کی تاثیر ان میں بھی ہو جاتی ہے؛ لیکن اگر قتل کے ذریعہ سے غیر کو قتل کرنے پر مجبور کیا جائے گا، تو ضرورت غیر کے قتل کی حلت پر اثر نہیں کرے گی، جیسا کہ اضطراری ضرورت کے اقسام کے تحت قسم نمبر ۴ر میں مثالوں سے واضح کیا جاچکا ہے۔

(۲) ضرورت اور حاجت کا فرق

اس وقت ہمارے سامنے معرکۃ الآراء مسئلہ یہی ہے کہ قطعی حرام شئ کو مباح قرار دینے کے لئے علت اور سبب کے مقام میں حضرات فقہاء جس طرح لفظ ضرورت کو استعمال کرتے ہیں اور عند الضرورت یا للضرورۃ جیسے الفاظ استعمال فرماتے ہیں، اسی طرح جو امر مکروہ تحریمی ہوتا ہے یا اس کی حرمت میں اختلاف ہوتا ہے، اس کی اباحت کے مقام میں بھی لفظ ضرورت سے علت اباحت بیان فرماتے ہیں؛ اس لئے یہ مقام نہایت اہمیت کا حامل ہے، ظاہر بات ہے کہ دونوں ضرورتیں یکساں نہیں ہوسکتیں؛ بلکہ اول الذکر ضرورت بمعنی اضطرار اور مؤخر الذکر ضرورت بمعنی حاجت ہی ہوسکتی ہے۔ اس لئے ضرورت کی ان دونوں قسموں کے درمیان جو فرق ہے، اس کو نصوصِ شرعیہ اور مثالوں سے خوب اچھی طرح واضح کرنے کی ضرورت ہے۔ اور ہم ان دونوں کے فرق کو واضح کرنے کے لئے سب سے پہلے نصوصِ شرعیہ کے اقسامِ اربعہ سے متعلق اس عبارت کو نقل کریں گے، جس کو اس رسالہ کے شروع میں اقسامِ نصوص کے تحت نقل کیا جاچکا ہے۔

اس کے بعد مزید چھ اصولوں سے فرق ثابت کریں گے، پھر الگ الگ مثالوں کے ذریعہ ہرایک کوواضح کریں گے۔عبارت حسب ذیل ہے:

إن الأدلة السمعية أربعة: الأول: قطعي الثبوت والدلالة، كنصوص القرآن والمفسرة أو المحكمة، والسنة المتواترة التي مفهومها قعطي، والثاني: قطعي الثبوت ظني الدلالة، كالآيات المؤولة الثالث عكسه كأخبار الآحاد التي مفهومها قطعي، الرابع ظنيهما كأخبار الآحاد التي مفهومها، فبالأول يثبت الافتراض والتحريم، وبالثاني والثالث: الإيجاب وكراهة التحريم، وبالرابع: تثبت السنية والاستحباب. (شامي، كراچی ١/ ٩٥، زكريا ١/٢٠٧، كراچی ٦/ ٣٣٧، زكريا ٩/ ٤٨٧)

ادلۂ سمعیہ چار ہیں: (۱) قطعی الثبوت قطعی الدلالت، جیسا کہ قرآن کریم کی نصوص مفسرہ اور نصوص محکمہ اور وہ احادیث متواترہ جن کا مفہوم قطعی ہو۔ (۲) قطعی الثبوت ظنی الدلالت، جیسا کہ وہ آیات قرآنیہ جن میں تاویل کی گنجائش ہوتی ہے۔ (۳) اس کے برعکس ہے، وہ اخبارا حاد جن کی دلالت قطعی ہونے کی وجہ سے تاویل کی گنجائش نہ ہو۔ (۴) ظنی الثبوت ظنی الدلالت، جیسا کہ وہ اخبار آحاد جن کا مفہوم ظنی ہونے کی وجہ سے تاویل کی گنجائش ہو، اول سے فرضیت اور حرمت ثابت ہوتی ہے، ثانی اور ثالث سے واجب اور کراہت تحریمی ثابت ہوتی ہے۔ اور رابع سے سنت یا مستحب ثابت ہوتا ہے۔

اب اس عبارت پر غور کیجئے تو نصوصِ شرعیہ چار قسموں پر نظر آئیں گی:

(۱) قطعی الثبوت قطعی الدلالت (۲) قطعی الثبوت ظنی الدلالت (۳) ظنی الثبوت قطعی الدلالت (۴) ظنی الثبوت ظنی الدلالت۔

ان چاروں میں سے قسم اول: وہ ہے جس کا ثبوت قرآن پاک یا حدیث متواتر سے ہوتا ہے۔ اور اس میں تاویل کی گنجائش بھی نہیں ہوتی۔ اور قسم ثانی: وہ ہے جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہوتا ہے، مگر اس میں تاویل کی بھی گنجائش ہوتی ہے۔ اور قسم ثالث: وہ ہے جس کا ثبوت حدیث مشہور یا خبر واحد سے ہوتا ہے اور اس میں تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی۔ قسم رابع: وہ ہے جس کا ثبوت خبر واحد سے ہوتا ہے اور اس میں تاویل کی بھی گنجائش ہوتی ہے۔ اور قسم اول سے فرض یا حرام کا ثبوت ہوتا ہے۔ اسی کو ’’فبالأول يثبت الافتراض والتحريم‘‘ کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔ قسم ثانی اور قسم ثالث سے واجب یا کراہت تحریمی کا ثبوت ہوتا ہے، اسی کو ’’وبالثاني والثالث: الإيجاب وكراهة التحريم‘‘ سے ذکر فرمایا ہے۔ قسم رابع سے سنت اور مستحب یا کراہت تنزیہی اور خلاف اولیٰ کا ثبوت ہوتا ہے، اسی کو ’’وبالرابع: تثبت السنية والاستحباب‘‘ سے ذکر فرمایا ہے۔ اس تفصیل سے واضح ہو چکا ہے کہ حرام کے ثبوت کے لئے ایسی آیت قرآنی یا خبر متواتر کا ہونا لازم ہے، جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو؛ لہٰذا جو حکم قرآن کریم سے ثابت ہو، مگر آیت قرآنی میں تاویل کی گنجائش بھی ہو، یا حدیث غیر متواتر سے ثابت ہے یا حدیث متواتر سے ثابت ہو، مگر اس میں تاویل کی گنجائش بھی ہو، تو اس سے حرام کا ثبوت نہیں ہوسکتا؛ بلکہ مکروہ تحریمی ہی کا ثبوت ہوسکتا ہے، بالفرض اگر کوئی مجتہد اس کو حرام کہہ بھی دے گا، تو دوسرا مجتہد اس کے حرام ہونے کا انکار بھی کر دے گا۔ اور جس کی حرمت میں اختلاف ہوتا ہے، اس کے اوپر قطعی حرام ہونے کا حکم نہیں لگ سکتا۔

(۳) ضرورت وحاجت میں فرق کے لئے اصول ستہ

ضرورت اور حاجت کے درمیان فرق کو واضح کرنے کے لئے چھ اصولوں کا سمجھنا لازم ہے:

تحریم سے کراہتِ تحریمی مراد

اصول نمبر ۱: حضرت امام ابوحنیفہ اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمہم اللہ کے

نزدیک لفظ ''تحریم'' ہمیشہ اپنے معنی حقیقی (حرمت قطعیہ) کے لئے مستعمل نہیں ہوتا؛ بلکہ معنی مجازی یعنی مکروہ تحریمی کے لئے بھی کثرت سے استعمال ہوتا ہے، اس کو حضرات فقہاء نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

صحة إطلاق التحريم على قول كل من الإمام ومحمد على التجوز لا الحقيقة.

(تقریرات رافعي ٦/ ٣٠٥، شامي، کراچی ٦/ ٣٣٨، زکریا ٩/ ٤٨٨)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ دونوں میں سے ہر ایک کے قول میں لفظ تحریم کا اطلاق معنی مجازی (کراہت تحریمی) پر محمول ہوتا ہے، معنی حقیقی پر محمول نہیں ہوتا۔

دلیل ظنی کا حکم

اصول نمبر ۲: اگر کسی امر کی ممانعت دلیل قطعی یعنی آیت مفسرہ اور آیت محکمہ یا خبر متواتر سے ہوتی ہے، تو اس سے حرمت قطعی مراد ہوتی ہے۔ اور جب کسی امر کی ممانعت دلیل قطعی سے ثابت نہ ہو؛ بلکہ دلیل ظنی یعنی آیت غیر مفسرہ اور غیر محکمہ یا حدیث سے ثابت ہوتی ہے، تو اس سے مراد حرام نہیں ہوتا؛ بلکہ کراہت تحریمی مراد ہوتی ہے، اگرچہ اس کو حضرات فقہاء نے لفظ ''حرام'' یا ''تحریم'' سے ہی تعبیر کیوں نہ فرمایا ہو؛ لہٰذا جس کی ممانعت دلیل ظنی سے ثابت ہو اور فقہ کی کتابوں میں حرمت یا حرام یا تحریم کے الفاظ سے حکم بیان کیا گیا ہو، تو اس میں محض لفظ حرام اور تحریم کو دیکھ کر حرمت قطعی کا فیصلہ کر لینا مناسب نہیں ہے؛ بلکہ حرمت کی ایک قسم مکروہ تحریمی بھی تو ہے، جو حقیقت میں حرام نہیں ہے؛ بلکہ حرام سے قریب کا ایک حکم ہے۔ اسی کو فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

المنع عن الفعل بدليل قطعي حرام، وبظني مكروه تحريما.

(شامي، کراچی ٦/ ٣٣٨)

کسی فعل کی ممانعت جب دلیل قطعی سے ہوتی ہے، تو اس سے حرام مراد ہوتا ہے اور جب دلیل ظنی سے ہوتی ہے، تو اس سے مکروہ تحریمی مراد ہوتی ہے۔

لہٰذا خبر واحد یا خبر مشہور سے جب کسی امر کی ممانعت وارد ہوجائے، تو اس سے ہرگز حرام مراد نہیں ہوتا؛ بلکہ مکروہ تحریمی ہی مراد ہوتا ہے، اگرچہ فقہاء نے اس کو لفظ ''حرام'' سے تعبیر فرمایا ہو۔

مکروہ کے لئے لفظ ''حرام'' کا استعمال

اصول نمبر۳: کبھی مکروہ تحریمی کوحرام کی طرف نسبت کرتے ہوئے لفظ ''حرام'' سے تعبیر کردیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح واجب کو کبھی فرض کی طرف نسبت کرتے ہوئے لفظ ''فرض'' سے تعبیر کردیتے ہیں۔ اور مکروہ تحریمی حرام عملی ہوتی ہے، اعتقادی نہیں ہوتی اور واجب فرض عملی ہوتا ہے، اعتقادی نہیں ہوتا؛ اس لئے مکروہ تحریمی کو کبھی حرام سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی مکروہ سے، اسی طرح واجب کو کبھی فرض سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی واجب سے، اس لئے اکثر وبیشتر مکروہ تحریمی کو لفظ ''حرام'' اور واجب کو لفظ ''فرض'' سے بھی تعبیر کرتے ہیں، اسی کو فقہاء ان الفاظ سے واضح کرتے ہیں۔

فالمكروه تحريما نسبته إلى الحرام كنسبة الواجب إلى الفرض، فيثبت بما يثبت به الواجب يعني بظني الثبوت، ويأثم بارتكابه كما يأثم بترك الواجب. (درمختار کراچی ٦/ ٣٣٧، زکریا ٩/ ٤٨٧)

مکروہ تحریمی کی حرام کی طرف نسبت ایسی ہے، جیسے واجب کی نسبت فرض کی طرف ہوتی ہے؛ لہٰذا مکروہ تحریمی کا ثبوت اسی سے ہوگا جس سے واجب کا ثبوت ہوتا ہے، یعنی ظنی الثبوت دلیل سے، اور مکروہ تحریمی کے ارتکاب سے ایسا گناہ ہوگا جیسا کہ ترک واجب کی وجہ سے ہوتا ہے۔

نیز واجب کے لئے ''فرض'' کا لفظ اور فرض کے لئے ''واجب'' کا لفظ کتب فقہ میں کثرت کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تبیین الحقائق'' میں اس کو اس طرح نقل فرمایا ہے:

لأن الواجب فرض في حق العمل دون الاعتقاد. (تبیین الحقائق ۱/ ۱۶۹)

اس لئے کہ واجب عمل کے حق میں فرض ہے، اعتقاد کے لئے نہیں۔

اورعلامہ ابن عابدین شامیؒ نے ''ردالمحتار'' میں ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

إن استعمال الفرض فیما ثبت بظني والواجب فیما ثبت بقطعي شائع مستفیض، فلفظ الواجب یقع علی ما هو فرض علما وعملا کصلاۃ الفجر، وعلی ظني هو في قوۃ الفرض في العمل کالوتر. (شامي، کراچی ۱/ ۹۵، زکریا ۱/ ۲۰۷)

بے شک لفظ فرض کا استعمال ظنی الثبوت میں اور واجب کا استعمال قطعی الثبوت میں شائع ذائع ہے؛ لہٰذا لفظ واجب کبھی فرض عملی واعتقادی پر ہوتا ہے، جیسا کہ صلاۃ فجر اور دلیل ظنی میں واجب کا استعمال فرض کی جگہ میں صرف عمل کے حق میں ہے، جیسا کہ صلاۃ وتر۔

کراہت تحریمی کے لئے لفظ ''کراہت'' کا استعمال

اصول نمبر ۴: کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کراہت تحریمی کے لئے صرف لفظ کراہت بول دیتے ہیں۔ امام شمس الائمہ سرخسیؒ نے ''مبسوط سرخسی'' میں اکلِ خیل کی ممانعت کے تحت بحث کرتے ہوئے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کا ایک مکالمہ نقل فرمایا ہے کہ حضرت امام ابو یوسفؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے دریافت فرمایا کہ جب آپ کسی حکم کو لفظ کراہت سے تعبیر فرماتے ہیں تو اس سے آپ کی مراد کیا ہوتی ہے؟ تو حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میری مراد تحریم ہوتی ہے، یعنی مکروہ تحریمی مراد ہوتی ہے، اس کو امام شمس الائمہ سرخسیؒ نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

إن أبا یوسف قال لأبي حنیفة إذا قلت في شيء أکرهه، فما

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت

رأيك فيه؟ قال: التحريم. (مبسوط سرخسي ۱۱/ ۳۳۳، شامي كراچی ۶/ ۳۳۷، زكريا ۹/ ۴۸۷)

فرمایا کہ جب آپ کسی شئ میں یہ کہہ دیتے ہیں کہ میں مکروہ سمجھتا ہوں، تو اس سے آپ کی مراد کیا ہوتی ہے؟ تو امام صاحب نے فرمایا کہ میری مراد کراہت تحریمی ہوتی ہے۔

اصول نمبر ۵: **''أخف المفسدتين''** جب دو حکم نص قطعی سے ثابت ہو جائیں تو دونوں کی فرضیت مسلم ہے۔ اور دونوں میں سے کسی کو بھی ترک کر دینا امر مفسد ہے۔ اور اصول یہ ہے کہ جب اس طرح دو امر مفسد جمع ہو جائیں تو غلبہ مصلحت کی رعایت میں اخف مفسدہ کو برداشت کر کے اشد مفسدہ کو ترک کر دینے کا حکم ہے۔ اسی کو علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاشباہ والنظائر'' میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما. (الأشباه، ص: ۱۴۵)

جب دو امر مفسد کا آپس میں تعارض ہو جائے تو ایسی صورت میں ان دونوں میں سے اخف مفسد کا ارتکاب کر کے اعظم مفسد کو ترک کرنے کی رعایت کی جائے گی۔

اور علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری جگہ اس کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

لو كان أحدهما أعظم ضررا من الآخر، فإن الأشد يزال بالأخف. (الأشباه، ص: ۱۴۳)

اگر دو امر مفسد میں سے ایک کا ضرر دوسرے سے زیادہ بڑھا ہوا ہو، تو اخف ضرر کو برداشت کر کے اشد ضرر کو ختم کر دیا جاتا ہے۔

اور اس اصول کے تحت حضرات فقہاء نے بیشمار جزئیات کا استخراج فرمایا ہے، اس کے متعلق دو جزئیہ بطور نظیر ہم یہاں پر پیش کر رہے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر جھوٹ سے دور رہنے کا حکم فرمایا ہے، جیسا کہ ''سورۂ حج'' کی اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے:

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ. (الحج: ۳۰)

جھوٹی باتوں سے بچتے رہو۔

اس آیت کریمہ سے جھوٹ کا قطعی حرام ہونا واضح ہوگیا؛ لہٰذا جھوٹ بولنا بہت بڑا مفسدہ ہوگا۔ اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر قطعی طور پر اس حکم کی بھی تاکید فرمائی ہے کہ جب مسلمانوں کے دو فریق میں لڑائی جھگڑا اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو ان کے درمیان میں صلح کرادیا کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا . (الحجرات: ۹)

اور اگر دو فریق مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں ملاپ کرادو۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ . (الحجرات: ۱۰)

مسلمان تو سب بھائی ہیں؛ اس لئے اپنے دو بھائیوں میں اصلاح کردیا کرو۔

تیسری جگہ ارشاد فرمایا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ . (الأنفال: ۱)

اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو۔

ان تینوں آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دو فریق کے درمیان صلح کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور آیتِ زور میں جھوٹ سے دور رہنے کا حکم فرمایا ہے؛ لہٰذا جھوٹ بولنا بھی مفسدہ ہوگا۔ اور دو فریق کے درمیان صلح کرنے کی قدرت ہوتے ہوئے صلح نہ کرنا بھی مفسدہ ہے؛ لیکن صلح نہ کرنے کا مفسدہ جھوٹ کے مفسدہ سے بڑھا ہوا ہے؛ اس لئے دو فریق کے درمیان صلح کی مصلحت کی رعایت کے پیش نظر اگر جھوٹ کی ضرورت پیش آجائے تو جھوٹ بولنا جائز ہوجائے گا۔ اسی کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

الكذب مفسدة محرمة وهي متى تضمن جلب مصلحة تربوا عليه جاز كالكذب

جھوٹ مفسدہ محرمہ ہے۔ اور جب وہ ایسی مصلحت پر شامل ہوجائے جو جھوٹ سے بڑھا ہوا ہو، تو ایسی صورت میں وہ جائز ہوجاتا

للإصلاح بين الناس وعلى الزوجة لإصلاحها، وهذا النوع راجع إلى ارتكاب أخف المفسدتين في الحقيقة عامة كانت أو خاصة. (الأشباه، ص: ١٤٩)

ہے، مثلاً لوگوں کے مابین اصلاح کرنے کی غرض سے، اسی طرح بیوی کی اصلاح کی وجہ سے (تو جائز ہے) اور یہ قسم درحقیقت دو مفسدوں میں سے اخف کے ارتکاب کی طرف راجع ہے، خواہ عام ہو یا خاص۔

(۲) نماز کے اندر سترِ عورت شرط ہے۔ اور اس کا حکم قرآن سے ثابت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا بَنِيْ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ. (الأعراف: ٣١)

اے اولادِ آدم! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت (نماز کے لئے ہو یا طواف کے لئے) اپنا لباس پہن لیا کرو۔

اور اسی طرح نماز کے لئے استقبالِ قبلہ شرط ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ. (البقرة: ١٤٩)

اب سے اپنا چہرہ نماز میں مسجد حرام کی طرف کیا کیجئے۔

اور اسی طرح نماز کے لئے طہارتِ ثیاب بھی شرط ہے۔ اس کو اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ. (المدثر: ٤)

اپنے کپڑے کو پاک رکھئے۔

اسی طرح نماز کے لئے وضو بھی شرط ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے آیت وضو میں ارشاد فرمایا ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ. (المائدة: ٦)

اے ایمان والو! جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ۔

اور دوسری طرف نماز کو اپنے وقت میں پابندی کے ساتھ پڑھنے کا حکم فرمایا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ ''وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ'' کے الفاظ سے ارشاد فرمایا ہے؛ لہٰذا سترِ عورت، استقبالِ قبلہ اور طہارت کے بغیر نماز پڑھنا ایک مفسدہ ہے۔ اور نماز کو اپنے وقت میں نہ پڑھنا دوسرا مفسدہ ہے۔ اور ترکِ صلاۃ کا مفسدہ ترک شرائط کے مفسدہ سے بڑھا ہوا ہے؛ اس لئے ترکِ صلاۃ کے مفسدہ کی رعایت کرتے ہوئے ترک شرائط کے مفسدہ کو برداشت کر لیا جائے گا۔ اور مذکورہ شرائط میں سے کسی شرط کے فوت ہوجانے کی حالت میں بھی نماز پڑھنے کا حکم ہوگا، اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وقد تراعى المصلحة لغلبتها على المفسدة فمن ذلك الصلاة مع اختلال شرط من شروطها من الطهارة والستر والاستقبال، فإن في كل ذلك مفسدة لما فيه من الإخلال بجلال الله تعالى في أن لا يناجى إلا على أكمل الأحوال، ومتى تعذر عليه شيء من ذلك جازت الصلاة بدونه تقديما لمصلحة الصلاة على هذه المفسدة. (الأشباه، ص: ۱۴۸)

اور کبھی مفسدہ کے مقابلہ میں غلبۂ مصلحت کی رعایت کی جاتی ہے، چنانچہ اسی قبیل سے وہ نماز ہے جو اپنی شرائط مثلاً طہارت، ستر عورت، استقبال قبلہ میں سے کسی شرط کے مختل (مفقود) ہونے کے ساتھ پڑھی جائے تو اس میں عظمت خداوندی میں کوتاہی پیدا ہوجانے کی وجہ سے مفسدہ موجود ہے؛ کیوں کہ اللہ سے سرگوشی اور مناجات حالت کمال میں کی جاتی ہے، مگر جب ان شرائط میں سے کسی شرط کی ادائے گی متعذر ہوجائے تو اس شرط کے بغیر نماز جائز ہوجاتی ہے، اس شرط کے فوت ہوجانے کے مفسدہ پر مصلحت صلاۃ کو ترجیح دینے اور مقدم رکھنے کے لئے

اصول نمبر ۶: رکن اصلی اور رکن زائد

مامور بہ جو قطعی فرض ہوتا ہے، اس کے ارکان دو قسم کے ہوتے ہیں: (۱) رکن اصلی (۲) رکن زائد۔

رکن اصلی: کسی شئ کے رکنِ اصلی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس رکن کے بغیر شئ کا وجود ممکن نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر رکن اصلی پر قدرت نہ ہو تو ضرورت بمعنی اضطرار کی وجہ سے دلیل قطعی سے ثابت شدہ فرض بھی ساقط ہو جاتا ہے، اس کو فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

الركن الأصلي ما لا يسقط إلا بضرورة. (شامي كراچی ١/ ٤٤٦، زكريا ٢/ ١٣٣)

جیسا کہ نماز کے اندر رکوع اور سجدہ فی الجملہ ان کا وجود صحت صلاۃ کے لئے ہر حال میں لازم ہے، اگر اپنی ہیئت پر نہ ہو سکے، تو کم از کم اشارہ سے رکوع سجدہ ادا کر لینا لازم ہوتا ہے۔ اور اگر اشارہ کی بھی صلاحیت نہ رہے تو شئ کی فرضیت ہی ساقط ہو جاتی ہے؛ لہٰذا رکن اصلی کے ساقط ہونے سے اصل شئ کا بھی ساقط ہونا لازم آئے گا۔ اور ضرورت بمعنی اضطرار کی وجہ سے اصل فرضیت جو دلیل قطعی سے ثابت ہے، ساقط ہو جاتی ہے۔ صاحب ''تنویر الابصار'' نے اس کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وإن تعذر الإيماء برأسه سقط القضاء عنه. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كراچی ٢/ ٩٩، زكريا ٢/ ٥٧٠، هكذا في مراقي الفلاح ٢٣٦)

اور اگر سر سے اشارہ کرنا متعذر ہو جائے تو اس سے قضاء ساقط ہو جائے گی۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں اس کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

واعلم أن الشيء قد يجعل ركنا بسبب يشبه المذهب الطبيعي، وقد يجعل بسبب طارئ، فالأول أن تكون الطاعة لاتتقوم ولا تفيد فائدتها إلا به كالركوع والسجود في الصلاة والإمساك

اور تم جان لو کہ یقیناً بہت سی چیزیں کسی ایسے سبب کی وجہ سے رکن قرار پاتی ہیں، جو طبعی طریقہ کے مشابہ ہوتی ہیں اور کبھی سببِ عارضی کی وجہ سے رکن قرار پاتی ہے، تو پہلی قسم اس رکن کو کہا جاتا ہے، جس کے بغیر عبادت کا قیام اور فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا، مثلاً نماز میں رکوع اور سجود ہیں۔ اور روزہ میں کھانے

عن الأكل والشرب والجماع في الصوم. (حجة الله البالغة ١/ ٩٥)

پینے اور جماع سے رکے رہنا ہے

اب اس تفصیل سے واضح ہو چکا ہے کہ رکن اصلی اضطراری ضرورت کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے، مگر ضرورت بمعنی حاجت کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا۔

رکن زائد: کسی شئ کے رکن زائد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی عذر کی وجہ سے اگر ادا نہ کر سکے تو وہ رکن ساقط ہو جاتا ہے اور اصلی شئ اپنی جگہ صحیح ہو کر باقی رہ جاتی ہے۔ حضرات فقہاء نے اس کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

إن الركن الزائد ما يسقط في بعض الصور من غير تحقق ضرورة .

رکن زائد وہ ہے جو تحقق ضرورت کے بغیر بعض صورتوں میں ساقط ہو جائے۔

(شامي، كراچی ١/ ٤٤٦، زكريا ٢/ ٢٣٣)

مثال کے طور پر نماز میں قیام، قراءت، یہ سب ارکان زائد ہیں، ان کا حکم اگرچہ نص قرآنی سے ثابت ہے، مگر ان کے مفہوم میں تاویل کی گنجائش ہونے کی وجہ سے رکن اصلی نہیں ہیں؛ بلکہ رکن زائد ہی ہوں گے؛ کیوں کہ قرآن کریم سے جب کسی امر کی فرضیت ثابت ہوتی ہے، پھر حدیث غیر متواتر سے اس کی تخصیص کی جاتی ہے، تو اس کی قطعیت میں کمی ہو کر اس میں ظنیت آتی ہے؛ اس لئے بجائے رکن اصلی کے رکن زائد بن جاتا ہے۔ اور رکن زائد کبھی فرائض میں اضطراری ضرورت کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور نوافل میں بلا ضرورت اور بلا عذر ساقط ہو جاتا ہے، جیسا کہ نماز میں قیام کا حکم ہے۔ اور کبھی رکنیت کا فریضہ اپنے بدل اور ضامن کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، جیسا کہ جماعت کی نماز میں مقتدی سے فریضۂ قراءت امام کے ذمہ منتقل ہو جاتا ہے۔

من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة. الحديث (طحاوي شريف ١٢٨)

(۴) حاجت کی مثالیں اور مواقع استعمال

اس مقام پر اکثر مغالطہ ہوتا ہے کہ جب کسی کو حاجت کے درجہ کی ضرورت اور

مشقت پیش آجاتی ہے، تو ''**الضرورات تبیح المحظورات**'' کا اصول بتلا کر قطعی حرام چیز کو جائز اور مباح قرار دیا جاتا ہے، ماقبل کی تفصیلات سے واضح ہو چکا ہے کہ اضطراری ضرورت کے بغیر قطعی حرام امر کو مباح قرار دینا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ صرف کراہت تحریمی یا اس سے نیچے کے درجات کے امور کو مباح قرار دینے کی گنجائش ہو جاتی ہے، اس کو ہم سات مثالوں سے واضح کریں گے۔

ریشم کا حکم

مثال نمبر ۱: حریر اور ریشم کا پہننا مرد کے لئے ناجائز اور ممنوع ہے۔ اور دلیل ظنی یعنی حدیث شریف سے اس کی ممانعت ثابت ہے۔ اور دلیل ظنی سے جس کی حرمت یا ممانعت ثابت ہوتی ہے، اس سے کراہت تحریمی کا ثبوت ہوتا ہے، قطعی حرام کا ثبوت اس سے نہیں ہوتا ہے۔ اور ماقبل سے معلوم ہوگیا تھا کہ ضرورت بمعنی حاجت کی وجہ سے کراہت تحریمی کی حرمت وممانعت ساقط ہو جاتی ہے، مثال کے طور پر خارش اور کھجلی کی وجہ سے نہ جان کا خطرہ ہوتا ہے اور نہ ہی اعضا کی ہلاکت کا؛ البتہ صرف پریشانی اور مشقت سے دوچار ہونا پڑتا ہے، مگر اس سے حفاظت کے لئے حریر اور ریشم کا استعمال مرد کے لئے جائز اور مباح ہو جائے گا، اس کو حدیث شریف میں ان الفاظ سے نقل فرمایا گیا ہے:

عن أنس –رضي الله عنه– أن الزبير وعبدالرحمن بن عوف شكوا إلى رسول الله ﷺ القمل فرخص لهما في قميص الحرير في غزاة لهما. (طحاوي شريف ١/ ٦٥)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت زبیر اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جوں کی شکایت کی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں حضرات کو اپنے غزوہ میں ریشمی قمیص پہننے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

فلا بأس به؛ لأن ذلك دواء

چنانچہ اس کے استعمال میں کوئی حرج کی بات

كما أباح رسول الله صلى الله عليه وسلم للزبير بن العوام وعبدالرحمن بن عوف لبس الحرير من الحكة التي كانت بهما كذلك عصائب الحرير إن كانت علاجا للجرح. (طحاوي شريف ٢/ ٣٤٩)

نہیں؛ کیوں کہ یہ دواءً تھا جس طرح سے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کھجلی کے مرض میں مبتلا ہوگئے تھے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں حضرات کو ریشمی کپڑے استعمال کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی، اسی طرح ریشمی کپڑے سے علاج کے طریقہ پر پٹی وغیرہ باندھنا بھی جائز اور درست ہے۔

وإن لم يكن علاجا (إلى قوله) فهي مكروهة. (طحاوي ٢/ ٢٤٩)

لیکن اگر بلا علاج وغیرہ کے استعمال کرے تو یہ مکروہ ہوگا۔

وإنما يكره اللبس إذا لم تقع الحاجة في لبس فلو كان به جرب أو حكة كثيرا ولا يجد غيره لا يكره لبسه. (البحرالرائق كوئٹه ٨/ ١٩٠، زكريا ٩/ ٣٤٩)

اور یقیناً ریشمی لباس بغیر کسی ضرورت کے مکروہ ہے، چنانچہ اگر کسی کو کھجلی وغیرہ بہت زیادہ لاحق ہو اور دیگر مباح چیزیں اس کے دفعیہ کے لئے موجود نہ ہوں، تو ایسے شخص کے لئے ریشمی کپڑا پہننا درست ہے۔

مثال نمبر۲: محرم کا حلق رأس

حالت احرام میں حلق رأس ناجائز اور ممنوع ہے۔ اور حلق یا قصر نہ کرنا واجب ہے، یہ حکم دلیل ظنی سے ثابت ہے؛ لیکن اگر کسی کے سر میں جوں پڑ جائے، تو ہلاکت کا تو خطرہ نہیں ہے، مگر حاجت کے درجہ کی مشقت ہے۔ اور اس قسم کی مشقت سے حفاظت کے لئے حلق رأس کی اجازت ہو جاتی ہے؛ اس لئے کہ دلیل ظنی سے ثابت ہونے کی وجہ سے حلق رأس قطعی حرام نہیں ہے؛ بلکہ حرام سے قریب کراہت تحریمی ہے، مسند امام احمد بن حنبل، مسلم شریف، ترمذی، نسائی شریف میں اس کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

عن كعب بن عجرة –رضي الله عنه– أنه كان مع النبي ﷺ، فأذاه القمل في رأسه، فأمره رسول الله أن يحلق رأسه.

(مسند إمام أحمد بن حنبل ٤/ ٢٤١، نسائي ٢/ ٢٧، مسلم ١/ ٣٨٢، ترمذي ١/ ١٩٠، تفسير خازن ١/ ١٢٧، أحكام القرآن للجصاص ١/ ٢٨١)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، تو ان کے سر میں جوں نے اذیت رسائی شروع کردی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سر منڈانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔

مثال نمبر۳: سونے کا استعمال

مرد کے لئے سونے کا استعمال ناجائز اور ممنوع ہے۔ اور یہ دلیل ظنی (حدیث) سے ثابت ہے۔ اور جہاں جہاں سونے کے استعمال کی ممانعت کو حرام یا تحریم کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے، وہاں پر حرام سے قریب کراہت تحریمی مراد ہے؛ اس لئے ضرورت بمعنی حاجت کی وجہ سے سونے کا استعمال مرد کے لئے بقدر ضرورت جائز ہوجائے گا، مثال کے طور پر کسی کے اعضا میں سے کوئی عضو کٹ جائے اور اس میں پلاسٹک یا چاندی کا عضو لگوانے سے بدبو آتی ہے اور سونے سے نہیں آتی ہے، تو سونے کا عضو لگوانے میں اضطراری ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ ضرورت بمعنی حاجت ہی ہوسکتی ہے، مگر ممانعت دلیل قطعی سے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے ایسے حالات میں سونے کا عضو لگوانے کی گنجائش ہوجاتی ہے، جیسا کہ ترمذی، ابوداؤد، نسائی، طحاوی وغیرہ کتب میں حضرت عرفجہ بن اسعد رضی اللہ عنہ کی ناک جنگ کلاب میں کٹ گئی تھی اور انہوں نے چاندی کی ناک لگوائی، مگر اس سے بدبو آنے لگی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی ناک لگوانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

عن عرفجة بن أسعد أصيب أنفه يوم الكلاب في الجاهلية فاتخذ أنفا من ورق، فانتن

حضرت عرفجہ بن اسعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ عہد جاہلیت میں جنگ کلاب کے موقع پر ان کی ناک کٹ گئی، تو انہوں نے

علیہ، فأمرہ النبي ﷺ أن یتخذ أنفا من ذھب. (مسند إمام أحمد بن حنبل ٤/ ١٤٢، ٥/ ٢٣، ترمذي ١/ ٣٠٦، أبوداؤد ١/ ٥٨١، نسائي ٢/ ٢٨٥، طحاوي ٢/ ٣٤٩، نصب الرأیة ٤/ ٢٣٥، شامي، کراچی ٦/ ٣٦٢، هدایة ٤/ ٤٤١، زیلعي ٦/ ١٦، بدائع ٥/ ١٣٢)

چاندی کی ناک بنوالی؛ لیکن اس میں بدبو پیدا ہوگئی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی ناک بنوانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

مثال نمبر۴: ہدی کے جانور پر سوار ہونا

ہدی کے جانور پر سوار ہونا ممنوع اور ناجائز ہے۔ اور یہ ممانعت دلیل ظنی (حدیث) سے ثابت ہے؛ لہٰذا سوار ہونا قطعی حرام نہ ہوگا؛ بلکہ کراہت تحریمی ہی ہوسکتی ہے؛ لہٰذا پیدل چلنے میں اگر مشقت پیش آجائے جو کہ ضرورت بمعنی حاجت کے درجہ میں ہے، تو اس کی وجہ سے سوار ہوجانے کی اجازت ہوجائے گی، اس کو حدیث شریف میں ان الفاظ سے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

عن أنس رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى رجلا یسوق بدنة وقد جهده المشي، قال: إرکبها، قال: إنها بدنة، قال: إرکبها، وإن کانت بدنة. (نسائي ٢/ ٢٢)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اس حالت میں ہدی کا جانور لے جاتے ہوئے دیکھا کہ وہ شخص پیادہ چلنے کی وجہ سے بالکل تھک چکا تھا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس پر سوار ہوجاؤ، تو اس شخص نے جواب دیا (حضرت) یہ ہدی کا جانور ہے۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ) فرمایا کہ اگرچہ یہ ہدی کا جانور ہے اس پر سوار ہوجاؤ۔

إن هذا حکم الهدي من طریق الآثار ترکب للضرورات

یقیناً بطریق نظر ہدی کے اس حکم سے یہ پتہ چلا کہ ضرورت کے وقت سوار ہوا جاسکتا ہے اور

وتترک لارتفاع الضرورات. (نسائي ۲/ ۲۲، طحاوي ۱/ ۳۸۳) ضرورت کے ختم ہوجانے سے چھوڑ دیا جائیگا (یعنی سواری کوکام میں نہیں لایا جائیگا)

مثال نمبر ۵: تصویر کا حکم

حدیث تصویر: ''أشد الناس عذابا یوم القیامة المصورون'' (جواهر الفقه، زکریا ۷/ ۱۸۹، مشکوة ۲/ ۳۸۵، بخاري شریف ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱۷، مسلم ۲/ ۲۰۱)

اس کے بارے میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے یہ ثابت فرمایا کہ یہ حدیث شریف تواتر اسانید سے ثابت ہے۔ اورانہوں نے تصویر سے متعلق اکتیس روایات نقل فرمائی ہیں، جن میں سے بیس روایات تصویر کشی کی حرمت سے متعلق ہیں؛ لہٰذا اگر اس حدیث شریف کے متواتر ہونے کی بات ثابت ہوجاتی ہے، تو یہ حدیث شریف قطعی الثبوت ہوگی، اب اس کی دلالت سے متعلق غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس کی دلالت قطعی ہے یا ظنی؟ نیز کس قسم کی تصویر میں قطعی اور کس قسم میں ظنی ہے، تو حضرت مفتی صاحب موصوف قدس سرہ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی دلالت اور مفہوم بھی قطعی ہے، تو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تصویر کشی مطلقاً حرام ہوگی؛ لہٰذا اس کی اباحت کے لئے اضطراری ضرورت کا ثبوت بھی لازم ہوگا، اس کے بغیر محض حاجت کی وجہ سے تصویر بنانا یا بنوانا ہرگز جائز نہیں ہوگا۔ اور حضرت مفتی صاحب موصوف نے ''جواہر الفقہ'' میں اسی کو ثابت فرمایا ہے۔ (جواہر الفقہ، زکریا ۷/ ۱۸۹)

اب اس حدیث شریف کے مضمون کے بارے میں کچھ تفصیل کی ضرورت ہے کہ حدیث تصویر کے اندر جانوروں کا وہ مجسمہ جو ہاتھ سے یا اوزار سے بنایا جاتا ہے، اس کے مراد ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے؛ بلکہ تمام امت کا اتفاق اس بات پر ہے کہ حدیث تصویر میں مجسموں کی حرمت متعین ہے؛ لہٰذا جانوروں کے مجسموں کے متعلق حدیث شریف قطعی الدلالت اور قطعی الثبوت ہوگی؛ اس لئے مجسمہ بنانا یا بنوانا سب قطعی حرام ہوگا۔ اور حضرت

مفتی صاحب نے جو قطعی الدلالت ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے، اس سے اگر یہی مجسمہ کی تصویر مراد ہے، تو اس کی حرمت کے قطعی ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہوگا؛ لیکن علماء عرب کیمرے کی تصویر کی حرمت کو حدیث شریف کی قطعیت کے مفہوم سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قطعیت میں صرف مجسمہ اور تماثیل داخل ہے، کیمرے کی تصویر داخل نہیں ہے؛ اس لئے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں کیمرے کی تصویر کا وجود نہیں تھا؛ لہٰذا اس میں تاویل کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اور ایسی صورت میں حدیث شریف اگرچہ قطعی الثبوت ہے، مگر کیمرے کی تصویر کے حق میں اس کی دلالت ظنی ہونے کی وجہ سے اس میں حرمت قطعیہ کا ثبوت نہیں ہوتا؛ بلکہ حرام کے قریب کراہت تحریمی کا ثبوت ہوسکتا ہے جو کہ ضرورت بمعنی حاجت کی وجہ سے مباح ہوجاتی ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں اسکولوں، کالجوں، کمپنیوں، فرموں، سرکاری محکموں اور مدارس کے افراد کے لئے شناختی کارڈ وغیرہ کے لئے بھی تصویر کھنچوانا جائز اور مباح ہوجائے گا، نیز آج کل جو ملکی سطح پر وطنی تصدیق نامہ کے طور پر شناختی کارڈ بنانے کا سلسلہ جاری ہوا ہے، اس کے لئے بھی کیمرے کی تصویر بنانا بلاتردد جائز ہوگا۔ اور یہی توجیہ زیادہ صحیح اور راجح ہے۔ اور اس کی تفصیل آیت ربوا کی بحث کے تحت موجود ہے۔

مثال نمبر ۶: ران ستر عورت ہے

ران ستر عورت کے دائرہ میں داخل ہے اور کشفِ عورت کی ممانعت دلیل ظنی یعنی حدیث غیر متواتر سے ثابت ہے۔

عن علي قال: قال لي النبي صلى الله عليه وسلم: لا تبرز فخذک ولا تنظر فخذ حي ولا ميت. (ابن ماجة، ص: ۱۰۵، أبوداؤد شريف ۲/ ۹۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا کہ تم اپنی ران کو مت کھولو۔ اور مردہ زندہ کسی کی بھی ران کو مت دیکھو۔

اس لئے کشف عورت کی ممانعت کے لئے کتبِ فقہ میں لفظ ''حرام'' یا ''تحریم'' جو استعمال

ہوتا ہے، اس سے مراد حرام سے قریب کراہت تحریمی ہے۔ اور ضرورت بمعنی حاجت کی وجہ سے کراہت تحریمی کی قباحت ساقط ہوکر مباح ہو جاتی ہے؛ لہٰذا طبیب اور ڈاکٹر کے لئے بقدر ضرورت ستر میں سے مقام مرض کو دیکھنا جائز اور مباح ہوگا۔ اور اسی طرح اجنبیہ عورت کے ستر میں سے بھی بقدر ضرورت دیکھنا جائز ہوگا، اسی کو فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

والطبيب إنما ينظر من العورة بقدر الحاجة. (الأشباه: ۱٤۱)

اور معالج ستر کو بقدر ضرورت دیکھ سکتا ہے۔

مثال نمبر ۷: رشوت کا حکم

رشوت کی ممانعت دلیل ظنی یعنی حدیث غیر متواتر سے ثابت ہے کہ رشوت دینے والے اور لینے والے دونوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے؛ لہٰذا یہ ممانعت قطعی حرمت کے دائرہ میں داخل نہ ہوگی، البتہ حرام سے قریب کراہت تحریمی کے دائرہ میں داخل ہو جائے گی۔ اور ایسی حرمت ضرورت بمعنی حاجت کی وجہ سے ساقط ہوکر مباح ہو جاتی ہے۔ اور حدیث پاک میں اس کو ان الفاظ سے بیان فرمایا گیا ہے:

لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي. الحديث (أبوداؤد ۲/۱٤۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور لینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

اس حدیث سے واضح ہو چکا ہے کہ رشوت دینا لینا دونوں ناجائز ہیں۔ اور لینے والے کے حق میں ہمیشہ ہر حال میں ناجائز ہی رہے گی؛ اس لئے کہ اس کے لئے رشوت لینے میں کوئی عذر شدید درپیش نہیں ہے، ہاں البتہ دینے والے کے حق میں دفع ظلم کی وجہ سے رشوت دے کر ظلم کی مدافعت کر لینا جائز ہے۔ اس کو فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه، وماله

اپنی جان ومال سے دفع ظلم اور اپنے حق کی وصولیابی کی غرض سے ظالم بادشاہ کو مال دینا

ولاستخراج حق له ليس برشوة في حق الدافع. (شامي كراچی ٦/ ٤٢٣، زكريا ٩/ ٦٠٧) — دینے والے کے حق میں رشوت نہیں ہے۔

اس تفصیل سے یہ اصول سمجھ میں آجاتا ہے کہ رشوت دینا دونوں طرح سے ہوسکتا ہے۔(۱)جلبِ منفعت اورحصول منافع کے لئے (۲)دفعِ مضرت اوردفعِ ظلم کے لئے۔اور چونکہ جلبِ منفعت میں ایسی ضرورت درپیش نہیں ہوتی جس کی وجہ سے سخت مشقت اٹھانی پڑےاوردفع مضرت میں ایسی ضرورت درپیش ہوتی ہے،جس کی وجہ سےسخت مشقت کا شکار ہونا پڑتا ہے،اس لئے دفع ضرراور دفع ظلم کے لئے رشوت دیناجائز ہے،مگر جلب منفعت کے لئے دیناجائزنہیں ہے،اس کوحضرات فقہاءنے ان الفاظ سےنقل فرمایاہے:

المفاسد أولى من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسد غالبا. (الأشباه: ١٤٧) — مفاسدکی رعایت جلب مصالح کےمقابلہ میں اولیٰ ہوتی ہے۔اورجلبِ مفسدہ اور مصلحت میں تعارض ہوتو اکثر دفع مفسدہ کوترجیح دی جاتی ہے۔

بحث نمبر۳: مسئلہ عمومِ بلویٰ

مسئلہ عمومِ بلویٰ سےمتعلق پانچ باتیں عرض کرنی ہیں:(۱)عموم بلویٰ کی تعریف(۲) عمومِ بلویٰ کاحکم(۳)عمومِ بلویٰ کی وضاحتی مثالیں(۴)عرف اورعموم بلویٰ کا ضرورت سےکیاتعلق؟(۵)ضرورتِ عامہ اورخاصہ کا فرق۔

(۱)عمومِ بلویٰ کی تعریف

عمومِ بلویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی امرلوگوں کے درمیان معلومات یامعمولات کے اعتبار سےمشہوراورشائع وذائع ہوجائے اورلوگ اس امرکے اختیار کرنے میں مجبور

ہوجائیں۔ اوراسی وجہ سے حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کے درمیان کوئی امر متعارف اور معمول بہا ہوجائے اوراس امر کے اختیار کرنے میں عام لوگ مبتلا ہوجائیں تو ایسی صورت میں اگرکوئی خبر واحد اس امر کے خلاف وارد ہوجائے تو عموم بلویٰ کے مقابلہ میں حدیث کو معمول بہا قرارنہیں دیا جائے گا؛ بلکہ عام لوگوں کے مبتلا ہونے کی وجہ سے وہ امر موجب رخصت قرار پائے گا،اس کو صاحب ''لغۃ الفقہاء'' نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

عموم البلوى شيوع الأمر وانتشاره علما وعملا مع الإضطرار إليه، ومنه قول الحنفية حديث الآحاد لا يعمل به فيما تعم به البلوى (وقوله:) عموم البلوى موجب للرخصة. (لغة الفقهاء/ ١١٠)

عموم بلویٰ نام ہے کسی امر کے لوگوں کے ما بین علمی یا عملی اعتبار سے اس طرح شائع اور ذائع ہوجانے کا کہ لوگ اس کے اختیار کرنے پر مجبور ہوں۔ اوراسی سے حنفیہ کا قول ہے کہ خبر واحد پر ان چیزوں میں عمل نہیں کیا جائے گا جس میں عموم بلوی ہو۔اورعموم بلویٰ رخصت کو ثابت کرنے والا ہے۔

اوردوسری جگہ فرماتے ہیں کہ عموم بلویٰ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی امر ممنوع لوگوں کے درمیان اس طرح عام ہوجائے کہ اس سے اپنے آپ کی حفاظت اور کنارہ کشی اختیار کرنا آدمی کے لئے بہت مشکل اوردشوارکن ہوجائے۔

عموم البلوى شيوع المحضور شيوعا يعسر على المكلف معه تحاشيه. (لغة الفقهاء/ ٣٢٢)

عموم بلویٰ نام ہے: ممنوعات کے اس طرح شائع ذائع ہوجانے کا کہ اس کے عدم استعمال سے مکلّف دشواری وپریشانی میں مبتلا ہوجائے۔

(۲) عموم بلویٰ کا حکم

عموم بلویٰ کا شرعی حکم یہی ہے کہ جب کوئی امر محظور امت کے درمیان عام ہوجائے اوراس امر سے بچنا دشوار گذار ہوجائے اوراکثر وبیشتر لوگ اس امر میں مبتلا ہوجائیں،تو ایسی صورت میں اس میں تخفیف آجاتی ہے۔حضرات فقہاء نے اس کواس طرح واضح فرمایا ہے کہ

کوئی امر اپنی اصل کے اعتبار سے حرام ہو تو عموم بلویٰ کی وجہ سے اس کی حرمت ساقط ہو جاتی ہے۔ اور حکم میں تخفیف ہو کر کبھی کراہت تنزیہی کے درجہ میں آجاتی ہے، جیسا کہ بلی اقسام درندہ میں داخل ہونے کی وجہ سے اس کا گوشت اور لعاب دونوں نجس اور حرمت کے دائرہ میں داخل ہیں، مگر بلی کے جھوٹے سے حفاظت مشکل ہو جانے کی وجہ سے حکم میں تخفیف ہو کر سور ہرہ کراہت تنزیہی کے درجہ میں اتر جاتا ہے۔ اور کبھی عموم بلویٰ کی وجہ سے کراہت تنزیہی بھی باقی نہیں رہتی ہے؛ بلکہ بلا کراہت جائز اور مباح ہو جاتا ہے، جو آئندہ آنے والی مثالوں سے واضح ہو جائے گا۔ اور اگر اصل کے اعتبار سے وہ امر ممنوع اور حرمت کے دائرہ میں داخل ہے اور عام لوگ اس امر کے اختیار کرنے میں مبتلا اور مجبور نہیں ہیں، تو ایسی صورت میں اس کے حکم میں تخفیف نہیں ہوتی ہے۔ اور اس کی ممانعت اپنی جگہ بحالہ باقی رہتی ہے، جیسا کہ لحم حمار کہ اس کے کھانے میں عام لوگ مبتلا نہیں ہیں؛ اس لئے اس کی ممانعت اپنی جگہ بعینہ باقی رہے گی، اس کو فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وإن كان الأصل فيه الحرمة، فإن سقطت لعموم البلوى فتنزيه كسور الهرة وإلا فتحريم كلحم الحمار. (شامي، كراچی ٦/ ٣٣٦، زكريا ٩/ ٤٨٧)

اور اگر اصل کے اعتبار سے اس میں حرمت موجود ہو تو عموم بلویٰ کی وجہ سے ساقط ہو کر کراہت تنزیہی کے درجہ میں آجاتی ہے، جیسے بلی کا جھوٹا۔ اور اگر عموم بلویٰ نہ ہو تو علی حالہ حرام باقی رہتا ہے، جیسے گدھے کا گوشت۔

اور عموم بلویٰ کی وجہ سے امر محظور کو اختیار کرنے میں اگر کوئی خبر واحد معارض ہو جائے تو خبر واحد کو معمول بہا قرار نہ دے کر ابتلائے عام کی وجہ سے امر محظور کو اختیار کرنے کی اجازت ہو جاتی ہے۔ اور عموم بلویٰ موجب رخصت ہو جاتا ہے، اس کو صاحب ''لغۃ الفقہاء'' نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

ومنه قول الحنفية حديث الآحاد ولم يعمل به فيما تعم

اور اسی سے حنفیہ کا قول کہ: احادیث پر عموم بلویٰ کے مقام میں عمل نہیں کیا جائے گا۔ اور

به البلویٰ، وقولهم: عموم البلویٰ موجب للرخصة. (لغة الفقهاء، ۱۱۰)

ان کا قول: عمومِ بلویٰ موجب رخصت ہے۔

(۳) عموم بلویٰ کی وضاحتی مثالیں

مسائل عمومِ بلویٰ کو واضح کرنے کے لئے ہم یہاں بطورِ نظیر سات مثالیں پیش کرتے ہیں:

مثال نمبر ۱: غسالہ میت: میت کا غسالہ اپنی جگہ ناپاک ہے، مگر میت کو غسل دینے والے پر غسالہ میت کی چھینٹیں پڑ جاتی ہیں، اس کی وجہ سے غسل دینے والے کا بدن اور کپڑے عمومِ بلویٰ کی وجہ سے ناپاک نہیں ہوں گے، اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وما ترشش علی الغاسل من غسالة المیت مما لا یمکنه الامتناع عنه مادام في علاجه لا ینجسه لعموم البلوی. (شامي، کراچی ۱/ ۳۲۵، زکریا ۱/ ۵۳۲)

اور غسالہ میت سے غسل دینے والے پر جو چھینٹیں آ پڑتی ہیں، اس سے احتراز ممکن نہیں، چنانچہ جب تک وہ غسل وغیرہ دینے میں مشغول رہے گا، اس کی چھینٹیں عموم بلویٰ کی وجہ سے ناپاکی کا باعث نہیں بن سکتیں۔

مثال نمبر ۲: گوبر کی راکھ: گوبر اور انسان کی گندگی نجس ہے، وہ اگر جل کر راکھ ہو جائے تو اس کو پاک قرار دیا جاتا ہے؛ اس لئے کہ عام لوگوں میں گوبر کے اوپلے سے روٹی سینکنے کا رواج ہے۔ اور عامۃ المسلمین اس میں مبتلا ہیں۔ اور گوبر کی راکھ روٹی میں لگ جاتی ہے، اگر اس کو ناپاک قرار دیا جائے گا، تو لوگ سخت مشقت میں مبتلا ہو جائیں گے؛ اس لئے آگ کو عموم بلویٰ کی وجہ سے گوبر وغیرہ کے لئے آلۂ طہارت قرار دیا گیا ہے۔ اس کو فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

ومن ذلک قولنا بأن النار مطهرة للروث والعذرة، فقلنا بطهارة رمادها تیسیرا. (الأشباه ۱۲۷)

اور اسی قبیل سے ہے ہمارا قول کہ آگ گوبر اور گندگی کے لئے سبب طہارت ہے، چنانچہ ہم اس کی راکھ پر بغرض آسانی طہارت کا حکم لگاتے ہیں۔

مثال نمبر ۳ : پیشاب کی چھینٹیں: پیشاب کا ایک ایک قطرہ نجس وناپاک ہے؛ لیکن پیشاب کرتے وقت بسا اوقات بدن اور کپڑے پر سوئی کی نوک کی طرح چھینٹیں پڑ جاتی ہیں اور اس سے بچنا بہت مشکل ہے، اس لئے شریعت نے عام لوگوں کے ابتلاء کی وجہ سے اس کو معفو عنہ قرار دیا ہے۔ اس کو علامہ نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وبول ترشش على الثوب قدر رؤس الإبر. (الأشباه، ص: ١٢٦)

سوئی کے ناکہ کے بقدر کپڑے پر پیشاب کی چھینٹیں پڑ جائیں تو وہ معاف ہے۔

اور صاحب ’’نور الایضاح‘‘ اور صاحب مراقی نے اس کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وعفي رشاش بول ولو مغلظا كرؤس الإبر ولو محل إدخال الخيط للضرورة. (مراقي الفلاح ص: ٨٤-٨٥)

اور پیشاب کی چھینٹیں اگرچہ وہ نجاست مغلظہ ہوں، سوئی کے ناکہ کے برابر معاف ہے۔ اور اگر سوئی کے ناکہ بقدر ہو، تو وہ بھی ضرورت کی وجہ سے معاف ہے۔

اور صاحب ہدایہ اس کو ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں:

فإن انتضح عليه البول مثل رؤس الإبر فذلك ليس بشيء؛ لأنه لا يستطاع الامتناع عنه. (هداية ١/ ٧٧)

چنانچہ اگر اس پر سوئی کے ناکہ کے بقدر پیشاب کی چھینٹیں پڑ جائیں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں؛ کیوں کہ اس سے محفوظ رہنے کی قدرت نہیں۔

مثال نمبر ٤ : ناپاک چربی: صابون وغیرہ چربیوں سے بنایا جاتا ہے؛ لیکن اگر اس میں مردار اور غیر مأکول اللحم جانوروں کی چربی شامل کرلی جائے تو اس کی ماہیت میں تغیر ہونے کی وجہ سے حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پاک ہوجاتا ہے۔ اور ابتلاء عام کی وجہ سے اس کے پاک ہونے پر فتویٰ دیا گیا ہے، اس کو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

جعل الدهن النجس في صابون يفتي بطهارته؛ لأنه تغير والتغيير يطهر عند محمد، وبه يفتى للبلوى. (شامي، كراچی ١/ ٣١٦، زكريا ١/ ٥١٩)

صابون میں ناپاک تیل ملا دیا جائے تو بھی اس کی طہارت ہی کا فتویٰ دیا جائے گا؛ کیوں کہ اس کی ماہیت بدل گئی اور تبدیلی ماہیت سے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدک شئ پاک ہوجاتی ہے اور عموم بلوی کی وجہ سے اسی پرفتوی دیا جاتا ہے۔

مثال نمبر ۵: بیع الوفاء: بیع کے اندر شرط فاسد مفسد عقد ہے؛ لہٰذا اس طرح بیع کرنا جائز نہیں ہوسکتا، خریدار سے کہہ دیا جائے کہ جتنے میں، میں تیرے ہاتھ فروخت کررہا ہوں، اتنے ہی میں، میں جب چاہوں گا خریدلوں گا اور تو دوسرے کے ہاتھ فروخت نہیں کرسکتا، ایسے عقد کو فقہاء کی اصطلاح میں ''بیع الوفاء'' اور ''بیع الامانت'' سے موسوم کیا جاتا ہے، یہ عقد اصول شریعت کے مطابق فاسد ہونا چاہئے، مگر عام لوگوں کے ایسے معاملات میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مصلحت عامہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے مشائخ بخاریٰ اور مشائخ بلخ، مشائخ سمرقند نے مفلسین وحاجت مندوں کی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیع الوفاء کو جائز قرار دیا ہے۔ اس کو علامہ ابن نجیم مصری نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

ومن هذا القبيل بيع الأمانة المسمى بيع الوفاء جوزه مشايخ بلخ وبخارى توسعة. (الأشباه ١٣٠، ١٤٩، ١٦١)

اور اسی قبیل سے بیع امانت ہے، جس کو بیع الوفاء سے جانا جاتا ہے، جس کو مشائخ بلخ وبخاری نے وسعت فراہم کرتے ہوئے جائز قرار دیا ہے۔

مثال نمبر ٦: استنجاء بالحجر: پتھر سے استنجاء کرنے سے نجاست بالکلیہ زائل نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے استنجاء بالاحجار اصولاً جائز نہیں ہونا چاہئے، اسی وجہ سے جس نے بھی استنجاء بالاحجار کیا ہے وہ اگر پانی میں اتر جائے اور مقام استنجاء پانی میں لگ جائے تو پانی ناپاک ہوجاتا ہے، مگر ابتلائے عام کی وجہ سے استنجاء بالاحجار کو بلاکراہت

جائز قرار دیا گیا ہے۔ اور نجاست کا جو حصہ مقام پر باقی رہ جاتا ہے، اس کو معفو عنہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس کو علامہ ابن نجیم مصری نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

مشروعية الاستنجاء بالحجر مع أنه ليس بمزيل حتى لو نزل المستنجي به في ماء نجسه. (الأشباه، ص: ۱۲۸)

پتھروں سے استنجاء کرنے کی مشروعیت بھی اسی قبیل سے ہے، باوجودیکہ ازالۂ نجاست کی اس میں بالکلیہ صلاحیت نہیں یہاں تک کہ اگر پتھروں سے استنجاء کرنے والا پانی میں اتر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔

مثال نمبر ۷: تر نجاست سے جوتے کی پاکی: تر نجاست اگر جوتے یا چمڑے کے موزے پر لگ جائے تو جمہور کے نزدیک زمین پر رگڑنے سے پاک نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ تر نجاست زمین پر رگڑ دینے سے اور زیادہ پھیل جاتی ہے، جس کی وجہ سے جوتے وغیرہ اور زیادہ ملوث ہو جائیں گے؛ لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جوتا پاک ہو جاتا ہے، صاحب ہدایہ اس کو ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:

وفي الرطب لا يجوز حتى يغسله؛ لأن المسح بالأرض يكثره ولا يطهره، وعن أبي يوسف أنه إذا مسحه بالأرض حتى لم يبق أثر النجاسة يطهر لعموم البلوى. (هداية ۱/ ۷۲)

تر نجاست کو صرف رگڑ دینا جائز نہیں، جب تک کہ اس کو دھو نہ لیا جائے؛ کیوں کہ زمین پر رگڑنے سے نجاست اور بڑھ جاتی ہے، اس کو پاک نہیں کرتی۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ جب اس کو زمین میں اس طور سے رگڑ دیا جائے کہ نجاست کا اثر اس میں باقی نہ رہے، تو عموم بلویٰ کی وجہ سے وہ پاک ہو جائے گا

اور صاحب فتح القدیر اور صاحب عنایہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ عموم بلویٰ اور ابتلائے عام کی وجہ سے حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ ہے۔ اور جمہور مشائخ کا اتفاق بھی اسی پر ہے۔

وعلى قول أبي يوسف أكثر المشايخ وهو الأصح المختار وعليه الفتوى لعموم البلوى.	اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اکثر مشائخ نے اختیار کیا ہے اور یہی قول عمومِ بلویٰ کی وجہ سے زیادہ صحیح مختار اور مفتی بہ ہے۔

(شامي كراچى ۱/ ۳۱۰، زكريا ۱۰/ ۵۱۱، فتح القدير ۱/ ۱۹۶، عناية ۱/ ۱۹۶)

(۴) عرف اور عموم بلویٰ کا ضرورت سے کیا تعلق

عرف الگ چیز ہے اور عموم بلویٰ الگ سے دوسری چیز ہے؛ کیوں کہ بہت سے امور ایسے ہیں جو عموم بلویٰ کے دائرہ میں تو آتے ہیں، مگر عرف کے دائرہ میں نہیں آتے، مثلاً طین شارع کا مسئلہ، گوبر کی راکھ کا مسئلہ، پیشاب کی چھینٹوں کا مسئلہ، غسالہ میت کا مسئلہ، ناپاک چربی سے صابون بنانے کا مسئلہ، تر نجاست سے جوتے کی پاکی کا مسئلہ۔ ان تمام مسائل کا تعلق عمومِ بلویٰ سے تو ہے، مگر عرف سے نہیں ہے۔ اور بعض جزئیات ایسے بھی ہیں، جن کا تعلق کبھی عمومِ بلویٰ اور عرف دونوں سے ہوجاتا ہے، مگر بہت قلیل درجہ میں ہے، مثال کے طور پر بیع الوفاء کا مسئلہ ہے کہ اس کا تعلق عرف سے بھی ہے اور عمومِ بلویٰ سے بھی ہے، اسی طریقہ سے نسج الحائک کی اجرت اور پولیوں کو کاشتکار کی کھیتی کی کٹائی کی اجرت میں دینے کا مسئلہ، یہ مسائل ایسے ہیں، جن کا تعلق عموم بلوی اور عرف دونوں سے ہوسکتا ہے، ہاں البتہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عرف اور عموم بلویٰ دونوں الگ الگ مستقل اصول ہیں، یا ضرورت کے تحت داخل ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ضرورت عامہ کا تعلق عموم بلویٰ سے بھی ہوتا ہے اور عرف سے بھی ہوتا ہے؛ کیوں کہ ضرورت کا معنی اور مفہوم ان دونوں کے اندر داخل ہے، مگر ضرورت بمعنی اضطرار کے معنی میں نہیں ہے؛ بلکہ ضرورت بمعنی حاجت ہی کے معنی میں ہے، جو عمومِ بلویٰ کے ذیل میں پیش کی گئی مثالوں سے واضح ہوسکتا ہے، نیز عمومِ بلویٰ ضرورتِ عامہ سے الگ ہوکر مستقل اصول نہیں ہے؛ بلکہ شئ واحد ہے، مگر

عرف ضرورتِ عامہ سے الگ ہوکر ایک الگ مستقل اصول ہے، جو ”رسم المفتی“ کی اس عبارت سے واضح ہوسکتا ہے:

إعلم أن اعتبار العادة والعرف رجع إليه في مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلك أصلا، فقالوا: تترك الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة. (رسم المفتي ۹۵)	معلوم ہونا چاہئے کہ عرف وعادت کا بہت سارے مسائل میں اعتبار ہوتا ہے، حتی کہ اصولیین نے اس کو مستقل اصل کی حیثیت دیتے ہوئے فرمایا کہ عادت واستعمال کی وجہ سے حقیقت کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

(۵) ضرورتِ عامہ وضرورتِ خاصہ کا فرق

ضرورتِ عامہ: ضرورتِ عامہ تو وہ ہے جس کے ساتھ عام لوگوں کا تعلق ہوتا ہے۔ اور عام یا اکثر لوگ اس امر میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ اور عام لوگوں کو اس امر سے بچنے کے لئے چارۂ کار نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ عقدِ مزارعت، عقدِ اجارہ (الاشباہ ۱۴۹) عقد مضاربت (ہدایہ ۳/ ۲۴۱، تبیین ۵/ ۵۲) وغیرہ کے مسائل ہیں، یہ تمام مسائل منافع کی جہالت کی وجہ سے اصولاً جائز نہیں ہونے چاہئے؛ لیکن ضرورتِ عامہ اور حاجتِ عامہ کی وجہ سے اس کی گنجائش دی گئی ہے۔

ضرورتِ خاصہ: ضرورتِ خاصہ اس کو کہا جاتا ہے کہ جس کا تعلق ہر فرد کے ساتھ نہیں ہوتا؛ بلکہ فرد واحد یا مخصوص افراد کے ساتھ خاص ہوتا ہے، جیسا کہ محرم کا ضرورت کی بنا پر ہدی کے جانور پر سوار ہونا (ہدایہ ۱/ ۳۰۲) اور خارش و کھجلی کی وجہ سے ریشم کا کپڑا پہن لینا (طحاوی ۲/ ۳۴۹) اور نابالغ لڑکی یا لڑکے کا نکاح ولی ابعد کے کردینے کے بعد بوقت بلوغ خیار بلوغ کا حاصل ہوجانا (ہدایہ ۲/ ۳۱۷، فتح القدیر ۳/ ۲۷۸) اور باندی کو آزادی کے بعد خیار عتق کا حاصل ہوجانا (شامی کراچی ۳/ ۱۷۶-۱۷۷) اور غیر کفو میں نابالغ لڑکے کے نکاح کرنے سے اولیاء کو حق تفریق حاصل ہوجانا وغیرہ (ہدایہ ۲/ ۳۲۰، فتح القدیر ۳/ ۲۹۴) ان سب مسائل کا تعلق ضرورتِ خاصہ سے ہے، ضرورتِ عامہ سے نہیں۔

الفصل التاسع:

''عدول عن المذہب'' پر مدلل بحث

عدول عن المذہب سے متعلق مسائل کو واضح کرنے کے لئے دس باتیں عرض کرنی ہیں: (۱) تلفیق کا عدمِ جواز (۲) کس قسم کی ضرورت کی وجہ سے عدول جائز ہوسکتا ہے (۳) عمومِ بلویٰ کی وجہ سے عدول (۴) مقلد مجتہد کا عدول (۵) مقلد غیر مجتہد کا عدول (۶) ائمۂ اربعہ کے متفق علیہ مسئلہ سے عدول کر کے دیگر مجتہدین کا مسلک اختیار کرنا (۷) کیا قول ضعیف پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے (۹) مسئلۂ عدول میں دیانات ومعاملات میں کیا فرق ہے؟ (۱۰) عدول عن المذہب کی وضاحتی مثالیں۔

(۱) تلفیق کا عدمِ جواز

ماقبل میں مفصل طور پر تلفیق کی بحث گذر چکی ہے، اس میں یہ ثابت کیا جا چکا تھا کہ عمل واحد میں تلفیق، اسی طرح ایک وقت میں دو عملوں کی تلفیق، مقلد مجتہد اور غیر مجتہد ہر ایک کے لئے ہر حال میں ناجائز ہے۔ اور دو وقتوں میں دو عملوں کی تلفیق اور الگ الگ دو مسئلوں کی تلفیق اور مذہب واحد میں تلفیق، یہ تین قسمیں غیر مجتہد کے لئے ناجائز ہیں، اس پر ضروری ہے کہ ایک مذہب کو التزام کے ساتھ اختیار کرے۔ اور اس کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وقد علم من هذا أن مذهب العامي فتوى مفتيه. (حجة الله البالغة ١/ ١٨٥)

اس سے معلوم ہوگیا کہ عامی کا مذہب اس کے مفتی کا فتویٰ ہے۔

البتہ مقلد مجتہد کے لئے تلفیق کی یہ تینوں قسمیں جائز ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے تلفیق کی ان تینوں قسموں کو مقلد مجتہد کے لئے جائز ہونے کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وإن لـم يتكـامل لـه الأدوات كما يتكامل للمجتهد المطلق، فيـجـوز لـمثلـه أن يلفق من الـمـذهبين إذا عرف دليلهما .

(حجة الله البالغة ١/ ١٥٧)

اوراگراس میں وہ شرائط ولوازمات اس طرح مکمل طور پر نہ پائے جاتے ہوں، جس طرح مجتہد مطلق میں مکمل طور پر موجود ہوتے ہیں، تو اس جیسے مجتہد کے لئے دو مذہبوں کے درمیان تلفیق کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ دونوں مذاہب کے دلائل سے خوب واقف ہو۔

اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ مقلد مجتہد کے لئے تلفیق کی یہ تینوں قسمیں جائز ہیں اوران تینوں قسموں میں تلفیق درحقیقت اس محقق کے حق میں تفرد ہے۔ اور عالم محقق کے لئے اپنا تفرد اختیار کرنا جائز ہے، مگر تلفیق کی اول الذکر دونوں قسمیں مقلد محقق کے لئے بھی جائز نہیں ہیں، یہ ساری تفصیل تلفیق کی بحث میں دلائل کے ساتھ گذر چکی ہے، یہاں مزید تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) کس قسم کی ضرورت کی وجہ سے عدول عن المذہب جائز ہے؟

ماقبل میں ضرورت سے متعلق کافی لمبی بحث گذر چکی ہے۔ اوران میں دوقسم کی ضرورت پر اہمیت کے ساتھ بحث کی گئی ہے:

(۱) ضرورت بمعنی اضطرار (۲) ضرورت بمعنی حاجت۔ اوراپنے مذہب سے کسی جزوی مسئلہ میں عدول کرکے مسلک غیر کا اختیار کرلینا اضطراری ضرورت اورضرورت بمعنی حاجت دونوں میں سے ہرایک کی وجہ سے جائز ہوجاتا ہے؛ اس لئے کہ تقلید ائمہ قطعی فرض کے دائرہ میں داخل نہیں؛ بلکہ صرف وجوب کے دائرہ میں داخل ہے؛ کیوں کہ کسی چیز کے قطعیت کے ساتھ فرض ہونے کے لئے اس کا ثبوت اوراس کی دلالت دونوں کا قطعی ہونا لازم ہے۔اوروہ یہاں مفقود ہے؛ البتہ تقلید مطلق قرآن سے ثابت ہے؛ لیکن اس میں تاویل کی گنجائش ہونے کی وجہ سے اس کی دلالت قطعی نہیں ہے، اسی طرح اجماع امت سے تقلید

شخصی کا ثبوت نہیں ہے۔ اور نصوصِ اربعہ میں سے نص قطعی سے تقلید شخصی کا ثبوت نہیں ہے؛ البتہ دلیل ظنی یعنی حدیث ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تقلید شخصی کی بات ثابت ہوتی ہے۔

بہر حال تقلید کا ثبوت چاہے اجماع سے ہو یا حدیث سے، ہر صورت میں تقلید کی فرضیت کی بات ثابت نہیں ہو پاتی ہے، بس زیادہ سے زیادہ وجوب کا درجہ حاصل ہوسکتا ہے؛ اس لئے کہ اگر کوئی چیز قطعی الثبوت ہے، مگر اس کی دلالت ظنی ہے یا ظنی الثبوت ہے اور اس کی دلالت قطعی ہے، تو ایسی صورت میں جانب امر میں وجوب اور جانب نہی میں کراہتِ تحریمی کا ثبوت ہوتا ہے؛ لہٰذا تقلید شخصی زیادہ سے زیادہ واجب ہوسکتی ہے، اس کو فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

إن الأدلة السمعية أربعة: الأول: قطعي الثبوت والدلالة، كنصوص القرآن المفسرة أو المحكمة، والسنة المتواترة التي مفهومها قعطي، والثاني: قطعي الثبوت ظني الدلالة، كالآيات المؤولة الثالث عكسه كأخبار الآحاد التي مفهومها قطعي، الرابع ظنيهما كأخبار الآحاد التي مفهومها، فبالأول يثبت الافتراض والتحريم، وبالثاني والثالث: الإيجاب وكراهة التحريم، وبالرابع: تثبت

ادلۂ سمعیہ چار ہیں: (۱) قطعی الثبوت قطعی الدلالت، جیسا کہ قرآن کریم کی نصوص مفسرہ اور نصوص محکمہ اور وہ احادیث متواترہ جن کا مفہوم قطعی ہو۔ (۲) قطعی الثبوت ظنی الدلالت، جیسا کہ وہ آیات قرآنیہ جن میں تاویل کی گنجائش ہوتی ہے۔ (۳) اس کے برعکس ہے، وہ اخبار آحاد جن کی دلالت قطعی ہونے کی وجہ سے تاویل کی گنجائش نہ ہو۔ (۴) ظنی الثبوت ظنی الدلالت، جیسا کہ وہ اخبار آحاد جن کا مفہوم ظنی ہونے کی وجہ سے تاویل کی گنجائش ہو، اول سے فرضیت اور حرمت ثابت ہوتی ہے ثانی اور ثالث سے واجب

السنية والاستحباب. (شامي، زكريا ۱/ ۲۰۷، ۹/ ۴۸۷، كراچی ۱/ ۹۵، ۶/ ۳۳۷)	اور کراہت تحریمی ثابت ہوتی ہے۔ اور رابع سے سنت یا مستحب ثابت ہوتا ہے۔

اب اس عبارت پر غور کیجئے تو نصوصِ شرعیہ چار قسموں پر نظر آئیں گی:

(۱) قطعی الثبوت قطعی الدلالت (۲) قطعی الثبوت ظنی الدلالت (۳) ظنی الثبوت قطعی الدلالت (۴) ظنی الثبوت ظنی الدلالت۔

ان چاروں میں سے قسم اول: وہ ہے جس کا ثبوت قرآن پاک یا حدیث متواتر سے ہوتا ہے۔ اور اس میں تاویل کی گنجائش بھی نہیں ہوتی۔ اور قسم ثانی: وہ ہے جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہوتا ہے، مگر اس میں تاویل کی بھی گنجائش ہوتی ہے؛ اس لئے کہ دلالت ظنی ہے۔ اور قسم ثالث: وہ ہے جس کا ثبوت حدیث مشہور یا خبر واحد سے ہوتا ہے اور اس میں تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی؛ اس لئے کہ دلالت قطعی ہے۔ قسم رابع: وہ ہے جس کا ثبوت خبر واحد سے ہوتا ہے اور اس میں تاویل کی بھی گنجائش ہوتی ہے؛ اس لئے ثبوت اور دلالت دونوں ظنی ہے۔ اور قسم اول سے فرض یا حرام کا ثبوت ہوتا ہے۔ اسی کو ''**فبالأول يثبت الافتراض والتحريم**'' کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔ قسم ثانی اور قسم ثالث سے واجب یا کراہت تحریمی کا ثبوت ہوتا ہے، اسی کو ''**وبالثاني والثالث: الإيجاب وكراهة التحريم**'' سے ذکر فرمایا ہے۔ قسم رابع سے سنت اور مستحب یا کراہت تنزیہی اور خلاف اولیٰ کا ثبوت ہوتا ہے، اسی کو ''**وبالرابع: تثبت السنية والاستحباب**'' سے ذکر فرمایا ہے۔

اب مذکورہ تفصیل پر غور فرمائیں گے تو معلوم ہوگا کہ تقلید شخصی درجۂ وجوب سے بڑھی ہوئی نہیں ہوسکتی۔ اور وجوب کے ساقط ہونے کے لئے ضرورت بمعنی حاجت کے درجہ کی مشقت کافی ہوجاتی ہے؛ لہٰذا عدول عن المذہب کے لئے جہاں جہاں ضرورت یا اضطرار کی قید لگائی گئی ہے، وہاں پر ضرورت بمعنی اضطرار نہیں ہوگی؛ بلکہ ضرورت بمعنی حاجت ہی ہوسکتی ہے، مثال کے طور پر مدیون اگر دین کی ادائے گی میں ٹال مٹول کرے، تو دائن کے لئے

مدیون کے مال میں سے دین کے خلاف جنس مال کا خفیہ طور پر لے لینا حنفیہ کے نزدیک ناجائز اور موجب قطع ید ہے، مگر حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک خلاف جنس میں سے لے لینا جائز ہے، مگر متأخرین حنفیہ نے دائن کے حق کی حفاظت کی ضرورت کی وجہ سے حضرت امام شافعیؒ کے مذہب کی طرف عدول کر کے اس مسئلہ کو مسلک شافعی سے لینے کی اجازت دی ہے۔ اور اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

ومثل دينه أو زيد حالا كان أو مؤجلا، وإن كان دينه نقدا فسرق عرضا قطع خلافا لأبي يوسف، وأطلق الشافعي أخذ خلاف الجنس لمجانسة في المالية، قال في المجتبى: وهو أوسع فيعمل به عند الضرورة. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۳۸٤، مصري قديم ۱/ ٦۲٦، ٦۲۷، الدرالمختار مع الشامي، زكريا ٦/ ۱٥۷، كراچی ٤/ ۹٥، البحرالرائق، زكريا ٥/ ۹٤، كوئٹه ٥/ ٥٦)

اور اپنے دین کے ہم مثل یا زائد لینا خواہ دین فی الحال واجب الاداء ہو یا ادھار۔ اور اگر اس کا دین نقد تھا؛ لیکن اس نے سامان چرالیا، تو ہاتھ کاٹا جائے گا، بخلاف امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ وسلم کے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہم جنس وخلاف جنس کسی سے بھی لے لینا مطلقاً جائز ہے؛ اس لئے کہ سامان ونقد دونوں مالیت میں ہم جنس ہیں۔ اور بوقتِ ضرورت عمل کے لئے اس میں زیادہ گنجائش ہے۔

(۴) مذہب غیر کے اختیار کرنے کی شرائط

مسلک غیر کے کسی مسئلہ کو اختیار کرنے میں تین شرطوں کی پابندی لازم ہے:

شرط نمبر ۱: جب کسی مسئلہ میں مذہب غیر کو اختیار کیا جائے تو اس مذہب میں اس مسئلہ سے متعلق جتنی شرائط ولوازمات ہوں ان سب کی پابندی اور رعایت کرنا واجب

ہے،ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں ہے کہ مسئلہ تو دوسرے امام کا لیا جائے مگر اس کی شرائط کی پابندی نہ کی جائے؛ اس لئے کہ ایسی صورت میں تلفیق لازم آجاتی ہے؛ لہٰذا جمیع شرائط کی پابندی کے بغیر مذہب غیر کے کسی بھی مسئلہ پر عمل جائز نہ ہوگا۔

شیخ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ اس کو ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں:

يجوز للحنفي تقليد غير إمامه من الأئمة الثلاثة فيما تدعو إليه الضرورة بشرط أن يلتزم جميع ما يوجبه ذلک الإمام في ذلک مثلاً إذا قلد الشافعي في وضوء من القلتين فعليه أن يراعي النية والترتيب في الوضوء، والفاتحة، وتعديل الأركان في الصلاة بذلک الوضوء وإلا لكانت الصلاة باطلة إجماعا. (خلاصة التحقيق، ص: ٢٢)

حنفی کے لئے اپنے امام کے علاوہ دیگر ائمہ ثلاثہ کی بوقت ضرورت تقلید جائز ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اس امام کی متعین کردہ جمیع شرائط کا التزام کرنا ہوگا، مثلاً قلتین سے وضو کرنے کے سلسلے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرلی، تو اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وضو میں نیت اور ترتیب اور اس وضو سے پڑھی جانے والی نماز میں تعدیل ارکان اور فاتحہ کی رعایت کرے، ورنہ نماز بالا جماع باطل ہو جائے گی۔

صاحب ''درمختار'' رحمۃ اللہ علیہ، صاحب ''اعلاء السنن'' رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب ''قواعد الفقہ'' رحمۃ اللہ علیہ اسے ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:

لا بأس بتقليد عند الضرورة لكن بشرط أن يلتزم جميع ما يوجبه ذلک الإمام؛ لأن الحكم الملفق باطل بالإجماع. (الدرمع الرد، كراچی ١/ ٣٨٢، زكريا ٢/ ٤٦، قواعد الفقه أشرفی/ ٥٧٦)

ضرورت کے وقت غیر امام کی تقلید کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ لیکن اس امام کی اس مسئلہ میں متعین کردہ تمام شرطوں کا التزام کرنا ضروری ہوگا؛ اس لئے کہ ملفق کا حکم بالاجماع باطل ہے۔

شرط نمبر ۲: سہولت اورآسانی طلب کرنے کے لئے مذہب غیر کا اختیار کرنا جائز نہیں؛ بلکہ ضرورت اور مشقت کی وجہ سے جائز ہوسکتا ہے۔ اس کو فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

أن لا يكون على وجه التتبع على الرخص، فإنه لا يجوز للعامي إجماعا كما صرح به ابن عبدالبر من أنه لا يجوز للعامي تتبع الرخص إجماعا. (شرح تحرير ٣/ ٣٥١، بحواله جواهر الفقه ١/ ١٦٦)

مذہب غیر کی طرف عدول محض رخصت طلب کرنے کی غرض سے نہ ہو؛ کیوں کہ عامی کے لئے بالاجماع ایسا کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ عامی کے لئے رخصت طلب کرنا بالاجماع جائز نہیں ہے۔

شرط نمبر ۳: جس واقعہ اور حادثہ میں مسلک غیر کو اختیار کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اس میں اپنے امام کے مسلک کے مطابق اب تک کبھی بھی عمل نہ کیا ہو؛ اس لئے کہ اگر اب تک کبھی عمل کر چکا تھا، تو دوبارہ اس پر عمل کرنے میں کوئی ضرورت اور مشقت نہیں ہے۔ اور بغیر ضرورت ومشقت کے عدول عن المذہب جائز نہیں ہے، اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

أن يكون اختيار مذهب الغير قبل العمل بمذهب إمامه بأن لم يكن عمله به في هذه الحادثة بمذهب إمامه. (تحرير ابن الهمام بحواله جواهر الفقه ١/ ١٦٦)

مذہب غیر کو اختیار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں اس سے قبل اپنے امام کے مذہب پر عمل نہ کیا ہو۔

(۵) عمومِ بلویٰ کی وجہ سے عدول عن المذہب

عمومِ بلویٰ اور ضرورتِ عامہ دونوں کا مصداق قریب قریب ایک ہی ہے، کبھی ضرورت عامہ کو عموم بلویٰ سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی عموم بلویٰ کو ضرورتِ عامہ سے تعبیر کرتے ہیں؛ لہٰذا

جس طرح ضرورتِ عامہ کی وجہ سے عدول عن المذہب جائز ہوتا ہے، اسی طرح عمومِ بلویٰ کی وجہ سے بھی عدول عن المذہب جائز ہے، مثال کے طور پر مفقود الخبر کی زوجہ کا مسئلہ ہے کہ اگر شوہر مفقود ہو جائے تو حضرات حنفیہ کے نزدیک قول راجح کے مطابق شوہر کی پیدائش سے ۹۰؍ سال مکمل ہونے تک اس کی بیوی کے لئے دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں۔

وقال بعض: تسعون سنة وعليه الفتوی. (سراجي / ٦١)	بعض محققین نے نوے سال پورے ہونے تک انتظار کرنے کا حکم لگایا ہے اور اسی پر فتوی ہے۔

اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حاکم مسلم کے پاس مرافعت کے بعد چار سال تک اس کی تفتیش وتلاش کے بعد اس کے اوپر موت کا فیصلہ کردیا جاتا ہے اور اس فیصلہ کے بعد عدت گذار کر زوجۂ مفقود دوسری جگہ نکاح کرکے باعصمت زندگی گذار سکتی ہے؛ لیکن ضرورت عامہ اور ابتلائے عام کی وجہ سے حنفی کے لئے اس مسئلہ میں اپنے مسلک سے عدول کرکے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کو مع اس کی شرائط کی رعایت کے اختیار کرلینا جائز ہے۔ (الحیلۃ الناجزۃ/ ۶۹، بوادر النوادر/ ۲۲۲)

اس کو مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جواہر الفقہ میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

جواز الإفتاء بمذهب الإمام مالک في امرأة مفقود وغيره مما مست الضرورة إليه لعموم البلوی. (جواهر الفقه ١/ ١٦٠)	عمومِ بلویٰ کی وجہ سے وقوع ضرورت کے پیش نظر زوجۂ مفقود کے مسئلہ میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر فتویٰ دینا جائز ہے۔

لیکن اس مسئلہ میں صرف مفتی کے فتوی کی بناء پر چار سال گذار کر دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت نہیں؛ بلکہ حاکم مسلم یا جماعت مسلمین کا فیصلہ اس کے لئے شرط ہے۔

(۶) مقلد مجتہد کا عدول عن المذہب

جس مقلد کے اندر اللہ تعالیٰ نے قوت اجتہاد عطا فرمائی ہے اور وہ اپنے قوتِ اجتہاد

کے ذریعہ سے شریعت کے تمام نصوص و دلائل کو صحیح طریقہ سے سمجھنے پر قدرت رکھتا ہے، تو ایسے شخص کا اپنے مذہب سے کسی مسئلہ میں عدول کرنا دو طریقہ سے ہوسکتا ہے:

(۱) مقلد مجتہد کا تفرد

وہ اپنی قوتِ اجتہاد کے ذریعہ سے نصوص و دلائل پر غور کرنے کے بعد کسی جزئی مسئلہ میں اپنے مذہب کے مقابلہ میں غیر کے مذہب کو راجح سمجھتا ہے، تو ایسی صورت میں اس کے لئے بلا ضرورت محض دلائل کی روشنی میں مذہب غیر کو اختیار کر لینا جائز ہے، اگر چہ اس کے اس عمل کی وجہ سے تلفیق بھی لازم آرہی ہو، پھر بھی اس کے لئے جائز ہے۔ اور یہ اس کا تفرد ہوگا۔ اور مجتہد مقید کے اس طرح کے عدول کو علامہ شامیؒ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

العالم الذي يعرف معنى النصوص والأخبار، وهو من أهل الدراية يجوز له أن يعمل عليها وإن كان مخالفا لمذهبه قلت: لكن هذا في غير موضع الضرورة. (شامي كراچى ١/ ٧٤، زكريا جديد ١/ ١٧٦، رسم المفتي قديم ١٠٢، جديد زكريا ١٩٠)

ایسا عالم جو نصوصِ شرعیہ اور احادیث شریفہ کے مطالب پر واقف ہے اور وہ دلائل کے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے، تو اس کے لئے اپنے اجتہاد اور رائے کے مطابق عمل کرنا جائز ہے، اگر چہ اس کا یہ اجتہاد اپنے مذہب کے مخالف کیوں نہ ہوجائے؛ لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب کہ ضرورت کے مواقع میں نہ ہو۔

اور ''البحر الرائق'' کے حاشیہ ''منحۃ الخالق'' میں علامہ شامی نے اس طرح نقل فرمایا ہے:

إن مثل المحقق له أن يقول ذلک؛ لأنه أهل النظر في الدليل. (منحة الخالق على هامش البحر، كوئٹه ٦/ ٢٧٠، زكريا ٦/ ٤٥٣)

یقیناً محقق جیسوں کے لئے مذہب غیر کو اختیار کرنے کی اجازت ہے؛ کیوں کہ وہ دلیل میں غور و فکر کی اہلیت رکھتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

وإن لم يتكامل له الأدوات كما يتكامل للمجتهد المطلق، فيجوز لمثله أن يلفق من المذهبين إذا عرف دليلهما. (حجة الله البالغة ١/ ١٥٧)

اور اگر اس میں وہ شرائط ولوازمات مکمل طور پر نہ پائے جاتے ہوں، جس طرح مجتہد مطلق میں مکمل طور پر موجود ہوتے ہیں، تو اس جیسے مجتہد کے لئے دو مذہبوں کے درمیان تلفیق کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ دونوں مذاہب کے دلائل سے خوب واقف ہو۔

تفرد کا اتباع جائز نہیں

مقلد محض کے لئے عالم محقق کے تفردات پر عمل کرنا مشروع نہیں ہے؛ بلکہ ان پر اپنے امام کے اصل قول پر عمل کرنا لازم ہے۔ اور ان کے لئے اپنے امام کے اصل قول سے عدول کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

وإن مثلنا فلا يجوز له العدول عن قول الإمام أصلا. (منحة الخالق على خامش البحر ٢/ ٢٧٠، زكريا ديوبند ٦/ ٤٥٤)

اور بے شک ہم جیسوں کے لئے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے عدول ہرگز جائز نہیں ہے۔

(۷) محقق کے لئے اپنے تفردات پر فتویٰ کا عدمِ جواز

عالم محقق اور مفتی مجتہد کے لئے اپنے مذہب کے خلاف بغیر ضرورت شدیدہ کے عوام الناس کے لئے غیر کے مذہب کے مطابق فتویٰ دینا جائز نہیں ہے، یعنی اپنے تفرد کے مطابق لوگوں کو عمل کی دعوت دینا یا مسئلہ بتانا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اسی کو علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

إن المفتي المجتهد ليس له العدول عما اتفق عليه أبو حنية وأصحابه، فليس له الإفتاء به، وإن كان مجتهدا متقنا (إلى قوله) لأن السائل إنما جاء يستفتيه عن مذهب الإمام الذي قلده ذلك المفتي فعليه أن يفتي بالمذهب الذي جاء المستفتي يستفتيه عنه. (عقود رسم المفتي قديم ۱۰۲، جديد زكريا ۱۹۱)

مفتی مجتہد کے لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کے متفق علیہ مسئلہ سے عدول کرنے کی اجازت نہیں، چنانچہ اگر چہ مجتہد قابل اعتماد ہی کیوں نہ ہو، متفق علیہ قول کے خلاف فتویٰ نہیں دے سکتا ہے؛ اس لئے کہ سائل اس کے پاس اس لئے آیا ہے کہ وہ مفتی اپنے امام کے مذہب کے مطابق مسئلہ بتائے، چنانچہ اس پر ضروری ہے کہ اسی امام کے مطابق فتویٰ دے جس کے مذہب کے مطابق وہ دریافت کررہا ہے۔

اسی وجہ سے علامہ قاسم ابن قطلو بغاؒ نے شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ کے تفردات کے بارے میں اعلان کردیا تھا کہ ہمارے شیخ کے تفردات قابل اتباع نہیں ہیں، اس کو ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

فإن له اختيارات خالف فيها المذهب فلا يتابع عليها كما قاله تلميذه العلام قاسم. (رسم المفتي قديم ۷٦، زكريا جديد ۱۳۸، شامي كراچی ۱/ ۲۷٦، جديد زكريا ۱/ ٤٦٣)

کیوں کہ ان کے کچھ ایسے تفردات ہیں، جو مذہب حنفیہ کے خلاف ہیں؛ لہٰذا ان کی اتباع نہیں کی جائے گی، جیسا کہ اس کی صراحت ان کے شاگرد رشید علامہ قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے۔

اور علامہ ابن عابدین شامی ''ردالمحتار'' میں اس کو ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں:

وقد قال العلامة قاسم: لا عبرة بأبحاث شيخنا. (شامي كراچی ۱/ ۲۷٦، زكريا ۱/ ٤٦۲)

اور علامہ قاسم نے فرمایا کہ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے تفردات کا کوئی اعتبار نہیں۔

محقق کا ضرورت کی وجہ سے مذہب غیر پر فتویٰ

اگر مقلد محقق کسی ایسے مسئلہ میں جو اپنے مسلک میں مشروع نہیں ہے اور دیگر مذاہب میں مشروع ہے، مگر شدت ضرورت اور ابتلاء عام کی وجہ سے اس مسئلہ کو مذہب غیر سے لینا مناسب سمجھتا ہے، تو ایسی صورت میں مقلد مجتہد دوسرے علماء سے مشورہ کئے بغیر اپنی رائے واجتہاد سے اس مسئلہ میں جواز کا فتویٰ دے سکتا ہے۔ اور عامۃ المسلمین کے لئے اس کی اتباع کرنا بھی بلا تردد جائز ہو جاتا ہے، اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

إن المفتي له الإفتاء به للمضطر من أن ليس له العمل بالضعيف ولا الإفتاء به محمول على غير موضع الضرورة. (رسم المفتي قديم ١٠٢، جديد زكريا ديوبند ١٩٠)

یقیناً مفتی کے لئے مضطر کے حق میں مذہب غیر پر فتویٰ دینے کی اجازت ہے اور فقہاء کا قول: ”ليس له العمل بالضعيف ولا الإفتاء“ موضع ضرورت کے علاوہ پر محمول ہے۔

مقلد غیر مجتہد کے عدول عن المذہب کی شرط

اگر کسی امر میں مسلمانوں کا ابتلائے عام ہو جائے اور اس کی ضرورت بھی بہت شدید انداز سے ہے، مگر اپنے مسلک میں اس کے جواز کا کوئی قول نہیں ہے اور اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے مسلک میں کوئی مجتہد بھی نہیں ہے اور جو علماء ومفتیان کرام موجود ہیں، ان میں سے کوئی بھی فقہاء کے ساتوں طبقوں میں سے اصحاب تمیز سے اوپر کے طبقہ کا نہیں ہے؛ بلکہ اصحاب تمیز یا اس سے نیچے کے علماء ہیں، تو ایسی صورت میں زمانہ کے معتبر ترین علماء ومفتیان کرام کی متفقہ رائے سے اس امر سے متعلق اپنے مذہب سے عدول کر کے مسلک غیر کے مسئلہ کو مع شرائط کے اختیار کر لینا جائز اور درست ہے۔ اور غیر مجتہد لوگوں میں سے فرد

واحد کا ایسے مسائل میں عدول کر کے نہ ذاتی طور پر عمل کرنا جائز ہے اور نہ ہی امت کے لئے فتویٰ دینا جائز ہے؛ اس لئے کہ اس میں اتباع ہویٰ کا خطرہ ہے۔ اور مسائل شرعیہ میں اتباعِ ہویٰ کا اندیشہ بھی جائز نہیں ہے؛ لہٰذا جب تک زمانہ کے معتبر ومتدین علماء کرام میں سے متعدد حضرات ایسے مسئلہ میں ضرورت کا تحقق تسلیم کر کے دوسرے امام کے مذہب کو اختیار کرنے میں اتفاق نہ کریں، اس وقت تک اپنے امام کے مذہب سے عدول کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، اس مسئلہ کو حضرت تھانوی قدس سرہ نے ''الحیلۃ الناجزۃ'' (ص:۴۵) اور حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ نے (السبک الفرید، احسن الفتوی ۱/۴۲۱) میں بہت واضح الفاظ میں نقل فرمایا ہے؛ لہٰذا کسی مسئلہ میں عموم بلویٰ یا ضرورتِ شدیدہ کی وجہ سے مسلک سے عدول کرنے کی ضرورت پڑ جائے اور کوئی مجتہد عالم بھی موجود نہ ہو، تو غیر مجتہد علماء میں سے متعدد افراد کا متفق ہو جانا لازم ہوگا۔ اور یہ مسئلہ رسم المفتی کی اس عبارت سے بھی واضح ہو سکتا ہے:

لا يجوز للمفتي والعامل أن يفتي أو يعمل بما شاء من القولين أو الوجهين من غير نظر، وهذا لا خلاف فيه، وقوله: إن المجتهد والمقلد لايحل لهما الحكم والإفتاء بغير الراجح؛ لأنه اتباع للهوى وهو حرام إجماعا. (عقود رسم المفتي ٢٦-٢٧، جديد زكريا ديوبند ص: ٤٤)

مفتی اور عامل کے لئے دو قولوں یا دو وجہوں میں غور وفکر کے بغیر محض اپنی مرضی کے مطابق فتویٰ دینے یا عمل کرنے کی اجازت نہیں۔ اور یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور یقیناً مجتہد اور مقلد کے لئے غیر راجح اقوال پر فتویٰ یا فیصلہ کرنا حلال نہیں؛ کیوں کہ اس میں خواہشات کی پیروی ہے۔ اور یہ بالاجماع حرام ہے۔

مثال کے طور پر زوجۂ مفقود اور زوجۂ غائب غیر مفقود اور زوجۂ متعنت کے مسائل میں مسلکِ حنفی سے عدول کر کے ان کا حکم فقہ مالکی سے لیا گیا ہے، مگر حضرت تھانویؒ نے ان مسائل میں عدول کرنے میں تنہا اپنی رائے سے کام نہیں لیا ہے؛ بلکہ اپنے زمانہ کے معتبر علماء

کرام کی جماعت سے اتفاق رائے حاصل فرمایا ہے؛ لہٰذا غیر مجتہد عالم کے لئے اپنے زمانہ کے متعدد ومعتبر علماء سے اتفاقِ رائے حاصل کئے بغیر تنہا اپنی رائے سے کسی مسئلہ میں مذہب سے عدول کرنا جائز نہیں ہوگا۔

(۸) قولِ ضعیف پر فتویٰ

قولِ ضعیف اور قولِ مرجوح کو اختیار کر کے فتوی دینے والے علماء دو قسموں پر ہیں:

(۱) قولِ ضعیف کو اختیار کر کے اس پر فتویٰ دینے والا مقلد مجتہد اور عالم محقق ہے، تو اگر وہ قول ضعیف کے دلائل کو زیادہ راجح اور قوی سمجھ کر اس کے اختیار کرنے کا فتویٰ صادر کرتا ہے اور اس قول کے اختیار کرنے میں کوئی شدید ضرورت بھی نہیں ہے، نہ عام لوگ اس میں مبتلا ہیں اور نہ ہی اضطراری ضرورت ہے اور نہ ہی حاجت کے درجہ کی شدید ضرورت ہے، تو ایسی صورت میں قول ضعیف کے اختیار کرنے پر فتویٰ دینا عالم محقق کے لئے جائز نہیں ہے؛ بلکہ قولِ راجح کے مطابق مسئلہ بتلانا عالم محقق اور مفتی مجتہد پر لازم ہے، ہاں البتہ قول ضعیف کو دلائل کی روشنی میں اپنے عمل کے لئے اختیار کرنا جائز ہوسکتا ہے، جو اس کے تفرد کے دائرہ میں داخل ہوجاتا ہے، عوام کو اس پر عمل کے لئے فتویٰ دینا مشروع نہیں ہے، اس کو علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ''عقود رسم المفتی'' میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

إن المفتي المجتهد ليس له العدول عما إتفق عليه أبو حنيفة وأصحابه، فليس له الإفتاء به وإن كان مجتهدا متقنا (إلى قوله) قلت: ذلک في حق من يفتي غيره. (عقود رسم المفتي قديم ۱۰۲، زكريا جديد ۱۹۰)

بے شک مفتی مجتہد کے لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کے متفق علیہ مسئلہ سے عدول کرنے کی اجازت نہیں؛ لہٰذا اس کا فتویٰ دینا اس کے لئے جائز نہیں ہوگا، اگر چہ وہ قابلِ اعتماد مجتہد ہی کیوں نہ ہو، میں کہتا ہوں کہ یہ بات دوسرے کو فتویٰ دینے والے کے سلسلے میں ہے۔

اور دوسری جگہ ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں:

قال الإمام السبكي في الوقف: من فتاواه يجوز تقليد الوجه الضعيف في نفس الأمر بالنسبة للعمل في حق لنفسه لا في الفتوى، والحكم فقد نقل ابن الصلاح الإجماع على أنه لا يجوز. (شرح عقود رسم المفتي قديم ۱۰۰ - ۱۰۲، زكريا جديد ۱۸۷)

امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاوی کی کتاب الوقف میں فرمایا کہ جو قول نفس الامر میں ضعیف ہے، اس کی تقلید اپنے ذاتی عمل میں تو جائز ہے؛ لیکن دوسرے کو فتویٰ دینے اور فیصلہ کرنے میں درست نہیں ہے، ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے عدم جواز پر اجماع نقل فرمایا ہے

نیز شامیؒ نے علامہ قاسم کے حوالہ سے اس کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

ليس للمفتي إلا نقل ما صح عند أهل مذهبه الذين يفتي بقولهم، ولأن المستفتي إنما يسئل عما ذهب إليه أئمة ذلك المذهب لا عما ينجلي للمفتي. (رسم المفتي قديم ۱۰۱، زكريا جديد ۱۹۱)

مفتی کو صرف اسی قول کو نقل کرنے کا حق ہے، جو ان اہل مذہب کے نزدیک صحیح ہو، جن کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے؛ اس لئے کہ مستفتی ان ہی ائمہ مذہب کے مسلک کے بارے میں سوال کرتا ہے، نہ کہ اس چیز کے بارے میں جو مفتی کی سمجھ میں آجائے۔

اور اگر کسی امر میں عام لوگ مبتلا ہیں یا اضطراری ضرورت یا حاجت کے درجہ کی ضرورت پیش آتی ہے، تو ایسی صورت میں مقلد مجتہد مسلمانوں کی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر قول راجح کو ترک کر کے قول مرجوح کے مطابق فتویٰ بھی دے سکتا ہے۔ اور خود بھی عمل کر سکتا ہے۔ اور عامۃ المسلمین کے لئے عالم محقق کے اس فتوی کے مطابق عمل کرنا بھی بلا تردد جائز ہے۔ اس کو علماء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وأما لو عمل بالضعيف في بعض الأوقات لضرورة اقتض ذلک فلا يمنع فيه (إلى قوله) هذا خلاف الراجح في المذهب لكن أجازوا الأخذ به للضرورة.

(رسم المفتي قديم ۱۰۱، زکريا جديد ۱۸۸)

اور اگر اس نے کسی وقت ضعیف قول پر عمل کیا، کسی ایسی ضرورت کی بنا پر جو اس قول کو اختیار کرنے کی مقتضی ہے، تو اس سے منع نہیں کیا جائے گا، یہ مذہب راجح کے خلاف ہے؛ لیکن فقہاء نے ضرورت کی وجہ سے اس پر عمل کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔

اگر قول ضعیف کو اختیار کرنے والا عالم محقق اور مفتی مجتہد نہیں ہے؛ بلکہ مقلد محض ہے، تو ضرورت شدیدہ کے بغیر قولِ ضعیف پر نہ ذاتی طور پر عمل کرنا جائز ہے اور نہ ہی فتویٰ دینا، ہاں البتہ اگر کوئی ارم ایسا پیش آجائے جس میں عموم بلویٰ کی شکل ہے، یا ضرورتِ شدیدہ ہے، تو ایسی صورت میں اگر عالم محقق اور مفتی مجتہد موجود نہ ہو تو زمانہ کے معتبر ترین متعدد علماء سے مشورہ کرکے اتفاق رائے سے قول ضعیف کو اختیار کرکے خود عمل کرنا اور عامۃ المسلمین کے لئے فتوی صادر کردینا جائز اور درست ہے، جیسا کہ اس کو حضرت تھانوی قدس سرہ نے ''الحیلۃ الناجزۃ'' اور مفتی رشید احمد صاحبؒ نے ''احسن الفتاوی'' میں بہت واضح الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔ (الحیلۃ الناجزۃ ص:۴۵، احسن الفتاوی ۱/۴۲۱)

نیز ''رسم المفتی'' کی اس عبارت سے بھی اچھی طرح واضح ہوسکتا ہے:

أما لو عمل بالضعيف في بعض الأوقات لضرورة اقتضت ذلک فلا يمنع عنه. (شرح عقود رسم المفتي قديم ۱۰۱، جديد زکريا ۱۸۸)

اگر اس نے قول ضعیف پر کسی ایسی صورت کی وجہ سے عمل کیا ہے، جو اس کی مقتضی ہے، تو اس کو روکا نہیں جائے گا۔

حاصل یہ نکلا کہ ضرورت عامہ کی وجہ سے قولِ غیر راجح پر فتویٰ دینا غیر مجتہد علماء کے لئے اس وقت جائز ہوسکتا ہے، جب کہ اس پر زمانہ کے معتبر ترین علماء متفق ہوجائیں اس کے بغیر جائز نہیں ہے۔ مثال کے طور پر زوجہ مفقود اور زوجہ غائب غیر مفقود اور زوجہ متعنت کے

مسائل میں مسلک حنفی سے عدول کر کے ان کا حکم فقہ مالکی سے لیا گیا ہے، مگر حضرت تھانویؒ نے ان مسائل میں عدول کرنے میں تنہا اپنی رائے سے کام نہیں لیا ہے؛ بلکہ اپنے زمانہ کے معتبر علماء کی جماعت سے اتفاق رائے حاصل فرمایا ہے؛ لہٰذا غیر مجتہد عالم کے لئے اپنے زمانہ کے متعدد معتبر علماء سے اتفاق رائے حاصل کئے بغیر تنہا اپنی رائے سے کسی مسئلہ میں مذہب سے عدول کرنا جائز نہیں ہوگا۔

قول ضعیف کی موجودگی میں عدول عن المذہب

اگر کسی امر میں شدید ضرورت پیش آجائے اور اس سے متعلق مسلک غیر میں گنجائش ہے اور اپنے مسلک میں قول راجح کے مطابق گنجائش نہیں؛ البتہ قول ضعیف میں گنجائش موجود ہے، تو ایسی صورت میں مسلک کے قول ضعیف کو ترک کر کے مسلک غیر کو اختیار کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ ضرورت کے وقت میں مسلک کے قول ضعیف کو اختیار کر کے عمل کرنے کی گنجائش ہو جاتی ہے، اس کو فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

إن المسألة إذا لم تذكر في ظاهر الرواية وثبتت في رواية أخرى تعين المصير إليها.

(رسائل ابن عابدین ۱/ ۳۵)

جب ظاہر الروایت میں کوئی مسئلہ موجود نہ ہو اور ظاہر الروایت کے علاوہ کسی دوسری روایت میں وہ مسئلہ مل جائے، تو اسی روایت کی طرف رجوع کرنا لازم ہوگا۔

لہٰذا قول ضعیف کی موجودگی میں عدول عن المذہب جائز نہیں ہے، مثال کے طور پر طلوع شمس سے پہلے اگر کوئی شخص طواف کرتا ہے، تو طواف کے بعد فوراً صلاۃِ طواف کا پڑھنا امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں؛ بلکہ مکروہ ہے۔ اور یہی قول راجح ہے۔ اور ایسے شخص کے بارے میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ طواف کو طلوع شمس تک مؤخر کردے گا، نیز اگر مسلسل کئی طواف کر لئے ہیں، تو سب کی نمازیں مؤخر کردے گا۔ (شامی کراچی ۲/ ۴۹۹، زکریا ۳/ ۵۱۲، طحاوی شریف ۱/ ۳۹۷)

اوراسی طرح عصر کے بعد غروب شمس تک کے درمیان کا حکم بھی یہی ہے،مگر حضرات ائمہ ثلاثہ کےقول کو لینا جائز نہیں ہوگا؛ بلکہ امام طحاویؒ کےقول کو لینا ضروری ہوگا؛ اس لئے کہ امام طحاویؒ کے مجتہد ہونے کی وجہ سے ان کا قول کم از کم مسلک حنفی کا قول ضعیف اور قول نادر شمار ہوگا۔ اور ضرورت میں قول نادر کو اختیار کرنا جائز ہے، نیز اپنے مسلک میں قول ضعیف کے ہوتے ہوئے غیر کے مسلک کو اختیار کرنا درست نہیں ہے۔ اور امام طحاویؒ کے جواز کے قول کو ہم نے ماقبل میں تفردات امام طحاوی کے تحت نقل کر دیا ہے۔ (طحاوی ۱/ ۳۹۷، ایضاح الطحاوی ۳/ ۴۵۹، التعلیق الممجد علی ہامش موطاامام محمد، ص: ۲۱۴)

اور یہ بات حضرات فقہاء کے اس قول سے اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے:

ومتى لم يوجد في المسألة عن أبي حنيفة رواية يؤخذ بظاهر قول أبي يوسف، ثم بظاهر قول محمد، ثم بظاهر قول زفر والحسن وغيرهم الأكبر فالأكبر، هكذا إلى آخر من كان من كبار الأصحاب، وإذا لم يوجد في الحادثة عن واحد منهم جواب ظاهر وتكلم فيه المشايخ المتأخرون قولا واحدا يؤخذ به، فإذا اختلفوا يؤخذ بقول الأكثرين مما اعتمد عليه الكبار المعروفون كأبي حفص

جب مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی روایت نہ ملے تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ظاہر قول کو اختیار کیا جائے (ان سے بھی کوئی رائے منقول نہ ہو) تو پھر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کیا جائے، پھر امام زفر وحسن ابن زیادہ وغیرہ حضرات میں سے ترتیب وار بڑے کا قول قابل عمل ہوگا، اسی طرح امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کبار تلامذہ میں سے دوسرے کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور جب کسی واقعہ میں ان حضرات سے کوئی واضح جواب منقول نہ ہو اور مشائخ متأخرین کا کوئی قول مل جائے تو اس کو لیا جائے گا، پھر اگر مشائخ کا اختلاف ہو جائے، تو کبار فقہاء متاخرین جیسے: ابوحفص کبیر رحمۃ

وأبي جعفر، وأبي الليث، والطحاوي وغيرهم، فيعتمد عليهم. (رسائل ابن عابدين ١/ ٣٣)

اللہ علیہ، ابو جعفر ہندوانی رحمۃ اللہ علیہ، ابوالليث رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی اکثریت جس قول کی طرف مائل ہو اسی پر فتویٰ دیا جائے گا۔

لہٰذا اس تفصیل سے واضح ہو چکا ہے کہ قولِ ضعیف اور قولِ مرجوح کی موجودگی میں عدول عن المذہب جائز نہیں ہے۔

دیانات ومعاملات میں عدول

اب تک کی تفصیلات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عموم بلویٰ اور اضطراری ضرورت کی وجہ سے، نیز ضرورت بمعنی حاجت کی وجہ سے اصل مذہب سے عدول کر کے مسلک غیر کا اختیار کرنا یا قول ضعیف کا اختیار کرنا جائز ہے؛ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عدول عن المذہب معاملات ودیانات دونوں میں سے ہر ایک میں جائز ہے یا کسی ایک کے ساتھ خاص ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قولِ ضعیف کا اختیار کرنا یا مذہب سے عدول کرنا ان میں سے کسی ایک کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ بلکہ دیانات یا معاملات میں سے کسی بھی قبیل کے کسی امر میں جب ضرورت پیش آجائے گی تو مذہب سے عدول کر کے اس کو اختیار کر لینا ماقبل کی شرائط کے مطابق جائز ہو جائے گا۔ (کلمۃ الحق، ص: ۱۷، اشرف المعمولات/ ۳۳، فقہ حنفی کے اصول وضوابط/ ۱۶۸)

عدول عن المذہب کی وضاحتی مثالیں

دیانات میں عدول عن المذہب کی مثالیں

دیانات میں عدول عن المذہب کے مسئلہ کو واضح کرنے کے لئے ہم یہاں بطور نظیر چار مسائل پیش کرتے ہیں:

(۱) **جمع بين الصلاتين:** مسافر کے لئے جمع بین الصلاتین حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں۔ اور شافعیہ کے نزدیک جائز ہے، مثال کے طور پر کسی قافلہ کا سفر ہو رہا ہے

اور نماز کا وقت آگیا ہے اور یہ خوف کرتا ہے کہ اگر میں نماز میں لگ جاؤں گا تو قافلہ مجھے چھوڑ کر چلا جائے گا اور تنہائی میں اپنی جان ومال کا خطرہ ہے، تو ایسی صورت میں اس کے لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق جمع تاخیر کے طور پر جمع بین الصلاتین کر لینا جائز ہے؛ لیکن اس جمع کے لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے سارے شرائط کی رعایت کرنا لازم ہوگا۔ اور ان کے نزدیک جمع تاخیر کی صحت کے لئے یہ شرط ہے کہ پہلی نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے جمع بین الصلاتین کی نیت کر لے، نیز اگر باجماعت نماز ہو رہی ہے، تو مقتدی ہونے کی حالت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا لازم ہوگا اور مس فرج اور مس اجنبیہ کی وجہ سے اعادۂ وضو بھی لازم ہوگا، ان شرائط کے ساتھ ایسے شخص کے لئے امام شافعیؒ کے مسلک کی طرف عدول کر کے جمع تاخیر کر لینا جائز اور درست ہے۔ اور ایسی صورت میں اس کی نماز کے قضاء ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا؛ بلکہ مسلک شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ادا کا حکم لگایا جائے گا، اس کو فقہ حنفی کی کتابوں میں اس طرح کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

لا بأس بالتقليد عند الضرورة بشرط أن يلتزم جميع ما يوجبه ذلك الإمام. وتحته في الشامية: المسافر إذا خاف اللصوص أو قطاع الطريق ولا ينتظره الرفقة جاز له تاخير الصلاة؛ لأنه يعذر (إلى قوله) ولم يشترط جميع التاخير سوى نية الجمع قبل خروج الأولى، ويشترط أيضا

ضرورت کے وقت (دوسرے امام) کی تقلید کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ اس (دوسرے) امام کی تمام شرائط کی رعایت کرنا لازم ہوگا، اس کے ذیل میں شامی میں لکھا ہے کہ جب مسافر چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ محسوس کرے اور سفر کے ساتھی بھی اس کا انتظار نہ کریں، تو اس کے لئے جمع تاخیر کرنا جائز ہے؛ اس لئے کہ یہ عذر کی وجہ سے جائز قرار دیا جا رہا ہے، اور جمع تاخیر میں صرف شرط یہ ہے کہ پہلی نماز کا وقت ختم

أن يقرأ الفاتحة في الصلاة ولو مقتديا، وأن يعيد الوضوء من مس فرجه أو أجنبية وغير ذلک من الشروط والأركان المتعلقة بذلک الفعل. (شامي کراچی ۱/ ۳۸٤، زکریا ۲/ ٤٦، البحرالرائق، کوئٹه ۱/ ۲٥٤، زکریا ۱/ ٤۲۲)

ہونے سے پہلے پہلے جمع بین الصلاتین کی نیت کرلے اور یہ بھی شرط ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھے، چاہے مقتدی ہی کیوں نہ ہو۔ اور مس فرج اور مس اجنبیہ کی وجہ سے وضودوبارہ کرے۔ اور اس کے علاوہ دوسرے تمام شرائط وارکان جواس فعل سے متعلق ہوں تمام کی رعایت رکھنا شرط ہے۔

(۲) **دمِ حیض**: حنفیہ کے نزدیک دمِ حیض میں رنگوں کا اعتبار نہیں ہے؛ اس لئے مستحاضہ عورت کا خون کے رنگوں کا اعتبار کرکے عمل کرنا حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے؛ البتہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تمیز باللون کا اعتبار رہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک عادت کا اعتبار رہے۔ اور اگر عادت نہیں ہے، تو اکثر مدت حیض (دس دن) مکمل کرنا لازم ہے؛ لیکن اگر مسلک حنفی پر عمل کرنا دشوار ہوجائے تو مسلک حنفی سے عدول کرکے ائمہ ثلاثہ کے قول کے مطابق تمیز باللون پر عمل کے لئے فتویٰ دینا جائز ہے، اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

لو أفتى مفت بشيء من هذه الأقوال في مواضع الضرورة طلبا للتيسير كان حسنا خصه بالضرورة؛ لأن هذه الألوان كلها حيض في أيامه. (شامي، کراچی ۱/ ۲۸۹، زکریا ۱/ ٤۸۲، رسم المفتي، ص: ۱۰۲، البحرالرائق، کوئٹه ۱/ ۱۹۳، زکریا ۱/ ۳۳٥)

اگر ان اقوال میں سے کسی قول پر کوئی مفتی بوقت ضرورت بغرض آسانی فتویٰ دے دے تو یہ اچھی بات ہے۔ اور ضرورت کے ساتھ تخصیص اس لئے کی کہ یہ تمام رنگ زمانۂ حیض میں دمِ حیض شمار ہوتے ہیں۔

(۳) **ممتدة الطهر**: مسئلہ یہ ہے کہ کسی عورت کو جب تین دن مسلسل ایک دفعہ حیض آجائے تو شرعی طور پر وہ عورت ذوات الحیض مانی جاتی ہے، اب اگر شوہر اس کو طلاق

دے گا، تو اس کے اوپر تین حیض کے ساتھ عدت گذارنی لازم ہے، اگر چہ اس کے طہر کی مدت غیر معمولی طویل کیوں نہ ہوتی ہو۔ اور حنفیہ کے نزدیک سن الایاس یعنی پچپن سال کی عمر تک حیض آنے کا انتظار لازم ہے۔ اور اگر پچپن سال کی عمر تک حیض نہ آئے تو اس کو آئسہ کا حکم دے کر مہینوں کے ساتھ عدت گذارنے کا حکم ہے؛ لیکن حضرت امام مالکؒ کے نزدیک حیض بند ہونے کے چھ مہینے کے بعد اس کو آئسہ کے حکم میں مان لیا جاتا ہے، چاہے عورت بالکل نوجوان ہو یا عمر رسیدہ ہو ہر حال میں چھ مہینے تک حیض کا سلسلہ بند ہو جانے کی وجہ سے اس کو آئسہ کا حکم حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اس کے بعد مہینہ کے حساب سے تین مہینہ عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ اور متأخرین حنفیہ نے عورت کی ضرورت وحاجت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسلک حنفی سے عدول کر کے اس مسئلہ کو امام مالکؒ کے مذہب سے لیا ہے؛ لہٰذا جب کسی عورت کے طہر کی مدت چھ مہینے سے تجاوز کر جائے تو اس کو مہینے کے حساب سے عدت گذارنے کی اجازت ہوگی۔

وإن رأت ثلاثة أيام، أي دما وانقطع ومضى سنة أو أكثر، ثم طلقت فعدتها بالحيض إلى أن تبلغ حد الإياس، وهو خمس وخمسون سنة في المختار، وعند مالك للآئسة تسعة أشهر ستة أشهر لاستبراء الرحم، وثلاثة أشهر للعدة، قال العلامة: والفتوى في زماننا على قول مالك في عدة الآئسة. (فتاوى بزازية على هامش الهندية ٤/ ٢٥٦، جديد زكريا سيٹ ١٠/ جلد، ١/ ١٦٦)

اور اگر عورت نے مسلسل تین دن خون دیکھا اور وہ ختم ہو گیا اور ایک سال یا اس سے زائد اس حالت میں گذر گیا، پھر وہ مطلقہ ہو گئی، تو جب تک وہ سن ایاس یعنی پچپن سال کی عمر کو نہ پہنچ جائے قولِ مختار کے مطابق حیض کے ذریعہ ہی عدت گذارے گی۔ اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آئسہ کے لئے نو مہینے ہیں، چھ مہینے استبراء رحم کے لئے اور تین مہینے عدت کے لئے۔ علامہ نے فرمایا کہ ہمارے زمانہ میں آئسہ کے سلسلے میں فتویٰ حضرت امام مالکؒ کے قول پر ہے۔

اورعلامہ شامیؒ نےاس کوان الفاظ کےساتھ نقل فرمایاہے:

ممتدة الطهر التي بلغت برؤية الدم ثلاثة أيام، ثم امتد طهرها، فإنها تبقى في العدة إلى أن تحيض ثلاث حيض، وعند مالک تنقضي عدتها بتسعة أشهر، وقد قال في البزازية: الفتوى في زماننا على قول مالک، وقال الزاهدي: قال بعض أصحابنا: يفتون به للضرورة.

(شامي كراچی ٤/ ٢٩٦، زكريا ٦/ ٤٦١)

ایسی ممتدۃ الطہر عورت جوصرف تین دن خون آنے کے ذریعہ بالغ ہوئی، پھراس کے طہر کی مدت دراز ہوگئی، تو وہ تین حیض آنے تک عدت ہی میں باقی رہے گی۔ اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چھ مہینے تک وہ عدت گذارے گی۔ اور بزازیہ میں فرمایا کہ ہمارے زمانے میں فتویٰ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔ اور زاہدی نے فرمایا کہ ہمارے بعض اصحاب بوقت ضرورت اسی قول پرفتویٰ دیتے تھے۔

ایسے مسائل کے اندر شرط یہ ہے کہ حنفی مسلک کا مفتی اس وقت تک فتویٰ نہ دے، جب تک مالکی مسلک کا مفتی موجود ہو۔ اور ایسے مسائل کوحنفی المسلک کے عوام مالکی المسلک کے مفتی سے معلوم کیا کریں؛ البتہ اگر مالکی المسلک مفتی نہ ہو، تو حنفی المسلک مفتی ایسے مسائل میں مسلک مالکی پرفتویٰ دے سکتا ہے۔ اور حنفی قاضی فیصلہ بھی دے سکتا ہے۔ اس کو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

إن الكلام عند تحقق الضرورة حيث لم يوجد مالكي يحكم به.

بے شک یہ کلام تحقق ضرورت کے وقت جب ہے، جب کہ کوئی مالکی فیصلہ کرنے والا نہ ہو۔

(شامي كراچی ٤/ ٢٩٦، زكريا ٦/ ٤٦١)

(۴) حجاز مقدس میں عصر کی نماز دومثل سے قبل

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قولِ راجح کے مطابق ہر چیز کا سایہ اپنے سایہ

اصلی سے دو مثل مکمل ہو جانے تک ظہر کا وقت باقی رہتا ہے۔ اور عصر کا وقت اس کے بعد شروع ہوتا ہے؛ لہٰذا عصر کی نماز دو مثل مکمل ہو جانے سے قبل جائز نہیں ہے، اسی پر حنفیہ کا فتویٰ ہے۔ اور یہی معمول بہ ہے۔

اور حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام طحاوی رحمہم اللہ کے نزدیک ظہر کا وقت ایک مثل کے مکمل ہونے تک باقی رہتا ہے، اس کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اور عصر کی نماز مشروع ہونے کے لئے دو مثل کی تکمیل کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہی حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے، مگر اس روایت پر مسلک حنفی کے مفتیان کرام فتویٰ نہیں لکھتے ہیں۔ اور ظاہر الروایت کے خلاف ثابت کیا جاتا ہے؛ لیکن شامی اور ہندیہ وغیرہ میں امام صاحب کے اس قول کی ترجیح کے لئے بہت سارے الفاظِ ترجیح نقل فرمائے ہیں۔ اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

ووقت الظهر من زواله، أي ميل ذكاء عن كبد السماء إلى بلوغ الظل مثليه، وعنه مثله، وهو قولهما وزفر والأئمة الثلاثة، قال الطحاوي: وبه نأخذ، وفي غرر الأذكار: وهو المأخوذ به، وفي البرهان: وهو الأظهر، وفي الفيض: وعليه عمل الناس اليوم، وبه يفتي الخ. وفي الشامية: وقوله إلى بلوغ الظل مثليه هذا

اور ظہر کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے، یعنی سورج کے نصف النہار سے ڈھل جانے سے سایۂ اصلی سے دو مثل پورے ہونے تک باقی رہتا ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ایک مثل کی بھی ہے۔ اور یہی صاحبین رحمہما اللہ اور امام زفر اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا مسلک ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔ اور ”غرر الاذکار“ میں ہے کہ یہی معمول بہ ہے۔ اور برہان میں ہے کہ یہی اظہر ہے۔ اور فیض میں ہے کہ آج کل لوگوں کا عمل اسی پر

ظاهر الرواية عن الإمام، وهو الصحيح. (درمختار مع الشامي، كراچی ١/ ٣٥٩، زكريا ٢/ ١٤، هكذا في الهداية ١/ ٦٤)

ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور شامی میں ہے کہ دو مثل کا قول امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر الروایۃ ہے اور یہی صحیح ہے۔

حاصل یہ ہے کہ حنفیہ کا اصل مسلک یہی ہے کہ دو مثل مکمل ہونے سے قبل عصر کی نماز جائز نہیں ہے، مگر حجاز مقدس میں حرمین شریفین اور دیگر تمام مساجد میں ایک مثل کی تکمیل پر عصر کی نماز پڑھی جاتی ہے، وہاں دو مثل کا انتظار دشوار ہے؛ اس لئے حرمین شریفین اور مساجد کی جماعت کی حاجت کی وجہ سے ائمہ ثلاثہ اور صاحبینؒ، امام زفر، طحاویؒ کے مسلک کو اختیار کر کے حجاز مقدس میں ایک مثل کی تکمیل پر وہاں والوں کے ساتھ با جماعت عصر کی نماز پڑھ لینا جائز ہوگا۔ اور حرمین شریفین کی جماعت کی فضیلت سے محروم ہونا مناسب نہ ہوگا۔ (فتاوی رشیدیہ مکتبہ فقیہ الامت ۱/ ۴۴۵)

اسی کو بعض اہل فتاوی نے ترجیح دی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/ ۱۴۵)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے غیر حجاز میں بھی ایک مثل کے قول کو ترجیح دی ہے۔ (فتاوی رشیدیہ قدیم، ص: ۲۹۶-۲۹۹، جدید ۱/ ۴۴۵)

الفصل العاشر:

اہم ترین کتبِ فقہ کا تعارف

(۱) الاصل

امام مجتہد محمد بن حسن الشیبانیؒ المتوفی: ۱۸۷ھ یا ۱۸۹ھ کی تصنیف ہے، جو ''المبسوط فی فروع الحنفیہ'' کے نام سے جانی جاتی ہے، قطر کے مکتبہ اوقاف سے بارہ جلدوں میں چھپی ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۱/۴۴۸، ۲/۴۸۳، الاعلام ۶/۸۰، مقدمہ تاتارخانیہ ۴۹)

(۲) البحر الرائق

علامہ زین الدین بن نجیم الحنفی المتوفی ۹۷۰ھ کی تصنیف ہے، جو فقہ حنفی کی مشہور اور جامع متن ''کنز الدقائق'' کی تفصیلی شرح ہے۔ فقہاء کے اقوال اور جزئیات کو محیط ہونے کے اعتبار سے یہ کتاب بے نظیر ہے۔ ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/۴۳۴، ۵/۳۱۰، الاعلام ۳/۶۴)

(۳) بدائع الصنائع

ملک العلماء علامہ علاؤالدین ابوبکر بن سعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ کی تصنیف ہے۔ جو علامہ محمد بن احمد علاؤ الدین السمر قندی المتوفیٰ ۵۳۹ھ کی تصنیف ''تحفۃ الفقہاء'' کی شرح ہے؛ لیکن عبارت میں اتنی یکسانیت ہے کہ شرح اور متن کا فرق کہیں نظر نہیں آتا۔ ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۱/۳۱۶، الفوائد البہیہ ۶۹، الاعلام ۲/۷۰، مقدمہ تاتارخانیہ/۶۰-۶۱)

(۴) البنایہ

ابومحمد بدرالدین محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ کی تصنیف ہے۔ جو فقہ حنفی کی مشہور و معتبر کتاب ہدایہ کی شرح ہے، مکتبہ اشرفیہ

دیوبند سے سے بارہ جلدوں میں چھپی ہوئی ہے، اس کے علاوہ اس کے اور بھی نسخے کم وبیش جلدوں میں دستیاب ہیں۔ ملاحظہ ہو: (الفوائد البہیہ/۲۷۲، الاعلام ۷/۱۶۳، مقدمہ تاتارخانیہ/۱۰۴)

(۵) تبیین الحقائق

امام فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی الحنفی المتوفی ۷۴۳ھ کی تصنیف ہے، جو فقہ حنفی کی مشہور اور جامع متن کنز الدقائق کی شرح ہے، مکتبہ زکریا سے سات جلدوں میں چھپی ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/۴۳۴)

(٦) التجرید

''تجرید القدوری'' امام ابوالحسین احمد بن محمد الحنفی المتوفی ۴۲۸ھ کی تصنیف ہے۔ احناف وشوافع کے درمیان مختلف فیہ مسائل کو اس کتاب میں انتہائی اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جو ایک جلد میں چھپی ہوئی ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۱/ ۲۹۹، الفوائد البہیہ/ ۴۰)

(۷) تحفۃ الفقہاء

علامہ محمد بن احمد علاؤ الدین السمر قندی المتوفی ۵۳۹ھ کی تصنیف ہے، جو فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''بدائع الصنائع'' کا متن ہے، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان سے ایک جلد میں چھپی ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۱/ ۳۱٦)

(۸) تحفۃ الملوک

زین الدین محمد بن ابی بکر حسن الرازی الحنفی کی تصنیف ہے، جس میں صرف عبادات کے مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ اور دس کتابوں میں کتاب کی ترتیب ہے، اس کی شرح علامہ بدر الدین محمود بن احمد العینی المتوفی ۸۵۵ھ نے ''منحۃ السلوک فی شرح تحفۃ الملوک'' سے کی ہے۔ ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۱/ ۳۱۹) یہ کتاب مکتبہ شامیہ میں ہے۔

(۹) تقریرات رافعی

امام عبدالقادر بن مصطفیٰ بن عبدالقادر البیساری الرافعی الطرابلسی الشامی المتوفی ۱۳۲۳ھ کا فتاوی شامی پرتحریرفرمودہ ایک قیمتی حاشیہ ہے، جوالگ سے دوجلدوں میں شائع شدہ ہےاور ہندوستان میں رائج شامی زکریا کے ہرجلد کے ساتھ رافعی کا متعلقہ حصہ لگا دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام ۴/۴۶)

(۱۰) تنویرالابصاروجامع البحار

شیخ شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد بن تمرتاش الغزی الحنفی المتوفی ۱۰۰۴ھ کی تصنیف ہے، جس میں منصب افتاء پر فائز ہونے والوں کے لئے معتمد ومختار مسائل کوجمع کیا گیا ہےاور خود مصنف نے اس کی شرح ''فتح الغفار'' کے نام سے دوجلدوں میں لکھی؛ لیکن اس کی سب سے مشہور شرح ''الدرالمختار'' ہے، جوحاشیہ ابن عابدین (فتاوی شامی) کا متن ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۱/۴۰۴)

(۱۱) الجامع الصغیر فی الفروع

امام مجتہد محمد بن الحسن الشیبانی المتوفی ۱۸۷ھ کی قدیم تصنیف ہے جو بقول بزدوی ۱۵۳۲ رمسائل پر مشتمل ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۱/۴۴۳، الفوائد البہیہ/۲۱۲)

(۱۲) جامع الفتاوی

امام ناصرالدین ابوالقاسم محمد بن یوسف السمر قندی الحنفی المتوفی ۶۵۶ یا ۵۵۶ھ کی تصنیف ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/۶۵۴، الفوائد البھیہ / ۲۸۹)

(۱۳) الجامع الکبیر فی الفروع

حضرت امام محمدؒ کی تیسری معرکۃ الآراء کتاب ہے، جو اپنے نام کی طرح بہت سے

مسائل پر مشتمل ہے، جس کے متعلق امام محمد بن اشجاع البلخی کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ اسلام میں فقہ کے موضوع پر امام محمد کی جامع کبیر جیسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۱/ ۵۶۸، الفوائد البھیہ ۲۱۲، اصول الافتاء وادابہ/ ۱۲۶-۱۲۷)

(۱۴) الجامع الوجیز (فتاوی بزازیہ)

امام حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب المعروف با بن البزار الکردی الحنفی المتوفی ۸۲۷ھ کی تالیف ہے، اس میں بہت مرتب انداز سے مختلف کتابوں سے مسائل فقہ جمع کئے گئے ہیں اور راجح مسائل کو بھی ذکر کیا گیا ہے، یہ پہلے ہندیہ کے حاشیہ پر چھپی ہوئی تھی، اب مستقل الگ سے تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۱/ ۲۳۵)

(۱۵) الجوہرۃ النیرۃ

امام علامہ شیخ الاسلام ابوبکر بن علی بن محمد الحدادالیمنی المتوفی ۸۰۰ھ کی تالیف ہے، آپ کثیر التصانیف ہیں، آپ نے درس نظامی کی مشہور کتاب ''قدری'' کی دو شرحیں لکھیں ہیں: پہلی ''السراج الوہاج'' اور دوسری ''الجوہرۃ النیرۃ'' جو بعض جگہوں پر داخل درس ہے۔ ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/)

(۱۶) حاشیہ چلپی

علامہ شیخ چلپی علیہ الرحمہ کا حاشیہ ہے، یہ کتاب فقہ حنفی کی مشہور اور جامع متن ''کنز الدقائق'' للعلامہ النسفی المتوفی ۷۱۰ھ کی شرح ہے۔

(۱۷) حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار

امام احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاوی المتوفی ۱۲۳۱ھ کی فقہ حنفی کی جامع ترین کتاب ''الدر المختار'' پر بے نظیر حاشیہ ہے، جس میں درمختار کی مغلق اور مجمل عبارتوں کے حل کی نہایت کامیاب کوشش کی گئی ہے، یہ کتاب پاکستان سے چار جلدوں میں شائع شدہ ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۵/ ۱۵۲، الاعلام ۱/ ۲۴۵، مقدمہ تاتارخانیہ ۶۸)

(۱۸) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح

علامہ شرنبلالی المتوفی ۱۰۶۹ھ کی نور الایضاح کی مشہور شرح ''مراقی الفلاح'' پر امام محمد احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاوی المتوفی ۱۲۳۱ھ کا تفصیلی حاشیہ ہے، جس کا شمار فقہ حنفی کی مستند کتابوں میں ہوتا ہے، اس میں زیادہ تر جزئیات نماز کے احکام ومسائل سے متعلق ہیں۔
ملاحظہ ہو: (الاعلام ۱/ ۲۴۵، کشف الظنون ۵/ ۱۵۲)

(۱۹) خزانۃ الفقہ

امام ابو اللیث نصر بن محمد الفقیہ السمر قندی الحنفی المتوفی ۳۸۳ھ کی تصنیف ہے، جو ''کنز الدقائق'' کے متن کے طرز پر ہی ترتیب دی گئی ہے، جس میں مقدمہ کے گنے چنے مسائل کا ذکر ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۱/ ۵۴۰)

(۲۰) خلاصۃ الفتاوی

امام طاہر بن احمد بن عبد الرشید البخاری المتوفی ۵۴۲ھ کی فقہ حنفی کی مشہور ومتداول کتاب ہے، حشو وزوائد سے پاک مفتی بہ مسائل کو جامع ہے، مکتبہ اشرفیہ دیوبند سے مولانا عبد الحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے بے نظیر حاشیہ کے ساتھ چار جلدوں میں شائع شدہ ہے،
ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۱/ ۵۵۱)

(۲۱) الدر المختار

امام محمد بن علی بن محمد الحصنی المعروف بعلاء الدین الحصکفی کی تنویر الابصار کی سب سے معروف ومشہور شرح ہے، جس پر علامہ شامیؒ نے بے نظیر حاشیہ لکھا ہے، جو اس وقت فقہ حنفی کا سب سے مستند اور مقبول ترین مجموعہ ہے، یہ کتاب اس وقت دو جلدوں میں شائع شدہ ہے، اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۶/ ۲۳۲، مقدمہ تاتارخانیہ/ ۶۸)

(۲۲) درر الحکام فی شرح غرر الاحکام

علامہ منلا خسرو المتوفی ۸۸۵ھ کی کتاب ’’غرر الاحکام‘‘ کی شرح ہے، یہ کتاب متن کے بجائے شرح سے زیادہ مشہور ومعروف ہے، بیروت سے دو جلدوں میں شائع شدہ ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/۱۹۶، ۱/۵۷۱)

(۲۳) الذخیرۃ

امام برہان الدین محمود بن احمد بن عبد العزیز بن عمر بن المازہ المتوفی ۶۱۶ھ کی تصنیف ہے، جس کا نام ’’ذخیرۃ الفتاویٰ‘‘ ہے۔ اور جو علماء کے ما بین الذخیرۃ البرہانیہ کے نام سے مشہور ہے، یہ کتاب دراصل ’’المحیط البرہانی‘‘ کی تلخیص ہے اور پانچ ضخیم جلدوں میں شائع شدہ ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۱/۶۲۱)

(۲۴) رد المحتار علی الدر المختار

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی المعروف بابن عابدین الشامی المتوفی ۱۲۵۲ھ کا ’’الدر المختار‘‘ پر بے نظیر حاشیہ ہے، جو اس وقت فقہ حنفی کا سب سے مقبول اور مستند مجموعہ ہے، جس میں تمام کتب متقدمین متأخرین کا عطر اور نچوڑ آ گیا ہے، اسی لئے چہار دانگ عالم میں اس حاشیہ کو پورے طبقۂ احناف میں مرجعیت کا مقام حاصل ہے، اور تن تنہا اس کتاب نے بہت سی کتب فقہ سے مستغنی کر دیا ہے، بازار میں ’’فتاوی شامی‘‘ کے بہت سے مطبوعہ نسخے دستیاب ہیں، ملاحظہ ہو: (الاعلام ۶/۴۲، کشف الظنون ۶/۲۸۶)

(۲۵) سکب الانہر

امام علاؤ الدین علی بن محمد الطرابلسی ابن ناصر الدین الدمشقی الحنفی المتوفی ۱۰۳۲ھ کی تصنیف ہے، جو ملتقی الابحر کی شرح ہے، مکتبہ فقیہ الامت دیوبند سے مجمع الانہر کے ساتھ چار جلدوں میں شائع شدہ ہے۔ ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/۶۵۶)

(۲۶) السیر الصغیر

حضرت امام محمدؒ کی پانچویں معرکۃ الآراء تالیف ہے، جس میں آپ نے خاص کر ان امالی کو جمع فرمایا ہے، جو حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنے تلامذہ کے سامنے سیر یعنی جہاد وقتال اور غیر مسلموں کے ساتھ معاملات کے موضوع پر ارشاد فرمائے تھے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/۵۳)

(۲۷) السیر الکبیر

حضرت امام محمدؒ کی آخری تالیف کردہ کتاب ہے، جسے آپ نے عراق سے واپسی کے بعد تصنیف کیا، اس کا شمار بین الاقوامی قوانین جنگ وصلح کے موضوع پر قدیم ترین کتابوں میں ہوتا ہے۔ اور دورِ حاضر کے حالات میں بھی اس کو مشعل راہ بنا کر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/۶۰)

(۲۸) شرح المجلۃ

سلیم رستم باز اللبنانی کی تصنیف ہے، اس میں سلطنت عثمانیہ کے دور میں جاری کردہ فتاوی کو جمع کیا گیا ہے، مکتبہ اتحاد سے دو جلدوں میں شائع شدہ ہے۔

(۲۹) شرح الصغیری

امام ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحلبی الحنفی المتوفی ۹۵۶ھ کی تالیف ہے، جس میں صرف نماز کے مسائل اور جزئیات کو جمع کیا گیا ہے، مکتبہ مجتبائی دہلی سے شائع شدہ ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۵/ ۲۵، الاعلام ۱/ ۶۶)

(۳۰) شرح منظومۃ بن وہبان

علامہ عبدالوہاب بن احمد المعروف بابن وہبان الدمشقی المتوفی ۷۶۸ھ کی تالیف ہے، جس میں آپ نے فقہ حنفی کے نادر اور غریب مسائل کو تقریباً ایک ہزار اشعار میں جمع فرمایا تھا، آج فقہ حنفی کی معتمد منظومات میں اس کا شمار ہے۔ ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/ ۶۹۳)

(۳۱) شرح وقایہ

علامہ عبید اللہ بن مسعود بن محمود بن احمد بن عبید اللہ بن ابراہیم المتوفی ۷۴۷ھ کی تالیف ہے، جو آپ کے دادا کی تالیف ''الوقایہ'' کی شرح ہے اور درس نظامی میں شامل ہے، علامہ عبدالحیٔ فرنگی محلی کے مفید حواشی کے ساتھ دو جلدوں میں شائع شدہ ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/ ۸۰۶)

(۳۲) شرح النقایہ

نور الدین علی بن سلطان محمد القاری الہروی الحنفی المعروف بملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ کی تالیف ہے، جو تاج الشریعہ محمود بن عبید اللہ کی کتاب وقایہ کی تلخیص نقایہ کی شرح ہے، مکتبہ اعزازیہ دیوبند سے اس کی پہلی جلد ''کتاب الحج'' تک شائع ہوئی تھی، جس میں فقہ حنفی کے مسائل کو احادیث صحیحہ سے کامیاب حد تک مدلل ومحقق کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۵/۶۰۰)

(۳۳) عقود الدرایہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ

امام محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی المتوفی ۱۲۵۲ھ کی تالیف ہے، جس میں نئے پیش آمدہ مسائل کو جمع کیا گیا ہے، بیروت سے دو جلدوں میں شائع شدہ ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۶/ ۲۸۶، الاعلام ۶/ ۴۲)

(۳۴) عمدۃ المفتی

امام حسام الدین برہان الائمہ عمر بن عبد العزیز بن عمر بن مازہ البخاری الحنفی المعروف بالصدر الشہید المتوفی ۵۳۶ھ کی تالیف ہے، ملاحظہ ہو: (الاعلام ۵/ ۵۱، کشف الظنون ۴/ ۸۸)

العنایہ

علامہ اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی المتوفی ۷۸۶ھ کی تالیف کردہ ہے، یہ کتاب

درس نظامی میں پڑھائی جانے والی فقہ حنفی کی بنیادی کتاب ہدایہ کی شرح ہے، جو فتح القدیر کے ساتھ اس کے حاشیہ پر شائع شدہ ہے۔

(٣٥) غنية المستملي شرح منية المصلي

امام ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحلبی الحنفی المتوفی ٩٥٦ھ کی تالیف ہے، جس میں صرف نماز کے مسائل اور جزئیات کو جمع کیا گیا ہے، اس کو شرح کبیری اور حلبی کبیر کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، نماز سے متعلق مسائل میں اس کتاب کو مرجعیت حاصل ہے، مکتبہ اشرفیہ دیوبند سے شائع شدہ ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ٥/ ٢٥، الاعلام ١/ ٦٦)

(٣٦) فتح القدیر

امام محقق کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید بن مسعود السیواسی الاسکندری الشہیر بابن الہمام المتوفی ٨٦١ھ کی تالیف ہے، فقہ حنفی کی بنیادی کتاب ہدایہ کی شرح ہے، ہدایہ کی بہت سی شروحات ہیں؛ لیکن ان میں سب سے امتیازی شان ''فتح القدیر'' کو حاصل ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ٦/ ١٠٧، الاعلام ٦/ ٢٥٥، الفوائد البھیہ/ ٢٣٥)

(٣٧) فتاوی ابی اللیث

فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد السمر قندی المتوفی ٣٨٣ھ کی تالیف ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ٢/ ٢١٣)

(٣٨) الفتاوی البقالی

امام محمد بن ابی القاسم الخوارزمی المعروف بالبقالی المتوفی ٥٦٢ھ کی تالیف ہے، ملاحظہ ہو: (الاعلام ٦/ ٣٣٥، الفوائد البھیہ/ ٢١٠)

(٣٩) الفتاوی التاتارخانیہ

علامہ فرید الدین عالم بن العلاء الاندرپتی الدہلوی الہندی المتوفی ٧٨٦ھ کی تالیف

ہے، یہ کتاب اب تک مخطوطہ کی شکل میں تھی، مگر محض اللہ کے فضل وانعام سے اس نااہل کے ہاتھوں سے پہلی بار مکمل کتاب مرتب ہوکر شائع ہوگئی ہے اور مکتبہ زکریا سے ۲۳؍جلدوں میں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے، جس میں تقریباً دس ہزار سے زائد احادیث وآثار کو فقہی مسائل کے ساتھ حاشیہ میں درج کیا گیا ہے۔

(۴۰) فتاوی حسام الدین

شیخ امام برہان الائمہ عمر بن عبدالعزیز بن عمر بن مازہ الشہید المتوفی ۵۳۶ھ کی تالیف کردہ ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/۲۱۴، الفوائد البھیہ/۱۹۳، الاعلام ۵/۵۱)

(۴۱) الفتاوی الخانیہ

امام فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی الفرغانی الحنفی المتوفی ۵۹۲ھ کی تالیف ہے، جس میں مذہب حنفی کے مفتی بہ اور راجح مسائل کو جمع کیا گیا ہے، فتاوی قاضی خان کے نام سے اہل علم کے درمیان مشہور ہے، پہلے یہ کتاب ہندیہ کے حاشیہ پر تین جلدوں میں شائع شدہ تھی، جب کہ اب یہ کتاب الگ سے مستقل تین جلدوں میں شائع شدہ ہے، مزید ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/ ۲۱۸، الاعلام ۲/۲۲۴، الفوائد البھیہ/۸۴)

(۴۲) فتاوی الخجندي

امام تاج الدین احمد بن محمود بن عمر الجخندی الحنفی المتوفی ۷۰۰ھ کی تالیف کردہ ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۵/۸۶، ۲/۲۱۴)

(۴۳) فتاوی خواہرزادہ

علامہ ابوبکر محمد بن الحسین بن محمد بن الحسین البخاری المعروف بخواہرزادہ المتوفی ۴۸۳ھ کی تالیف کردہ ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/ ۲۱۵)

(۴۴) الفتاوی السراجیہ

علی بن عثمان بن محمد بن سراج الدین الاوشی کی تالیف کردہ ہے، ۵۶۹ھ میں یہ کتاب مکمل ہوئی، علماء کے درمیان اس کتاب کی بڑی اہمیت ہے، مکتبہ اتحاد سے دو جلدوں میں شائع شدہ ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/ ۲۱۵، الاعلام ۴/ ۳۱۰)

(۴۵) الفتاوی السغدی

امام فقیہ ابوالحسن عطاء بن حمزہ السغدی السمرقندی کی تالیف کردہ ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/ ۲۱۶، الفوائد البھیہ/ ۱۵۱)

(۴۶) الفتاوی الصیرفیہ

امام مجد الدین اسعد بن یوسف بن علی البخاری ومتقدمین کی کتابوں سے جمع کردہ فتاوی کا مجموعہ ہے، جس کی ترتیب حضرت کے کچھ طلبہ نے دی ہے اوران ہی کی اجازت سے اس پر متقارب مسائل کا اضافہ بھی کیا ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/ ۲۱۷)

(۴۷) الفتاوی الظہیریۃ

ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد القاضی البخاری الحنفی المتوفی ۶۱۹ھ کی تالیف ہے، جس میں واقعات اورنوازل انتہائی ضروری مسائل کو یکجا کیا گیا ہے، جس میں سے منتخب کر کے علامہ بدالدین عینی المتوفی ۸۵۵ھ نے الگ سے ایک کتاب کی ترتیب دی ہے، جس کا نام "المسائل البدریۃ المنتخبۃ من الفتاوی الظهیریۃ" رکھا، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/ ۲۱۷، الفوائد البھیہ/ ۲۰۳)

(۴۸) الفتاوی العتابیہ

ابونصر احمد بن محمد العتابی البخاری الحنفی المتوفی ۵۸۶ھ کی تالیف ہے، جس کا نام

''جامع الفقہ'' ہے اور اہل علم کے درمیان ''فتاوی عتابیہ'' کے نام سے مشہور ہے، جو چار ضخیم جلدوں میں شائع شدہ ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۱/ ۴۴۸، الفوائد البہیہ / ۴۸)

(۴۹) الفتاوی القاسمیہ

علامہ قاسم بن قطلو بغا الحنفی المتوفی ۸۷۹ھ کی تالیف کردہ ہے، ملاحظہ ہو: (مقدمہ تاتارخانیہ، ص: ۱۲۰)

(۵۰) الفتاوی الولوالجیۃ

علامہ ابو الفتاح ظہیر الدین عبدالرشید بن ابی حنیفہ بن عبدالرزاق الولوالجی المتوفی ۵۴۰ھ کی تالیف کردہ ہے، اس کا شمار فقہ کی بنیادی کتابوں میں ہے، اس میں مصنف نے مذہب کی معتبر ترین کتابوں سے استفادہ اور تلخیص کا خاص اہتمام کیا ہے، یہ کتاب اب مکتبہ دارالایمان سہارن پور سے شائع شدہ ہے۔ ملاحظہ ہو: (الفوائد البہیہ / ۱۲۱، الاعلام ۳/۳۵۳)

(۵۱) الفتاوی الہندیہ

یہ کتاب علم دوست مغل بادشاہ حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ کے زمانہ کی شاہکار ہے، اس کتاب کی تالیف کے لئے علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، جس کے رکن رکین قاضی محمد حسین جونپوری، شیخ علی اکبر الحسینی، اسعداللہ خانی، شیخ حامد بن ابی حامد جونپوری اور مفتی محمد اکرم حنفی لدہوری تھے، اس کتاب کی تیاری میں اس دور میں دو لاکھ روپئے صرف ہوئے، جو اس زمانہ میں بہت خطیر رقم تھی، جزئیات کی کثرت کے اعتبار سے یہ کتاب ممتاز حیثیت کی حامل ہے، ملاحظہ ہو: (مقدمہ تاتارخانیہ، ص: ۱۲۰-۱۲۱)

(۵۲) فقہ البیوع

محقق العصر شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی تازہ ترین تصنیف ہے، جو دو جلدوں میں شائع شدہ ہے۔

(۵۳) کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، جس میں فقہ حنفی کو احادیث وآثار سے مدلل کر کے بیان کیا گیا ہے، یہ کتاب علامہ سید مہدی حسن الکیلانی القادری کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ چار جلدوں میں دستیاب ہے۔

(۵۴) الکفایۃ

علامہ سعدی آفندی المتوفی ۹۴۵ھ کا تالیف کردہ ہے، ہدایہ کی شرح ہے، جو ''فتح القدیر'' کے ساتھ حاشیہ پر شائع شدہ ہے۔

(۵۵) کنز الدقائق

علامہ امام ابو البرکات عبداللہ بن احمد المعروف بحافظ الدین النسفی المتوفی ۷۱۰ھ کی تالیف کردہ ہے، یہ کتاب فقہ حنفی کے جامع متن کے طور پر متداول ہے، اس کی بے شمار شرحیں لکھی گئیں، جیسے ''البحر الرائق''، ''تبیین الحقائق''، ''النہر الفائق'' وغیرہ، ملاحظہ فرمائیے:

(کشف الظنون ۲/۴۳۴-۴۳۵)

(۵۶) المبسوط للسرخسي

شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی المتوفی ۴۸۳ھ کی تالیف کردہ ہے، آپ نے یہ کتاب اوزجند کے قید خانہ میں املا کرائی تھی، جو اس وقت پندرہ جلدوں میں مکمل ہوئی تھی، جب کہ آج دار الکتب العلمیہ بیروت سے تیس جلدوں میں شائع شدہ ہے، ملاحظہ ہو:

(شرح عقود رسم المفتی ،ص: ۶۰، کشف الظنون ۲/۴۸۳، الاعلام ۵/ ۳۱۵، الفوائد البہیہ / ۲۰۶)

(۵۷) مجمع الانہر

علامہ عبدالرحمٰن بن الشیخ محمد بن سلیمان المدعو بشیخی زادہ المتوفی ۱۰۷۸ھ کی تالیف کردہ

ہے، یہ کتاب ملتقی الابحر کی مفصل شرح ہے، دیگر شروحات کے مقابلے میں جزئیات کا احاطہ کئے ہوئے ہے، مکتبہ فقیہ الامت دیوبند سے چار جلدوں میں شائع شدہ ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/ ۶۵۶)

(۵۸) المحیط البرہانی

علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ البخاری المتوفی ۶۱۶ھ کی تالیف ہے، جس میں کتب اصول، نوادر اور فتاوی وواقعات کے مسائل جمع کئے گئے ہیں، المجلس العلمی سے یہ کتاب ۲۵/ جلدوں میں شائع شدہ ہے۔

(۵۹) مختصر القدوری

امام ابو الحسین احمد بن محمد القدوری البغدادی الحنفی المتوفی ۸۲۸ھ کی تصنیف ہے، یہ کتاب بہت زیادہ مقبول ومتداول اور تقریباً ایک ہزار سال سے داخل درس ہے، تقریباً بارہ ہزار ضروری مسائل اس کتاب میں درج ہیں، جو بیسیوں کتابوں سے اخذ کئے گئے ہیں، اس کی متعدد شروحات اور حواشی لکھے گئے، ملاحظہ ہو: (الفوائد البھیہ /۴۰، کشف الظنون ۲/ ۵۲۰، الاعلام ۱/ ۲۱۲)

(۶۰) مراقی الفلاح

امام حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی المصری المتوفی کی شرح ہے، اس کتاب میں زیادہ تر جزئیات نماز کے مسائل سے متعلق ہیں، ملاحظہ ہو: (الاعلام ۲/ ۲۰۸، کشف الظنون ۲/ ۷۸۷)

(۶۱) ملتقی الابحر

امام ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحلبی الحنفی المتوفی ۹۵۶ھ کی تالیف ہے، اس کا شمار فقہ حنفی کے بنیادی اور معتبر متون میں ہوتا ہے، یہ کتاب مجمع الانہر کے حاشیہ کے ساتھ مکتبہ فقیہ الامت سے چار جلدوں میں شائع شدہ ہے۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام ۱/ ۶۶، کشف الظنون ۵/ ۲۵)

(۶۲) الملتقط

امام ناصر الدین ابی القاسم محمد بن یوسف الحسینی السمرقندی المتوفی ۵۵۶ھ کی تالیف کردہ ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/۶۵۴، الفوائد البھیہ/۲۸۹)

(۶۳) منحۃ الخالق

امام محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الدمشقی المتوفی ۱۲۵۲ھ کا ''البحر الرائق'' پر بے نظیر حاشیہ ہے، جو ''البحر الرائق'' کے ساتھ حاشیہ پر شائع شدہ ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/۴۳۵، ۶/۲۸۶، الاعلام ۶/۴۲)

(۶۴) النوازل

علامہ فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۸۳ھ کی تالیف ہے، یہ کتاب جمعہ کے دن ۲۶/ جمادی الاولیٰ ۳۷۰ھ میں مکمل ہوئی تھی، ملاحظہ ہو: (الفوائد البھیہ/۲۹۰)

(۶۵) النہر الفائق

سراج الدین عمر بن نجیم المتوفی ۱۰۰۵ھ کی تالیف کردہ ہے، یہ کتاب فقہ حنفی کی مشہور اور جامع متن ''کنز الدقائق'' کی شرح ہے، یہ کتاب دار الکتب العلمیہ سے تین جلدوں میں شائع شدہ ہے، ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ۲/۴۳۵)

(۶۶) نور الایضاح

امام حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی المصری المتوفی ۱۰۶۹ھ کی تالیف کردہ ہے، فقہ میں یہ کتاب اتنی عمدہ ہے کہ تمام مدارس میں صدیوں سے پڑھائی جاتی ہے، اس میں صرف عبادات سے متعلق مسائل ہیں، ملاحظہ ہو: (الاعلام ۲/۲۰۸، کشف الظنون ۲/۸۷۷)

(٦٧) ہدایہ

شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل الفرغانی المرغینانی الحنفی المتوفی ٥٩٣ھ کی شاہکار علمی تصنیف ہے، اس کا شمار فقہ حنفی کی بنیادی کتابوں میں ہے، صدیوں سے یہ کتاب داخل درس ہے، اس کتاب کی شان میں یہ اشعار منقول ہیں:

إن الهداية كالقرآن قد نسخت ☆ ما صنفوا قبلها في الشرع من كتب

فاحفظ قواعدها و اسلک مسالكها ☆ يسلم مقالک من زيغ و من كذب

ملاحظہ ہو: (کشف الظنون ٢/ ٨١٦، الفوائد البہیہ /١٨٢)

الفصل حادی عشر:

چندار دو فتاوی کی نشاندہی

(۱) فتاویٰ رشیدیہ

فقیہ النفس حضرت مولانا الحاج الحافظ رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ المتوفی ۱۳۲۳ھ کے ۱۱۵۷ر فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو اولاً تین حصوں میں شائع ہوئے تھے، جنہیں بعد میں یکجا کر کے ایک جلد میں شائع کیا گیا۔

(۲) باقیات فتاوی رشیدیہ

معروف محقق جناب مولانا نور الحسن کاندھلوی مدظلہ العالی نے بڑی جانفشانی کے ساتھ حضرت کے مابقیہ فتاوی جن کی تعداد ۷۹۹ر پہنچتی ہے کو بہترین ترتیب اور مفید حاشیہ کے ساتھ ایک ضخیم جلد میں ''باقیات فتاوی رشیدیہ'' کے نام سے ترتیب دیا ہے۔

(۳) امداد الفتاویٰ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی برد اللہ مضجعہ المتوفی ۱۳۶۲ھ کے فتاوی کا بیش قیمتی مجموعہ ہے، جو فقہ وفتاوی کا انسائیکلو پیڈیا ہے اور حکیم الامت قدس سرہ کی پوری زندگی کی محنت کا لب لباب خلاصہ اور نچوڑ ہے، غرضیکہ دور حاضر میں کوئی بھی مفتی اس سے مستغنی نہیں ہوسکتا، حضرت کے یہ فتاوی اکثر ماہنامہ ''النور'' میں چھپتے تھے اور اسی دوران ان کی تنقیح وتحقیق بھی ہوتی رہتی تھی اور جس قدر اصلاحات فتاوی میں عمل میں آئی ان کو آخر میں بعنوان اصلاح تسامح درج کر دیا جاتا، اس کے بعد تتمہ ثالثہ اور رابعہ میں حوادث الفتاوی کے ساتھ ساتھ ترجیح الراجح کا نیا کالم جاری ہوا، جس میں غیر راجح فتاوی سے رجوع کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا، بعد میں ان سب فتاوی کو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی

اعظم پاکستان نے فقہی ابواب کی ترتیب پر چھ ضخیم جلدوں میں مرتب فرمایا، جو اس وقت ہندوستان کے مکتبہ زکریا سے شائع شدہ ہے۔

(۴) فتاوی عبدالحئی

حضرت مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحئی لکھنوی علیہ الرحمہ کے فتاوی کا مجموعہ ہے، شروع میں یہ فتویٰ تین حصوں میں غیر مبوب اور مخلوط تین زبانوں میں شائع ہوتا رہا، جس کی وجہ سے اس سے خاطر خواہ استفادہ دشوار تھا، بعد میں مفتی ومولانا خورشید عالم صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند کی تسہیل وتبویب اور ترجمہ کے ساتھ مکتبہ تھانوی سے ایک جلد میں شائع شدہ ہے۔

(۵) فتاوی احیاء العلوم

حضرت مفتی یاسین صاحب مبارک پوری علیہ الرحمہ کے فتاوی کا مجموعہ ہے، مفتی جمیل احمد نذیری کی ترتیب کے ساتھ ایک جلد میں شائع شدہ ہے۔

(۶) کفایت المفتی

مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۳۷۲ھ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جسے آپ کے صاحب زادے مولانا حفیظ الرحمٰن واصفؒ نے آپ کی وفات کے بعد ۹؍ ضخیم جلدوں میں مرتب فرمایا ہے، حضرت مفتی صاحب نے جدید مسائل ومعاملات میں امت کے لئے تسہیل کا پہلو نکالنے کی سعی فرمائی ہے، پہلے یہ کتاب ۹؍ جلدوں میں شائع ہوتی رہی ہے؛ لیکن حال ہی میں دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی کی ذی علم شخصیت حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب کے زیر نگرانی فتاوی محمودیہ کی طرح اس پر تحقیق وتحشیہ کا کام بہترین انداز میں کیا گیا ہے اور جو عنقریب ہی مکتبہ زکریا دیوبند سے ۱۴؍ جلدوں میں زیر طباعت سے آراستہ ہونے والی ہے۔

(۷) فتاوی خلیلیہ

محدث کبیر، فقیہ وقت، حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری المتوفی ۱۳۴۶ھ

کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو بجا طور پر علمی تحقیق اور فقہی بصیرت کے شاہ کار کی حیثیت رکھتے ہیں، مولانا مفتی سید محمد خالد صاحب سہارنپوری کی ترتیب کے ساتھ مظاہر العلوم سہارن پور سے ایک جلد میں شائع شدہ ہے۔

(۸) عزیز الفتاوی/ امداد المفتیین

مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی علیہ الرحمہ المتوفی ۱۳۴۷ھ کے تقریباً پندرہ سو فتاویٰ کا مجموعہ ہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے اسے اپنے مجموعہ ''فتاوی امداد المفتیین'' کے ساتھ ملا کر شائع کیا تھا؛ لیکن بعد میں دونوں مجموعوں کو الگ الگ شائع کیا گیا، جسے ''فتاوی دارالعلوم قدیم'' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

(۹) فتاوی دارالعلوم (جدید)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ المتوفی ۱۳۴۷ھ کے فتاوی کا مجموعہ ہے، جو اس وقت ۱۸/جلدوں میں دستیاب ہے، اس کی ترتیب کا آغاز مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شروع فرمایا تھا، بعد میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند المتوفی ۱۴۰۳ھ کے حکم اور زیر نگرانی حضرت الاستاذ مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی رحمۃ اللہ علیہ نے آگے بڑھایا اور ۱۲/جلدوں تک ترتیب دینے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا، اس کے بعد کی مابقیہ جلدیں مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری کی سرپرستی میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

(۱۰) فتاوی شیخ الاسلام

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ المتوفی ۱۳۷۷ھ کے فتاوی کا مجموعہ ہے، حضرت نے اپنے مکتوبات میں جن فقہی سوالوں کے جوابات دئے ہیں، انہیں

نبیرۂ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری استاذ حدیث ومفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد نے فقہی ابواب کے مطابق ایک جلد میں جمع کردیا ہے، یہ مجموعہ مکتبہ دینیہ وغیرہ سے شائع شدہ ہے۔

(۱۱) امدادالاحکام

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی المتوفی ۱۳۹۴ھ اور حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ المتوفی ۱۳۶۸ھ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جن میں سے اکثر فتاوی حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے تصدیق فرمودہ ہیں، جسے ''امداد الفتاوی'' کا تتمہ کہا جاسکتا ہے، یہ فتاوی چار جلدوں میں دیوبند کے کتب خانوں سے شائع ہوگئے ہیں۔

(۱۲) جواہرالفقہ

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۳۹۵ھ کے ۱۰۵ر فقہی رسائل ومقالات کا مجموعہ ہے، جو قبولیت عامہ حاصل ہونے کی بناء پر عصر حاضر میں اہم فقہی مآخذ کی حیثیت اختیار کرگئے ہیں، جو سات جلدوں میں دیوبند کے کتب خانہ زکریا سے شائع شدہ ہے۔

(۱۳) فتاوی محمودیہ

فقیہ الامت حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی علیہ الرحمہ المتوفی ۱۴۱۷ھ کے تقریباً ۱۲ر ہزار فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو مظاہر علوم سہارن پور، جامع العلوم کانپور اور دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ قیام کے دوران آپ کے قلم سے تحریر کئے گئے، حضرت کے مجاز حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھی نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور فتاویٰ کو جمع کرکے لفظاً لفظاً حضرت والا کو سنایا اور حضرت ہی سے معلوم کرکے ہر فتویٰ پر عنوانات لگائے، پہلے یہ فتاوی بغیر حاشیہ کے شائع ہوئے تھے، جب کہ اب فتاویٰ کا یہ انسائیکلو پیڈیا جسے دور حاضر میں اردو فتاویٰ میں

اولیت وعلماء ومفتیان کی مرجعیت کا مقام حاصل ہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب مدظلہ العالی کی نگرانی میں دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی کے زیر اہتمام ۲۵؍جلدوں میں نئی ترتیب اورنہایت مفید حواشی کے ساتھ شائع ہوئے، جب کہ حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب کی نگرانی میں تحشیہ اورترتیب جدید کے ساتھ ۳۱؍جلدوں میں یہ کام مکمل ہوا، **فالحمد للہ علی ذلک.**

(۱۴) منتخبات نظام الفتاویٰ

دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کے صدر حضرت الاستاذ مولانا مفتی نظام الدین صاحب برد اللہ مضجعہ المتوفی ۱۴۲۰ھ کے فتاویٰ کا حسین انتخاب ہے، حضرت نے خود اپنی حیات میں اپنے منتخب فتاوی دوجلدوں میں شائع فرمائے تھے، بعد میں انہیں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی المتوفی ۱۴۲۳ھ نے اسلامک فقہ اکیڈمی کے زیر اہتمام مزید تصحیح کے ساتھ شائع کیا اوراب اس کی چھ جلدیں منظرعام پر آ چکی ہیں۔

(۱۵) فتاوی رحیمیہ

سرزمین گجرات کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری علیہ الرحمہ المتوفی ۱۴۲۲ھ کے مبسوط فتاویٰ کا مجموعہ ہے، یہ مجموعہ دس جلدوں پر مشتمل ہے، جسے عوام وخواص میں یکساں مقبولیت حاصل ہے، فتاویٰ کا مجموعہ اصلاً اردو میں تھا، بعد میں اس کے گجراتی اورانگریزی تراجم بھی شائع ہوئے ہیں۔

(۱۶) احسن الفتاوی

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۴۲۲ھ کے فتاوی کا مجموعہ ہے، حضرت کا مزاج مدلل گفتگو کرنے کا ہے، بریں بناء یہ مجموعہ علماء ومفتیان کرام کی نظر میں باوزن اورقابل اعتماد سمجھا جاتا ہے، مکتبہ زکریا دیوبند سے آٹھ جلدوں میں شائع شدہ ہے۔

(۱۷) آپ کے مسائل اور ان کا حل

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۴۲۱ھ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو درحقیقت پاکستان کے معروف روز نامہ جنگ میں دینی مسائل کے دیئے گئے جوابات ہیں، جو بے پناہ مقبول ہوئے، بعد میں مولانا مفتی محمد جمیل خاں صاحب شائسرئی شہید المتوفی ۱۴۲۵ھ کی توجہ سے بغیر حاشیہ کے فقہی ابواب کی ترتیب پر دس جلدوں میں شائع ہوا، جب کہ اب حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ کے توجہ سے مفید حاشیہ کے ساتھ آٹھ ضخیم جلدوں میں اس کی اشاعت ہوئی ہے۔

(۱۸) فتاویٰ عثمانی

محقق العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے فتاویٰ کا عظیم مجموعہ ہے، جو آپ نے پچھلے تقریباً پینتالیس سالوں میں دارالعلوم کراچی کے دارالافتاء سے جاری فرمائے ہیں، جن کو حضرت مولانا زبیر حق نواز استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی نے بہترین انداز میں مرتب فرمایا ہے، اب تک اس کی تین جلدیں شائع ہوچکی ہیں اور مزید پر کام جاری ہے۔

اسلام اور جدید معاشی مسائل

یہ کتاب دو حاضر میں پیش آمدہ جدید تجارتی مسائل اور اسلام کے نظام معیشت سے متعلق حضرت مولانا تقی صاحب عثمانی کی تحریرات وتقریرات اور مقالات کا مجموعہ ہے، جس میں جدید پیش آمدہ تجارتی مسائل کا کافی حد تک احاطہ اور فقہ اسلامی کے دائرہ میں حل پیش کیا گیا ہے، جدید معاشی مسائل کا یہ مجموعہ آٹھ جلدوں میں دستیاب ہے۔

(۱۹) فتاویٰ حقانیہ

تقریباً اٹھارہ مفتیان کرام کے فتوؤں کا مجموعہ ہے، جن میں مرکزی حیثیت شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پاکستان وسابق استاذ دارالعلوم دیوبند مولانا

عبدالحق حقانی نور اللہ مرقدہ ہی کو حاصل ہے۔ اور دارالعلوم حقانیہ کے دارالافتاء کو پاکستان وبیرون ملک علمی، تحقیقی اور عدالتی حلقوں میں اور عوام میں مستنداعتماد اور مقبولیت حاصل ہے، فتاوی کا یہ حسین مجموعہ چھ جلدوں میں مکتبہ زکریا دیوبند سے شائع شدہ ہے۔

(۲۰) کتاب الفتاویٰ

مفتی حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی بانی وناظم المعہد العالی الاسلامی للدراسات الاسلامیہ حیدرآباد کے ہندوستان کے کثیر الاشاعت اردو روز نامہ منصف حیدر آباد کے جمعہ ایڈیشن میں شائع ہونے والے مسائل کا مجموعہ ہے، جسے مفتی عبداللہ سلیمان مظاہری نے بڑے سلیقہ سے چھ ضخیم جلدوں میں مرتب کردیا ہے۔

(۲۱) قاموس الفقہ

یہ بھی حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ کی ''الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ'' کی ترتیب پر اردو میں فقہی مسائل کا انسائیکلوپیڈیا ہے، جس میں حروف تہجی کے اعتبار سے فقہی مسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، مولانا کی اس تصنیف کو عوام وخواص میں داد تحسین سے نوازا گیا ہے، فقہی مسائل کا یہ مجموعہ پانچ ضخیم جلدوں میں دستیاب ہے۔

(۲۲) کتاب المسائل

حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ العالی استاذ حدیث ومفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کی تالیف ہے، جس میں ہر مسئلہ مع حوالہ کے مدلل لکھا گیا ہے، جس میں سے اکثر مسائل کو بالترتیب ندائے شاہی میں بھی شائع کیا گیا ہے، احقر نے زیر نظر کتاب کو تقریباً مکمل دیکھا ہے۔

(۲۳) کتاب النوازل

کتاب النوازل حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ کے لگ

بھگ ۲۵/سالہ دور میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے دارالافتاء سے جوفتاویٰ موصوف کے قلم سے جاری ہوئے ان کا منتخب مجموعہ ہے، جس کی اب تک سات جلدیں طباعت سے آراستہ ہوکرعوام وخواص میں قبولیت حاصل کرچکی ہیں اور باقی ابھی زیرطباع ہیں۔

(۲۴) محمودالفتاوی

یہ مفتی اعظم گجرات حضرت مولانا مفتی احمد خان پوری مدظلہ العالی کے فتاوی کا مجموعہ ہے، مولانا مفتی عبدالقیوم راج کوٹی حضرت مفتی صاحب کی نگرانی میں اسے مرتب کررہے ہیں، اب تک اس کی چھ جلدیں منظر عام پرآچکیں ہیں اور مابقیہ حصہ پرکام جاری ہے۔

فتاوی دینیہ

یہ حضرت مولانا مفتی اسماعیل کچھولوی شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ حسینیہ راندیڑ گجرات کےفتاوی کا مجموعہ ہے، جودراصل گجراتی زبان میں تھا، اور لوگوں میں مقبول تھا، اس کےافادہ کوعام کرنے کے لئے اسےاردو میں پانچ جلدوں میں شائع کیا گیا ہے۔

(۲۵) فتاوی ریاض العلوم گورینی

یہ حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حنیف صاحب برد اللہ مضجعہ، حضرت مولانا مفتی رحمت اللہ صاحب قاسمی، مولانا مفتی عبداللہ صاحب مظاہری، مولانا مفتی محمد عثمان صاحب حلیمی کے فتاوی کا مجموعہ ہے، اس مجموعہ میں بہت سے فتاوی بڑے تحقیقی ہیں اور خاص کرعلماء وطلباء کے لئے ان کا مطالعہ مفید ہے۔

(۲۶) انواررحمت

''انواررحمت''، تحقیقی فقہی مقالات کا مجموعہ ہے، اس میں جدیدمسائل پرفقہی جزئیات کی عربی عبارت کے ذریعہ سے مسائل کو مدلل کرکے پیش کیا گیا ہے، احقر نے سیمیناروں اور فقہی اجتماعات میں جومقالے پیش کئے ہیں، ان میں سے اہم مقالے اس کتاب کے اندردرج ہیں۔

(۲۷) ایضاح النوادر

یہ کتاب بھی فقہی اجتماعات وسمیناروں میں پیش کئے گئے تحقیقی مقالات کا مجموعہ ہے، اس کتاب سے بھی خاص طور پر طلبہ افتاء فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

(۲۸) انوار مناسک

یہ کتاب حج کے موضوع پر بہت ہی مدلل اور محقق مسائل پر مشتمل ہے، اس کتاب سے عوام وخواص دونوں طبقے کے لوگ الحمدللہ فائدہ اٹھاتے ہیں، حج کے موضوع پر بصیرت حاصل کرنے کے لئے اردو زبان میں یہ بیش قیمت مجموعہ ہے، یہ کتاب مفصل ہے، اس سے پہلے حج کے موضوع پر تین سو تیرہ مسائل پر اللہ نے اپنے فضل سے ایک کتاب تیار کرادی تھی، جس میں حج کے اہم مسائل کو جمع کر دیا گیا تھا، ''ایضاح المناسک'' کے نام سے یہ کتاب چھپ چکی تھی، اس کو بھی اہل علم اور عوام نے پسند فرمایا، طلبائے افتاء اس سے بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

الفصل الثاني عشر:

چند اکابر دیوبند کا مختصر تعارف

فتاویٰ کا یہ مجموعہ جو ناظرین کی خدمت میں پیش ہے، ان اکابر علمائے دیوبند کے فیضانِ علم اور توجہات کا ثمرہ ہے، جن کے علوم ومعارف کا چشمۂ فیض برصغیر سے تجاوز کر کے یورپ وامریکہ اور صحرائے افریقہ اور انڈونیشیا کے جزائر تک پہنچ چکا ہے؛ اس لئے ان کا کم سے کم تعارف کرا دینا وفاداری کے درجہ سے کم نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی شایانِ شان جزائے خیر سے نوازے۔ (آمین)

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ ☆ لَعَلَّ اللّٰهُ يَرْزُقُنِي صَلَاحًا

(۱) حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ متوفی: ۱۲۹۷ھ

۱۲۲۵ھ میں حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ کی ولادت ہوئی۔ استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ متوفی: ۱۲۶۷ھ اور شاہ اسحاق صاحب محدث دہلوی متوفی ۱۲۶۲ھ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، آپ نے ہندوستان میں فن حدیث کا جوذوق علماء میں پیدا فرمایا ہے اسی کا ثمرہ ہے کہ حلقہ دیوبند میں بڑے بڑے محدثین پیدا ہوئے۔ حضرت نانوتویؒ متوفی ۱۲۹۷ھ، حضرت شیخ الہندؒ متوفی ۱۳۳۹ھ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ متوفی ۱۳۴۶ھ، حضرت مولانا احمد حسن صاحب محدث امروہوی المتوفی ۱۳۳۰ھ، علامہ شبلی نعمانی ولادت: ۱۲۷۴ھ وفات: ۱۳۳۲ھ، مولانا محمد علی مونگیری ۱۲۶۳/۱۳۴۶ھ ان بڑے بڑے محدثین نے آپ سے حدیث کا درس حاصل فرمایا ہے۔

بخاری شریف پر آپ کا معرکۃ الآراء حاشیہ ہے، ۶/ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ میں وفات ہوئی۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی وفات ۴/ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ جمعرات کو ہوئی، اس کے صرف ایک روز کے بعد ۶/ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ بروز ہفتہ کو

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی، کل ۷۲؍سال عمر پائی۔
اس ہفتہ میں امت عظیم الشان دینی اور علمی سرمایہ اور اہم ترین دو مربیوں سے محروم ہوگئی، مسلمانوں کا عظیم سانحہ کا ہفتہ تھا۔

(۲) حضرت نانوتویؒ متوفی: ۱۲۹۷ھ

۱۲۴۸ھ میں امام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نور اللہ مرقدہ کی پیدائش ہوئی۔ اس معدنِ علم وفضل کے انوار برِّصغیر سے تجاوز کر کے یورپ وامریکہ اور صحرائے افریقہ اور انڈونیشیا کے جزیروں تک پھیل چکے ہیں۔

۱۲۸۳ھ میں حضرت نانوتویؒ کی قیادت میں دارالعلوم دیوبند کی بنیا درکھی گئی۔

۱۲۸۷ھ میں جناب منشی مہربان علی صاحب کے مالی تعاون سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے منبع العلوم گلاؤٹھی کی بنیاد رکھی۔

۱۲۹۶ھ میں حضرت مولانا عالم علی صاحب کی وفات اور ان کی تعزیت کے موقع پر جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے بنیاد رکھی۔ اور اپنے تلمیذ خاص مولانا احمد حسن محدث امروہوی المتوفی ۱۳۳۰ھ کو لا کر اس کا ذمہ دار بنا دیا اور پہلے سال سے اس مدرسہ میں حدیث کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہوگیا، الحمد للہ تا ہنوز تسلسل کے ساتھ جاری ہے، کبھی منقطع نہیں ہوا، اسی سال ۱۲۹۶ھ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ہوئی۔

اور صرف ایک سال کے بعد ۴؍ جمادی الاولیٰ بروز پنجشنبہ جمعرات کو ۱۲۹۷ھ میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوگئی۔ اسی سال ۶؍ جمادی الاولیٰ، بروز ہفتہ ۱۲۹۷ھ میں حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے صرف ایک دن کے بعد حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی۔ کس قدر دردناک سانحہ ہوا ہوگا؟ حضرت نانوتویؒ کی عمر صرف ۴۹؍سال ہوئی۔

(۳) حضرت گنگوہیؒ متوفی: ۱۳۲۳ھ

۱۲۴۲ھ ۶/ ذی قعدہ، بروز پیر کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ہوئی۔ حضرت گنگوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے چھ سال عمر میں بڑے تھے، مگر تعلیمی اعتبار سے ہم سبق تھے۔ حضرت گنگوہیؒ فقہ وتفقہ کے امام اور فقیہ النفس تھے۔

۸/ جمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ بروز جمعہ بعد اذان جمعہ حضرت کی وفات ہوئی، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے ۲۶/ سال کے بعد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی۔ اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۴۸ھ ۱۲۹۷ھ کی عمر ۴۹/ سال ہوئی۔ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۴۲ھ ۱۳۲۳ھ کی عمر ۸۱/ سال ہوئی۔

(۴) مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ متوفی: ۱۳۰۲ھ

۱۲۴۹ھ میں حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی بن مولانا مملوک علی نانوتویؒ کی پیدائش ہوئی۔ حضرت گنگوہیؒ سے سات سال اور حضرت نانوتویؒ سے ایک سال عمر میں چھوٹے تھے۔ آپ کو دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر المدرسین کی سعادت اور شرف حاصل ہے، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ متوفی: ۱۳۶۲ھ آپ کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں۔

۱۳۰۲ھ یکم ربیع الاول، بروز ہفتہ کو وفات ہوئی۔ حضرت نانوتویؒ کی وفات کے پانچ سال کے بعد وفات پائی، صرف ۵۳/ سال عمر پائی۔ دارالعلوم دیوبند میں ۱۲۸۳ھ تا ۱۳۰۲ھ تقریباً ۱۹/ سال تک صدر مدرسی کا فریضہ انجام دیا۔

(۵) مولانا سید احمد دہلویؒ متوفی: ۱۳۳۶ھ

حضرت مولانا سید احمد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ قیام دارالعلوم کے دو سال کے بعد ۱۲۸۵ھ میں مدرس بن کر تشریف لائے۔ ۱۳۰۷ھ تک ۲۲/ سال دارالعلوم میں خدمت انجام دیں۔

۱۳۰۲ھ سے ۱۳۰۷ھ تک پانچ سال دارالعلوم کے صدر مدرس رہے، اس کے بعد بھوپال تشریف لے گئے۔ ۱۳۰۸ھ میں حضرت شیخ الہندؒ صدر المدرسین بن گئے۔ ۱۹؍رجب ۱۳۳۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی، بھوپال میں مدفون ہیں۔(نزہۃ الخواطر ۲۲/۸)

(۶) مولانا محمد علی مونگیریؒ متوفی: ۱۳۴۶ھ

۱۲۶۲ھ میں حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کانپور میں پیدا ہوئے، باپ دادا ضلع مظفر نگر کے ایک گاؤں کے تھے، اسی سال شاہ اسحاق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۲۶۲ھ کی وفات ہوئی۔ مدرسہ فیض عام کانپور میں تعلیم حاصل فرمائی اور اسی میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اور شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت وخلافت حاصل ہوئی۔

۱۳۱۰ھ میں ''انجمن ندوۃ العلماء'' قائم فرمایا، اس کے پہلے اجلاس میں ہر مسلک کے ہر بڑے عالم نے شرکت فرمائی۔ نصاب تعلیم پر غور کرنے کے لئے جو بارہ اہم شخصیات پر مشتمل کمیٹی تشکیل دی گئی تھی، ان میں مولانا احمد رضا خاں صاحب بھی شامل تھے۔ ۱۳۱۱ھ کے اجلاس میں مولانا احمد رضا خاں صاحب کا مقالہ وقت کی تنگی کی وجہ سے پڑھا نہیں جاسکا، اس کے بعد مولانا احمد رضا خاں صاحب نے خوش عقیدہ سارے علماء ندوہ پر بیک قلم کفر کا فتویٰ جاری کردیا۔ (احمد رضا خاں صاحب کی پیدائش: ۱۲۷۲ھ وفات: ۱۳۴۰ھ میں ہوئی)۔ (نزہۃ الخواطر ۴۲/۸)

۱۳۱۳ھ میں انجمن ندوۃ العلماء کا سالانہ اجلاس بریلی میں ہوا، اسی سال انجمن ندوۃ العلماء کی طرف سے ایک عظیم الشان دارالعلوم کے قیام کا مجوزہ خاکہ تیار کیا گیا، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جامع العلوم کانپور سے لکھا کہ ایسے عظیم الشان اور جلیل القدر دارالعلوم کا وجود ذہنی سے وجود خارجی میں آنا موجد الموجودات کے قدرت کاملہ کے سامنے کوئی مستبعد امر نہیں۔ (سوانح مولانا محمد علی مونگیری ۱۳۱، ۱۷۲، ۱۷۵)

حضرت مولانا محمد علیؒ نے مولانا شبلیؒ سے بعض اختلاف کی وجہ سے ۱۳۲۱ھ میں استعفیٰ

دے دیا اور مونگیر صوبہ بہار میں شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے نام سے خانقاہ رحمانیہ بنا کر وہیں مقیم ہوگئے۔ حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ آپ ہی کے صاحبزادہ ہیں۔۔ علامہ شبلی نعمانیؒ کی پیدائش ۱۲۷۴ھ میں اور وفات: ۱۳۳۲ھ میں ہوئی۔ اور حضرت مولانا منت اللہ صاحب کی پیدائش بھی ۱۳۳۲ھ میں ہوئی اور ۶ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ میں ۸۴ رسال کی عمر میں حضرت محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی۔

(۷) حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہویؒ متوفی: ۱۳۳۰ھ

۱۲۶۷ھ میں حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہوی کی پیدائش ہوئی، آپ حضرت نانوتویؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ایک ہیں۔ حضرت نانوتویؒ نے جب ۱۲۹۶ھ میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی قائم فرمایا تو سب سے پہلے آپ ہی کو لاکر اس مدرسہ میں بٹھا دیا اور دارالعلوم دیوبند کی طرح پہلے ہی سال حدیث کا درس شروع ہوگیا۔ الحمد للہ تا ہنوز جاری ہے۔

اور ۱۲۶۷ھ کا وہ سال ہے جس میں استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ کی وفات ہوگئی ہے۔ حضرت مولانا امروہویؒ نے ۱۲۹۴ھ میں حضرت نانوتویؒ سے دستار فضیلت حاصل فرمائی، مولانا امروہویؒ نے ۱۲۹۶ھ تا ۱۳۰۳ھ سات سال مدرسہ شاہی مرادآباد میں حدیث کی خدمت انجام دینے کے بعد جامع مسجد امروہہ میں مدرسہ جامعہ اسلامیہ کی تشکیل جدید دے کر شروع فرمایا۔ ۲۸/۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کی درمیانی شب میں بمرض طاعون وفات پائی۔ عمر نبوی ۶۳ رسال کی عمر پائی۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند)

(۸) حضرت شیخ الہندؒ متوفی: ۱۳۳۹ھ

۱۲۶۸ھ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی پیدائش ہوئی، حضرت شیخ الہندؒ نے ۱۲۹۰ھ میں فراغت حاصل فرمائی۔ حضرت شیخ الہندؒ مولانا احمد حسن امروہویؒ سے عمر میں ایک سال چھوٹے ہیں، مگر تعلیم کی تکمیل حضرت امروہویؒ سے چار سال پہلے کر لی تھی۔

۱۲۹۱ھ میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس بن گئے، ۱۷/سال کے بعد ۱۳۰۸ھ میں مسند صدارت پر فائز ہوئے۔

۱۳۳۳ھ میں حجاز مقدس کا سفر فرمایا، ایک سال کے بعد ۱۳۳۵ھ کے اوائل میں آپ کی گرفتاری ہوئی، تین سال تک مالٹا کی قید با مشقت کے بعد ۱۳۳۸ھ میں رہا ہوکر تشریف لائے۔ ۱۸/ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو وفات پائی۔ اسی سال حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ہوئی اور اسی سال مدرسہ شاہی کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمود حسن سہسوانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوگئی۔

(۹) حضرت مولانا خلیل احمد انبھٹویؒ متوفی: ۱۳۴۶ھ

۱۲۶۹ھ حضرت مولانا خلیل احمد انبھٹویؒ کی پیدائش اسی سال ہوئی۔

۱۲۸۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔

۱۲۸۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل فرمائی۔

۱۳۰۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر کیا گیا، پھر چھ سال کے بعد ۱۳۱۴ھ میں مظاہر علوم کے صدر مدرس بن کر تشریف لے گئے۔

۱۳۱۴ھ تا ۱۳۴۴ھ ۳۰/سال تک صدر مدرسی کا فریضہ انجام دینے کے بعد مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔

۱۳۳۵ھ میں ''بذل المجہود'' کو لکھنا شروع فرمایا۔

۱۳۴۵ھ میں دس سال کی مدت میں مدینۃ المنورہ میں ''بذل المجہود'' کی تکمیل ہوئی۔ یہ کتاب پہلے بڑی تختی کے باریک حروف کے ساتھ پانچ جلدوں میں ہندوستان میں چھپی تھی، بعد میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے زیر نگرانی ۲۰/جلدوں میں چھپی، اور اب حضرت مولانا تقی الدین صاحب مظاہری، ندوی دامت برکاتہم کی زیر نگیں عمدہ ترین خوبصورت کتابت کے ساتھ ۱۴/ضخیم جلدوں میں عرب دنیا سے چھپ کر آئی ہے۔

آپ کو حضرت گنگوہیؒ سے بیعت و خلافت حاصل تھی۔

۱۲۹۷ھ میں مکۃ المکرّمہ میں سفرِ حج کے دوران حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ نے اجازت بیعت عطا فرمائی۔ آپ حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ المتوفی: ۱۲۶۷ھ کے نواسے اور حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ متوفی: ۱۳۰۲ھ کے حقیقی بھانجے تھے۔ ۱۵/ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کو مدینۃ المنورہ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی وفات ہوئی، جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

(۱۰) حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھیؒ متوفی: ۱۳۴۷ھ

۱۲۹۴ھ میں حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھیؒ، حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہویؒ، حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ تینوں حضرات، حضرت نانوتویؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ اور تینوں نے ۱۲۹۴ھ میں حضرت نانوتویؒ سے تعلیم کی تکمیل فرمائی۔

حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھیؒ ۱۲۹۷ھ تک دارالعلوم دیوبند میں مدرس رہے۔

۱۲۹۷ھ سے ۱۳۰۶ھ تک ۹/سال جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں حدیث کا درس دیا، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے مدرسہ شاہی کے دور میں ان سے تعلیم حاصل فرمائی۔ حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہوی اور مولانا عبدالعلی میرٹھیؒ دونوں حضرت نانوتویؒ کے مایہ ناز شاگرد ہیں اور دونوں نے ایک ساتھ مدرسہ شاہی میں تدریسی خدمات انجام دیں ہیں، آخر میں مدرسہ عبدالرب دہلی میں مدتوں تدریسی خدمات انجام دیں۔

۱۳۴۷ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ اسی سال مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند اور مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم کی وفات ہوئی۔

(۱۱) مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ متوفی: ۱۳۴۷ھ

۱۲۷۵ھ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے بڑے بھائی ہیں، اسی سال آپ کی ولادت ہوئی۔

۱۲۹۵ھ میں فراغت حاصل فرمائی۔ حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں۔

۱۳۰۹ھ میں آپ کو میرٹھ سے دارالعلوم دیوبند کے لئے مقرر کیا گیا، تدریس کے ساتھ افتاء کی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔

۱۳۴۶ھ تک مسلسل ۳۷؍سال دارالعلوم کی خدمت انجام دی۔

۱۳۴۶ھ میں شاہ صاحب کے ساتھ ڈابھیل تشریف لے گئے۔

۱۳۴۷ھ میں دیوبند تشریف لے آئے اور اسی سال دیوبند میں وفات پائی، اسی سال حضرت مولانا محی الدین خاں مرادآبادیؒ کی وفات ہوئی۔ آپ دارالعلوم کے اول اور سب سے بڑے مفتی تھے، آپ کے فتاویٰ کی ۱۸؍جلدیں شائع ہوکر مقبول ہو چکی ہیں۔

(۱۲) حضرت مولانا منصور علی خان مرادآبادیؒ متوفی: ۱۳۴۷ھ

۱۲۹۳ھ میں حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے دورِ حدیث شریف کی تعلیم حاصل فرمائی۔

پھر ۱۲۹۵ھ میں حجۃ اللہ فی الارض حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں رہ کر سند فراغت حاصل فرمائی۔

۱۳۰۳ھ میں حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہویؒ کے مدرسہ شاہی سے مستعفی ہوجانے کے بعد مولانا منصور علی خاں صاحبؒ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کی مسند صدارت پر فائز ہوئے۔ ۱۳۰۴ھ میں مستعفی ہوکر حیدرآباد دکن تشریف لے گئے۔

۱۳۴۷ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ ''فتح المبین فی مکائد غیر المقلدین'' آپ ہی کی کتاب ہے۔ اس سال ۱۳۴۷ھ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی فراغت ہوئی، اسی سال شیخ التفسیر حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ کی فراغت ہوئی، اسی سال حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی فراغت ہوئی، اسی سال حضرت مولانا مفتی محمود نانوتویؒ کی فراغت ہوئی، اسی سال بڑے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ المتوفی ۱۳۴۷ھ کی وفات ہوئی۔

(۱۳) حضرت مولانا عبدالحق پرقاضویؒ متوفی: ۱۳۴۲ھ

۱۲۵۸ھ حضرت مولانا عبدالحق پرقاضی ضلع مظفرنگر کے رہنے والے ہیں، ان کی پیدائش اسی سال ہوئی، حضرت شیخ الہندؒ سے عمر میں دس سال بڑے تھے۔

۱۲۸۳ھ میں قیام دارالعلوم ہی کے سال دارالعلوم میں داخلہ لیا۔

۱۲۸۷ھ-۱۲۸۶ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل فرمائی۔

۱۳۰۵ھ- ۱۳۰۶ھ تقریباً دو سال تک جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کی مسندصدارت پر فائز رہے۔

۱۳۴۲ھ میں ریاست رتلام میں وفات پائی۔ ۸۴ر سال عمر پائی۔

(۱۴) حضرت مولانا محمد حسن مرادآبادیؒ متوفی: ۱۳۶۴ھ

۱۲۷۵ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، حضرت گنگوہیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔

۱۳۱۴ھ میں مدرسہ شاہی کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھیؒ جو حضرت نانوتویؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے دارالعلوم دیوبند تشریف لے جانے پر ان کی جگہ مدرسہ شاہی کی مسندصدارت پر آپ کو فائز کیا گیا۔

۱۳۲۲ھ تک مسلسل سات سال تک صدر مدرس رہنے کے بعد بھوپال تشریف لے گئے، وہاں کے عہدۂ قضاء پر فائز ہوگئے۔

۱۳۶۴ھ میں ۸۹ر سال کی عمر میں وفات پائی۔

(۱۵) حضرت مولانا محمود حسن سہسوانیؒ متوفی: ۱۳۳۹ھ

۱۲۷۹ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ اسی سال حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب بن حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی بھی ولادت ہوئی۔ ۱۲۹۶ھ میں جب مدرسہ شاہی کا قیام عمل میں آیا، اسی سال مدرسہ شاہی جس کا نام اس وقت ''مدرسۃ الغرباء'' تھا میں داخل ہوکر حضرت امروہوی رحمۃ اللہ علیہ سے مکمل تعلیم حاصل فرمائی، پھر گنگوہ اور دیوبند جاکر حضرت گنگوہیؒ اور شیخ الہندؒ سے حدیث کی کتابیں پڑھیں۔

۱۳۲۲ھ میں جب مولانا محمد حسن مرادآبادیؒ مدرسہ شاہی کی صدارت سے مستعفی ہوکر بھوپال چلے گئے ،تو ان کی جگہ موصوف کو صدر مدرس بنایا گیا۔ ۱۷ر سال تک مدرسہ شاہی کے منصب صدارت پر فائز رہے۔

۱۳۳۹ھ میں وفات پائی،اسی سال حضرت شیخ الہندؒ کی بھی وفات ہوئی۔

(۱۶) حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن امروہویؒ متوفی: ۱۳۶۷ھ

۱۲۷۷ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، حضرت نانوتویؒ کے آخری شاگردوں میں سے ہیں۔ حضرت نانوتویؒ کی وفات کے بعد مدرسہ شاہی مرادآباد میں آکر حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہویؒ سے دوسال تک تعلیم حاصل فرمائی، پھر مدرسہ شاہی میں معین المدرس بھی رہے، پھر حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر دورہ حدیث سے فراغت حاصل فرمائی۔

۱۳۲۵ھ سے ۱۳۲۹ھ تک مدرسہ شاہی کے صدر مدرس رہے۔

۱۳۳۰ھ میں مولانا احمد حسن امروہویؒ کی وفات پر ان کی جگہ جامع مسجد امروہہ میں صدر مدرس ہوگئے۔ حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے بیعت وخلافت حاصل تھی۔

۱۳۶۷ھ کو ۹۰ر سال کی عمر میں وفات پائی۔ اسی سال ہندوستان آزاد ہوکر تقسیم ہوگیا۔

(۱۷) حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ متوفی: ۱۳۶۲ھ

۱۲۸۰ھ میں حضرت حکیم الامت تھانوی نوراللہ مرقدہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

۱۲۹۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل فرمائی۔ حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ سے بخاری شریف پڑھی۔

۱۳۰۱ھ میں مدرسہ فیض عام کانپور میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ اوراس وقت حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ بھی وہاں پر مدرس تھے، پھر جامع العلوم کانپور میں مسند صدارت کو زینت بخشی۔ ۱۳۱۵ھ کو ملازمت ترک کرکے خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں توکل علی اللہ قیام فرمایا، رشد وہدایت اور تزکیہ نفس کے ساتھ تصنیف وتالیف کی ایسی عظیم الشان خدمات انجام دیں

جس کی مثال کسی دوسری شخصیت میں نہیں ملتی۔ اسی سال حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ متوفی: ۱۳۱۵ھ اور شاہین توکل شاہ انبالہؒ متوفی: ۱۳۱۵ھ کی وفات ہوئی۔ اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی ولادت ہوئی۔ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی فراغت ہوئی۔

۱۳۶۲ھ میں حضرت کی وفات کا سانحہ عظیمہ پیش آیا۔ یاد رکھئے کہ حضرت تھانویؒ کی پیدائش ۱۲۸۰ھ میں ہوئی، اس کے ۱۵؍سال کے بعد ۱۲۹۶ھ میں حضرت مدنیؒ متوفی ۱۳۷۷ھ کی پیدائش ہوئی۔ حضرت تھانویؒ ۱۲۹۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور اس کے ۱۵؍سال کے بعد حضرت مدنیؒ کی ۱۳۱۵ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل ہوئی۔ حضرت تھانویؒ کی وفات ۱۳۶۲ھ میں ہوئی، اس کے ۱۵؍سال کے بعد ۱۳۷۷ھ میں حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کی وفات ہوئی، یہ عجیب توازن اور قدرتی مناسبت ہے۔

(۱۸) حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ متوفی: ۱۳۴۷ھ

۱۲۷۹ھ میں حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کی ولادت ہوئی۔ اسی سال حضرت مولانا محمود حسن سہسوانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی: ۱۳۳۹ھ کی بھی ولادت ہوئی۔ آپ حضرت نانوتویؒ کے فرزند رشید ہیں، آپ نے کچھ عرصہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں تعلیم حاصل فرمائی، اس کے بعد جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں تشریف لاکر حضرت نانوتویؒ کے نامور شاگرد حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہویؒ سے مختلف علوم وفنون کی تعلیم حاصل کرکے دیوبند جاکر حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ سے ترمذی شریف کے چند اسباق پڑھ کر گنگوہ تشریف لے گئے اور حضرت گنگوہیؒ سے دورۂ حدیث کی تکمیل فرمائی۔ آپ حضرت گنگوہیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔

۱۳۰۳ھ میں دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس تقرر ہوگیا۔

۱۳۱۰ھ میں حاجی عابد حسینؒ کی وفات کے بعد کئی مہتمم یکے بعد دیگرے تشریف لائے کسی میں جماؤ نہ ہوسکا۔

۱۳۱۳ھ میں حضرت گنگوہیؒ نے آپ کو دارالعلوم دیوبند کا مہتمم بنادیا۔ آپ کے زمانۂ اہتمام میں تعلیمی اور تعمیری دونوں اعتبار سے دارالعلوم نے زبردست ترقی حاصل کی، آپ اہتمام کی ذمہ داری کے ساتھ مسلم شریف وغیرہ کئی کتابیں پڑھاتے رہے اور آپ مہتمم بھی، مدرس بھی، مفتی بھی تھے۔ آپ کے فتاوی کی ایک لمبی فہرست عکس احمد میں چھپی ہے۔

۱۳۴۷ھ میں نظام حیدرآباد کی دعوت پر حیدرآباد تشریف لے گئے، وہیں وفات پائی، اسی سال مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ کی وفات ہوئی۔ اور اس سال حضرت مولانا محی الدین خاں مرادآبادیؒ کی بھی وفات ہوگئی، اسی سال حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھیؒ کی بھی وفات ہوگئی۔

(۱۹) حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ متوفی: ۱۳۷۱ھ

۱۳۰۴ھ حضرت مولانا مرتضی حسن چاند پوریؒ نے اسی سال دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل فرمائی، حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ کے شاگرد ہیں۔ حضرت کی وفات کے دو سال بعد فراغت ہوئی۔ اپنے زمانہ کے بہت بڑے مناظر اور فرق باطلہ کے لئے تیز تلوار تھے۔

۱۳۵۰ھ کو دارالعلوم سے سبکدوش ہوکر چاند پور میں قیام فرمایا۔ ۱۳۷۱ھ میں وفات پائی۔

(۲۰) مولانا عبیداللہ سندھیؒ متوفی: ۱۳۶۳ھ

۱۲۸۹ھ میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی ایک غیر مسلم گھرانہ میں ولادت ہوئی، ان کے والد ہندو سے سکھ بن گئے۔

۱۳۰۷ھ میں دورۂ حدیث میں شریک ہوئے، مگر تکمیل نہ کرسکے۔

۱۳۱۵ھ میں آکر تکمیل فرمائی۔

۱۳۲۷ھ میں ’’جمعیۃ الانصار‘‘ کو قائم فرمایا۔ حضرت شیخ الہندؒ کی ریشمی رومال تحریک کے قائد تھے۔ ۱۳۳۳ھ میں شیخ الہندؒ نے ان کو افغانستان بھیجا۔

۱۳۴۲ھ میں ترکی کا سفر فرمایا۔

۱۳۵۸ھ میں ہندوستان واپس تشریف لائے۔

۱۳۶۳ھ میں وفات پائی، اسی سال حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ کی وفات ہوئی۔

(۲۱) مولانا حکیم اسحاق کھٹوریؒ متوفی: ۱۳۷۴ھ

۱۲۸۱ھ میں قیام دارالعلوم دیوبند سے دو سال قبل پیدا ہوئے۔

۱۳۰۸ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت ہوئی، اسی سال حضرت شیخ الہندؒ مسند صدارت پر فائز ہوئے، موصوف حضرت شیخ الہندؒ کے اولین شاگردوں میں ہیں۔

۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم دیوبند کے لئے غلہ اسکیم کا سلسلہ آپ کے ذریعہ سے شروع ہوا۔

۱۳۷۴ھ میں وفات پائی، اسی سال حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ کی وفات ہوئی۔

(۲۲) علامہ انور شاہ کشمیریؒ متوفی: ۱۳۵۲ھ

۱۲۹۲ھ اسی سال حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اسی سال حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ متوفی ۱۳۷۲ھ کی بھی ولادت ہوئی۔

۱۳۱۰ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ اسی سال انجمن ندوۃ العلماء قائم ہوئی۔

۱۳۱۴ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل فرمائی اور اسی سال مولانا ماجد علی جونپوریؒ کی بھی دارالعلوم دیوبند سے فراغت ہوئی، پھر حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں دو سال رہ کر علم حدیث ودیگر فنون کی تعلیم حاصل فرمائی۔

۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات میں مصروف ہوگئے۔

۱۳۳۳ھ میں حضرت شیخ الہندؒ سفر حجاز کو روانہ ہوئے، اپنا جانشینی کا شرف شاہ صاحب کو بخشا۔

۱۳۴۶ھ میں اہتمام سے بعض اختلاف کی وجہ سے ڈابھیل تشریف لے گئے، اسی سال حضرت مولانا خلیل احمد انبھٹویؒ کی وفات ہوئی، اسی سال حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کی وفات ہوئی، اسی سال حضرت مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ متوفی: ۱۳۴۶ھ کی افغانستان

میں وفات ہوئی۔ اسی سال حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کو ہر شرط تسلیم کر کے دارالعلوم دیوبند کا صدر مدرس بنا کر لایا گیا۔

۱۳۵۲ھ میں تقریباً ۶۰ رسال کی عمر میں وفات پائی۔ اسی سال حضرت الاستاذ مفتی نظام الدین صاحبؒ کی دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل ہوئی۔

(۲۳) حضرت مولانا امین الدین دہلویؒ متوفی: ۱۳۳۸ھ

۱۲۸۳ھ قیام دارالعلوم دیوبند کے سال آپ کی ولادت اورنگ آباد میں ہوئی۔

۱۳۰۴ھ میں دارالعلوم میں داخل ہوئے، مگر ۱۳۰۷ھ کو تکمیل کئے بغیر تشریف لے گئے۔

پھر ۱۳۰۹ھ میں دارالعلوم دیوبند واپس تشریف لے آئے۔

۱۳۱۲ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل ہوئی۔

۱۳۱۵ھ میں سنہری مسجد کشمیری گیٹ دہلی میں مدرسہ امینیہ جاری فرمایا، جس میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے پوری عمر گذار دی۔

۱۳۳۸ھ میں وفات پائی، اسی سال حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مع رفقاء مالٹا سے رہا ہو کر تشریف لائے۔

(۲۴) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ متوفی: ۱۳۷۲ھ

۱۲۹۲ھ اسی سال حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کی شاہجہاں پور میں ولادت ہوئی۔ اسی سال حضرت شاہ صاحبؒ کی بھی ولادت ہوئی، آپ نے مدرسہ اعزازیہ شاہجہاں پور میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں داخل ہو کر حضرت نانوتویؒ کے تلمیذ خاص حضرت مولانا عبد العلی میرٹھیؒ و دیگر اساتذہ سے پڑھا، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔

۱۳۱۳ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل ہوئی، اسی سال حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب کو دارالعلوم کا مہتمم بنایا گیا، اسی سال انجمن ندوۃ العلماء کا سالانہ اجلاس

بریلی میں ہوا، اسی سال انجمن ندوۃ العلماء کی طرف سے ایک عظیم الشان دارالعلوم کے قیام کے لئے مجوزہ خاکہ تیار کیا گیا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جامع العلوم کانپور سے لکھا کہ ایسے عظیم الشان اور جلیل القدر دارالعلوم کا وجود ذہنی سے وجود خارجی میں آنا، موجد الموجودات کی قدرت کاملہ کے سامنے کوئی مستبعد امر نہیں۔

۱۳۲۱ھ میں حضرت مولانا امین الدین دہلویؒ کے اصرار پر مدرسہ امینیہ دہلوی کی مسند صدارت پر متمکن ہوئے۔

۱۹۱۹ء میں آپ نے دوسرے علماء کو ساتھ لے کر جمعیۃ العلماء ہند قائم فرمائی۔

۱۳۵۵ھ سے ۱۳۷۲ھ تک دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین رہے۔

۱۳۷۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ دہلی میں مہرولی کے علاقہ میں حضرت شاہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ کے جوار میں مدفون ہیں۔

(۲۵) حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ متوفی: ۱۳۷۷ھ

۱۲۹۶ھ اسی سال حضرت مدنیؒ کی ولادت باسعادت ہوئی اور اسی سال جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کا حضرت نانوتویؒ کے ہاتھ سے قیام عمل میں آیا اور اسی سال شاہ اسحاق صاحب محدث دہلویؒ کے تلمیذ خاص حضرت مولانا عالم علی صاحب مرادآبادی کی وفات ہوئی۔

۱۳۰۹ھ میں دارالعلوم دیوبند داخل ہوئے، حضرت شیخ الہندؒ کی تربیت میں رہے۔

۱۳۱۵ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل ہوئی، اسی سال حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم کی ولادت ہوئی۔ اسی سال حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی پیدائش ہوئی۔ اسی سال حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ کی وفات ہوئی جو حضرت نانوتویؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اسی سال شاہین توکل شاہ کی وفات ہوئی۔

۱۳۴۶ھ میں شاہ صاحب کے دارالعلوم سے مستعفی ہوجانے کے بعد ایک عظیم الشان شخصیت کی دارالعلوم کو ضرورت تھی، اکابر کی نظر انتخاب آپ کی ذات پر پڑی اور ہر شرط منظور کرکے آپ کو دارالعلوم کی مسند صدارت پر فائز کیا گیا۔

۱۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ کو آپ کی وفات کا عظیم الشان سانحہ پیش آیا۔

(۲۶) حضرت مولانا سید احمد مدنیؒ متوفی: ۱۳۵۸ھ

۱۲۹۳ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی، آپ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے بڑے بھائی ہیں۔ دارالعلوم میں دونوں بھائی ساتھ میں پڑھے۔ ۱۳۱۵ھ میں بڑے بھائی کی حضرت مدنیؒ کے ساتھ دارالعلوم سے فراغت حاصل ہوئی۔

۱۳۱۶ھ میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ مدینۃ المنورہ ہجرت فرمائی۔

۱۳۴۰ھ میں مسجد نبوی سے متصل مدرسہ علوم شرعیہ قائم فرمایا۔

۱۳۵۸ھ میں حضرت مدنیؒ سے ۱۹؍ سال قبل مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

(۲۷) حضرت میاں اصغر حسین دیوبندیؒ متوفی: ۱۳۶۳ھ

۱۲۹۴ھ میں آپ کی پیدائش دیوبند میں ہوئی۔ اسی سال حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہوی رحمۃ اللہ علیہ کی فراغت ہوئی۔ اسی سال حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ کی فراغت ہوئی۔ اسی حضرت مولانا عبد العلی میرٹھیؒ کی فراغت ہوئی۔ یہ تینوں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مایہ ناز تلامذہ میں سے ہیں۔

۱۳۲۰ھ میں حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین صاحبؒ کی دارالعلوم سے فراغت ہوئی۔

۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں ان کا تقرر ہوگیا۔

۱۳۶۳ھ میں راندیر ضلع سورت گجرات میں ان کی وفات ہوئی۔ اور راندیر کے قبرستان میں مدفون ہیں۔ اسی سال حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ کی وفات ہوئی۔ اسی سال حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی بھی وفات ہوئی۔

(۲۸) حضرت مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ متوفی: ۱۳۴۶ھ

۱۳۲۱ھ میں دارالعلوم دیوبند سے آپ کی فراغت ہوئی، آپ حضرت نانوتویؒ کے

حقیقی نواسے ہیں، حضرت مولانا عبداللہ انصاریؒ کے صاحبزادے ہیں۔ اور حضرت مولانا حامد الانصاری غازیؒ کے والد بزرگوار ہیں۔

۱۳۳۳ھ میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک آزادی کے خطوط آزاد قبائل تک پہنچانے میں نہایت اہم ذمہ داری انہوں نے ادا کی ہے۔ ۱۳۴۶ھ میں بمقام جلال آباد، افغانستان میں وفات پائی۔ اسی سال مولانا خلیل احمد انبٹھویؒ کی مدینہ منورہ میں وفات ہوئی۔ اسی سال علامہ انور شاہ کشمیریؒ دارالعلوم سے مستعفی ہوئے۔ اسی سال حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہوا۔

(۲۹) حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ متوفی: ۱۳۷۴ھ

۱۳۲۱ھ میں آپ کی دارالعلوم سے فراغت حاصل ہوئی۔ اسی سال حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ نے علامہ شبلیؒ سے بعض اختلاف کی وجہ سے ندوۃ العلماء سے مستعفی ہوکر صوبہ بہار ضلع مونگیر میں حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے نام پر خانقاہ قائم فرماکر وہیں مقیم ہوگئے۔ اسی سال حضرت سید الملت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ کی پیدائش ہوئی۔

۱۳۳۰ھ میں حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ کا دارالعلوم میں تقرر ہوگیا، آپ کی محنت اور جفاکشی نے دارالعلوم کے تعلیمی ماحول کو بے مثال فعال بنادیا، آپ نے تدریسی محنت کے ذریعہ سے دارالعلوم سے بے شمار رجال پیدا فرمائے۔

۱۳۷۴ھ کو دارالعلوم میں ۴۴؍ سال خدمت کرنے کے بعد وفات پائی۔ اسی سال مدرسہ شاہی کی تاریخ کے بے مثال مہتمم حضرت مولانا عبدالحق مدنیؒ کی بھی وفات ہوگئی۔

(۳۰) حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ متوفی: ۱۳۷۴ھ

۱۳۰۵ھ کو آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، آپ کے والد ڈاکٹر رفاقت علی صاحب دیوبند کے عثمانی خاندان کے تھے، مدینہ منورہ میں فوجی سرجن تھے، وہاں پر عقد نکاح فرمایا اور

وہیں ارض مقدس میں حضرت مولانا عبدالحق مدنیؒ کی ولادت ہوئی، اور وہاں پر حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ابتداء سے تکمیل تک ساری تعلیم حاصل فرمائی، پھر ہندوستان آکر حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت حدیث حاصل فرمائی۔ اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے درس بخاری میں بھی شرکت فرمائی۔

۱۳۳۴ھ میں جب دولت عثمانیہ کے خلاف بغاوت شروع ہوگئی اور مدینۃ المنورہ کے حالات خراب ہوگئے، مع اہل خانہ کے ملک شام تشریف لے گئے، چار سال تک وہاں ایک مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

۱۳۳۸ھ میں مدینہ منورہ واپس آگئے۔

۱۳۴۱ھ میں مدینہ منورہ سے ہندوستان تشریف لے آئے اور کراچی میں کچھ عرصہ تدریسی خدمات انجام دیں، پھر مدرسہ امدادیہ مرادآباد تشریف لے آئے اور اس دوران مدرسہ شاہی کے بنیادی اساتذہ حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ، حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ حضرت مولانا اسماعیل سنبھلیؒ گرفتار کر لئے گئے، تو امدادیہ کے کار مفوضہ انجام دینے کے ساتھ مدرسہ شاہی کے ان تمام اساتذہ سے متعلق ساری اہم کتابیں بھی پڑھانے لگے، مگر امدادیہ کے ذمہ داروں کی طرف سے اجازت نہ ہونے کی وجہ سے وہاں سے مستعفی ہوکر شاہی تشریف لے آئے۔

۱۳۵۱ھ میں مدرسہ شاہی کے مسند اہتمام پر فائز ہوئے، ان کے دور میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی نے بے مثال ترقی حاصل کی۔

۱۳۷۴ھ میں دیوبند میں وفات پائی، مزار قاسمی میں مدفون ہیں۔

(۳۱) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ متوفی: ۱۳۶۹ھ

۱۳۰۵ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ۱۳۲۵ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل ہوئی، اسی سال حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی ولادت ہوئی، آپ حضرت شیخ

الہندؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، ترجمہ شیخ الہند پر حضرت شیخ الہندؒ کا حاشیہ صرف ۴؍۵؍ پارے پر ہے، باقی تقریباً ۲۵/۲۶؍ پاروں کا حاشیہ آپ ہی کا ہے جو فوائد عثمانی کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کو تقسیم ہند کے بعد پاکستان کے شیخ الاسلام کا لقب ملا۔ مسلم شریف کی شرح ''فتح الملہم'' آپ ہی کی ہے۔ ۱۳۴۶ھ میں شاہ صاحبؒ کے ساتھ ڈابھیل تشریف لے گئے تھے۔ ۱۳۶۹ھ کو آپ کی وفات ہوگئی، کراچی میں مدفون ہیں۔

(۳۲) حضرت مولانا علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ متوفی: ۱۳۸۷ھ

۱۳۰۴ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ۱۳۲۵ھ میں دارالعلوم میں داخلہ لیا۔

۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل ہوئی۔ اسی سال حضرت علامہؒ کے ساتھ حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ کی بھی دارالعلوم دیوبند سے فراغت ہوئی، حضرت علامہ صاحبؒ کا بیان ہے کہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ پورے سال ہمارے ساتھ بخاری وترمذی کے اسباق میں شریک رہے، حضرت علامہ صاحبؒ نے مدرسہ عالیہ فتح پور دہلی، تعلیم الدین ڈابھیل، دارالعلوم مئو اعظم گڑھ، مدرسہ امدادیہ دربھنگہ، ہاٹ ہزاری ضلع چاٹگام وغیرہ میں صدر مدرسی کا فریضہ انجام دیا، اس درمیان دارالعلوم دیوبند میں کئی مرتبہ تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، پھر آخر میں ۱۳۷۷ھ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی وفات کے بعد آپ کو دارالعلوم دیوبند کی مسند صدارت پر فائز کیا گیا۔

۱۳۸۷ھ کو ۸۴؍سال کی عمر میں وفات پائی۔

(۳۳) حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ متوفی: ۱۳۶۳ھ

۱۳۰۳ھ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ گنگوہ اور سہارنپور میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آخر میں دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کے لئے تشریف لائے۔

۱۳۲۷ھ میں علامہ ابراہیم بلیاویؒ متوفی ۱۳۸۷ھ کے ساتھ دورۂ حدیث کی تعلیم حاصل فرمائی۔ حضرت شیخ الہندؒ متوفی: ۱۳۳۹ھ سے بخاری وترمذی مکمل پڑھی۔ دارالعلوم سے فراغت

کے بعد شوال ۱۳۲۸ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں مدرس ہوگئے، ۸/سال کے بعد ۱۳۳۶ھ میں حضرت مولانا محمد صاحب کاندھلویؒ کی وفات پر بنگلہ والی مسجد میں ان کی جگہ کام کے لئے تشریف لے گئے، پھر وہاں سے تبلیغی دعوت کا کام شروع فرمایا، ان کی روحانی کشش سے آج پوری دنیا میں یہ کام حیرت انگیز انداز سے پھیل گیا۔ مولانا منظور صاحب نعمانیؒ متوفی ۱۴۱۷ھ فرماتے ہیں کہ میں اپنے استاذ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے علوم کے بعد کبھی کسی کے علم سے متاثر نہ ہوسکا، مگر اللہ نے حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ کو کچھ ایسے علوم عطا فرمائے ہیں جو کتابوں سے حاصل نہیں ہوسکتے۔ ۱۳۶۳ھ میں آپ کی وفات کا الم ناک سانحہ پیش آیا۔

(۳۴) حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ متوفی: ۱۳۹۲ھ

۱۳۰۷ھ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، منبع العلوم گلاؤٹھی میں حضرت مولانا ماجد علی صاحب جونپوریؒ سے متوسطات کی کتابیں پڑھی۔

۱۳۲۶ھ کو دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، امتحان داخلہ میں امتیازی نمبرات سے پاس ہوئے۔ ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل فرمائی۔ اسی سال دارالعلوم کی قدیم مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی۔ اسی سال حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کی پیدائش ہوئی، اسی سال حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ مفتی دارالعلوم دیوبند کی بھی پیدائش ہوئی۔ اسی سال قاضی سجاد حسین کرتپوریؒ کی بھی پیدائش ہوئی۔ اسی سال علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کا دارالعلوم میں تقرر ہوا۔

۱۳۲۹ھ میں حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ کا جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں تقرر ہوا۔

۱۳۴۰ھ میں مدرسہ شاہی کی مسند صدارت پر فائز ہوئے۔ اس سے قبل حضرت شیخ الہند کے ممتاز شاگرد اور مدرسہ شاہی کے صدر مدرس حضرت مولانا محمود حسن سہسوانیؒ کی وفات ہوئی، ان ہی کی وفات پر ان کی جگہ مولانا فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو صدر مدرس بنایا گیا، اسی

سال مولانا عبدالحئی ناظم ندوۃ العلماء کی وفات ہوئی، اسی سال مولانا احمد رضا خاں صاحبؒ کی بھی وفات ہوئی۔ اور ۳۷ رسال تک مدرسہ شاہی میں بخاری شریف کا درس دیا، ان کے درس بخاری کی شہرت پورے برصغیر میں اس طرح ہوئی کہ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور سے دورہ حدیث سے فراغت کے بعد بہت سے طلبہ حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ سے بخاری پڑھنے کے لئے مدرسہ شاہی مرادآباد آکر دوبارہ دورۂ حدیث پڑھتے تھے۔

۱۳۷۷ھ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کی وفات کے بعد آپ ہی کو دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز کیا گیا۔

۱۳۹۲ھ میں وفات پائی۔ مدرسہ شاہی کے دارالطلبہ لالباغ سے قریب حوض والی مسجد سے متصل قبرستان میں مدفون ہیں۔ مدرسہ شاہی میں ۳۷ رسال اور دارالعلوم دیوبند میں ۱۵ رسال کل ۵۲ رسال تک بخاری شریف کا درس دیا، مسلک دیوبند کے مشائخ میں سے کسی کو بھی اتنی لمبی مدت تک تسلسل کے ساتھ درس بخاری کا موقع نہیں ملا جوان کو ملا تھا۔

مدرسہ شاہی میں ان کی صدارت کے زمانہ کے مہتمم حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ تھے، ان دونوں کے زمانہ میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی نے بے مثال ترقی حاصل کی ہے۔

(۳۵) حضرت مولانا عبدالعلی صاحب لکھنویؒ متوفی: ۱۳۸۰ھ

۱۳۱۱ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ حضرت مولانا حکیم سید عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ رائے بریلی متوفی ۱۳۴۱ھ صاحبِ ”نزہۃ الخواطر“ کے فرزند اکبر ہیں۔ آپ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے برادر اکبر ہیں۔

۱۳۲۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل فرمائی، حضرت شیخ الہندؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔

۱۳۵۰ھ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم مقرر ہوئے۔

۱۳۷۷ھ سے ۱۳۸۰ھ تک دارالعلوم دیوبند کے رکن شوری رہے۔

۱۳۸۰ھ میں وفات کا سانحہ پیش آیا، اپنے آبائی قبرستان تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں مدفون ہیں۔

(۳۶) حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمل پوریؒ متوفی: ۱۳۸۶ھ

۱۳۳۳ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل فرمائی۔ حضرت شیخ الہندؒ کے آخری تلامذہ میں سے تھے۔ فراغت کے بعد مظاہر علوم سہارنپور میں آپ کا تقرر ہوگیا۔
۱۳۴۴ھ میں جب مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ متوفی: ۱۳۴۶ھ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی، تو ان کی جگہ مولانا کیمل پوری کو صدر مدرس مقرر کیا گیا۔
۱۳۶۷ھ میں تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے گئے جہاں ان کا آبائی وطن تھا۔ حضرت تھانویؒ سے بیعت وخلافت حاصل تھی۔ ۱۳۸۶ھ میں وطن ہی میں وفات پائی، برصغیر کے طول وعرض میں ان کے ہزاروں شاگرد ہیں۔

(۳۷) حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ متوفی: ۱۳۹۰ھ

۱۳۱۳ھ میں وطن ہی میں پیدائش ہوئی، منبع العلوم گلاؤٹھی میں تعلیم حاصل فرمائی۔
۱۳۴۹ھ میں جالندھر میں خیر المدارس جاری فرمایا، جب ۱۳۶۷ھ میں ہندوستان تقسیم ہوگیا، پنجاب میں قتل وغارت گری ہوئی، تو پاکستان تشریف لے گئے اور ملتان میں خیر المدارس قائم فرمایا جو وہاں کے عظیم الشان مدارس میں سے ایک ہے۔
۲۰ر شعبان ۱۳۹۰ھ میں ملتان ہی میں وفات پائی وہیں مدفون ہیں۔

(۳۸) حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ متوفی: ۱۳۸۷ھ

۱۳۳۵ھ میں حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی دارالعلوم دیوبند سے فراغت ہوئی اور فراغت کے بعد حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حکیم الامت سے بیعت وخلافت حاصل ہوئی۔
۱۳۵۱ھ میں وطن مالوف اعظم گڑھ پہنچ کر تعلیم وتربیت کا سلسلہ جاری فرمایا، اس کے بعد کچھ عرصہ گورکھپور میں قیام فرمایا، پھر اخیر میں الہ آباد میں مقیم ہوگئے، وہاں پر مدرسہ

وصیۃ العلوم قائم فرمایا۔ سلوک وتصوف کے ساتھ بخاری شریف کا درس بھی دیتے رہے، صاحب کشف وکرامت تھے، بیسیوں کتابیں تصنیف فرمائی۔

۲۲؍شعبان ۱۳۸۷ھ میں سفر حج کے دوران وفات پائی، بحر احمر کے آغوش میں سپرد آب کیا گیا، اخیر عمر میں عجیب کیفیت میں یہ اشعار پڑھا کرتے تھے:

ہوئے ہم جو مر کے رسوا، ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

(۳۹) حضرت مولانا عزیز گل پشاوریؒ متوفی: ۱۴۱۰ھ

۱۳۰۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ۱۳۳۱ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل ہوئی۔ حضرت شیخ الہندؒ کے آخری تلامذہ میں سے ہیں اور آپ حضرت شیخ الہندؒ کے خاص خادم تھے، سفر حجاز میں شیخ الہندؒ کے ساتھ رہے اور شیخ الہندؒ کے ساتھ گرفتار ہوکر مالٹا جیل میں رہے، وہاں سے واپسی پر مدرسہ رحمانیہ رڑکی میں خدمت انجام دیتے رہے، تقسیم ہند کے بعد اپنے وطن واپس ہوگئے۔ ۱۴۱۰ھ میں ۱۱۰؍سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ فرزندان دارالعلوم دیوبند میں سب سے زیادہ عمر آپ کو ملی۔

(۴۰) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ متوفی: ۱۴۰۲ھ

۱۳۱۵ھ میں حضرت والا کی ولادت کاندھلہ میں ہوئی۔ ان کے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نوراللہ مرقدہ حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں تھے۔

۱۳۲۳ھ میں جب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی عمر آٹھ سال کی ہوگئی تھی۔

۱۳۳۳ھ میں دور طالب علمی ہی میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ سے بیعت ہوگئے، بچپن سے ہی سلوک وتصوف سے مناسبت تھی۔

۱۳۳۵ھ میں مظاہر علوم سہارنپور سے فراغت حاصل ہوئی۔ حضرت شیخ نے درسیات کی ذمہ داری کے ساتھ مختلف فنون اور مختلف موضوعات میں بے شمار کتابیں تصنیف فرمائی۔ ’’اوجز المسالک‘‘ شرح موطا مالک آپ ہی کی تصنیف ہے، پہلے بہت باریک حروف میں ضخیم ترین چھ جلدوں میں ہندوستان سے شائع ہوئی تھی اور اب حضرت مولانا تقی الدین صاحب ندوی دامت برکاتہم کے زیر نگیں عمدہ کتابت کے ساتھ **۱۷/ ضخیم جلدوں** میں ہوکر شائع ہوگئی ہے۔ حضرت کے ہزاروں مریدین ہیں، ہزاروں تلامذہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔

۱۴۰۲ھ میں مدینۃ المنورہ میں وفات پائی، جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ حضرت کی زبانی یہ بات سننے کی سعادت ہوئی، فرمایا کہ میرے حضرت نے (حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ) ’’بذل المجہود‘‘ کی تکمیل کے موقع پر فرمایا کہ میں نے اللہ سے تین دعائیں مانگیں: (۱) قرآن کریم حفظ ہوجائے (۲) بذل کی تکمیل کرادے۔ اللہ نے یہ دو دعائیں قبول فرما لیں۔ (۳) مدینۃ المنورہ میں موت عطا فرمائے اور جنت البقیع میں دفن نصیب ہو، اللہ سے امید ہے کہ وہ دعاء بھی قبول ہوگئی۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ ہم نے وہ بھی دیکھ لی۔

(۴۱) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ متوفی: ۱۳۹۶ھ

۱۳۱۴ھ کو دیوبند میں آپ کی ولادت ہوئی، اسی سال حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی فراغت ہوئی۔

۱۳۳۶ھ میں ۲۲/ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل ہوئی۔ اسی سال حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب متوفی: ۱۴۱۶ھ امیر تبلیغ کی پیدائش ہوئی۔

۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس ہوئے۔

۱۳۵۰ھ میں دارالعلوم دیوبند کے منصب افتاء پر فائز ہوئے۔

تقسیم ہند کے بعد ۱۳۶۸ھ میں پاکستان چلے گئے، وہاں جاکر دارالعلوم کراچی کے نام سے عظیم الشان ادارہ قائم فرمایا۔ بے شمار کتابیں اور رسائل تالیف فرمائے، تفسیر ’’معارف القرآن‘‘ آپ ہی کی ہے۔ ۱۱/ شوال ۱۳۹۶ھ میں کراچی میں وفات پائی۔

(۴۲) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ متوفی: ۱۴۰۲ھ

۱۳۱۵ھ میں دیوبند میں آپ کی ولادت ہوئی۔ اسی سال حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کی دارالعلوم سے فراغت ہوئی، اسی سال حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ متوفی: ۱۴۰۲ھ کی ولادت ہوئی۔ اسی سال حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ متوفی ۱۳۱۵ھ کی وفات ہوئی۔ اسی سال حضرت شاہین توکل شاہؒ متوفی: ۱۳۱۵ھ کی وفات ہوئی، انبالہ شہر میں مدفون ہیں۔

۱۳۳۷ھ حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کی فراغت ہوئی، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔

جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مالٹا سے رہا ہوکر تشریف لائے تو ۱۳۳۹ھ میں آپ سے بیعت ہوگئے۔

۱۳۵۰ھ میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے خلافت سے سرفراز فرمایا۔

۱۳۴۲ھ میں نیابت اہتمام پر فائز ہوئے۔

۱۳۴۸ھ میں باقاعدہ منصب اہتمام پر فائز ہوئے۔

۱۳۹۲ھ میں جب مسلم پرسنل لاء بورڈ کا قیام ہوا، تو آپ کو اس کا صدر منتخب کیا گیا، آپ کے زمانۂ اہتمام میں دارالعلوم نے حیرت انگیز ترقی اور شہرت حاصل کی۔

۱۴۰۲ھ میں وفات پائی، مزار قاسمی میں مدفون ہیں۔

(۴۳) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ متوفی: ۱۳۹۴ھ

۱۳۱۸ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون میں حاصل کی، پھر مظاہر علوم میں پڑھا، پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔

۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل فرمائی، علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت وخلافت حاصل ہوئی، اسی سال ۱۳۴۷ھ میں مفتی محمود احمد نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی: ۱۳۸۸ھ کی فراغت ہوئی۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، ''سیرت مصطفیٰ'' آپ ہی کی کتاب ہے۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان لاہور تشریف لے گئے، ۲۲؍سال تک جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔ ۱۳۹۴ھ کو لاہور میں وفات پائی۔

(۴۴) حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ متوفی: ۱۳۸۵ھ

۱۳۱۶ھ میں ولادت ہوئی۔ ۱۳۳۰ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ متوفی ۱۳۴۶ھ کی خدمت میں پہنچے۔ ۱۳۳۷ھ میں مظاہر علوم سے فراغت کے بعد وہیں پر معین المدرس رہے۔

۱۳۳۹ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لاکر شاہ صاحب سے دورہ حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۴۰ھ میں دارالعلوم میں معین المدرس ہوگئے۔

۱۳۴۶ھ میں شاہ صاحب کے ساتھ ڈابھیل تشریف لے گئے۔

۱۳۶۲ھ میں ندوۃ المصنفین دہلی سے وابستہ ہوگئے۔ ترجمان السنہ کے نام سے حدیث کی ایک معرکۃ الآراء کتاب تصنیف فرمائی۔

۱۳۶۷ھ میں تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے گئے، پھر مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔

۱۳۸۵ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی، جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

(۴۵) حضرت مولانا مفتی مہدی حسن شاہ جہاں پوریؒ متوفی: ۱۳۹۶ھ

۱۳۰۱ھ میں اپنے وطن شاہ جہاں پور میں پیدا ہوئے، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ متوفی: ۱۳۷۲ھ کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں۔

۱۳۲۶ھ میں مدرسہ امینیہ دہلی سے فراغت حاصل ہوئی۔

۱۳۲۸ھ میں جب دارالعلوم دیوبند میں دستار بندی ہوئی اس میں آپ کی بھی دارالعلوم میں دستار بندی ہوئی۔ حضرت مفتی صاحب نے ان کو جامعہ اشرفیہ راندیر سورت گجرات بھیج دیا، طویل مدت تک وہاں افتاء اور تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، اس دوران آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی۔

۱۳۶۷ھ میں ان کو دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی کے منصب پر فائز کیا گیا۔

۱۳۸۷ھ میں سخت علالت کی وجہ سے دارالعلوم سے سبکدوش ہوکر وطن میں جا کر قیام فرمایا، اسی سال علامہ ابراہیم بلیاویؒ متوفی: ۱۳۸۷ھ کا بھی انتقال ہوگیا۔

۱۳۹۶ھ میں طویل علالت کے بعد وطن میں وفات پائی، ۹۵ رسال عمر پائی۔

(۴۶) حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ متوفی: ۱۴۱۷ھ

۱۳۲۵ھ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، مظاہر علوم سہارنپور میں عرصہ تک تعلیم حاصل فرمائی، حضرت والا کی زبان سے بار بار سنا کہ دارالعلوم دیوبند میں حضرت نے دو سال تعلیم حاصل فرمائی، بخاری شریف اور ترمذی شریف حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے مکمل پڑھیں۔ ترمذی شریف کا سبق اکثر و بیشتر عصر کے بعد ہوا کرتا تھا، تاریخ دارالعلوم اس زمانہ میں شائع ہوچکی تھی، اس میں مظاہر علوم سہارنپور سے ۱۳۵۱ھ میں فراغت لکھی ہوئی ہے، مگر حضرت نے زبانی بار بار بیان کے ذریعہ سے در پردہ اس پر تردید فرمائی ہے؛ بلکہ ۱۳۵۱ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت ہوئی ہے، اس کے بعد مظاہر علوم میں معین مفتی کی حیثیت سے آپ کا تقرر رہا۔ آپ کے بہت سارے فتاوی میں دستخط کے ساتھ ۱۳۵۲ھ لکھا ہوا ہے، ایسے میں مظاہر علوم سے ۱۳۵۱ھ میں فارغ ہوکر دارالعلوم میں دو سال کیسے پڑھے ہوں گے؟ اسی طرح ۱۳۵۲ھ میں معین المفتی کیسے ہوسکتے ہیں؛ لہٰذا یہ درست نہیں ہے۔ حضرت کے فتاوی الحمد للہ پاکستان سے ۲۵ رجلدوں میں اور ہندوستان سے ۳۱ رجلدوں میں شائع ہوگئے ہیں، آپ مظاہر علوم میں ۲۰ رسال خدمت انجام دینے کے بعد ۱۳۷۱ھ میں

جامع العلوم کانپور میں مسند صدارت اور افتاء پر فائز رہے، کانپور کے عوام وخواص آپ سے بہت زیادہ مانوس تھے، تقریباً ۱۴؍سال تک وہاں پر خدمت انجام دیں۔

۱۳۸۵ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کے مفتی کے منصب کے لئے منتخب کیا گیا، آپ کو حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ سے بیعت وخلافت حاصل تھی، آپ کو حاضر جوابی میں کمال حاصل تھا، ذہن اور حافظہ حیرت انگیز تھا، بڑے بڑے معترضین کو ایک جملہ میں خاموش کردیتے تھے۔ دارالعلوم میں افتاء کی ذمہ داری کے ساتھ بخاری جلد ثانی کا درس بھی دیتے رہے، آپ نے ہمیشہ حسبۃً للہ خدمت انجام دی ہے، کبھی تنخواہ نہیں لی۔

۱۴۱۷ھ میں حضرت کی افریقہ میں وفات ہوئی، آپ نے ۹۲؍سال عمر پائی۔

(۴۷) حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ متوفی: ۱۴۲۰ھ

۱۳۲۸ھ میں آپ کی ولادت اعظم گڑھ میں ہوئی۔ ۱۳۵۲ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل ہوئی، اسی سال حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات ہوئی۔

۱۳۸۵ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کے منصب افتاء پر فائز کیا گیا، حضرت شاہ وصی اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ سے بیعت وخلافت حاصل تھی۔

۱۴۲۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی، آپ نے ۹۲؍سال عمر پائی۔

(۴۸) حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ متوفی: ۱۴۱۲ھ

۱۳۲۸ھ میں دیوبند میں آپ کی ولادت ہوئی، اسی سال دارالعلوم کی قدیم مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی، اسی سال حضرت مولانا فخرالدین احمدؒ کی فراغت ہوئی۔

۱۳۵۱ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل ہوئی۔ دارالعلوم کے نامور اساتذہ میں سے آپ کا نام سرفہرست ہے، ایک مدت تک دارالعلوم کے نائب مہتمم رہے، آخر میں دارالعلوم کے منصب صدارت پر فائز ہوئے۔

۶؍صفر ۱۴۱۲ھ کو اس دار فانی سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئے۔

(۴۹) حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خاں صاحبؒ متوفی: ۱۴۱۲ھ

۱۳۳۰ھ میں برلہ ضلع علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۴۸ھ میں دارالعلوم میں داخلہ لیا۔

۱۳۴۹ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل فرمائی، مزید دو سال تک فنون و معقولات کی کتابیں پڑھیں اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے بیعت ہو گئے۔

۱۳۵۱ھ میں حضرت تھانویؒ سے خلافت حاصل ہوئی۔

۱۳۵۷ھ میں جلال آباد ضلع مظفر نگر کے ایک مدرسہ میں مدرس بنا کر حضرت تھانویؒ نے بھیج دیا، اس وقت وہ مدرسہ ایک مکتب کی حیثیت میں تھا، آج وہ مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد کے نام سے عظیم الشان مدرسہ ہے۔ ۱۴۱۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

(۵۰) مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ متوفی: ۱۳۸۲ھ

۱۳۱۸ھ میں اپنے وطن سیوہارہ، ضلع بجنور میں آپ کی ولادت ہوئی، ان کی تعلیم زیادہ تر مدرسہ فیض عام سیوہارہ اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں ہوئی۔

۱۳۴۲ھ میں دارالعلوم سے فراغت فرمائی۔

۱۳۴۴ھ میں دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات پر مامور ہو گئے۔

۱۳۴۶ھ میں شاہ صاحبؒ کے ساتھ ڈابھیل تشریف لے گئے۔

۱۳۵۲ھ میں کلکتہ چلے گئے۔

۱۳۵۷ھ میں ندوۃ المصنفین دہلی سے وابستہ ہو گئے۔ اسی دور میں ''قصص القرآن'' تصنیف فرمائی۔

۱۳۶۷ھ، ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد ملک میں ہر طرف فسادات پھوٹ پڑے، کشت وخوں کا بازار گرم ہو گیا، مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے، ایسے سنگین حالات میں بڑی ہمت و پامردی سے حالات کا مقابلہ کیا، با اقتدار لیڈروں کو جھنجھوڑا اور حکام پر زور ڈال کر امن

وامان کو بحال کرانے کا زبردست کارنامہ انجام دیا، ان کی انتھک جدوجہد سے مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے قدم پھر سے جم گئے۔

۱۳۸۲ھ میں وفات پائی، مہندیاں قبرستان میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے جوار میں مدفون ہیں۔

(۵۱) حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ متوفی: ۱۳۹۷ھ

آپ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے زمانۂ ڈابھیل کے تلامذہ میں سے ہیں، مگر دارالعلوم دیوبند اور اکابر دیوبند سے بہت زیادہ خصوصی تعلق رہا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ کی درسی تقریر حیرت انگیز انداز سے مرتب فرمائی، اس میں ہر طرح سے محدثانہ رنگ نمایاں ہے۔ ''معارف السنن'' کے نام سے شائع ہوچکی ہے، ترمذی شریف کی شروحات میں سے سب سے زیادہ مقبول ترین شرح ہے۔ جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاون کے آپ بانی ہیں۔ ۱۳۹۷ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

(۵۲) سید الملت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ متوفی: ۱۳۹۵ھ

۱۳۲۱ھ میں ضلع بلند شہر میں پیدا ہوئے، اسی سال حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہویؒ متوفی: ۱۳۷۴ھ کی دارالعلوم دیوبند سے فراغت ہوئی۔

۱۳۳۱ھ سے ۱۳۴۳ھ تک دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔

۱۳۴۳ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل ہوئی، اس کے بعد کچھ عرصہ بہار میں مقام آرہ شاہ آباد میں مدرس رہے، اس کے بعد جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں طویل مدت تک مدرس اور مفتی کی حیثیت سے کام کیا، اس دوران حضرت مولانا فخر الدین احمد اور مولانا اسماعیل سنبھلیؒ کے ساتھ گرفتار کر لئے گئے، جیل کی صعوبتیں برداشت فرمائی۔ مدرسہ شاہی میں رہ کر انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی، علمائے حق کا شاندار کارنامہ اور علماء ہند کا

شاندار ماضی اسی زمانہ کی تصنیف ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ انہیں حیوان کاتب کہا کرتے تھے، جمعیۃ العلماء ہند کے ناظم بھی رہے۔

۱۳۹۵ھ میں ۴۷ر سال کی عمر میں وفات پائی۔

(۵۳) حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ متوفی: ۱۴۱۷ھ

۱۳۲۳ھ میں سنبھل میں پیدا ہوئے، اسی سال حضرت گنگوہیؒ کی وفات ہوئی اور وطن سنبھل ہی میں ابتدائی تعلیم حاصل فرمائی۔

۱۳۴۵ھ میں دارالعلوم میں سب سے اعلیٰ نمبرات سے پاس ہوکر فراغت حاصل فرمائی، اس کے بعد تین سال دارالعلوم چلّہ امروہہ میں درس دیا، پھر چار سال تک دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث رہے۔

۱۳۵۳ھ میں بریلی جاکر رسالۃ الفرقان جاری فرمایا، یہ رسالہ ہندوستان کے رسائل میں نہایت اہم اور علمی رسالہ شمار کیا جاتا تھا، آپ نے مسلک دیوبند کی ترجمانی میں مناظرہ میں ایک طویل زمانہ گذار دیا، بعد میں فرمانے لگے کہ میں نے اپنی عمر کے پچاس سال مناظرہ میں گذارے، مگر پیچھے مڑکر دیکھا تو ہاتھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔

۱۳۶۲ھ سے دارالعلوم دیوبند کے رکن شوریٰ ہوگئے، اراکین شوریٰ میں سے سب سے طویل مدت آپ کو حاصل ہوئی۔ ۲۷ر ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ میں وفات پائی، ۹۵ر سال عمر پائی۔

(۵۴) حضرت مولانا عبدالجبار صاحبؒ متوفی: ۱۴۰۹ھ

۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۷ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔

۱۳۴۸ھ میں مظاہر علوم سہارنپور سے فراغت حاصل ہوئی۔

۱۳۴۹ھ میں فنونات وغیرہ پڑھے، اس کے بعد مظاہر علوم میں معین المدرس رہے، پھر اس کے بعد گجرات میں آنند اور ڈابھیل میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔

۱۳۷۷ھ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی وفات پر مدرسہ شاہی کے

شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ کو دار العلوم کے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز کیا گیا، ان کی جگہ مولانا احمد نور سرحدی رحمۃ اللہ علیہ کو اس منصب پر فائز کیا گیا، مگر ایک سال کے بعد وہ مستعفی ہو گئے۔

۱۳۷۹ھ میں حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب کی جگہ پر کرنے کے لئے حضرت مولانا عبد الجبار کو مدرسہ شاہی کے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز کیا گیا، ۳۰؍سال تک اس منصب پر فائز رہے۔

۱۴۰۹ھ میں آپ کی وفات ہوگئی، آپ کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ متوفی: ۱۴۰۲ھ سے بیعت وخلافت حاصل تھی۔

(۵۵) حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ متوفی: ۱۳۸۴ھ

۲۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ شوال ۱۳۵۴ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں دورہ حدیث میں داخلہ لے کر دورۂ حدیث کی تعلیم حاصل فرمائی۔ ماہ صفر ۱۳۵۵ھ میں سہ ماہی امتحان میں اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوئے، مگر بیماری کی وجہ سے سال پورا نہ کر سکے، تکمیل مرکز نظام الدین میں حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ نے کرائی ہے۔

(احوال وآثار، ص: ۱۹۳)

اس سے ایک سال قبل ۱۳۵۳ھ میں حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی صاحبزادی کے ساتھ نکاح ہو گیا۔ طحاوی شریف کی شرح ''امانی الاحبار'' آپ ہی کی تصنیف ہے۔

۱۳۶۳ھ میں جب بانئ تبلیغ حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ کی وفات ہوئی، تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے آپ ہی کو امیر تبلیغ منتخب فرمایا، آپ کی امارت کا دور ۲۱؍سال رہا، آپ کے دور امارت میں تبلیغ کا کام سب سے زیادہ ہوا، بڑے بڑے مدارس اور یونیورسٹیوں میں آپ ہی کے دور میں کام ہوا ہے۔

۱۳۸۴ھ کو رائیونڈ لاہور پاکستان کے عالمی اجتماع کے موقع پر حرکت قلب بند ہونے پر وفات ہوگئی، جنازہ دہلی لایا گیا۔

جب طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تو فرمایا کہ بھائی ہماری منزل تو پوری ہو چکی، تو حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ نے فرمایا کہ ابھی کہاں؟ ابھی تو آپ کو چین، روس اور امریکہ اور ہندوستان میں اسلام کو پھیلانا ہے اور سارے ممالک میں اسلام کی دعوت پہنچانی ہے، تو اس پر فرمایا کہ پالیسی مکمل ہو چکی ہے، اب کرنے والے کرتے رہیں گے، پھر پوچھا حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے کس عمر میں وصال فرمایا؟ مولانا انعام الحسن صاحبؒ نے فرمایا: ۶۲ر سال کی عمر میں، پھر پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا؟ تو مولانا انعام الحسن صاحبؒ نے فرمایا کہ ۶۳ر سال کی عمر میں، پھر خود فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ۶۳ر سال کی عمر میں وصال فرمایا اور ہمارے لئے ۴۸ر سال بس ہیں۔ (احوال وآثار/ ۲۳۶)

چنانچہ حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی عمر صرف ۴۸ر سال ہوئی۔

(۵۶) حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ متوفی: ۱۴۱۶ھ

۱۳۳۶ھ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

۱۳۵۴ھ و ۱۳۵۵ھ میں آپ نے مظاہر علوم سہارنپور میں دورۂ حدیث کی تعلیم حاصل فرمائی، مگر حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ کی بیماری کی وجہ سے درمیان سال میں دورہ ناقص چھوڑ کر مرکز نظام الدین جا کر تکمیل فرمائی۔ (احوال وآثار مولانا انعام الحسن، ۱۹۳)

اس سے ایک سال قبل ۱۳۵۳ھ میں حضرت شیخ الحدیث متوفی: ۱۴۰۲ھ کی صاحبزادی سے نکاح بھی ہو گیا تھا۔

۱۳۸۴ھ میں حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ کی وفات کا المناک سانحہ پیش آیا، تو حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے آپ کو حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ کی جگہ امیر تبلیغ بنایا۔

۹ر محرم ۱۴۱۶ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔ ۳۰ر سال تک تبلیغی دعوت کی امارت کی ذمہ داری ادا فرمائی۔ ۸۰ر سال عمر پائی۔

(۵۷) حضرت مولانا عبید اللہ بلیاویؒ متوفی: ۱۴۰۹ھ

۱۳۳۹ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی، اسی سال حضرت محی السنہ مولانا ابرار الحق صاحبؒ متوفی: ۱۴۲۶ھ کی بھی پیدائش ہوئی، اسی سال حضرت شیخ الہندؒ کی وفات ہوئی۔

۱۳۶۰ھ میں مظاہر علوم سہارنپور سے فراغت حاصل فرمائی۔ آپ حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ متوفی: ۱۳۶۳ھ کے دست راست تھے، سب سے پہلے افغانستان جماعت لے کر آپ ہی تشریف لے گئے تھے، دعوت وتبلیغ ہی میں پوری عمر گذار دی، مرکز نظام الدین کے اہم اکابر میں سے تھے۔ مدرسہ کاشف العلوم مرکز نظام الدین کے شیخ الحدیث تھے۔

۱۴۰۹ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

(۵۸) حضرت مولانا عمر صاحب پالنپوریؒ متوفی: ۱۴۱۸ھ

۱۳۴۸ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی، آپ نے بڑی عمر میں تعلیم حاصل فرمائی، دارالعلوم دیوبند سے فراغت ہوئی۔ آپ کے تبلیغی بیانات بہت زیادہ مقبول تھے، پوری عمر تبلیغی دعوت میں گذار دی، مرکز نظام الدین کے اکابر میں آپ کا شمار تھا۔

۱۴۱۸ھ میں وفات ہوئی، اسی سال عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ کی بھی وفات ہوئی۔

(۵۹) عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ متوفی: ۱۴۱۸ھ

۱۳۴۱ھ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ’’تذکرۃ الصدیق‘‘ اور رجسٹر مظاہر علوم سے یہی تاریخ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے تحصیل علم کے لئے بہت سے مدارس کی خوشہ چینی فرمائی، پانی پت مدرسہ گنبدان، مدرسہ فتح پوری دہلی، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور وغیرہ میں تعلیم حاصل فرمائی، پھر ۱۳۶۳ھ میں مدرسہ شاہی مرادآباد میں تعلیم حاصل فرمائی، آپ کی زندگی بے مثال جفاکشی میں گذری، آپ کی خدا ترسی، علم دوستی، جفاکشی، انابت الی

اللہ کی شہرت کی وجہ سے راقم الحروف نے دارالعلوم دیوبند سے تعلیم موقوف کرکے ایک سال حضرت کی خدمت میں گذارا جو سنا تھا وہ حقیقت کا دسواں حصہ بھی نہیں تھا، وہ انسان تھا یا فرشتہ؟ ان کی زندگی دیکھ کر انسانی عقلیں حیران تھیں، حضرت شاہ اسعد اللہ صاحب ناظم مظاہر علوم سہارنپور سے بیعت وخلافت حاصل تھی، جامعہ اسلامیہ ہتورہ باندہ ان کی زندگی کی ایک نشانی ہے۔

۱۴۱۸ھ کو وفات پائی، مدرسہ کے پاس عام مسلمانوں کے قبرستان میں مدفون ہیں۔

(۶۰) حضرت شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئیؒ متوفی: ۱۴۲۶ھ

۱۳۳۹ھ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، آپ کا سلسلۂ نسب شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ سے جاملتا ہے، اسی سال حضرت شیخ الہندؒ کی وفات ہوئی۔

۱۳۵۵ھ میں مظاہر علوم سہارنپور سے فراغت حاصل کی۔

۱۳۶۱ھ میں ۲۲؍ سال کی عمر میں حضرت تھانویؒ سے خلافت حاصل ہوئی۔ پوری زندگی احیاء سنت کے لئے وقف کردی تھی، خلاف سنت کوئی عمل برداشت نہیں کرتے تھے، معمولات زندگی میں اصول وضوابط کے پابند رہے، صحت کا خیال بھی آپ کے یہاں اہم تھا۔

۱۴۲۶ھ میں ہردوئی میں آپ کی وفات کا سانحہ پیش آیا، ۸۷؍ سال آپ کی عمر ہوئی۔

(۶۱) فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ متوفی: ۱۴۲۷ھ

۷؍ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ میں حضرت کی ولادت ہوئی، شیر خواری میں والدہ کی وفات ہوگئی، حضرت شیخ الہندؒ کی صاحبزادی نے دودھ پلایا، کانپور میں قضاء تربیتی کیمپ کے موقع پر جناب معین لاری صاحبؒ کے یہاں کھانے پر سب علماء جمع تھے، حضرت مولانا حیات اللہ صاحبؒ نے حضرت سے سوال کیا کہ تاریخ ولادت کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا: ۷؍ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ۔ اسی سال علامہ انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تقریباً سارے اساتذہ کو ساتھ لے کر

ڈابھیل چلے گئے۔ اسی سال حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو ہر شرط منظور کر کے مسند صدارت پر فائز کیا گیا۔ اسی سال مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کی وفات ہوئی۔ اسی سال حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی۔

۱۳۶۸ھ و ۱۳۶۹ھ میں دارالعلوم سے آپ کی فراغت ہوئی، کئی سال دارالعلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں، بعد ازاں جمعیۃ العلماء کی اور قومی وملی ذمہ داریوں کی وجہ سے تدریسی خدمت سے مستعفی ہوگئے، آپ نے مسلمانوں کے لئے تاریخ ساز قربانیاں دیں، سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ سفر وحضر میں آپ کی کبھی تہجد قضاء نہیں ہوئی، آپ جیسے جفاکش حلقۂ دیوبند میں بہت کم لوگوں کو دنیا نے دیکھا ہوگا۔

۷/محرم الحرام ۱۴۲۷ھ میں طویل علالت کے بعد آپ کی وفات ہوئی۔ تقریباً ۸۱/ سال عمر پائی۔

(۶۲) حضرت مولانا رشید الدین حمیدیؒ متوفی: ۱۴۲۲ھ

۱۳۵۲ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، اسی سال علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی وفات ہوئی، اور اسی سال حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ کی دارالعلوم سے فراغت ہوئی، آپ نے بڑی عمر میں تعلیم حاصل فرمائی۔ ۱۳۷۸ھ میں حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ متوفی: ۱۳۹۲ھ سے بخاری شریف پڑھی، مدرسہ دارالرشاد بارہ بنکی کے ذمہ دار تھے، وہاں سے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے اہتمام کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد بھی دارالرشاد کے مہتمم رہے، آپ کو حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ متوفی: ۱۴۰۲ھ سے بیعت وخلافت حاصل تھی، آپ رجال شناس تھے، انہوں نے اپنے زمانہ میں باصلاحیت اساتذہ اکٹھا کرنے کی کوشش فرمائی، ان کے زمانہ میں مدرسہ شاہی کو حیرت انگیز ترقی حاصل ہوئی، راقم الحروف نے ہر طرح سے دیکھا وہ ایک انتہائی مدبر اور منتظم شخص تھے۔

۱۴۲۱ھ میں ماہ شعبان میں حجاز مقدس کا سفر فرمایا، مدینہ منورہ میں قیام فرمایا، وہیں

بیمار ہوگئے، طویل علالت کے بعد ۱۱/ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی، جنت البقیع میں مدفون ہوئے، راقم الحروف پر ان کے بڑے احسانات ہیں، اللہ ان کو اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے۔

(۶۳) حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحبؒ متوفی: ۱۴۳۱ھ

۱۳۳۷ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، اسی سال حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی دارالعلوم سے فراغت ہوئی، اسی سال حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی فراغت ہوئی۔

۱۳۶۱ھ میں منبع العلوم گلاؤٹھی سے دورۂ حدیث کی تعلیم حاصل فرمائی، پھر ان کے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جب ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہوگیا تو ان کے ساتھ دارالعلوم دیوبند تشریف لاکر دوبارہ دارالعلوم میں دورۂ حدیث کی تعلیم حاصل فرمائی۔

۱۳۶۳ھ میں دارالعلوم سے فراغت ہوئی۔ اسی سال حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی وفات ہوئی۔

۱۳۶۵ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کا مدرس مقرر کیا گیا۔

۱۳۹۷ھ میں جب حضرت مولانا شریف الحسن صاحبؒ کی وفات ہوگئی، تو آپ کو ان کی جگہ شیخ الحدیث بنایا گیا۔

۱۳۹۷ھ سے ۱۴۳۰ھ تک تقریباً ۳۳/ سال دارالعلوم دیوبند میں بخاری شریف پڑھائی۔ بخاری شریف پڑھانے والے مشائخ میں سب سے زیادہ لمبی مدت آپ کو نصیب ہوئی، کل ۶۵/ سال دارالعلوم دیوبند میں خدمت تدریس انجام دی، تقریباً ایک سال سے زیادہ علالت میں رہ کر ۱۹/ صفر ۱۴۳۱ھ کو وفات پائی۔ ۹۴/ سال عمر پائی۔

(۶۴) حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ، متوفی: ۱۴۳۲ھ

۱۳۳۲ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، اسی سال حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ہوئی۔ اسی سال حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی ولادت ہوئی۔ اسی سال علامہ شبلی نعمانیؒ کی وفات ہوئی۔

۱۳۵۴ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل ہوئی۔ طویل عرصہ تک دارالعلوم دیوبند کے رکن شوری رہے۔

۱۴۰۲ھ میں دارالعلوم دیوبند کے باقاعدہ مہتمم بنائے گئے۔ ان کے دوراہتمام میں دارالعلوم نے حیرت انگیز ترقی کی، تعلیم اور تعمیر دونوں اعتبار سے ترقی ہوئی، اچھے اچھے باصلاحیت اساتذہ ان کے دور میں اکٹھے ہوئے، اساتذہ کی تعداد کئی گنا زیادہ ہوگئی، طلبہ کی تعداد بھی کئی گنا زیادہ ہوگئی، دورہ حدیث شریف میں طلبہ کی تعداد چارسو سے بڑھ کر گیارہ سو تک پہنچ گئی۔ تعمیری اعتبار سے دارالعلوم کی عمارتیں کئی گنا زیادہ ہوگئیں، ان کے دوراہتمام میں ان کے انتظام پر کبھی کسی نے انگلی نہیں اٹھائی، ان کے دوراہتمام میں راقم الحروف کو بھی دارالعلوم میں دوسال تدریسی خدمت انجام دینے کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے کبھی بھی دارالعلوم کا ایک پیسہ اپنے اوپر خرچ نہیں کیا۔

محرم الحرام ۱۴۳۲ھ میں ان کی وفات ہوگئی، قدرتی طور پر اس نااہل کو ان کی نماز جنازہ پڑھانے کا شرف حاصل ہوا۔ مکمل ۱۰۰/سال عمر پائی۔ حلقۂ دیوبند کے ذمہ دار اکابر میں سب سے زیادہ لمبی عمر آپ کو ملی۔

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ	☆	لَعَلَّ اللّٰهُ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا

الفصل الثالث عشر:

مدرسہ شاہی کا دارالافتاء

مدرسہ شاہی حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی علیہ الرحمہ کا قائم کردہ اہم ترین ادارہ ہے، حضرت شاہ اسحاق صاحب محدث دہلویؒ کے اہم ترین تلامذہ میں سے حضرت مولانا عالم علی صاحب جو شہر مرادآباد میں امام شہر کی حیثیت سے تھے، ۱۲۹۶ھ میں ان کی وفات ہوگئی تو حضرت نانوتویؒ ان کی تعزیت کے لئے مرادآباد تشریف لائے اور مرادآباد کے اہم ترین اہل حل وعقد اور خیر وصلاح والے لوگوں کو جمع کر کے شاہی مسجد میں مدرسۃ الغرباء کے نام سے یہ مدرسہ قائم فرمایا، اپنے تلمیذ خاص حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب محدث امروہوی کو لاکر بٹھادیا اور اسی سال سے دورۂ حدیث شریف کا سلسلہ جاری ہوا اور تا ہنوز جاری ہے، ملک کو انگریزوں سے آزاد کرنے کے لئے اس مدرسہ کے چپراسی سے لے کر مہتمم اور شیخ الحدیث تک ایک ایک فرد نے جیل کاٹی اور ایک ایک فرد مجاہدین آزادی میں شامل ہوئے۔

اس مدرسے کے قیام کے بعد ۱۳۴۲ھ (تقریباً ۲۶؍سال) تک باقاعدہ دارالافتاء قائم نہیں رہا؛ بلکہ جو مسائل آتے تھے، اس وقت کے ذمہ دار اساتذہ زبانی یا تحریری طور پر سائلین کو جواب دے دیا کرتے تھے اور ۱۳۴۲ھ میں باضابطہ دارالافتاء کا قیام عمل میں آیا، سب سے پہلے مفتی کے طور پر حضرت مولانا مصلح الدین صاحب عمروی رحمۃ اللہ علیہ کا تقرر ہوا، انہوں نے ۱۳۵۵ھ تک افتاء کی خدمت انجام دی، اس کے بعد سید الملت حضرت مولانا مفتی سید محمد میاں صاحب دیوبندی المتوفی ۱۳۹۵ھ مفتی کی حیثیت سے مقرر ہوئے، انہوں نے ایک لمبے زمانہ تک دارالافتاء کی ذمہ داری ادا کی، اور اسی زمانہ میں انہوں نے علماء ہند کی شاندار ماضی مرتب فرمائی، ان کے بعد حضرت مولانا مفتی عجب نور سرحدیؒ متوفی ۱۳۸۵ھ

نے یہ ذمہ داری ادا فرمائی، ان کے بعد حضرت مولانا سید واحد رضا صاحب مرادآبادی المتوفی ۱۴۰۷ھ نے چند سالوں تک یہ ذمہ داری ادا فرمائی، پھر حضرت مولانا مفتی اختر شاہ صاحب سنبھلی المتوفی ۱۳۸۸ھ نے یہ ذمہ داری ادا فرمائی، ان کی وفات کے بعد ۱۳۸۸ھ سے ۱۴۰۳ھ تک بزرگ عالم دین حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب بچھرایونوی علیہ الرحمہ نے تقریباً ۱۵؍سال تک بڑے نیک نامی سے دارالافتاء کی خدمت انجام دی، ان کی وفات کے بعد لگ بھگ ۳-۴؍سال میں تین مفتیان کرام ایک ایک سال کے لئے تشریف لائے، حضرت مفتی ریاض الدین صاحب میرٹھی متوفی ۱۹۹۰ء، حضرت مولانا مفتی یحییٰ صاحب دربھنگویؒ اور حضرت مولانا مفتی عبدالوہاب صاحب سہارنپوری متوفی ۱۹۹۱ء، ان سب حضرات نے اس شعبہ سے ایک ایک سال وابستہ رہ کر نمایاں خدمات انجام دیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی شایان شان اجر وثواب سے مالا مال فرمائے، دارالافتاء مدرسہ شاہی میں شروع شروع میں صرف آنے والے سوالات کے جوابات لکھنے کا سلسلہ رہا، باقاعدہ افتاء کے طلبہ کی مشق وتمرین کا سلسلہ نہیں رہا۔

۱۳۹۲ھ سے تکمیل افتاء کا شعبہ قائم کیا گیا اور فاضل طلبہ کا ''مشق وتمرین'' کے لئے اس شعبہ میں داخلہ کا سلسلہ شروع ہوا۔

مدرسہ شاہی میں احقر کا تقرر

(۱) فارسی سے لے کر شرح وقایہ تک کی تعلیم موضع سٹھلہ تحصیل موانہ ضلع میرٹھ مدرسہ قاسمیہ تعلیم الاسلام میں حضرت مولانا محمد سمیع اللہ صاحب بستوی علیہ الرحمہ جو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہ کے تلمیذ خاص ہیں، ان سے ساری کتابیں پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی، ان کے سبق کا انداز شروع سے آخر تک یکساں رہتا تھا، اور ہر کتاب یکسا نیت کے ساتھ مکمل پڑھایا کرتے تھے، ان کے سبق میں بڑی برکت ہوتی تھی، ''ہدایۃ النحو، کافیہ، قدوری، کنز الدقائق'' یہ کتابیں ان کی فیض وبرکات کی

وجہ سے مکمل زبانی حفظ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی شایان شان جزائے خیر عطاءفرمائے۔

(۲) اس کے بعد ۱۳۹۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں سال پنجم میں داخلہ لے کر پڑھنا شروع کیا، مسلسل تین سال مشکوۃ شریف تک پڑھنے کے بعد دارالعلوم دیوبند کے داخلی حالات اختلاف کا شکار ہوگئے، تو حضرت مولانا معراج الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرسین دارالعلوم دیوبند سے مشورہ کیا کہ میں ایک سال عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی علیہ الرحمہ کی خدمت میں گزارنا چاہتا ہوں، ''حضرت کی خدمت میں ایک سال گزارنے کا میراارادہ پہلے ہی سے تھا'' اس سال ہنگامی حالات ہیں؛ اس لئے میں امسال وہاں گذارنا چاہتا ہوں، حضرت نے بخوشی اجازت دے دی، چنانچہ دورۂ حدیث شریف موقوف کرکے ایک سال حضرت باندوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہنا نصیب ہوا۔ اور احقر کو حضرت سے بہت فائدہ ہوا، اللہ تعالیٰ حضرت کی کروٹ کروٹ مغفرت فرمائے اور اپنی شایان شان جزائے خیر سے مالا مال فرمائے، یہی وہ سال ہے، جس سال دارالعلوم دیوبند کا انخلاء ہوگیا تھا، اور دارالعلوم دیوبند تقریباً چار مہینے تک بند رہا، پھر اس کے بعد اگلے سال دارالعلوم دیوبند میں حاضری ہوئی، مگر پھر بھی حالات اطمینان بخش نہیں تھے؛ اس لئے حضرت الاستاذ مولانا معراج الحق صاحب صدرالمدرسین علیہ الرحمہ سے سفارشیں لگا کر اس سال بھی دورہ نہیں کیا، اس کے بعد ۱۴۰۲ھ میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی، اس کے بعد ایک سال افتاء میں داخلہ لے کر حضرت الاستاذ فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نوراللہ مرقدہ اور حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند نوراللہ مرقدہ اور حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی نوراللہ مرقدہ ان سب اساتذہ سے خوب خوب استفادہ کیا، نیز اسی سال حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی دامت برکاتہم کا دارالافتاء میں تقرر ہوا اور ان سے بھی استفادہ کا شرف حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے،

ان جیسوں کی صحبت میں رہ کر اللہ نے اس لائق بنا دیا کہ جو کچھ بھی کام ہوا ہے، وہ سب انہیں حضرات کے فیوض و برکات سے ہوا ہے۔

(۳) اس کے بعد دو سال تک ۱۴۰۵ھ اور ۱۴۰۶ھ میں دارالعلوم دیو بند میں اساتذہ کی توجہات سے خدمت تدریس کی سعادت حاصل ہوئی اور محض اللہ کے فضل اور اساتذہ کی توجہات سے دارالعلوم دیو بند میں میزان سے لے کر شرح جامی تک تقریباً سب ہی کتابیں پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی، اس زمانہ کے تلامذہ آج تک محبت کے ساتھ یاد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو دینی خدمات کے لئے قبول فرمائے۔

دارالعلوم دیو بند میں تدریسی خدمات کے درمیان احقر کے مخلص دوست اور محبّ محترم حضرت مولانا اخلد رشیدی مدظلہ العالی جو حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی نور اللہ مرقدہ کے خلف الرشید ہیں، انہوں نے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے لئے رابطہ شروع فرمایا۔ اور احقر کا جواب یہ رہا کہ حضرت الاستاذ مولانا معراج الحق صاحب صدر المدرسین دارالعلوم دیو بند اور حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیو بند ان دونوں حضرات کی جو بھی رائے ہوگی اسی پر عمل کیا جائے گا، چنانچہ درمیان سال ہی میں احقر کے بہت بڑے محسن حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی نور اللہ مرقدہ از خود دیو بند تشریف لے جا کر مہتمم دارالعلوم دیو بند اور حضرت الاستاذ مولانا معراج الحق صاحب نور اللہ مرقدہ سے براہ راست رابطہ قائم کر کے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں خدمت تدریس اور شعبہ افتاء کی ذمہ داری کے لئے احقر کا تقرر کروالیا۔

۲۰ر شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ میں دارالعلوم دیو بند کے سالانہ امتحان کی نگرانی سے فراغت کے بعد اسی دن ساز وسامان کے ساتھ مدرسہ شاہی میں حاضری ہوئی، دستی اور ڈاک کے ذریعہ سے جو استفتاء پہلے ہی سے جمع ہو چکے تھے ان کے جوابات دارالعلوم سے آکر دوسرے دن سے لکھنا شروع کر دئے، تقریباً سوا تین سال تک دارالافتاء میں اکیلا خدمت انجام دیتا رہا اور اس وقت تک رجسٹروں میں فتاوی نقل کرنے کے لئے منجانب مدرسہ کوئی

آدمی متعین نہیں تھا۔ اورنقل فتاوی کی ذمہ داری بھی مفتی کے اوپر رہتی تھی۔ اور تقریباً پندرہ سال تک حضرت اقدس مولانا سید رشید الدین حمیدی علیہ الرحمہ کے زیر سایہ کام کرتا رہا، انہوں نے اپنے دور اہتمام میں ایسی قدر دانی فرمائی کہ ان کے دور میں دارالعلوم دیوبند کی طرف سے کئی مرتبہ تقرری کے لئے مطالبہ آیا، مگر مرحوم کی قدر دانی نے پیروں میں زنجیر باندھ دی، جس کی وجہ سے دارالعلوم جانا نہیں ہوا۔ اللہ پاک ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری کا تقرر

حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ العالی اگرچہ عمر میں احقر سے دس بارہ سال چھوٹے ہیں، مگر علم وفضل اور خیر وصلاح میں احقر ان کو اپنے سے فائق سمجھتا ہے، موصوف حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ کے نواسہ ہیں، اور حضرت مولانا قاری سید عثمان صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کے بڑے صاحبزادے ہیں، اور حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کی نرینہ اور مؤنث اولادوں میں مفتی محمد سلمان صاحب ایک بڑے علمی شخصیت کے حامل ہیں، ان کے والد بزرگوار حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم کو احقر نے دور سے، قریب سے ہر طرف سے دیکھا ہے، احقر جب دارالعلوم میں خدمت تدریس پر مامور تھا، اسی زمانہ میں حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی بھی جامع مسجد امروہہ سے دارالعلوم دیوبند کے استاذ کی حیثیت سے تشریف لائے ہوئے تھے، اور دارالعلوم میں اسی زمانہ میں حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم سے رابطہ رہا ہے، بہت بڑی خیر وصلاح اور اتباع سنت کے حامل ہیں، انہیں کی تربیت کا اثر ان کے صاحبزادے پر پوری طرح نمایاں ہے، ان کے تشریف لانے سے پہلے سوا تین سال تک دورۂ حدیث شریف کے ایک گھنٹہ کے ساتھ ساتھ افتاء کی ساری کتابوں کی تدریسی خدمات اور دارالافتاء میں داخل طلبہ کی مشق وتمرین اور آنے والے استفتاء کے جوابات وغیرہ سب کی ذمہ داری احقر سے متعلق رہی، جب ۱۴۱۰ھ کے شوال میں حضرت مولانا مفتی محمد سلمان

صاحب منصور پوری دامت برکاتہم کا تقرر دارالافتاء مدرسہ شاہی میں ہوا، تو احقر کے لئے بہت زیادہ سہولت پیدا ہوگئی اوران سہولیات میں سے پانچ باتیں بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہیں:

(۱) ان کی تشریف آوری کی وجہ سے داخلی اعتبار سے کافی تعاون اور سب امور میں راحت مل گئی۔

(۲) ان کی تشریف آوری کے بعد دارالافتاء کا کام تقسیم ہوگیا، جس کے نتیجہ میں دارالافتاء کی ذمہ داری میں احقر کا بوجھ کافی ہلکا ہوگیا؛ البتہ دورۂ حدیث شریف میں ایک گھنٹہ کے بجائے احقر سے متعلق تین گھنٹے ہوگئے، جس سے احقر کو فن حدیث میں مناسبت قائم کرنے میں بڑا فائدہ ہوا۔

(۳) اہم اور نئے مسائل جو آتے تھے، احقر ان مسائل کے جوابات لکھ کر دیوبند سفر کرتا تھا، حضرت الاستاذ فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کی خدمت میں پیش کردیا کرتا تھا، حضرت والا کی تصویب اور تائید کے بعد مرادآباد واپس آکر ان کے جوابات جاری کردئے جاتے تھے، مگر حضرت مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ کی تشریف آوری کے بعد انہیں سے تبادلۂ خیال کا سلسلہ شروع ہوا، بعض بعض مسائل میں دونوں کے درمیان بحث ومباحثہ بھی ہوتا رہا، اور جانبین سے دلائل پیش کرنے کا سلسلہ بھی رہا، بالآخر دونوں کسی ایک رائے پر جب متفق ہوجاتے ہیں، تب مسئلہ کا جواب لکھ کر جاری کردیا جاتا۔

(۴) ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' کی ترتیب اور تحشیہ کے زمانہ میں دو سال تک مسلسل دارالافتاء کی پوری ذمہ داری انہوں نے سنبھالی، احقر نے مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا سید اشہد رشیدی صاحب مدظلہ سے کام میں تخفیف کے واسطے اجازت طلب کی تھی، انہوں نے بخوشی اجازت دی تھی، اللہ ان کو اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے۔ بہرحال ان کی تشریف آوری احقر کے لئے بہت زیادہ معاون ثابت ہوئی۔ اوراب آخر میں آکر احقر کے کئی آپریشن ہوگئے، بہت سارا خون نکل گیا، دوائیوں کے ذریعہ سے جسم بہت زیادہ کمزور ہوچکا ہے، اس لئے احقر انہیں کو مدرسہ شاہی کا اصل مفتی سمجھتا ہے اور احقر اپنے کو کام چلاؤ کی

حد تک چلتا ہوا سمجھتا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں اپنی شایان شان جزائے خیر سے مالامال فرمائے۔

(۵) دارالافتاء میں نقل فتاویٰ کے لئے منجانب مدرسہ کوئی آدمی متعین نہیں رہا، حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب مدظلہ کی تشریف آوری پر اسی سال ۱۴۱۰ھ میں انہیں کی فرمائش پر نقل فتاویٰ کے لئے مدرسہ شاہی کے ایک ہونہار فاضل حضرت مولانا کلیم اللہ صاحب مدظلہ العالی کا اس ذمہ داری کے لئے تقرر ہوا، ماشاء اللہ مولانا موصوف نے دونوں کے فتاویٰ کو الگ الگ رجسٹروں میں نقل کرنے کا سلسلہ جاری فرمایا اور تا ہنوز جاری ہے، احقر کی درسی تقریر جو ایضاح الطحاوی کے نام سے تین جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، دوران سبق انہوں نے ہی نوٹ کی تھی۔ فجزاہم اللہ خیرا۔

اور احقر کے منتخب فتاوی کا مجموعہ جو ناظرین کے سامنے آرہا ہے، اس مجموعہ میں سے ۱۴۱۰ھ سے تقریباً ۲۶؍سال تک لکھے ہوئے فتاویٰ مولانا موصوف نے بہت حسن اسلوب سے رجسٹروں میں نقل فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

''فتاوی قاسمیہ''

۱۴۰۷ھ سے ۱۴۳۶ھ تک ۲۹؍سالہ مدت میں جو فتاوی کے جوابات احقر کے ذریعہ سے جاری ہو چکے ہیں، ان سے منتخب کر کے تقریبا ۱۲؍ہزار فتاویٰ کا مجموعہ محض اللہ کے فضل وکرم سے اور بڑوں کی دعاؤں سے ناظرین کی خدمت میں پیش ہے، اس مجموعہ کی ترتیب میں چند باتیں ملحوظ رکھی گئیں ہیں:

(۱) اس مجموعہ کا نام ''فتاویٰ قاسمیہ'' رکھا گیا ہے؛ کیوں کہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے بانی امام الکبیر حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی علیہ الرحمہ ہیں، انہیں کے نام سے مدرسہ کا نام رکھا گیا ہے، اور اسی مدرسہ میں بیٹھ کر یہ سارے فتاوے جاری کئے گئے ہیں؛ اس لئے بانی مدرسہ اور خود مدرسہ کی نسبت سے اس مجموعہ کا نام رکھنا احقر نے اپنی سعادت سمجھی۔

(۲) اس کی ترتیب میں مکررات اور غیر ضروری فتاویٰ کو حذف کردیا گیا ہے، صرف ضروری مسائل کو شامل کیا گیا ہے، ہاں البتہ کہیں کہیں ایک سوال کے الگ الگ جواب کو زیادہ استفادہ کی غرض سے باقی رکھا گیا ہے۔

(۳) مدرسہ شاہی میں میراث وفرائض کے مسائل بہت کثرت سے آتے ہیں، ۱۵- ۱۵/ ۲۰- ۲۰ بطن تک کے مناسخہ کافی تعداد میں اس دوران آچکے ہیں، صرف مناسخہ مناسخہ کے مسائل کئی ہزار کی تعداد میں ہیں، جن کو اس مجموعہ سے کلی طور پر خارج کردیا گیا۔

(۴) میراث کے وہ مسائل جن میں تقسیم ترکہ کے لئے نقشہ نہیں بنایا گیا ہے، اس طرح کے کچھ مسائل اس مجموعہ میں شامل رکھے گئے ہیں۔ اور مناسخہ کا صرف ایک مسئلہ جس کا نقشہ احقر نے ''فتاوی تاتارخانیہ'' میں شامل کیا تھا، نمونہ کے لئے یہاں بھی شامل کردیا گیا ہے، تاکہ باذوق علماء وطلباء اس نقشہ سے فائدہ اٹھاسکیں۔

(۵) ہر مسئلہ کو قرآن وحدیث کی نصوص اور فقہی جزئیات کی عربی عبارات سے مدلل کرنے کی کوشش کی گئی، تاکہ ناظرین کو اصل کی مراجعت میں سہولت رہے۔

(۶) کوئی انسان خامیوں سے پاک نہیں؛ لہٰذا احقر کے قلم سے کوئی بات قابل اصلاح نکل گئی ہو تو از راہ کرم اطلاع کردی جائے، تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کو درست کردی جائے گی۔

الفصل الرابع عشر:

شکریہ کے مستحقین

(۱) احقر کے ہم سبق ساتھی مخلص دوست حضرت مولانا مفتی مقصود عالم صاحب بلند شہری، نائب مہتمم جامعہ خادم الاسلام ہاپوڑ مدظلہ العالی نے توجہ دلائی کہ آپ کے فتاویٰ کی اشاعت ہو جائے تو لوگوں کو فائدہ پہنچے گا، موصوف کی بات سن کر کوئی خاص توجہ نہیں ہوئی اور ذہن میں یہ بات رہی کہ یہ کام مرنے کے بعد کسی مرد غیب کو توفیق ہوگی تو وہی کر لے گا، اللہ تعالیٰ موصوف کو اس اقدام پر جزائے خیر عطا فرمائے۔

(۲) معتمد دارالافتاء مدرسہ شاہی حضرت مولانا کلیم اللہ صاحب سیتاپوری مدظلہ العالی جو انتہائی صالح اور دیندار، مخلص اور خیر وصلاح والے عالم دین ہیں، یہی وہ ہونہار فاضل ہیں، جنہوں نے احقر کے سبق کے دوران طحاوی شریف کی تقریر نوٹ کی تھی اور جوں کا توں اسے چھپوا دیا تھا، جو ''ایضاح الطحاوی'' کے نام سے ۱۴۱۰ھ میں شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے، اللہ سے امید ہے کہ اس شرح کے اجر وثواب میں موصوف بھی شریک رہیں گے۔

ان کی طرف سے بار بار اصرار ہونے لگا کہ آپ اپنے فتاویٰ کی ترتیب دے دیں، اس سے لوگوں کو بڑا فائدہ ہوگا، احقر یہی جواب دیتا رہا کہ یہ کام مرنے کے بعد کوئی باہمت آدمی کر لے گا، وہ کہتے رہے کہ آپ کے سامنے ہو جائے گا تو کانٹ چھانٹ کرنا آسان ہوگا اور احقر اس وجہ سے ہمت نہیں کر رہا تھا کہ احقر کے چار آپریشن ہو چکے ہیں، کافی خون نکل چکا ہے، دوائیوں نے جسم کو ناکارہ کر دیا ہے، نیچے بیٹھ کر دیر تک کام کرنا مشکل ہے، مدرسہ میں بھی کرسی پر بیٹھ کر پڑھانا ہوتا ہے۔

(۳) دارالافتاء مدرسہ شاہی کی تدریب سے فارغ ہونے والے مولوی مفتی نسیم احمد صاحب ممبئی جو ایک نوجوان فاضل ہیں، وہ کہنے لگے کہ تعاون کے لئے میں تیار ہوں اور پورا سال لگانے کے لئے وہ تیار ہو گئے۔

(۴) احقر نے ان سب باتوں کی وجہ سے سوچا کہ یہ صحیح مشورہ ہے؛ اس لئے کہ اس سے متضاد جوابات جوجا چکے ہیں، ان کی کاٹ چھانٹ اور بعض فتاوی سے رجوع کرنا آسان ہو جائیگا۔

(۵) اس وقت احقر کے بعض اہم اساتذہ باحیات ہیں، ان کے سامنے مرتب ہوکر آجائیں گے تو اصلاح کرنا آسان ہو جائے گا، حضرات اساتذہ صحیح مشورہ دیں گے، جو فتاوی اشاعت کے لائق نہیں ہیں، ان کو حذف کرنے کا مشورہ دیں گے اور جو اشاعت کے لائق ہیں، ان کو شائع کرنے کا مشورہ دیں گے، نیز حضرات اساتذہ سے دعائیں بھی ملیں گی، ان کی دعائیں راقم الحروف کی دنیا وآخرت دونوں جہاں میں ذریعۂ نجات بنیں گی، نیز اپنے ہم عصر مخلص دوستوں اور مشایخ وبزرگوں کی دعائیں بھی شامل ہو جائیں گی۔

(۶) ان وجوہات کے پیش نظر مدرسہ کے ذمہ دار اعلی حضرت اقدس مولانا سید اشہد رشیدی صاحب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے فتاوی کے رجسٹروں کے استعمال کی اجازت طلب کی گئی، انہوں نے وسعت ظرفی اور خوش دلی سے مکمل اجازت دے دی اور فرمایا کہ آپ کو ہر طرح کی اجازت ہے، ان کی اس وسعت ظرفی سے احقر بڑا متاثر ہوا اور احقر کے دل میں ان کا اعزاز واکرام اور ان کی عزت وعظمت پہلے سے زیادہ اہمیت کے ساتھ بیٹھ گئی، ان کے اس احسان کا احقر کسی طرح شکریہ ادا نہیں کرسکتا۔ اور اس عمل خیر کے اجر وثواب میں ان کا بھی حصہ ہوگا۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

(۷) اس کے بعد دارالافتاء کے وہ تمام رجسٹر جو احقر سے متعلق ہیں، ان سب کو حاصل کر کے اولاً سب کی فوٹو کاپی کرالی گئی، کئی ہفتوں میں جا کر فوٹو کاپی کی تکمیل ہوئی۔

(۸) اس کے بعد بڑی تختی کے لیگل سائز کے دس پندرہ ہزار کاغذ خریدے گئے۔

(۹) ایک استفتاء میں عام طور پر کئی سوالات کئی عنوانات سے متعلق ہوتے ہیں، سوالات ایک طرف ہوتے ہیں، پھر جوابات دوسری طرف تسلسل سے ہوتے ہیں، ہر سوال کو کاٹ کر لیگل سائز کے کاغذ میں چسپاں کیا گیا، اور دوسری طرف سے اس کا جواب کاٹ کر اس کے ساتھ چسپاں کر دیا گیا، اسی طریقے سے تمام فتاوی پر کام کیا گیا، خاص طور پر ۱۴۳۵ھ کے

رمضان المبارک میں یہاں کے افتاء سے فارغ شدہ چار پانچ طلبہ کا قیام احقر کے یہاں رہا، مفتی نسیم احمد ممبئی، مفتی مجیب الرحمٰن میرٹھی، مفتی عبید اللہ بھاگلپوری شریک تدریب الافتاء مدرسہ شاہی، مفتی نبیر الدین استاذ دارالعلوم بالا پاڑا آسام، مفتی عبید اللہ پلاموا استاذ دارالعلوم زکریا ٹرانسپورٹ نگر مرادآباد، یہ سب حضرات پورے رمضان اس کام میں لگے رہے، اللہ تعالیٰ نے رمضان کے کام میں بڑی برکت عطا فرمائی، چنانچہ رمضان کے ختم ہونے تک گویا کہ ترتیب کا کام تقریباً مکمل ہوگیا، اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

(۱۰) اس کے بعد ہر فتویٰ پر عنوانا لگایا گیا، پھر اس کے بعد ہر عنوان کو اس کی متعلقہ کتاب اور باب کی فائل میں منتقل کیا گیا، اور اس سے کتب فقہ کی ترتیب پر خود بخود فائلیں بنتی چلی گئیں، سب فائلیں مکمل ہوجانے کے بعد مراجعت کا سلسلہ شروع ہوا۔

(۱۱) مفتی نسیم احمد ممبئی اور مفتی مجیب الرحمٰن میرٹھی کو پورے سال کے لئے اپنے پاس رکھ لیا گیا، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی سے جتنے فتاوی جاری ہوتے ہیں، ان میں کوشش یہی ہوتی ہے کہ کسی بھی استفتاء کا جواب بغیر حوالہ کے نہ جانے پائے، یہ سلسلہ الحمد للہ شروع سے آخر تک جاری رہا ہے۔ اور جوابِ استفتاء میں فقہی جزئیات کو عربی عبارات کے ساتھ لکھنے کا اہتمام رہا ہے، ایک زمانہ تک کتب فقہ کے قدیم نسخے کا حوالہ لکھا جاتا رہا، پھر جدید نسخے آنے لگے، پھر ان کا بھی حوالہ دیا جاتا رہا۔

مذکورہ دونوں حضرات کا کام یہی رہ گیا تھا کہ قدیم نسخوں کے ساتھ جدید نسخوں کا حوالہ بھی لگادیں اور ساتھ میں کتابوں کے عنوانات، ابواب اور مکتبوں کا حوالہ بھی بڑھا دیں، اور تدریب الافتاء کے تین فضلاء کا تعاون بھی برابر شامل رہا، الحمد للہ آخر رجب ۱۴۳۶ھ تک اللہ تبارک وتعالیٰ نے مراجعت کا یہ کام مکمل کرادیا، اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر دے اور اس کام کا اجر وثواب اپنی شایان شان عطا فرمائے، اور تاحیات خدمت دین کے لئے قبول فرمائے۔ اور خوش فہمی، خود اعتمادی، تعلّی اور خرافات کی گندگی سے حفاظت فرما کر خیر وصلاح کی توفیق عطا فرمائے۔

(۱۲) کتابت اور کمپوزنگ میں چار فضلاء نے دلچسپی سے کام کیا ہے:

(۱) مولوی شاہجہاں پورنوی، انہوں نے سب سے زیادہ کمپوزنگ کی ہے۔

(۲) مولوی احسان احمد سیتاپوری، انہوں نے بھی کافی دلچسپی سے کمپوزنگ کی ہے۔

(۳) مولوی نعیم الدین ارریاوی، انہوں نے بھی کمپوزنگ میں اچھا کارنامہ انجام دیا۔

(۴) مولوی انظار الحسن ہردوئی، انہوں نے بھی کمپوزنگ میں شاندار کارنامہ انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اپنی شایان شان جزائے خیر سے مالا مال فرمائے۔ آمین

(۱۳) حضرت مولانا مفتی محمد رضوان صاحب استاذ مدرسہ شاہی اور حضرت مولانا کلیم اللہ صاحب معتمد دارالافتاء مدرسہ شاہی نے کتابت شدہ کی تصحیح میں کافی دلچسپی لی اور مولوی محمد یعقوب غازی آبادی تدریب فی الافتاء اور مولوی محمد شعیب میرٹھی تدریب فی الافتاء خارجی اوقات میں ان حضرات کے ساتھ تصحیح میں شریک رہے، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

نیز امسال ۱۴۳۵ھ-۱۴۳۶ھ میں دارالافتاء میں جو فضلاء داخل تھے، ان میں سے ۲۷/فضلاء آخر سال تک موجود رہے، رجب میں جب ان کی کتابیں ختم ہوئیں اور تمرین کا سلسلہ بھی ختم ہوا، تو ان فضلاء نے کمپوز شدہ کتابت کی تصحیح میں کافی دلچسپی لی، لگ بھگ ۱۵/ جلدوں کی پہلی تصحیح میں ان فضلاء نے بڑی محنت کی اور تصحیح کے دوران کتابوں کے حوالوں کی اصل کتاب سے مراجعت بھی کی، اللہ تعالیٰ ان تمام فضلاء کو اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے اور تاحیات دینی خدمت اور خیر وصلاح کے لئے قبول فرمائے۔ آمین

(۱۴) مفتی شمس الدین سدھارتھ نگری نے پوری کتاب کی تصحیح اور نظر ثانی کے لئے مکمل ایک سال لگایا اور مفتی محمد عمیر غازی آبادی نے بھی کئی مہینے تک اس کام میں وقت لگایا۔ اور مفتی عبدالقادر میرٹھی استاذ دارالعلوم چلہ امروہہ نے بھی تصحیح میں اچھا تعاون کیا ہے۔ اللہ پاک ان کو اپنی شایان شان جزائے خیر سے مالا مال فرمائے۔ اور خدمت دین کے لئے قبول فرمائے۔ آمین

(۱۵) جن جن لوگوں نے اس کام کے وجود میں آنے میں جانی اور مالی تعاون فرمایا ہے، وہ سب شکریہ کے مستحق ہیں، خاص کر کتاب کی اشاعت میں شہر مرادآباد کے بہت سے

اہل خیر حضرات نے حوصلہ مندی سے مالی تعاون فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ ان معاونین کے ایک ایک پیسہ کو شرف قبولیت سے مالا مال فرمائے۔ آمین

(۱۵) **آخری گزارش**: اس دنیا میں صرف حضرات انبیاء علیہم السلام خامیوں سے پاک ہیں، ان کے علاوہ کوئی انسان خامیوں سے پاک نہیں، قول میں فعل میں، تحریر میں، رائے میں، نقل میں، ہر چیز میں غلطیاں ہوتی ہیں۔ اور راقم الحروف تو بہت ہی کمزور اور نااہل انسان ہے، اس لئے زیادہ ہی غلطیوں کا اندیشہ ہے؛ لہٰذا ناظرین کے سامنے کتابت یا مضمون کی غلطی نظر آجائے تو از راہ خیر خواہی مطلع فرمادیں، انشاء اللہ تعالیٰ اگلی اشاعت میں اصلاح کی کوشش کی جائے گی۔

سب ہی ناظرین سے گزارش ہے کہ عند اللہ شرف قبولیت اور خاتمہ بالخیر کی دعاء فرمائیں۔

ربنا تقبل منا إنک أنت السميع العليم، وتب علينا إنک أنت التواب الرحيم، اللهم وفقنا لما تحب وترضى عدد ما تحب وترضى، وصلى الله تعالىٰ على حبيبه سيدنا ومولانا وسندنا وإمامنا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين.

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيْبِکَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَأَصِيْلاً.

(صحيح مسلم، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۱، سنن الترمذي، النسخة الهندية ۲/ ۱۹۹، دارالسلام، رقم: ۳۵۹۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد یوپی (الہند)

یکم رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ بروز جمعہ

١/ كتاب الإيمان والعقائد

١/ باب ما يتعلق بالإيمان والإسلام

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمٖ

دین کے پانچ ارکان

سوال [١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آنجناب نے اپنی کتاب کے سبب تالیف کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے کہ اصولی طور پر دین کے پانچ ارکان ہیں: (١) عقائد (٢) عبادات (٣) معاملات (٤) معاشرت (٥) اخلاقیات؛ جب کہ مفتی ظفیر الدین صاحب رحمۃ اللہ اپنی کتاب ''کشف الاسرار'' ترجمہ اردو ''درمختار'' کے ص: ٦٠ / پر تحریر فرماتے ہیں: کہ امور دین کا مدار (١) اعتقادات (٢) عبادات (٣) معاملات (٤) عقوبات وآداب پر ہے، نیز اصلاحی نصاب کے حصہ ''تعلیم الدین'' کے اندر حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ بہ نظر تعداد مضامین ہم اس کو پانچ حصوں پر منقسم کرتے ہیں: (١) عقائد وتصدیقات (٢) اعمال وعبادات (٣) معاملات وسیاسیات (٤) آداب ومعاشرت (٥) سلوک ومقامات۔

سوال یہ ہے کہ الفاظ کا یہ اختلاف سمجھ میں نہیں آسکا، اگر عقوبات کو معاشرت میں اور آداب کو اخلاقیات میں داخل کیا جائے تو آنجناب ومفتی ظفیر الدین صاحب کی تحریر میں مطابقت سمجھ میں آرہی ہے، مگر عقوبات کو معاشرت میں داخل کرنا سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ اور

آداب کو حضرت تھانویؒ نے معاشرت میں داخل فرمایا ہے۔

نیز حضرت تھانویؒ نے معاملات میں سیاسیات کو داخل فرمایا ہے، تو سیاسیات سے کیا مراد ہے۔ امید ہے کہ حضرت والا احقر کی اس الجھن کو رفع فرمائیں گے۔

المستفتی: مجیب الرحمٰن خادم جامعہ عربیہ تجوید القرآن غوری نوادہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آنجناب کی تحریر پر غور کیا گیا حضرت تھانویؒ نے دین کے جو پانچ ارکان وقسمیں بیان فرمائی ہیں، اولاً ان کو ذہن نشیں کرلیا جائے کہ حضرت تھانویؒ نے ہر نمبر کے تحت دو دو چیزیں بیان فرمائی ہیں، پھر تیسرے نمبر پر جو معاملات وسیاسیات کو ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے، اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے، معاملات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کے اندر سیاسیات بھی داخل ہوگئے ہیں؛ اس لئے حضرت تھانویؒ نے نمبر: ۳ کے تحت معاملات کے ساتھ سیاسیات کو بھی شامل فرمایا ہے اور اسی کے اندر عقوبات بھی داخل ہیں، احقر نے ''انوار نبوت'' کے دیباچہ میں صرف معاملات کے الفاظ استعمال کئے ہیں، جس کے وسیع دائرہ میں سیاسیات وعقوبات خود بخود شامل ہوگئے ہیں، اتنی بات سمجھنے کے بعد اشکال دور ہوجانا چاہئے، ہاں البتہ مفتی ظفیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ اقسام میں عقوبات الگ سے ایک قسم کے طور پر باقی نہیں رہیں گے؛ بلکہ وہ نمبر: ۳ کے عموم میں شامل ہوجائیں گے، پھر ان کے یہاں بیان کردہ اقسام میں پانچ کے بجائے صرف چار باقی رہ جائیں گے اور نتیجۃً نمبر: ۵ میں اخلاقیات آجائیں گے۔ اور حضرت تھانویؒ نے نمبر: ۵ میں سلوک ومقامات کو ذکر فرمایا ہے اور سلوک ومقامات ہی کا دوسرا نام اخلاقیات ہے۔ ''**السلوک سيرة الإنسان وتصرفاته.** (لغة الفقهاء، كراچی ۱٤۹) تو ایسی صورت میں حضرت تھانویؒ اور احقر کے بیان کردہ نمبرات میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہے گا؛ البتہ مفتی ظفیر الدین صاحبؒ کے بیان کردہ نمبرات میں نمبر: ۵ یعنی اخلاقیات کا اضافہ ہونا چاہئے، ان کے بیان کردہ نمبرات میں اس نمبر کی بات لکھنے سے رہ گئی ہے۔

اعلم أن مدار أمور الدين متعلق بالاعتقادات، والعبادات، والمعاملات، والمزاجر، والآداب، فالاعتقادات خمسة أنواع: الإيمان بالله وملائكته ...... والآداب أربعة: الأخلاق، والشيم الحسنة، والسياسات، والمعاشرات. (البحرالرائق، کتاب الطهارة، کوئٹه ١/ ٧، زکریا ١/ ١٩)

اعلم أن مدار أمور الدين على الاعتقادات، والآداب، والعبادات، والمعاملات، والعقوبات ...... والعبادات خمسة: الصلاة، والزكوة، والصوم، والحج، والجهاد، والمعاملات خمسة: المعاوضات المالية، والمناكحات، والمخاصمات، والأمانات، والتركات، والعقوبة خمسة: القصاص، وحد السرقة، والزنا، والقذف، والردة. (شامي، کتاب الطهارة، کراچی ١/ ٧٩، زکریا ١/ ١٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۳۴/۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۷/۱۴۲۱ھ

اسلام کا بانی کون ہے؟

سوال [۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مذہب اسلام کا بانی کون ہے؟ اللہ، محمد، آدم یا ابراہیم علیہم الصلاۃ والسلام؟

المستفتی: محمد اعلم قاسمی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذہب اسلام کا بانی مبانی اللہ تبارک وتعالیٰ ہے، جس کی اشاعت اور تبلیغ کے لئے اللہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، اور اس مذہب کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ایک قانون شریعت بنا کر نازل فرمایا؛ لہٰذا مذہب اسلام کسی انسان کا بنایا ہوا مذہب نہیں ہے؛ بلکہ آسمانی مذہب ہے، جو آسمانی کتاب کے ساتھ

رسول کے واسطے سے نازل ہوا ہے، اس کے لئے کہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''**وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا**'' (آل عمران: ۱۰۳) یہاں ''حبل'' رسی سے قرآن کریم اور مذہب اسلام مراد ہے۔ اور کہیں فرمایا: ''**اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ**'' (المائدة: ۳) ''**اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ**'' (آل عمران: ۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/۱۱/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۲/۶۳۷۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۱۱/۱۴۲۰ھ

کیا حالتِ نزع کا ایمان معتبر ہے؟

سوال [۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص مرض الموت یا جانکنی کے عالم میں کلمہ پڑھے تو وہ شخص مسلمان مانا جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: عبدالواحد نوادوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: کسی کافر کا حالت نزع میں ایمان لانا جب کہ وہ اسی نزع کی حالت میں موت کا شکار ہو جائے مقبول نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک حالت غرغرہ کو نہ پہنچ جائے؛ لیکن اگر کوئی مسلمان حالت نزع میں توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن الله يقبل توبة العبد مالم يغرغر. (ترمذي شريف، كتاب الدعوات، باب إن الله يقبل توبة العبد مالم يغرغر، النسخة الهندية ۲/ ۱۹۴، دارالسلام، رقم: ۳۵۳۷، صحيح ابن حبان، ذكر تفضل الله جل وعلا على التائب بقبول توبته كلما أناب ما لم يغرغر حالة المنية به، دارالفكر ۲/ ۹، رقم: ۶۲۷، المستدرك للحاكم، كتاب التوبة والإنابة، مكتبه نزار

مصطفی الباز ٧/ ٢٧٣١، رقم: ٧٦٥٩)

قال العلامة أنور شاه الكشميري: قالت العلماء: إن التوبة عن الكفر حالة الغرغرة غير مقبولة، والتوبة عن المعاصي مقبولة. (العرف الشذي على الترمذي، باب إن الله يقبل توبة العبد مالم يغرغر ٢/ ١٩٤)

واختلف في قبول توبة اليأس، والمختار قبول توبته لا إيمانه. (الدر المختار مع الشامي، باب صلاة الجنازة، مطلب في قبول توبة اليأس، زكريا ٣/ ٧٩، كراچی ٢/ ١٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۸رشوال ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۴۵/۸)	۱۴۲۶/۱۰/۱۸ھ

اعمال کس طرح مقبول ہوں؟

سوال [۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو عمل مقبول نہ ہو منہ پر مارا جائے گا، اعمال مقبول کس طرح ہوں گے۔

المستفتی: غلام حسین انجینئر کھالا پار، مظفر نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح عمل کیا جائے کہ خوف ورجاء کے ساتھ گویا آپ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں۔

كما في الحديث: أن تعبد الله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك. (مسلم شريف، النسخة الهندية، حديث جبرئيل ١/ ٢٧، بيت الأفكار، رقم: ٨، بخاري شريف، كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل النبي صلى الله عليه وسلم عن الإيمان والإحسان وعلم الساعة، ١/ ١٢، رقم: ٥٠)

اور اگر یہ درجہ نہ ہو تو قبولِ اصابت تو ہو سکتا ہے؛ لیکن قبولِ اجابت نہ ہوگا۔ عدمِ قبولِ

اجابت کومنہ پر مارنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

القبول علی قسمین: أحدهما: کون الشيء مستجمعا بجمیع الأرکان والشرائط، وثانیهما: وقوعه في حیز مرضاة الله. (العرف الشذي علی الترمذي، کتاب الطهارة ۱/ ۳)

ثم القبول قسمان: أحدهما: أن یکون الشيء مستجمعا للأرکان والشرائط، ویرادفه الصحة والإجزاء، والثاني: کون الشيء یترتب علیه من وقوعه عند الله جل ذکره موقع الرضا، ویرتب علیه الثواب والدرجات.

(معارف السنن، کتاب الطهارة قدیم، مطبع لاهور ۱/ ۲۰، أشرفي دیوبند ۱/ ۲۹) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ / جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱ / جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ

کلمۂ شہادت کے بعد ارکان خمسہ بھی لازم

سوال [۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلمان کا نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، زکوۃ دینا، حج کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ یا کلمہ پڑھنا دل سے اس کے لئے کافی ہے؟ اس کے متعلق کیا حکم شرعی ہے؟ صرف نام لینے سے کام چل جائے گا، یا کام کرنے سے کام ہوگا؟ کلمہ پڑھنے کا مطلب مسلمان ہوا، مسلمان کا مطلب کیا ہوا؟

المستفتی: محمد رفیق عرف بابو، محلّہ بند ونواہ ٹھٹھیرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلمان کے اوپر نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، زکوۃ دینا، حج کرنا فرض اور ضروری ہے، نیز کلمہ شہادت دل وزبان سے پڑھنے سے مسلمان تو

ہوجاتا ہے؛ لیکن کامل مسلمان ہونے کے لئے نماز، روزہ وغیرہ فرائض وواجبات پرعمل کرنا بھی لازم ہوگا۔

عن ابن عمر –رضي الله عنهما– قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا عبده ورسوله، وإقام الصلوة، وإيتاء الزكوة، والحج، وصوم رمضان. (بخاري شريف، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم بني الإسلام على خمس ١/ ٦، رقم: ٨، ف: ٨، مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب بيان أركان الإسلام ودعائمه العظام، النسخة الهندية ١/ ٣٢، بيت الأفكار، رقم: ١٦، مشكوة شريف ١/ ١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۶۹/۲۵)

کیا موجودہ زمانہ میں کافروں کودعوتِ اسلام دینا فرض ہے؟

سوال [٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج ہم مسلمانوں کا عمل خراب ہے، آبائی رسم ورواج کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے ہیں، معاملات ہوں یا معاشرت یا اخلاق سب میں بگاڑ ہے، حتی کہ ہمارے تہوار وغیرہ میں دنیوی خرافات بھر گئیں اور نمائش وتماشہ بن کر رہ گئے، ان کی جو روح تھی وہ نکل گئی، غیر مسلم جو پڑوس میں رہتے ہیں وہ تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہندو ہیں، یہ بھی ایک قوم ہے جن کا نام مسلمان ہے، جیسے ہم اپنے باپ دادوں کے طریقوں پر چل رہے ہیں، ویسے یہ بھی ہیں، اگر ہم گانا بجانا کرتے ہیں، پٹاخے، گولے چھوڑتے ہیں، ان میں بھی ایسا ہی ہے، ہم شراب پیتے ہیں، یہ بھی پیتے ہیں، ہندو بتوں کو سجدہ کرتے ہیں، مسلمان بھی قبروں کو پوجتے ہیں، غرض مسلمان کا عمل تو ایسا ہے نہیں جس سے اسلام کا پتہ چلے، رہے صلحاء مسلمین، علماء کرام، تو ان سے وہ قریب نہیں

اورنہ ان کا کردار، عمل واخلاق غیر مسلم جانتے ہیں اورنہ ہی کسی کی طرف سے عموماً ان کوزبانی یا تحریری دعوت اسلام پہنچی، تو کیا یہ ظہور اسلام ہوگا؟ جب کہ غیر مسلموں کوکسی طرح بھی اسلام کے محاسن کا پتہ نہیں چلا۔ اور کیا ایسے کافر عنداللہ معذور نہ سمجھے جائیں گے؟ اور اگر ایسے لوگ توحید کو مانتے ہوں اور اپنے مسخ شدہ مذہب پر الٹے سیدھے چلتے ہوں تو کیا ان کی مغفرت کا وعدہ ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ مسلمانوں نے نہ تو اپنے عمل سے انہیں اسلام سے روشناس کرایا اورنہ ہی زبانی دعوت اور دلائل وبراہین سے اسلام پیش کیا۔

المستفتی:

بشیر احمد فیلڈ اسٹینٹ آفیسر کشمیر، جنوری بدست عزیزی محمد فیاض کشمیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ظہور اسلام نام ہے، دنیا میں مذہب اسلام منتشر ہوکر پھیل جانے کا، جس کو شریعت میں دعوت حکمی کہا جاتا ہے، اس کے بعد دعوت ایمان کی فرضیت باقی نہیں رہتی۔

أطلق الدعوة فشمل الحقيقية والحكمية، فالحقيقية باللسان، والحكمية انتشار الدعوة شرقًا وغربًا، أنهم إلى ما ذا يدعون وعلى ما ذا يقاتلون فأقيم ظهورها مقامها. (البحر الرائق، كتاب السير، كوئٹه ۵/ ۷۵، زكريا ۵/ ۱۲۸)

اب بحمدللہ دنیا کے ہر گوشہ میں اسلام پہنچ چکا ہے، اگر کوئی حصہ ایسا باقی ہے کہ جہاں کے لوگوں کو اسلام کی خبر بھی نہیں پہنچی ہے، تو ان کو ایمان لانے کے لئے اسلام کے محاسن پیش کرنا بشرط استطاعت فرض ہوگا، ورنہ دعوت ایمان صرف مستحب ہے۔ اور دعوت اصلاح تا قیامت فرض کفایہ ہے۔ تفصیل یوں ہوگی کہ دعوت کی دو قسمیں ہیں: (۱) دعوت ایمان (۲) دعوت اصلاح۔ یعنی غیر مسلموں کو ایمان کی دعوت دینا دعوت ایمان ہے۔ اور جن مسلمانوں میں بگاڑ پیدا ہوا ہے، ان کو اصلاح کی دعوت دینا دعوت اصلاح ہے۔ اور غیر مسلم کو امت دعوت کہا جاتا ہے۔ اور مسلمانوں کو امت اجابت کہا جاتا ہے۔ اور امت اجابت کو اصلاح کی

دعوت دینا بقدر استطاعت تا قیامت فرض کفایہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے: ”**وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ.** (سورة آل عمران، آيت: ١٠٤) میں بیان فرمایا ہے۔ اور اسی دعوت اصلاح کے حاملین کو حدیث ”**الذين يصلحون ما أفسد الناس من بعدي من سنتي**“. (ترمذي، كتاب الإيمان، باب ما جاء أن الإسلام بدأ غريبا و سيعود غريبا، النسخة الهندية ٢/ ٩١، دارالسلام، رقم: ٢٦٣٠، المعجم الكبير للطبراني ١٧/ ١٦، رقم: ١١) میں بیان کیا گیا ہے۔

اب موجودہ حالات میں جن مسلمانوں میں بگاڑ آ چکا ہے ان کو دعوتِ اصلاح دے کر ان کی اصلاح کرنا فرض کفایہ ہے، جب ان میں اصلاح آجائے گی، تو کھلے ملے رہنے والے کفار کے قلوب میں اسلام کی حقانیت خود بخود سرایت کرتی جائے گی اور اسلام کے محاسن دیکھ کر خود اسلام قبول کرنا شروع کردیں گے۔ نیز مسلمانوں میں اصلاح پیدا ہونے سے پہلے غیر مسلم کو اسلام کی دعوت دینا بالکل بے سود اور بے فائدہ رہے گا؛ کیوں کہ مسلمانوں کے اندر کے بگاڑ دیکھ کر وہ سمجھیں گے کہ جو خرابی ہمارے یہاں ہے وہی مسلمانوں کے یہاں بھی ہے، تو پھر ہم کیوں اپنا مذہب بدلیں؛ اس لئے دعوت اصلاح بدرجۂ فرض کفایہ ہے اور دعوت ایمان بدرجۂ مستحب ہے؛ لہٰذا ظہور اسلام کا اشکال کر کے دعوت ایمان کو فرض قرار دینا ہرگز درست نہیں ہوگا۔

(۲) اس میں اختلاف ہے۔ بعض محققین آیت کریمہ ”**وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلاً**“ (سورة بني إسرائيل، آيت: ١٥) کے تحت فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کو کفر کے باوجود کوئی عذاب نہیں ہوگا جن کے پاس کسی نبی اور رسول کی دعوت نہیں پہنچی۔ (روح المعانی قدیم ۱۵/ ۳۷، زکریا ۹/ ۵۸)

والذي عليه الأشاعرة من أهل الكلام و الأصول و الشافعية من الفقهاء أن أهل الفترة لا يعذبون. (روح المعاني زكريا ٩/ ٥٨، معارف القرآن ٥/ ٤٥٦، نامی ٢/ ٧٥)

اور بعض کے نزدیک خدا کے وجود اور اس کی توحید کے منکرین پر کفر کی بنا پر بہر حال عذاب ہوگا، اگرچہ دعوت ایمان ان تک نہ پہنچی ہو، یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

روى الحاكم الشهيد في المنتقى عن أبي حنيفة أن قال: لا عذر لأحد في الجهل بخالقه لما يرى من خلق السموات والأرض وخلق نفسه، وعنه أيضا أنه قال: لو لم يبعث الله رسولا لوجب على الخلق معرفته بعقولهم. (شرح فقه أكبر، أشرفي ديو بند ١٢٨)

وأبو منصور الماتريدي ومتبعوه حملوا الآية على نفي تعذيب الاستئصال في الدنيا، وذهب هؤلاء إلى تعذيب أهل الفترة بترك الإيمان والتوحيد، وهم كل من كان بين رسولين ولم يكن الأول مرسلًا إليهم، ولا أدركوا الثاني واعتمد القول بتعذيبهم. (روح المعاني، سورة بني إسرائيل: ٣٧، زكريا ٩/ ٥٧، نامي ٢/ ٧٩)

الأمة جمع لهم جامع من دين، أو زمان، أو مكان أو غير ذلک؛ فإنه مجمل يطلق تارة، ويراد بها كل من كان مبعوثًا إليهم نبي، آمنوا به أو لم يؤمنوا ويسمون أمة الدعوة، وأخرى يراد بهم المؤمنون به المذعنون له وهم أمة الإجابة. (فيض القدير للمناوي ٣/ ١٤٧٠، تحت رقم الحديث: ١٦٢٠) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۱۱)

دین کہاں سے چلا اور کہاں آکر ختم ہوا؟

سوال [۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ دین کہاں سے چلا اور کہاں آکر ختم ہوا؟

المستفتی: ارشاد عظیم قریشی بمبئی، ایس ایس روڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دین اسلام حضرت محمد ﷺ سے چلا ہے، آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس دین کو لے کر بھیجا ہے، دین ختم نہیں ہوا، انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک باقی رہے گا، الحمد للہ ہم سب مسلمان دین اسلام میں داخل ہیں۔ حضور ﷺ نے اپنے زمانہ میں اسلام کے بے سروسامانی کے ساتھ شروع ہونے کا تبصرہ فرمایا ہے، وہ آپ کا زمانہ تھا۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هريرة رضی قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: بدأ الإسلام غريبًا وسيعود غريبًا، فطوبى للغرباء. (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب بيان أن الإسلام بدأ غريبًا وسيعود غريبًا، النسخة الهندية ١/ ٨٤، بيت الأفكار، رقم: ١٤٥، ترمذي، كتاب الإيمان، باب ما جاء أن الإسلام بدأ غريبًا وسيعود غريبًا، النسخة الهندية ٢/ ٩١، دارالسلام، رقم: ٢٦٢٩، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ٣/ ٢٣٣، رقم: ١١١٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۸۹/۲۳)

اسلام میں کیفیت معتبر ہے یا کمیت؟

سوال [۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اسلام میں کیفیت معتبر ہے یا کمیت؟

المستفتی: غلام حسین انجینئر کھالا پار، مظفر نگر یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کیفیت وکمیت دونوں معتبر ہیں، مثلاً اس طرح عمل کریں کہ خوف ورجاء کے ساتھ گویا آپ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں، تو قبول اجابت ہوگا، نیز کمیت کا بھی اعتبار ہے کہ مثلاً ظہر کی نماز چار رکعت کے بجائے مقیم دو رکعت پڑھے یا مقیم ومسافر تین رکعت پڑھے، تو قبول اصابت بھی نہیں ہوسکتا۔ معلوم ہوا کہ درجۂ اول میں کمیت ہے اور درجۂ ثانی میں کیفیت ہے، کمیت نہ ہو تو عمل صحت کے درجہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اور کیفیت نہ ہو تو درجۂ ثواب کو نہیں پہنچ سکتا تو دونوں معتبر ہوئے۔ کیفیت کو حدیث جبرئیل علیہ السلام کے تیسرے سوال کے جواب میں بیان کیا گیا ہے:

أن تعبد الله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك. الحديث

(مسلم شریف، کتاب الإيمان، النسخة الهندية ۱/ ۲۷، بيت الأفكار، رقم: ۸) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۷۵۶)

۲/ باب ما یتعلق باللّٰہ تعالیٰ وصفاتہ

لفظ ''خدا'' کی تحقیق

سوال [۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اللہ کو خدا کہنا کہاں سے ثابت ہے؟ جب کہ بتایا جاتا ہے کہ لفظ ''خدا'' اللہ تعالیٰ کا ترجمہ ہے اور عرف کے اندر کسی کا تعارف کرانے کے لئے اس کا ترجمہ اور معنی نہیں بتائے جاتے ہیں، جیسا کہ کسی کا نام ''طاہر'' ہو تو اب یہ کہیں دوسری جگہ جاتا ہو جہاں اس کی زبان کو لوگ نہیں سمجھتے ،تو اس کا تعارف کراتے وقت ''طاہر'' کے معنی نہیں بتائے جاتے؛ بلکہ اس کے مسمّٰی طاہر ہی سے تعارف کرایا جائے گا، اس اعتبار سے اللہ کو خدا کہنا کیوں کر صحیح ہے؟ جب کہ اللہ تعالیٰ کے لئے انہیں ناموں کا استعمال جائز ہے جو قرآن وحدیث میں اللہ کے لئے وارد ہوئے ہیں۔ اور لفظ ''خدا'' قرآن میں کہیں وارد نہیں، مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالرحمٰن ماہی گیر

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ ''خدا'' کا اطلاق گرچہ قرآن وحدیث میں وارد نہیں؛ لیکن ادلۂ شرعیہ میں سے تیسری دلیل اجماع امت سے خدا کا اطلاق اللہ کے لئے ثابت ہے، نیز لفظ خدا کے معنی ''خود ہی آنے والا''، ''بذات خود موجود ہونے والا'' اور ''اس کے وجود میں کسی کے تصرف کا حق نہیں'' کے ہیں، تو خدا کے معنی واجب الوجود کے ہوئے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے، یہ صرف حق تعالیٰ کی واحد ذات ہے؛ اسی لئے اللہ کو لفظ ''خدا'' کے ساتھ پکارنا لفظ واجب الوجود کے ساتھ پکارنے کی طرح ہے۔ اور لفظ ''واجب الوجود'' کا اسم صفتی ہونا اجماع امت سے ثابت ہے؛ لہٰذا آپ کو اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

فــإن قيــل: كيف يــصــح إطــلاق الــوجــود والــواجب والقديم ونحو ذلك، كــلــفــظ خــدا بــالفارسية ...... قلنا بالإجماع وهو من أدلة الشرعية؛ لأنه قد ثبت بالقرآن والحديث أن الإجماع حجة. (نبراس ١٧٤)

هــي مــعــظــمة فــي كــل لــغة مرجعها إلى ذات واحدة، فإن اسم الله لا يعرف العرب غيره، وهو بلسان فارسي خدا الخ. (المواقيت والجواهر ٧٨، بحواله محمودیه ڈابھیل ١/ ٢٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۶۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری
۱۴۲۱/۵/۲۱ھ

”اللہ فرماتے ہیں“ کہنے کا حکم

سوال [۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ”اللہ فرماتے ہیں“ کہنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: فرقان احمد دلپت پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اللہ تعالیٰ تمام مخلوق اور کائنات کا خالق ہے، اور وہ چوں کہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے؛ اس لئے اس کی وحدانیت کو ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہنا جائز اور درست ہے۔ اور اردو زبان میں کسی بڑے کے لئے ادب کے طور پر فرماتے ہیں کہا جاتا ہے؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ کے لئے بطور ادب کے ”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں“ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیوں کہ ”فرماتا ہے“ کہنے میں وحدانیت کا لحاظ کیا جاتا ہے اور ”فرماتے ہیں“ کہنے میں ادب کا لحاظ کیا جاتا ہے؛ اس لئے دونوں طرح سے جائز ہے، چنانچہ قرآن کریم میں خود اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے جمع کا لفظ بھی استعمال کیا

ہے اور واحد کا لفظ بھی استعمال کیا ہے، بلا وجہ اس طرح کے مسئلے کھڑے کرکے خالی الذہن مسلمانوں کو تشویش اور شکوک وشبہات میں ڈالنا کسی طرح مناسب نہیں ہے، بطور مثال کے قرآن کریم کی ۶/آیتیں یہاں درج کردیتے ہیں، جن میں سے چار آیتوں میں جمع کا صیغہ ہے اور دو میں واحد کا صیغہ ہے۔

(۱) **اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ**. [سورة القدر، رقم الآية: ۱]

(۲) **اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ**. [سورة الحجر، رقم الآية: ۹]

(۳) **اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِیْ**. [سورة طه، رقم الآية: ۱٤]

(٤) **وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلَائِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً**.

[سورة البقرة، رقم الآية: ۳۰]

(٥) **نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِیَّاکُمْ**. [سورة الإسراء، رقم الآية: ۳۱]

(٦) **نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ نَبَأَهُمْ**. [سورة الكهف، رقم الآية: ۱۳] **فقط واللہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/۷/۱۴۳۱ھ

اللہ تعالیٰ کے لئے جمع کی ضمیر کا استعمال

سوال [۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ علمائے دین قرآن وحدیث کے ترجمہ میں جو ضمیر کا ترجمہ جمع کے ذریعہ سے کیا گیا ہے، اس پر علماء بریلوی کا بہت بڑا اعتراض ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کہیں بھی اللہ کے لئے جمع کی ضمیر استعمال نہیں کی، نہ کسی دعا میں اور نہ کسی مناجات میں اور نہ کسی اور جگہ، تو علماء دیو بند نے جمع کی ضمیر کیوں استعمال کی؟ لہٰذا علماء رضا خانی جو یہ ثبوت پیش کررہے ہیں تو کیا یہ ٹھیک ہے؟ اور اگر غلط ہے تو آپ اس کے غلط ہونے

کا ثبوت پیش کریں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں جمع کی ضمیر کا اللہ کے لئے ثابت ہونا دکھائیں۔

المستفتی: نسیم احمد سوندرہ بکنیر چاند پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: علماء دیوبند پر رضا خانی کا اعتراض کرنا درست نہیں ہے، علماء دیوبند نے اللہ تعالیٰ کے لئے جمع کی بھی ضمیر استعمال کی ہے اور واحد کی بھی۔ اور خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہ اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(١) **اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوۡنَ.** [سورة الحجر، رقم الآية: ٩]

(٢) **واِنَّا نَحۡنُ نُحۡيِیۡ وَنُمِيۡتُ وَاِلَيۡنَا الۡمَصِيۡرُ.** [سورة ق رقم الآية:]

(٣) **وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ وَنَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِهٖ نَفۡسُهٗ وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ.** [سورة ق، رقم الآية: ١٦]

(٤) **اِنَّا نَحۡنُ نَرِثُ الۡاَرۡضَ وَمَنۡ عَلَيۡهَا.** [سورة مريم، رقم الآية: ٤٠]

(٥) **نَمُوۡتُ وَنَحۡيَا.** [سورة المؤمنون، رقم الآية: ٣٧]

ان تمام آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لئے جمع کی ضمیر استعمال فرمایا ہے، تو کیا رضا خانی بریلوی علماء کو اللہ تعالیٰ پر بھی اعتراض کی ہمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے جمع کی ضمیر کیوں استعمال کی ہے؟ اب اگر علماء دیوبند اللہ رب العزت کے لئے جمع کی ضمیر استعمال کریں تو کسی کو ان پر اعتراض کرنے کا کیا حق پہنچتا ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ / ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲ / ۴۷۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲ / ۴ / ۱۴۱۷ھ

اللہ رب العزت کے لئے واحد اور جمع دونوں صیغوں کا استعمال کرنا جائز ہے

سوال [۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خدا کے لئے واحد کا صیغہ استعمال کریں یا جمع کا؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد شاہجہاں خان جامع مسجد نجیب آباد

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمع کا صیغہ بطور تعظیم استعمال کرنا جائز ہے، خود قرآن کریم میں بہت سی جگہ موجود ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ. [سورۃ الحجر، رقم الآیۃ: ۹]

وَلَقَدۡ نَادٰٮنَا نُوۡحٌ ...... الۡمُجِيۡبُوۡنَ. [سورۃ الصافات، رقم الآیۃ: ۷۵]

وَمَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِيۡنَ. [سورۃ الأنعام، رقم الآیۃ: ۲۹]

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ. [سورۃ یوسف، رقم الآیۃ: ۳]

لیکن اردو کے محاورہ کے لحاظ سے واحد کا صیغہ استعمال کرنا اولیٰ اور بہتر ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱/۶۲، جدید ۱/۱۴۲، زکریا مطول) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۴۳۰)

اسماء الٰہی لفظ ''عبد'' کے بغیر بطور علم استعمال کرنا

سوال [۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرات علمائے کرام کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ اسمائے الٰہی میں کن کن اسماء کا استعمال بطور علم کے بغیر لفظ ''عبد'' کے درست ہے؟ مثلاً کسی کا نام بدیع رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ بدیع بغیر نمونہ سابقہ کے ایجاد کرنے والے کو کہتے ہیں اور یہ خاص ہے ذات وحدہ لاشریک لہ کے ساتھ؛ لہٰذا کسی کا نام بدیع رکھنا جائز نہیں ہے۔

دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ بدیع فعیل کے وزن پر ہے جوصفت مفعولی یعنی مبدع بالفتح بمعنی انوکھا پیدا شدہ کے بھی آتا ہے؛ لہٰذا اس معنی کالحاظ ومراد لیتے ہوئے کسی کا نام بدیع رکھنا جائز ہے۔ وعلی ہذا اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء میں کن کن اسماء کا استعمال مجرد عن اضافت العبد بطور علم کے درست ہے، نیز معرف باللام غیر معرف باللام کا کچھ فرق پڑے گا یانہیں؟ مثلاً خبیر نام رکھنے میں کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا؛ لیکن ''الخبیر'' نام رکھنا کیسا ہے؟

المستفتی: بندہ شعیب پوسٹ بکس نمبر:۶۳۱

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ دوقسموں پر ہیں:

(۱) وہ اسماء جوذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، جیسے رزاق، خالق وغیرہ۔

(۲) وہ اسماء حسنیٰ جن کے دومعنی اور دومفہوم ہوتے ہیں، وہ ایک معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہوتے ہیں۔ اور دوسرے معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں ہوتے، ان ہی میں سے لفظ بدیع، مالک، خبیر، کریم وغیرہ ہیں، جب ان ناموں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے گا، تو وہ معنی مراد ہوں گے جو اللہ کے ساتھ خاص ہوتے ہیں۔ اور جب مخلوق کی طرف منسوب کیا جائے گا تو ان اسماء کے معانی وہ نہیں ہوں گے جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہوتے ہیں؛ بلکہ ان کے معنی ایسے ہوں گے جن کو مخلوق کی طرف منسوب کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہوتی، مثلاً لفظ ''بدیع'' جب اللہ کی طرف منسوب کیا جائے گا تو اس کے معنی بغیر نمونہ سابقہ کے انوکھے انداز سے پیدا کرنے کے ہیں۔ اور یہ اللہ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ اور جب مخلوق کی طرف منسوب کیا جائے تو اس کے معنی ایجاد کردہ چیز اور انوکھا پیدا شدہ کے ہیں۔ اور اس معنی کے اعتبار سے یہ لفظ اللہ کی صفت نہیں بن سکتا؛ بلکہ مخلوق ہی کی صفت بنے گا؛ لہٰذا جب بھی اس لفظ کے ساتھ کسی انسان کا نام رکھا جائے گا تو اس کا یہی دوسرا معنی مراد ہوگا اور اس میں معرف باللام اور غیر معرف باللام سے کوئی فرق نہیں آئے گا؛ بلکہ اعتبار نسبت کا ہے۔

واعلم أن التسمی بهذا الاسم حرام، وکذلک التسمی بأسماء الله تعالیٰ المختصة به کالرحمن والقدوس والمهیمن وخالق الخلق ونحوها.
(حاشیة نووي علی المسلم، کتاب الأداب، باب تحریم التسمی بملك الأملاك ۲/۲۰۸)

التسمیة باسم یوجد في کتاب الله تعالیٰ کالعلی والکبیر والرشید والبدیع جائزة ...... وظاهره الجواز ولو معرفا بأل. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع، زکریا ۹/۵۹۸، کراچی ۶/۴۱۷)

التسمیة یؤخذ في کتاب الله تعالیٰ کالعلی والکبیر والرشید والبدیع جائز؛ لأنه من الأسماء المشترکة، ویراد به فی حق العباد غیر ما یراد في حق الله تعالیٰ الخ. (تاتارخانیة، کتاب الکراهیة، الفصل الرابع والعشرون في تسمیة الأولاد، زکریا ۱۸/ ۲۲۸، رقم: ۲۸۶۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱/۱۴۳۳ھ

کیا دنیا میں اللہ کا دیدار ممکن ہے؟

سوال [۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا مرنے سے پہلے اپنے رب کو دیکھا جاسکتا ہے؟

المستفتی: شفیق احمد گودھنا، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرنے سے پہلے دنیا میں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا جاسکتا ہے۔

لَاتُدْرِکُهُ الاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ.

[سورة الأنعام، رقم الآیة: ۱۰۳]

واتفقت الأمة على أنه لا يراه أحد في الدنيا بعينه. (شرح العقيدة الطحاوية، المكتبة الإسلامي بيروت ص: ١٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍صفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۴۸)

مؤمنین کو آخرت میں دیدارِ الٰہی نصیب ہوگا

سوال [۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص اپنی عمر کا بیشتر حصہ یاد خدا میں لگاتا ہے، پھر وہ نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ سکتا ہے نہ خدائے قدوس کو ارمان بیان کرنے سے قاصر ہوں، زندگی کا راز کیا ہے؟

المستفتی: غلام حسین مدرس رام نگر، ضلع اودھم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: انشاء اللہ آخرت میں دیکھئے گا، یاد الٰہی کا اصل مقصد آخرت ہے، موجودہ آنکھوں میں تجلی الٰہی کے برداشت کرنے کی قوت نہیں ہے۔

لَاتُدْرِكُه الاَبْصَار وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَار وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْر.

[سورة الأنعام، رقم الآية: ١٠٣]

عن جرير بن عبدالله قال: كنا عند النبي صلى الله عليه وسلم فنظر إلى القمر ليلة -يعني البدر- فقال: إنكم سترون ربكم كما ترون هذا القمر، لا تضامون في رؤيته. (بخاري شريف، كتاب الصلوة، باب فضل صلاة العصر، النسخة الهندية ١/ ٧٨، رقم: ٥٤٦، ف: ٥٥٤، مسلم شريف، كتاب الصلوة، باب فضل صلاة الصبح و العصر والمحافظة عليهما، النسخة الهندية ١/ ١٠٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٣٣)

ورؤية الله تعالىٰ جائزة في العقل واجبة بالنقل، وقد ورد الدليل

السمعي بإيجاب رؤية المؤمنين الله تعالى في دار الآخرة الخ. (شرح عقائد، مکتبه نعیمیه دیوبند ۷۰–۷۳)

والرؤية حق لأهل الجنة بغير إحاطة ولا كيفية كما نطق به كتاب ربنا ''وُجُوْهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّنا نَاظِرَة''. [القيامة: ۲۲، ۲۳] (شرح العقيدة الطحاوية ۱۸۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ محرم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۳۲)

''اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر وناظر ہے'' کا صحیح مطلب

سوال [۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر مقلدین حنفی مسلک کے ان پڑھ لوگوں کو اور ان کے بچوں کو اس طرح سے بہکاتے ہیں کہ تمہارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر وناظر ہے، تو کیا اللہ تعالیٰ بیت الخلاء میں بھی حاضر وناظر ہوتا ہے؟ اس طرح کے سوال کر کے شکوک وشبہات میں مبتلا کرتے ہیں، تو مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ حاضر وناظر کا صحیح مطلب کیا ہے؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: عبید اللہ بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ''اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر وناظر ہے'' اس میں کوئی شک نہیں؛ لیکن کس طرح حاضر وناظر ہے، وہ قرآن کریم کے الفاظ کے ذریعہ سے واضح ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی صفات عالیہ بیان فرمائی ہیں: ''علیم، سمیع، بصیر، لطیف، خبیر'' تو اللہ تبارک وتعالیٰ ''سمیع، بصیر، علیم، لطیف اور خبیر'' ہونے کے اعتبار سے ہر جگہ حاضر وناظر ہے؛ البتہ اس کی کیفیت کیسی ہے؟ وہ اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ مساجد

میں بھی ''علیم، سمیع، بصیر، لطیف اور خبیر'' ہے، اسی طرح گھروں، راستوں، حمام، پھاٹکوں، حویلیوں اور زمین وآسمان کے ہر گوشہ، ہر جگہ ''علیم، سمیع، بصیر، لطیف اور خبیر'' ہے، اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر وناظر ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ'' [سورۃ ق: ۱۶] کہ ہم انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں اور کس طرح اللہ تعالیٰ انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، اس کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے؛ لہٰذا سوال کر کے شبہ پیدا کرنے والوں کو یہی جواب دیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ''سمیع، بصیر، علیم وخبیر'' ہونے کے اعتبار سے بیت الخلاء میں بھی حاضر وناظر ہے اور اس کی کیفیت کیا ہے ہم کو معلوم نہیں۔ اور تمہاری بیت الخلاء کی باتوں کو بھی جانتا ہے، ہر جگہ تم سے تمہارے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، چاہے گھر میں ہو یا ہوائی جہاز میں ہو چاہے زمین کے نیچے ہر جگہ تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ غیر مقلدین ایسے سوالات کر کے خالی الذہن مسلمانوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں، اللہ ان سے مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۵؍صفر المظفر ۱۴۳۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۸۶۵)	۱۴۳۶/۲/۵ھ

اللہ رب العزت کو حاضر وناظر ماننا

سوال [۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خدا کو حاضر وناظر ماننا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اللہ تعالیٰ کے حاضر وناظر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بیک وقت پوری کائنات کی ہر چیز اس کی نظر اور اس کے علم میں عیاں ہے۔ (مستفاد: اختلاف امت اور صراط مستقیم ۱/ ۳۹-۴۰)

لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِيْ السَّمَاوَاتِ وَلَا فِيْ الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِکَ وَلَا اَكْبَرُ . [سورة السبا: ۳]

وليس المراد من إحاطته بخلقه أنه كالفلک، وأن المخلوقات داخل ذاته المقدسة تعالیٰ عن ذلک علوا كبيرا، وإنما المراد إحاطة عظمته وسعة علمه وقدرته. (شرح العقيدة الطحاوية، المكتب الإسلامي بيروت ۲۸۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۳/۲/۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۲۷ھ

اللہ تعالیٰ کے لئے حاظر وناظر کا عقیدہ رکھنا

سوال [۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر وناظر ہے، یہ عقیدہ کس فرقہ کا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر وناظر ہے، یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے، جتنی کمال کی صفات ہیں خداوند تعالیٰ ان سب سے متصف ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱/ ۵۱۲، ۲۱/ ۳۴)

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ''حق سبحانہ تعالیٰ بر احوال جزئی وکلی مطلع است وحاضر وناظر۔ یعنی خدائے تعالیٰ بندوں کے تمام جزئی وکلی امور پر خبردار اور مطلع اور حاضر وناظر ہے۔ (مکتوب ۸۷، ص: ۱۰۰، بحوالہ فتاویٰ احیاء العلوم ۱۴۶)

قال تعالیٰ: لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِيْ السَّمَاوَاتِ وَلَا فِيْ الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِکَ وَلَا اَكْبَرُ . [سورة السبا: ۳]

فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى. [سورة طه، الآية: ۷]

قال تعالیٰ: اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْم. [سورة التوبة، الآية: ١١٥]

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدًا. [سورة النساء، الآية: ٣٣]

وَلِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُحِيْطًا.

[سورة النساء، الآية: ١٢٦]

وليس المراد من إحاطته بخلقه أنه كالفلک، وأن المخلوقات داخل ذاته المقدسة تعالیٰ عن ذلک علوا كبيرا، وإنما المراد إحاطة عظمته وسعة علمه وقدرته. (شرح العقيدة الطحاوية، المكتب الإسلامي بيروت ٢٨١)

ولا يخرج عن علمه وقدرته شيء. (شرح العقائد النسفية، نعيميه ديو بند ٤٣)

والعلم ...... وهي صفة أزلية تنكشف المعلومات عند تعلقها بها، فالله تعالیٰ عالم بجميع الموجودات لا يعزب عن علمه مثقال ذرة في العلويات والسفليات، وأنه تعالیٰ يعلم الجهر والسر وما يكون أخفى منه من المغيبات. (شرح فقه أكبر، أشرفي ديو بند ص: ١٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲/۷/۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۹۷)	۲/۷/۱۴۲۱ھ

چپل کی شول پر لفظ ’’اللہ‘‘ بلا قصد یا بالقصد لکھنے کا حکم

سوال [۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مذکورہ بالا چپل اصل میں اٹالی کی ہے۔ اور ہندوستان میں آگرہ میں یہ چپل بنتی ہے، اس چپل کے پیچھے یعنی پیروں تلے حصہ میں جوڈیزائن بنی ہوئی ہے اس پر صاف ’’اللہ‘‘ کا نام لکھا ہوا ہے۔ کمپنی نے واقعتاً ارادہ کے ساتھ یہ حرکت کی ہے یا بلا ارادہ ہمیں معلوم نہیں ہے، بہت سے مسلمان تاجر اس چپل کے بارے میں کشمکش میں ہیں، کہ ایسی چپل کے بارے میں شرعی حکم کیا ہونا چاہئے؟ اگر واقعتاً ارادہ کے ساتھ اللہ کا نام لکھا گیا ہے تب تو بات ظاہر ہے؛

لیکن اگر بلا قصد وارادہ کے اللہ کے نام کی شکل بنتی ہوتو شرعاً ایسی چپل اور دوسری چیزوں کا کیا حکم ہوگا؟ کیا اس کی بیع وشراء جائز ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: نثار احمد گودھروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: اس چپل کے نیچے اللہ کے نام کی کافی مشابہت ہے اور خاص طور پر آخر میں ''ہاء'' شوشے کی وجہ سے مزید نمایاں ہوگیا اور یہ بہت ممکن ہے کہ یہ نقشہ بغیر قصد کے بن گیا ہو؛ اس لئے کمپنی سے رابطہ قائم کرکے توجہ دلائی جائی کہ یہ نقشہ بدل دیا جائے، ورنہ اللہ کے نام کی صریح بے حرمتی مسلمان برداشت نہیں کریں گے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكَابِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ. [سورة الأنعام، الآية: ١٢٣]

وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ. [سورة إبراهيم، الآية: ٤٦] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ صفر ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۲۸۲/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۱۷ھ

''اللہ جھوٹ بول سکتا ہے'' (العیاذ باللہ)

سوال [۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مولوی رشید احمد گنگوہیؒ نے کتاب ''فتاویٰ رشیدیہ'' میں ص: ۱۹ پر یہ عبارت لکھی ہے کہ: ''اللہ جھوٹ بول سکتا ہے'' نیز مولوی قاسم صاحب نانوتویؒ نے کتاب ''تحذیر الناس'' ص: ۳؍ اور ص: ۲۵؍ پر لکھا ہے: ''خاتم النبیین کے معنی اگر کوئی آخری نبی لے تو وہ بے وقوف ہے اور کوئی نبی آسکتا ہے''۔ بینوا توجروا

المستفتی: فرید الدین، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ کی کتابوں کی طرف فرضی حوالہ سے جو بات منسوب کی گئی ہے، وہ سراسر جھوٹ ہے اوران حضرات کے بارے میں بغض وعناد ان سوالوں سے واضح ہوتا ہے۔ ’’فتاویٰ رشیدیہ‘‘ میں مسئلہ پوچھنے والے سائل نے یہ پوچھا ہے کہ ’’کیا اللہ تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے یا نہیں‘‘؟ اور جو شخص خدائے تعالیٰ کو یہ سمجھے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے وہ کیسا ہے؟ تو سائل کے اس سوال کا جواب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے جن الفاظ سے دیا ہے، وہ بعینہٖ حسب ذیل ہے، ملاحظہ فرمائیے:

’’ذات پاک حق تعالیٰ جل جلالہ کی پاک ومنزہ ہے، اس سے کہ متصف بصفت کذب کیا جاوے معاذ اللہ تعالیٰ اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ کذب کا نہیں ہے۔ **قال تعالیٰ: وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا.** (سورۃ النساء، الآیۃ: ۲۲) جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ وہ کذب بولتا ہے، وہ قطعاً کافر ہے، ملعون ہے اور مخالف قرآن وحدیث کا اور اجماع امت کا ہے، وہ ہرگز مومن نہیں‘‘۔ (فتاوی رشیدیہ قدیم ص:۹۳، جدید زکریا ۶۵، باقیات فتاویٰ رشیدیہ ص:۶۹، ۷۰)

یہ ہے ’’فتاوی رشیدیہ‘‘ کی عبارت جو آپ کے سامنے ہے؛ لیکن معاندین نے سائل کی عبارت کو کتر بیونت کر کے یہ لکھ دیا کہ (العیاذ باللہ) اللہ جھوٹ بول سکتا ہے (لا حول ولا قوۃ الا باللہ) جوکہ حضرت کی عبارت نہیں ہے۔ سائل نے حضرت نانوتویؒ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ص:۳/اور ص:۲۵/ کے حوالہ سے یہ جو لکھا ہے کہ ’’خاتم النبیین کا معنی اگر کوئی آخری نبی لے تو وہ بے وقوف ہے اور کوئی نبی آسکتا ہے‘‘ یہ دشمنوں کی طرف سے گھڑی ہوئی من گھڑت عبارت ہے، نہ ہی ص:۳ میں اس طرح کی عبارت ہے اور نہ ص: ۲۵/ میں اس طرح کی کوئی عبارت ہے، نیز پوری کتاب ’’تحذیر الناس‘‘ میں ایسی کوئی

عبارت نہیں ہے؛ بلکہ ص:۴۰ر میں حضرت نانوتویؒ کی عبارت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے بارے میں اس طرح ہے: ''پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں، آپ پر سلسلہ نبوت مختتم ہوجاتا ہے، غرض آپ جیسے نبی الامہ ہیں ویسے ہی نبی الانبیاء بھی ہیں اور یہی وجہ ہوئی کہ بشہادت ''وَاِذَا اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ لَمَّا آتَيْتُكُم مِن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤمِنَنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرَنَّهٗ''. [سورة آل عمران، آيت: ۸۱] اور انبیاء کرام علیہم السلام سے آپ پر ایمان لانے اور آپ کی اقتداء اور اتباع کا عہد لیا گیا، ادھر آپ نے یہ ارشاد فرمایا: اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میری ہی اتباع کرتے علاوہ بریں بعد نزول عیسیٰ علیہ السلام کا آپ کی شریعت پر عمل کرنا اسی بات پر مبنی ہے، ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد: ''علمتُ علم الأولين والآخرين'' بشرطِ فہم اسی جانب مشیر ہے۔ یہی تحذیر الناس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے لکھا ہے اور سائل نے تحذیر الناس میں وہ عبارت کہاں سے دیکھ لی ہے جو سوال نامہ میں درج کی ہے، پوری تحذیر الناس میں وہ عبارت نہیں ہے جو سائل نے سوال نامہ میں درج کی ہے، اللہ پاک دشمنوں سے حفاظت فرمائے، نیز معلوم ہوتا ہے کہ ان نااہلوں کو تحذیر الناس سمجھنے کی صلاحیت بھی نہیں ہے اور تحذیر الناس پوری کتاب کسی سائل کے ایک سوال کا جواب ہے اور ایک صفحہ پر سائل کا سوال ہے اور چھتیس صفحات پر حضرت نانوتویؒ کا جواب ہے، پھر اس کے بعد دو صفحہ پر حضرت ابوالحسنات مولانا عبدالحئی علیہ الرحمہ کی تائیدی اور تصدیقی تحریر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۲؍رجب ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۱۹۴)	۱۲؍۷؍۱۴۳۴ھ

بیگن کے ٹکڑے میں لفظ ''اللہ'' اور ''محمد'' سے متعلق ایک سوال

سوال [۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ کہتے ہیں کہ آدمی بھلے ہی دنیا کے کاموں میں الجھ کر خدا کو بھول جاتا ہو، مگر دنیا کا مالک کسی بھی طریقہ سے اپنا کرشمہ دکھا کر اپنی موجودگی کا اظہار کراتا رہتا ہے۔ رڑکی رامپور کے رہنے والے محمد ابراہیم کی اہلیہ مہر النساء نے روزانہ کی طرح سبزی بنانے کے لئے ایک بیگن کو چاقو سے کاٹا تو اسے اس بات کا ذرا بھی احساس نہیں تھا کہ جس بیگن کو اس نے کاٹا ہے، وہ لوگوں میں شہرت کا ذریعہ بن جائے گا، کٹے ہوئے بیگن کو دیکھتے ہی مہر النساء کو لگا کہ جیسے اس میں عربی زبان کا کوئی لفظ لکھا ہو، مہر النساء نے بیگن کو غور سے دیکھا تو اس میں ''یا اللہ'' اور ''محمد'' لکھا ہوا تھا، اس نے بیگن کو اپنے شوہر کو دکھایا اور اس کے بعد بیگن میں ''یا اللہ'' اور ''محمد'' لکھا ہونے کی خبر پورے علاقہ میں بڑی تیزی سے پھیل گئی، لوگوں کی بڑھتی ہوئی بھیڑ دیکھتے ہوئے اس کٹے ہوئے بیگن کو محمد شکیل سلطان دوکاندار کے فریج میں رکھ دیا گیا، جہاں پر اس کٹے بیگن کو دیکھنے کے لئے لوگوں کا سلسلہ جاری ہے۔

المستفتی: محمد عمران دیس بھگت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کٹے ہوئے بیگن کے تین ٹکڑوں کے رنگین فوٹو ہمارے پاس معائنہ کے لئے بھیجے گئے، ہمارے دارالافتاء کے دونوں مفتیان کرام اور پندرہ طلبہ جو عنقریب مفتی کی سند یافتہ ہونے والے ہیں، سب نے ہر پہلو سے غور کر کے دیکھا ہے، بیگن کے ان ٹکڑوں میں نہ لفظ اللہ کی لکیر ہے اور نہ ہی لفظ محمد کی، بیگن کی ان لکیروں میں اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں کی کوئی لکیر موجود نہیں؛ لہٰذا اس سلسلہ میں ہم کچھ نہیں لکھ سکتے، لوگوں نے بیگن کے ان ٹکڑوں میں اللہ اور محمد کی رائٹنگ کیسے دیکھ لی؟ ایک حیرت کی بات ہے، اس میں کوئی بھی ایسی لکیر نہیں ہے، جو اللہ اور محمد کی رائٹنگ میں ہوتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۲۱ھ

''اللہ اکبر'' والے گھنٹہ کا استعمال

سوال [۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس وقت ایسی گھڑی ایجاد کی گئی ہے، جس میں گھنٹہ اور آدھا گھنٹہ کے بعد بجائے گھنٹہ لگنے کے اللہ اکبر اللہ اکبر کی آواز نکلتی ہے۔ اور اگر اس میں الارم بھر دیا جائے تو وقت مقررہ پر مکمل اذان اس میں ہوتی ہے، ایسی گھڑی کا استعمال اور اس کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟ آیا اس میں اہانت اذان تو نہیں ہے؟

المستفتی: اسرار احمد نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر گھنٹہ آدھ گھنٹہ پر اللہ اکبر کی آواز آتی ہے تو یہ اللہ کے نام کے ساتھ بے ادبی ہے کہ موقع بے موقع اپنے وقت پر آواز آتی رہے گی۔ اور اس کی طرف توجہ نہیں ہو سکے گی؛ اس لئے اس کا رکھنا بہتر نہیں، ہاں البتہ اگر صرف الارم بھر دینے کے بعد وقت مقررہ پر پوری اذان آتی ہے جس سے سونے سے بیدار کرنے اور بے خبری سے متنبہ کرنے کے لئے اذان کی آواز سنائی دیتی ہے، تو بنص حدیث اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سونے والوں کو جگانے اور وقت سحری پر متنبہ کرنے کے لئے اذان دیا کرتے تھے؛ لہٰذا جب اس کام کے لئے اصلی اذان جائز ہے، تو اس کا عکس بھی جائز ہوگا۔

عن عبد الله بن مسعود –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يمنعن أحدكم أذان بلال من سحوره؛ فإنه ينادي أو يؤذن ليرجع غائبكم أو ليتنبه نائمكم. وقال: ليس الفجر أو الصبح. (طحاوي شريف، باب التأذين للفجر، أي وقت هو، بعد طلوع الفجر أو قبل ذلك، النسخة الهندية

۱/ ۱۰۵، بیروت رقم: ۸۶۰، بخاري ۱/ ۸۷، رقم: ۶۱۳، ف: ۶۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ شوال ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱۰/۳۰ھ

''رام'' اور ''رحیم'' ملا کر کہنے کا حکم

سوال [۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ''رام'' اور ''رحیم'' میں باعتبار معنی بہت مناسبت ہے؛ کیوں کہ ''رام'' کے معنی محبت اور ''رحیم'' کے معنی نہایت رحم کرنے والا اور حقیقت میں ''رحیم'' ہی نہایت محبت کرتا ہے۔ کما لایخفی ایسا کہنے سے کچھ حرج تو نہیں؟

المستفتی: ہارون رشید کرناٹکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''رام'' کے معنی محبت کے نہیں آتے؛ بلکہ فارسی میں مطیع وفرماں بردار اور سنسکرت میں پرمیشور اور پروردگار کے آتے ہیں، جوکہ رام چندر جی کا خطاب بھی ہے۔ (فیروز اللغات اردو ۶۷ ۳) اس لئے اس طرح کہنا جائز نہ ہوگا۔ **لقولہ تعالیٰ: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ.** (سورۃ الشوری: ۱۱)

مزید براں محض معنوی مناسبت کی وجہ سے اگر اس طرح کہنا جائز قرار دیا جائے تو دنیا میں ہزاروں ناموں کو بھی جوڑ کر اس طرح کہنا جائز قرار دیا جائے گا؛ اس لئے رام رحیم کو ملا کر کہنا جائز نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۱۵ھ

۳/ باب ما یتعلق بعلم الغیب

کیا علم غیب کے متعلق آیات متعارض ہیں؟

سوال [۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قرآن کریم میں بعض آیتوں میں حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم غیب نہیں اور بعض آیتوں میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کہ میں غیب کا جاننے والا ہوں اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں وغیرہ۔ ان آیتوں سے علم غیب کا ثبوت ملتا ہے؛ لیکن اس طریقہ سے آیتوں میں تضاد اور ٹکراؤ پیدا ہورہا ہے۔ اور قرآن پاک میں تضاد کی کوئی گنجائش ہی نہیں اور قرآن پاک کی کسی ایک آیت کا بھی انکار کفر ہے اور ہمارے بعض علماء نے اللہ کے سوا کسی اور کے لئے علم غیب ثابت کرنے والوں کو مشرک کہا ہے، تو کیا مشرک کے ساتھ نکاح ورشتہ داری کرنا جائز ودرست ہے۔ اور مشرک کو سلام کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: رحمت علی موضع گوپی ٹھاکردوارہ

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سائل کو جن آیات کے اندر تعارض نظر آرہا ہے وہ دراصل علم غیب کی حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے ہوا ہے؛ اس لئے علم غیب کی حقیقت جاننا ضروری ہے، علم غیب کی حقیقت یہ ہے کہ غیب کی باتوں کو بلا کسی کنکشن اور واسطہ کے جان لیا جائے ، نہ بیچ میں فرشتہ کا واسطہ ہو اور نہ وحی کا واسطہ، اسی طرح نہ کسی ٹیلیفون کے تار کا واسطہ ہو اور نہ موبائل کے ٹاور کا اس میں کوئی دخل ہو اور نہ فضاء وخلا میں سٹیلائٹ کا واسطہ ہو اور نہ ہی الٹراساؤنڈ کا آلہ ہو اور اس طرح کا علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک نہیں جیسا کہ قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں ثابت کیا گیا ہے۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ. [سورۃ الأنعام، آیت: ۵۹]

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ. [سورۃ النمل، آیت: ٦٥]

فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِيْن. [سورۃ یونس، آیت: ۲۰]

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. [سورۃ النحل، آیت: ۷۷]

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَا اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْب. [سورۃ المائدۃ، آیت: ۱۰۹]

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يَرْجِعُ الْاَمْرُ كُلُّه. [سورۃ الھود، آیت: ۱۲۳]

لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْض اَبْصِرْ بِهٖ وَاسْمِعْ. [سورۃ الکھف، آیت: ۲٦]

اور جن آیتوں سے اللہ کے برگزیدہ پیغمبروں کے عالم الغیب ہونے کا شبہ ہو رہا ہے، اس کی وجہ فہم اور سمجھ کی کمی ہے، علم غیب کی جو تعریف کی گئی ہے، اس تعریف کے دائرہ میں رہ کر آیتوں کو سمجھا جائے تو قطعاً یہ شبہ پیدا نہیں ہوسکتا، تمام آیتوں کے اندر کسی نہ کسی کنکشن اور واسطہ کا ذکر ہے اور جب واسطہ اور کنکشن آجائے تو علم غیب کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔

ولعل الحق أن يقال: أن علم الغيب المنفي عن غيره جل وعلا هو ما كان للشخص لذاته أي بلا واسطة في ثبوته له –إلى قوله– فلا يقال إنهم علموا الغيب بذلك المعنى، ومن قاله كفر قطعاً، وإنما يقال إنهم أظهروا أو اطلعوا على الغيب أو نحو ذلك مما يفهم الواسطة في ثبوت العلم لهم، ويؤيد ما ذكر أنه لم يجئ في القرآن الكريم نسبة علم الغيب إلى غيره تعالىٰ أصلاً، وجاء الإظهار على الغيب لمن ارتضى سبحانه من رسول. (روح المعاني، سورۃ النمل: ٦٥، زکریا ۱۱/ ۱۸، مصري ۲۰/ ۱۸)

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رَسُوْلِهٖ مَنْ يَشَاءُ. [آل عمران، آیت: ۱۷۹]

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلاَ يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَسُولٍ. [سورة الجن، آیت: ۲۷]

ان دونوں آیتوں کے اندر یہ بیان کیا گیا ہے کہ علم غیب کا جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو وحی یا فرشتہ کے ذریعہ غیب کی جو باتیں چاہتا ہے بتا دیتا ہے؛ لیکن پیغمبروں کا یہ جاننا بالواسطہ ہوا؛ اس لئے یہ علم غیب کے دائرہ میں داخل نہیں ہوسکتا جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: **وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ.** [سورة لقمان، آیت: ۳٤] یعنی عورت کے پیٹ میں کیا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، جب کہ الٹرا ساؤنڈ کے آلہ کے واسطے سے ایک غیر مسلم بھی بتا دیتا ہے کہ عورت کے پیٹ میں بچہ زندہ ہے یا مردہ، لڑکا ہے یا لڑکی، کتنی عمر کا بچہ ہے، حالاں کہ اس کو کوئی بھی علم غیب نہیں کہتا؛ کیوں کہ اس میں آلہ کا واسطہ آ گیا، اسی طرح سائنس داں آلات کے ذریعہ سے یہ بتلا دیتے ہیں کہ فلاں تاریخ میں اتنے بج کر اتنے منٹ پر سورج گرہن ہوگا اور اتنی دیر تک رہے گا، پھر اسی کے مطابق سورج گرہن ہوتا ہے، ان تمام باتوں کے بتا دینے کے باوجود ان کو کوئی عالم الغیب نہیں کہتا؛ اس لئے کہ اس میں سائنسی آلات کا واسطہ ہے، اسی طرح اللہ کے برگزیدہ پیغمبروں کو جو غیب کی باتیں حاصل ہوتی ہیں، وہ اللہ کے فرشتوں کے واسطہ بذریعہ وحی حاصل ہوتی ہیں۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ. [سورة التكوير، آیت: ۲٤]

یہاں لفظ ”غیب“ سے وحی مراد ہے، یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم اور وحی کی باتیں پہنچانے میں کوتاہی نہیں کرتے۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ: أي ليس هو ببخيل عن تبليغ ما يوحى إليه وتعليمه. (تفسير مظهري، سورة تكوير، آيت: ۲٤، زكريا قديم ۱۰/ ۲۱۱، جديد زكريا ۱۰/ ۱۸۲)

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ: عن مجاهد قال: لا يضن عليكم بما يعلم

بل يعلم الخلق كلام الله وأحكامه. (تفسير قرطبي، سورة تكوير، آيت: ٢٤، مكتبه دارالكتب العلمية بيروت ١٩/ ١٥٨)

لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کے لئے علم غیب کو ثابت کرے گا، گویا کہ وہ قرآن کریم کی نص قطعی کا انکار کرنے والا ہوگا۔ اور نص قطعی کا انکار موجب کفر ہے، ایسا شخص جب تک اس عقیدہ سے توبہ نہ کرلے اس کے ساتھ نکاح ورشتہ کرنا جائز نہیں۔ اور اس کو سلام کرنا بھی درست نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱/ ۴۸۳، غیر مقلدین کے چھپن اعتراضات کے جوابات/ ۱۵۱تا۱۵۴)

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤمن -إلى قوله- وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوا. [سورة البقرة، آيت: ٢٢١]

وأما التسليم على أهل الذمة فقد اختلفوا فيه، قال بعضهم: لا بأس بأن يسلم عليهم، وقال بعضهم: لايسلم عليهم. (الهندية، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام، زكريا قديم ٥/ ٣٢٥، جديد ٥/ ٣٧٧)

ورد النصوص بأن ينكر الأحكام التي دلت عليها النصوص القطعية من الكتاب والسنة كحشر الأجساد، مثلاً كفر لكونه تكذيبا صريحا لله تعالىٰ ورسوله عليه السلام. (شرح العقائد، نعيميه ديوبند/ ١٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ شعبان ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۸/۵ھ

علم غیب کی حقیقت

سوال [۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر ہیں، مختار کل ہیں، عالم غیب

ہیں، ما کان و ما یکون کے مالک ہیں، علوم خمسہ کو بھی جانتے ہیں، کائنات کے ہر گوشہ سے پکارنے والے کی بیک وقت ہر ایک کی پکار سنتے ہیں اور اس کی مدد کو بھی پہنچتے ہیں، اس کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: شبیر احمد رائے پورہ، سورت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: علم غیب کسے کہتے اس کی کیا حقیقت ہے؟ جب تک واضح نہ ہو جائے تو بات ادھوری رہ جاتی ہے؛ اس لئے پہلے علم غیب کی حقیقت واضح ہو جانی چاہئے، علم غیب کا مطلب اور حقیقت یہ ہے کہ غیب کی باتوں کو بلا کسی کنکشن اور واسطہ کے جان لیا جائے، نہ بیچ میں فرشتہ کا واسطہ ہوا اور نہ وحی کا واسطہ ہو، اسی طرح نہ کسی ٹیلیفون کے تار کا واسطہ ہوا اور نہ موبائل کے ٹاور کا اس میں کوئی دخل ہوا اور نہ فضاء اور خلا میں سٹیلائٹ کا واسطہ ہوا اور نہ ہی الٹراساؤنڈ کے آلہ کا واسطہ ہو، غرضیکہ کسی قسم کے واسطہ، کنکشن اور آلہ کے بغیر غیب کی باتوں کو جان لینے کا نام علم غیب ہے؛ لہٰذا وحی کے واسطے یا فرشتے اور مخلوق کے واسطے سے غیب کی باتیں معلوم ہو جانا علم غیب نہیں ہے، اسی طرح ٹیلیفون کے تار کنکشن سے یا موبائل فون کے ٹاور اور سیٹلائٹ کے واسطے سے ایشیاء میں رہ کر ایک منٹ میں امریکہ کی بات معلوم ہو جائے تو یہ علم غیب نہیں ہے اور نہ ہی دنیا میں کوئی اس کو علم غیب کہتا ہے، اسی طرح الٹراساؤنڈ کے آلہ کے واسطے سے عورت کے پیٹ میں بچہ زندہ ہے یا مردہ، لڑکا ہے یا لڑکی، کتنی عمر کا بچہ ہے، کوئی غیر مسلم بھی بتا دیتا ہے، اس کو کوئی علم غیب نہیں کہہ سکتا؛ بلکہ علم غیب تو وہ ہے جو کسی قسم کے کنکشن، آلہ اور واسطے کے بغیر معلوم ہو جائے اور یہ علم غیب صرف خدائے وحدہ لاشریک لہ کی صفت خاصہ ہے، کائنات میں کسی مخلوق کو یہ علم حاصل نہیں، نہ نبی کو حاصل ہے اور نہ کسی ولی کو اور نہ کسی تجربہ کار سائنسداں کو، نیز مخصوص فرشتہ اور وحی کے ذریعہ سے غیب کا علم جو نبی کو حاصل ہوتا ہے وہ کسی غیر نبی کو حاصل نہیں ہو سکتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنی بھی معلومات حاصل ہوئیں وہ سب کی سب وحی کے واسطہ اور کنکشن سے ہوئی ہیں؛

اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا عطا کیا ہوا علم حاصل تھا اور علم غیب کی جو تعریف کی گئی ہے کہ جو بغیر کسی واسطے اور کنکشن کے کسی کو حاصل ہو تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے؛ اس لئے استفتاء میں جو باتیں مذکور ہیں وہ خود حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کی تعلیمات اور کتاب وسنت کے خلاف ہیں؛ اس لئے ایسے شخص کو اپنے ایمان کی حفاظت کی فکر کرنی چاہئے۔

قُلْ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ. [سورۂ هود: ۳۱]

قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَبَشِیْرٌ لِقَوْمٍ یُؤْمِنُوْنَ. [سورة الأعراف، الآية: ۱۸۸]

ولعل الحق أن يقال أن علم الغيب المنفي عن غيره جل وعلا هو ما كان للشخص لذاته أي بلا واسطة في ثبوته له الخ. (روح المعاني، سورة النمل: ٦٥، زكريا ١١/ ١٨)

إعلم أن الأنبياء لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما أعلمهم الله أحيانًا، وذكر الحنفية تصريحًا بالتكفير باعتقاد أن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى: ﴿قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾. (شرح فقه الأكبر، أشرفي ديوبند/ ١٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۵۸)

حضور ﷺ کو علم غیب حاصل تھا یا نہیں؟

سوال [۲٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب اور حاضر وناظر ماننے سے ایمان میں کوئی نقص ہوگا یا نہیں؟ نیز ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: مظہر الحق مرشد آباد متعلم دورۂ حدیث شریف مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہر جگہ حاضر وناظر اور عالم الغیب ہونے کی صفت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، یہ کسی انسان کی صفت نہیں ہے، آقائے نامدار علیہ الصلوۃ والسلام کو انہیں چیزوں کا علم تھا جن کو اللہ نے بتلایا اور اللہ تعالیٰ نے اخیر عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولین وآخرین کا علم عطا فرمایا تھا، پس یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ علوم ہیں، آقائے نامدار علیہ الصلاۃ والسلام پر بعض دفعہ اللہ تعالیٰ نے دور کی چیزیں منکشف فرمائیں، جیسا کہ بخاری شریف ۱/ ۵۴۸ میں ہے کہ معراج کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حطیم کعبہ میں تشریف فرما تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بیت المقدس کی ہر ایک چیز منکشف فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک چیز دیکھ دیکھ کر بیان فرما دی، اسی طرح بخاری شریف ۲/ ۶۱۱ میں ہے کہ غزوۂ موتہ کے موقع پر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، پھر حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف فرمایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بتلایا، یہ نہ تو علم غیب ہے اور نہ ہی اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر جگہ حاضر وناظر ہونا ثابت ہوتا ہے؛ بلکہ جس موقع پر اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بطور معجزہ مختلف چیزیں منکشف فرمائیں؛ لیکن جب اللہ نے نہ چاہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی چیز منکشف نہ ہوئی، اس پر بہت ساری دلیلیں ہیں، جن میں سے ہم آٹھ دلیلیں پیش کرتے ہیں:

(۱) مسلم شریف ۲/ ۵۴ میں ہے کہ ایک مرتبہ عبد اللہ بن سہل رضی اللہ عنہ اور محیصہ

بن مسعود رضی اللہ عنہ خیبر پہنچے، وہاں پہنچ کر جب الگ الگ ہو گئے، تو عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو کسی نے قتل کر دیا؛ لیکن قاتل کا پتہ کہیں نہ چل سکا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو قتل کرتے ہوئے دیکھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں سے قسمیں لیں؛ لیکن قاتل کا پتہ نہ چل سکا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو قاتل کا ضرور پتہ لگ جاتا اور قسمیں لینے کی ضرورت نہ پڑتی۔

(۲) بخاری شریف ۲/ ۵۸۶ میں ہے کہ بیر معونہ میں ستر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہید کیا گیا؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ خود ہی ان کی شہادت کا علم ہوا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شہید کرتے ہوئے دیکھا؛ بلکہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کی اطلاع کے بعد معلوم ہوا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور پتہ چل جاتا۔

(۳) بخاری شریف ۲/ ۶۰۲ میں ہے کہ قبیلہ عرینہ کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کیا اور جانور لے کر چلے گئے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ لے جاتے وقت معلوم ہو سکا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کرتے ہوئے دیکھا؛ بلکہ بعد میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اطلاع کی۔

(۴) بخاری شریف ۲/ ۶۱۰ میں ہے کہ غزوۂ خیبر میں ایک یہودی عورت زینب بنت حارث نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر آلود بکری کا گوشت پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر کا علم نہ ہوا؛ اس لئے ایک لقمہ اٹھالیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی کچھ تناول فرمایا، اس کے بعد ایک لقمہ نوش فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو احساس ہوا۔

(۵) بخاری شریف ۲/ ۶۱۲ میں ہے کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے کفار مکہ کو خط روانہ کیا، جس کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ہوا؛ بلکہ جب وہ عورت روضۂ خاخ میں پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوا، اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کوعلم نہ ہوسکا۔

(۶) بخاری شریف ۲/ ۵۹۳ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کا مشہور واقعہ ہے جس کی حقیقت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم نہ ہوسکا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً چالیس دن تک پریشان رہے بعد میں قرآن پاک کی آیت کے ذریعہ معلوم ہوا۔

(۷) بخاری شریف ۲/ ۶۲۳ میں ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہوا، جس کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ہوا، جس کی وجہ سے سارا قافلہ پریشان ہوا اور بعد میں وہ ہار اونٹ کے نیچے ملا۔

(۸) بخاری شریف ۲/ ۸۵۸ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا مشہور واقعہ موجود ہے، جادو کس طرح کیا گیا اور کس نے کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم نہ ہوسکا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو جادو کرتے ہوئے دیکھا؛ بلکہ بعد میں وحی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ ایک یہودی لبید بن عاصم نے جادو کیا تھا۔ ان کے علاوہ بھی بہت سارے واقعات ہیں، جن سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں اور نہ ہر جگہ حاضر وناظر ہیں، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر عمر میں ما کان وما یکون کا علم غیب عطا کیا گیا تھا، یہ صحیح نہیں ہے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین واقعات ہیں جن سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اخیر عمر میں بھی علم غیب عطا نہیں کیا گیا تھا:

(۱) بخاری شریف ۲/ ۹۵۶ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض الوفاۃ کا واقعہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تین مرتبہ غشی طاری ہوئی، تو ہر مرتبہ پوچھتے تھے کہ نماز ہوئی یا نہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا نہیں کیا گیا۔

(۲) بخاری شریف ۲/ ۹۶۶ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ قیامت کے دن میرے سامنے سے میری امت کی ایک جماعت کو جہنم میں ڈالنے کے لئے لے جایا جائے گا، تو میں کہوں گا: اے اللہ! یہ میرے امتی ہیں، تو کہا جائے گا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیسی بدعات ایجاد کیں، چنانچہ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

سامنے سے کھینچ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(۳) بخاری شریف ۲/ ۱۱۱۸ میں شفاعت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس دن میرے دل میں حمد وثنا کے ایسے الفاظ ڈالیں گے کہ جن کے ذریعہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور وہ الفاظ مجھے ابھی معلوم نہیں ہیں، اس وقت معلوم ہوں گے۔ الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب مان کر ہر جگہ حاضر وناظر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنا قرآن، احادیث شریفہ اور اجماع کے خلاف ہے، چنانچہ مسلم شریف ۱/ ۹۸ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جو شخص یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کل کی غیبی خبروں کا علم رکھتے ہیں، اس نے اللہ پر بہتان باندھا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ آسمانوں اور زمینوں کے مغیبات کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔

آخر حديث عائشة: "ومن زعم أنه يخبر بما يكون في غد فقط أعظم على الله الفرية، والله يقول : قل لا يعلم من فى السموت والارض الغيب اِلاَّ الله. (مسلم شريف، الإيمان، باب معنى قول الله عز وجل: "ولقد رآه نزلة اخرى" ...... النسخة الهندية ۱/ ۹۸، بيت الأفكار، رقم: ۱۷۷، بخارى شريف، التفسير سورة النجم ۲/ ۷۲۰، رقم: ٤٦٦٧، ف: ٤٨٥٥)

اس لئے جو شخص ایسے عقائد رکھتا ہو اس کے ایمان کا خطرہ ہے، فوراً توبہ کر کے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور آئندہ ایسے عقائد کے قریب بھی نہ جائے، نیز ایسا شخص جب تک ان عقیدوں سے توبہ نہ کرے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔

إعلم أن الأنبياء لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما أعلمهم الله أحيانًا، وذكر الحنفية تصريحًا بالتكفير باعتقاد أن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى: قل لا يعلم من فى السموات والارض الغيب الا الله. (شرح فقه أكبر/ ۱۸۵)

قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ

الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَبَشِيْرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ. [سورة الأعراف، الآية: ۱۸۸]

هـذا إذا لـم يـؤد الفسق أو البدعة إلى حد الكفر، أما إذا أدى إليه فلا كلام في عدم جواز الصلوة خلفه. (شرح عقائد جديد، نعيميه/ ۱٦۰)

وإنـمـا يـجـوز الإقتداء به مع الكراهة إذا لم يكن مايعتقده يؤدي إلى الـكـفـر عـنـد أهـل السنة والجماعة، أما لو كان مؤديا إلى الكفر فلا يجوز أصلا. (حلبي كبير، فصل في الإمامة، الأولى بالإمامة، أشرفي وسهيل/ ٥١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۷ھ

حضور ﷺ کے متعلق علم غیب کا عقیدہ رکھنا

سوال [۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بریلوی اپنے آپ کو سنی بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اہل سنت والجماعت ہیں، بریلوی لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول کو اللہ نے عالم الغیب کی صفت عطا فرمائی ہے، صحیح غلط احادیث کے نام سے بہت کچھ سناتے ہیں، اور بہت کچھ مثال دیتے ہیں، صحیح بات کیا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد لقمان منی پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عالم الغیب کسے کہتے ہیں اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے، علم غیب کا مطلب یہ ہے کہ غیب کی باتوں کو بلا کسی کنکشن اور واسطے کے جان لیا جائے، نہ

بیچ میں فرشتہ کا واسطہ ہوا ور نہ وحی کا واسطہ ہو، اسی طرح نہ کسی ٹیلیفون کے تار کا واسطہ ہوا اور موبائل کے ٹاور کا اس میں کوئی دخل نہ ہوا ور نہ ہی فضا اور خلا میں سٹیلا ئٹ کا واسطہ ہوا ور نہ ہی الٹرا ساؤنڈ کے آلہ کا واسطہ ہو، غرضیکہ کسی قسم کے واسطہ، کنکشن اور آلہ کے بغیر غیب کی باتوں کو جان لینے کا نام علم غیب ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنی بھی غیب کی باتیں فراہم ہوئی ہیں اور آپ نے امت کو بتلا یا ہے وہ سب جبرئیل امین کے واسطے سے اور وحی کے واسطے سے فراہم ہوئی ہیں اور جو باتیں کسی واسطے اور کنکشن سے معلوم ہو جاتی ہیں وہ علم غیب کے دائرہ میں داخل نہیں ہیں، جیسا کہ آج کل کے زمانے میں الٹرا ساؤنڈ کے آلات کے ذریعہ ماں کے پیٹ میں بچہ ہے یا نہیں؟ لڑکا ہے یا لڑکی سب بتلایا جاتا ہے، مگر آلات کے ذریعہ سے بتلایا جاتا ہے، اسی طرح لوگ ایشیا میں رہ کر ایک منٹ میں امریکہ کی باتیں معلوم کر لیتے ہیں، یہ کنکشن اور واسطے سے ہے؛ اس لئے یہ علم غیب نہیں ہے، ایسے ہی آپ علیہ السلام کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے یا وحی کے ذریعہ یا خواب کے ذریعہ سے جو باتیں معلوم ہو جاتی تھیں وہ علم غیب نہیں ہے؛ کیوں کہ واسطے سے معلوم ہوتی تھیں اور علم غیب اس کو کہا جاتا ہے جو بلا کسی واسطے اور کنکشن کے حاصل ہو، وہ صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے؛ اسی لئے اللہ نے قرآن شریف میں اس بات کا ذکر فرمایا ہے کہ علم غیب صرف اللہ کو حاصل ہے۔ چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ. [سورة النمل، آیت: ٦٥]

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ. [سورة الأنعام، آیت: ٥٩]

فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ. [سورة یونس، آیت: ٢٠]

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ. [سورة الهود، آیت: ١٢٣]

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ.

[سورۃ الأعراف، آیت: ۲۰، مستفاد: غیر مقلدین کے ٥٦ اعتراضات کے جوابات ص: ١٥١ تا ١٥٤] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۴ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۵۰۳/۳۸)	۱۴۲۹/۳/۴ھ

کیا اللہ کے رسول ﷺ کو علم غیب عطا کیا گیا تھا؟

سوال [۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کہتا ہے کہ اللہ کے رسول کو علم غیب تھا، دوسرا شخص کہتا ہے اللہ کے رسول کو علم غیب نہیں تھا۔ اس کا جواب کلام پاک اور حدیث پاک سے دیں۔

المستفتی: نور محمد امروہہ گیٹ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ذاتی اور کلی طور پر علم غیب تو صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی غیبی باتوں کا علم عطا فرمادیا تھا، مگر اس علم کی وجہ سے آپ کو ذاتی اعتبار سے عالم الغیب نہیں کہا جاسکتا۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ لَايَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ. [سورۃ الأنعام، آیت: ٥٩]

قالت عائشة –رضي الله عنها–: من حدثك أنه يعلم ما في غد فقد كذب، ثم قرأت: وما تدرى نفس ما ذا تكسب غدا. [لقمان: ٣٤] **ومن حدثك أنه كتم فقد كذب. الحديث** (بخاري شريف، التفسير سورة النجم ٢/ ٧٢٠، رقم: ٤٦٦٧، ف: ٤٨٥٥)

والحاصل أن الأنبياء لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا بما أعلمهم الله تعالىٰ أحيانا، وقد صرح علماء نا الحنفية بتكفير من اعتقد أن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى: قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہ. (شرح الشفاء ۲/ ٤٦٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍رجب ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹؍۷؍۱۴۱۹ھ

کیا حضور ﷺ کو علم غیب تھا؟

سوال [۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا یا نہیں؟

المستفتی: فرقان احمد دلپت پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: علم غیب کے بارے میں پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ علم غیب کسے کہتے ہیں؟ اس کے بعد اصل مسئلہ سمجھا جاسکتا ہے، واضح رہے کہ علم غیب کا مطلب اور حقیقت یہ ہے کہ غیب کی باتوں کو بلا کسی کنکشن اور واسطہ کے جان لیا جائے، نہ بیچ میں فرشتہ کا واسطہ ہو اور نہ وحی کا واسطہ ہو، اسی طرح نہ کسی ٹیلیفون کے تار کا واسطہ ہو اور نہ موبائل کے ٹاور کا اس میں کوئی دخل ہو اور نہ فضاء اور خلا میں سٹیلائٹ کا واسطہ ہو اور نہ ہی الٹرا ساؤنڈ کے آلہ کا واسطہ ہو، غرضیکہ کسی قسم کے واسطہ اور کنکشن اور آلہ کے بغیر غیب کی باتوں کو جان لینے کا نام علم غیب ہے؛ لہٰذا وحی کے واسطے یا فرشتے یا مخلوق کے واسطے سے غیب کی باتیں معلوم ہوجانا علم غیب نہیں ہے، اسی طرح ٹیلیفون کے تار کنکشن سے یا موبائل فون کے ٹاور اور سیٹلائٹ کے واسطے سے ایشیاء میں رہ کر ایک منٹ میں امریکہ کی بات معلوم ہوجائے تو یہ علم غیب نہیں ہے اور نہ ہی دنیا میں کوئی اس کو علم غیب کہتا ہے، اسی طرح الٹرا ساؤنڈ کے آلہ کے واسطے سے عورت کے پیٹ میں

بچہ زندہ ہے یا مردہ، لڑکا ہے یا لڑکی، کتنی عمر کا بچہ ہے، کوئی غیر مسلم بھی بتا دیتا ہے، اس کو کوئی علم غیب نہیں کہہ سکتا؛ بلکہ علم غیب تو وہ ہے جو کسی قسم کے کنکشن آلہ اور واسطے کے بغیر معلوم ہو جائے اور یہ علم غیب صرف خدائے وحدہ لاشریک لہ کی صفت خاصہ ہے، کائنات میں کسی مخلوق کو یہ علم حاصل نہیں، نہ نبی کو حاصل ہے اور نہ کسی ولی کو اور نہ کسی تجربہ کار سائنسداں کو، نیز مخصوص فرشتہ اور وحی کے ذریعہ سے غیب کا علم جو نبی کو حاصل ہوتا ہے وہ کسی غیر نبی کو حاصل نہیں ہوسکتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنی بھی معلومات حاصل ہوئیں وہ سب کی سب وحی کے واسطہ اور کنکشن سے ہوئی ہیں؛ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا عطا کیا ہوا علم حاصل تھا اور علم غیب کی جو تعریف کی گئی ہے کہ جو بغیر کسی واسطے اور کنکشن کے کسی کا عطا کیا ہوا ہو وہ صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور اسی کا نام علم غیب ہے۔

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَسُوْلٍ. [سورة الجن، آیت: ۲۶-۲۷]

ولعل الحق أن يقال: أن علم الغيب المنفي عن غيره جل وعلا هو ما كان للشخص لذاته أي بلا واسطة في ثبوته له. (روح المعاني، سورة النمل: ٦٨، زكريا ١١/ ١٨)

يخبرهم أنه لا قدرة له على التصرف في خزائن الله ولا يعلم من الغيب إلا ما أطلعه الله عليه. (مختصر تفسير ابن كثير، سورة هود: ٣١، دارالقرآن الكريم بيروت ٢/ ٢١٨، ومثله في شرح الفقه الأكبر، أشرفي ديوبند/ ١٨٥) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳/ ۱۰۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳؍ رجب ۱۴۳۱ھ

کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے؟

سوال [۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سرکار دو عالم اماموں کے امام اعظم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا یا نہیں؟ جیسے کہ اللہ پاک کو ہے، یا اللہ پاک کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب معلوم ہوتا تھا یا نہیں؟

المستفتی: عبدالسلام اندھیری ویسٹ ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب نبوت کے لئے جس قدر علم کی ضرورت تھی وہ حاصل تھا؛ البتہ جمیع ما کان وما یکون کا علم حاصل نہیں تھا، چنانچہ خداوند قدوس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قدرت نہیں دی تھی کہ جونسی بات جب چاہیں معلوم کرلیں؛ کیوں کہ یہ صفت صرف خدائے پاک کی ہے؛ البتہ باطلاع خدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر غیوب کا علم حاصل تھا۔ (مستفاد: فتاوی احیاء العلوم ۱۵۶)

إعلم أن الأنبياء لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما أعلمهم الله أحيانًا، وذكر الحنفية تصريحًا بالتكفير باعتقاد أن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى: قُلُ لَا يَعُلَمُ مَنُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرُضِ الُغَيُبَ اِلَّا اللّٰهُ. (شرح فقه الأكبر، أشرفي ديو بند/ ١٨٥)

وَعِنُدَهٗ مَفَاتِيُحُ الُغَيُبِ لَايَعُلَمُهَا اِلَّا هُوَ. [سورة الأنعام، آيت: ٥٩]

قُلُ لَا يَعُلَمُ مَنُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرُضِ الُغَيُبَ اِلَّا اللّٰهُ. [سورة النمل، آيت: ٦٥]

عَالِمُ الُغَيُبِ فَلَا يُظُهِرُ عَلٰى غَيُبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارُتَضٰى مِنُ رَّسُوُلٍ. [سورة الجن، آيت: ٢٦-٢٧]

قُلْ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ. [سورة الأنعام، آیت: ۵۰، سورة الهود، آیت: ۳۱]

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاءُ. [آل عمران، الآیة: ۱۷۹]

يخبرهم أنه لا قدرة له على التصرف في خزائن الله ولا يعلم من المغيب إلا ما أطلعه الله عليه. (مختصر تفسیر ابن کثیر دارالقرآن الکریم ۲/ ۲۱۸)

والحاصل أن الأنبياء لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا بما أعلمهم الله تعالىٰ أحيانًا، وقد صرح علماء نا الحنفية بتكفير من اعتقد أن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى: قل لا يعلم من فى السموت والارض الغيب الا الله. [سورة النمل، آیت: ٦٥] (شرح الشفاء ۲/ ٤٦٦، بحواله فتاوى بسم الله ۱/ ۳۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۵/۵/۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۶۰۲۵)	۲۵/۵/۱۴۲۱ھ

نبی اکرم ﷺ کے لئے علم غیب ماننے اور علماء دیوبند کو کافر کہنے والے کا حکم

سوال [۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ اگر کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر وناظر سمجھتا ہو اور علم غیب بھی مانتا ہو۔

(۲) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اور موجودہ علمائے دیوبند کو اور مسلک دیوبند پر چلنے والے تمام لوگوں کو برملا مائک پر کافر، نجدی، ایمان سے خارج بتاتا ہو، تو کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟

(۳) مندرجہ بالا عقیدہ رکھنے والے کی اگر موت واقع ہو جائے تو اس کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سے مرحمت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

المستفتی: محمد عباس، گرام راجیوال، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) ایسا شخص جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حاضر وناظر اور علم غیب ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو، وہ فاسق اور ضلالت وگمراہی میں مبتلا ہے اور ایسے پاکباز علماء ومشائخ کو برملا کافر کہنا خود اس کے ایمان کے لئے خطرہ ہے؛ اس لئے ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں ہے، اس کی جگہ کسی متبع شریعت شخص کو امام بنایا جائے۔

وذكر الحنفية تصريحًا بالتكفير باعتقاد أن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى: قل لا يعلم من في السموات والارض الغيب الا الله. (شرح فقه الأكبر، أشرفي ديوبند/ ١٨٥)

وأما من قال: أن نبينا أو غيره أحاط بالمغيبات علمًا كما أحاط علم الله بها، فقد كفر. (حاشية الصاوي على جلالين ٢/ ١٨٨)

من قال أرواح المشايخ حاضرة تعلم يكفر. (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، كوئٹه ٥/ ١٢٤، زكريا ٥/ ٢٠٩، بزازيه، النوع الثاني: فيما يتعلق بالله تعالىٰ، جديد زكريا ٣/ ١٨٢، وعلى هامش الهندية، زكريا ٦/ ٣٢٦)

والمراد بالمبتدع من يعتقد شيئا على خلاف ما يعتقده أهل النسة والجماعة، وإنما يجوز الإقتداء به مع الكراهة إذا لم يكن مايعتقده يؤدي إلى الكفر عند أهل السنة والجماعة، أما لو كان مؤديا إلى الكفر فلا يجوز أصلا. (حلبي كبير، فصل في الإمامة الأولىٰ بالإمامة، أشرفي ديوبند/ ٥١٤، شرح العقائد، نعيميه ديوبند/ ١٦٠)

عن عبدالله بن مسعود –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سباب المسلم فسوق وقتاله كفر. (ترمذي، باب ماجاء في سباب المؤمن فسوق، النسخة الهندية ۲/ ۹۲، دارالسلام، رقم: ۲۶۳۵، بخاري شريف، الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن ۲/ ۸۹۳، رقم: ۵۸۰۹، ف: ۶۰۴۴)

عن الحسن قال: سمعت أنس بن مالك رضى الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاثة: رجل أم قوما وهم له كارهون ...... وفي حاشيته: كارهون: أي لأمر مذموم في الشرع. (ترمذي، الصلاة، باب ماجاء فيمن أم قوما وهم له كارهون، النسخة الهندية ۱/ ۸۲-۸۳، دارالسلام، رقم: ۳۵۸)

فإن كانت البدعة تكفره فالصلاة خلفه لا تجوز. (البحر، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ۱/ ۶۱۱، كوئٹه ۱/ ۳۴۹)

وقال عليه السلام: أيما امرئ قال لأخيه يا كافر، فقد باء بها أحدهما، إن كان كما قال، وإلا رجعت عليه. (مسلم شريف، الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه السملم: يا كافر، النسخة الهندية ۱/ ۵۷، بيت الأفكار، رقم: ۶۰)

والتحقيق أن الحديث سيق لزجر المسلم عن أن يقول ذلك لأخيه المسلم، معني الحديث: فقد رجع عليه تكفيره، فالراجع التكفير لا الكفر. (فتح الملهم، باب بيان من قال لأخيه المسلم: يا كافر، أشرفيه ديوبند ۱/ ۲۳۵)

قال الرملي ...... إن كراهة تقديم الفاسق والمبتدع كراهة التحريم.
(منحة الخالق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ۱/ ۶۱۱، كوئٹه ۱/ ۳۴۹، حلبي كبير، فصل في الإمامة، أشرفيه ديوبند/ ۵۱۳، هدايه، باب الإمامة، أشرفي ديوبند ۱/ ۱۲۲، شامي، باب الإمامة، كراچى ۱/ ۴۱۳، زكريا ۲/ ۲۹۹)

وجملته إن كان من أهل قبلتنا ولم يغل حتى لم يحكم بكفره تجوز

الصلاة خلفه وتكره. (حاشية چلپي على تبيين الحقائق، باب الإمامة، ملتان ١/ ١٣٤، زكريا ديوبند ١/ ٣٤٦، فتاوى محموديه ڈابهيل ٦/ ٢٦٠، ٢/ ٤٦٧، أحسن الفتاوى، زكريا ١/ ٣٦، باقيات فتاوى رشيديه ١٤-١٥)

(۳) ہمارے اکابر اہل سنت والجماعت کی رائے یہ ہے کہ فاسق اور گمراہ کی بھی نماز جنازہ پڑھ لی جائے، حتی کہ قطاع الطریق (ڈاکو) کی نماز جنازہ کی بھی گنجائش قرار دی گئی ہے؛ اس لئے ایسے فاسق اور بدترین آدمی کی بھی نماز جنازہ پڑھنے کی گنجائش ہے، کسی کا دل نہ چاہے تو نہ پڑھے اور اگر کوئی اس کی نماز جنازہ پڑھ لے تو اس کو گنہگار نہیں کہا جائے گا۔

قال عليه الصلاة والسلام: صلوا على كل بر وفاجر. (أبو داؤد، الصلاة، النسخة الهندية ١/ ٣٤٣، دارالسلام، ٥٩٤، سنن الدار قطني بيروت ٢/ ٤٤، رقم: ١٧٥٠، السنن الكبرى للبيهقي جديد ٥/ ٣٢٣، رقم: ٦٩٣٢، قديم: ٣/ ١٢١)

عن ابن سيرين قال: ما أعلم أن أحدا من أهل العلم ولا التابعين ترك الصلاة على أحد من أهل القبلة تأثما. (مصنف ابن أبي شيبة، باب في الرجل يقتل نفسه، والنفساء من الزنا هل يصلي عليهم، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٧/ ٣٨٥، رقم: ١١٩٧٧)

والصلاة واجبة على كل مسلم برا كان أو فاجرا، وإن عمل الكبائر. (أبوداؤد، الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور ٢/ ٣٥٠، دارالسلام، رقم: ٢٥٣٣)

وأما إذا قتلوا بعد ثبوت يد الإمام عليهم؛ فإنهم يغسلون ويصلى عليهم، وهذا تفصيل حسن أخذ به كبار المشايخ؛ لأن قتل قاطع الطريق في هذه الحالة حد أو قصاص، ومن قتل بذلک يغسل ويصلي عليه. (شامي، باب صلاة الجنائز، مطلب هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصبي؟ كراچی ٢/ ٢١٠، زكريا ٣/ ١٠٧، تبيين الحقائق، باب الشهيد، ملتاني ١/ ٢٥٠، زكريا ديوبند ١/ ٥٩٦، البحر

الرائق، کتاب الجنائز، باب صلاة الشهيد، کوئٹہ ۲/ ۲۰۰، زکریا ۲/ ۳۴۹، ۳۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۰۵)

علم غیب کا عقیدہ رکھنے والے کے پیچھے نماز کا حکم

سوال [۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید جس کا عقیدہ ہے کہ صرف بتوں سے مانگنا اوران کو پوجنا، انہیں سجدہ کرنا ممنوع ہے اور انبیاء علیہ السلام واولیاء کرام سے مانگنا، ان کو سجدہ کرنا، انہیں پکارنا منع نہیں ہے، انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام سارے جہاں میں تصرف کرتے ہیں اور جو چاہتے ہیں کر ڈالتے ہیں، اللہ نے انہیں اس خوبی سے نوازا ہے، اولیاء اللہ روزی رسا، مشکل کشا، مرادوں کو پوری کرنے والے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر اور علم غیب پر مطلع ہیں اور اپنے غلاموں کو اطلاع کرتے ہیں۔

زید مسجد کا پیش امام ہے اور مسجد کا سارا نظام اذان، جماعت، تکبیر صلوۃ وغیرہ مندرجہ بالا عقیدہ کی روشنی میں ادا ہوتے ہیں؟ بکر جو مندرجہ بالا عقائد کو شرک اور بدعت سمجھتا ہے، تو بکر کے لئے اس امام کے پیچھے جمعہ وفرض نماز پڑھنا شرع کی روشنی میں کیسا ہے؟ جب کہ زید کے پیچھے نماز نہ پڑھنے پر بکر مجبور ہے کہ وہ تنہا ہی نماز ادا کرے اور جماعت کے ثواب سے محروم رہے، جواب سے مطلع فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: مشکور احمد فیض آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا عقیدہ غلط ہے اور اس کا دعویٰ نصوص شرعیہ اور احادیث نبویہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔ اور مذکورہ عقیدہ رکھنے والے

شخص کے ایمان سلب ہوجانے کا خطرہ ہے، چنانچہ علماء نے اس کی صراحت کی ہے کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا عقیدہ رکھے اور انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام کو نفع ونقصان کا مالک جانے تو اس کے ایمان سلب ہوجانے کا خطرہ ہے؛ اس لئے کہ یہ عقیدہ قرآن کے معارض ہے۔

وذكر الحنفية تصريحًا بالتكفير باعتقاد أن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى: قل لا يعلم من فى السموات والارض الغيب الا الله. (شرح فقه الأكبر، أشرفي ديوبند/ ١٨٥، كذا في الشامي، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب في دعوى علم الغيب، زكريا ٦/ ٣٨٥، كراچی ٤/ ٢٤٣)

اسی طرح آیت قرآنی: **قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَبَشِيْرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ.** [سورة الأعراف، الآية: ١٨٨] میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اختیار نفع وضرر کی نفی فرمائی گئی ہے، تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں اور نہ ہی کسی کو نفع ونقصان پہنچانے کے مالک ہیں، تو اولیاء کرام کو کیسے روزی رسا، مشکل کشا اور مرادوں کو پورا کرنے والا کہا جاسکتا ہے؛ لہٰذا جو شخص ایسا عقیدہ رکھے اس کے ایمان کے سلب ہوجانے کا خطرہ ہے اور زید چونکہ مذکورہ عقائد رکھتے ہوئے نماز پڑھتا ہے؛ اس لئے اس کے پیچھے نماز جائز نہ ہوگی، ایسے شخص کو امامت سے ہٹا کر کسی دوسرے صحیح العقیدہ اور متبع سنت آدمی کو امام تجویز کریں، ورنہ سب لوگ گنہگار ہوں گے۔

وما نقل عن بعض السلف من المنع من الصلوة خلف المبتدع محمول على الكراهة إذ لا كلام في كراهة الصلوة خلف الفاسق والمبتدع، هذا إذا لم يؤد الفسق أو البدعة إلى حد الكفر، أما إذا أدى إليه فلا كلام في عدم جواز الصلوة. (شرح عقائد، قديم/ ٦١، جديد، نعيميه ديوبند ١٥٩، كذا في الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب البدعة خمسة أقسام، زكريا ٢/ ٢٩٩، كراچی ١/ ٥٦٠)

والمراد بالمبتدع من يعتقد شيئا على خلاف مايعتقده أهل السنة والجماعة، وإنما يجوز الإقتداء به مع الكراهة إذا لم يكن مايعتقده يؤدي إلى الكفر عند أهل السنة والجماعة، أما لو كان مؤديا إلى الكفر فلا يجوز أصلا.

(حلبي كبير، فصل في الإمامة الأولى بالإمامة، أشرفي ديوبند ٥١٤، شرح العقائد، نعيميه ديوبند/ ١٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الثانی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۶/۱۱ھ

حضور ﷺ کے متعلق حاضر و ناظر کا عقیدہ رکھنا

سوال [۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ''یا محمد'' کہنا یا پکارنا یا یہ عقیدہ رکھنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں کیسا ہے؟

المستفتی: حنیف محلّہ پیٹھ اتوار سرائے ترین سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کو ہر جگہ حاضر وناظر ماننا انتہائی درجہ کی جہالت ہے، اس طرح کی باتوں سے مسلمانوں کے عقیدے کو خراب کرنا ہے اور حضرت سید الکونین علیہ السلام کے ارشاد اور فرمان کی سراسر مخالفت ہے؛ اس لئے کہ حاضر وناظر کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہر جگہ بنفس نفیس موجود ہیں، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہندوستان میں موجود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قبر اطہر چھوڑ کر آپ ہندوستان تشریف لے آئے ہیں اور قبر اطہر میں موجود نہیں ہیں اور اگر یہ عقیدہ ہے کہ آپ ہزاروں جگہ بیک وقت حاضر ہوتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی ذات متعدد ہو چکی ہے؛ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ایک ہے اور

متعدد ہونے کی صورت میں آپ کی ذات کا متعدد ہونا اور رسول بھی متعدد ہونا لازم آجائے گا، جو ایک غلط اور فاسد عقیدہ ہے؛ حالانکہ رسول ایک ہی ہے اور اگر ہر جگہ ناظر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں رہ کر ہر چیز کو دیکھ رہے ہیں، تو یہ آپ کے ارشاد کے سراسر خلاف ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا ہے: کہ جب کوئی آپ کی قبر اطہر کے پاس آکر درود بھیجتا ہے تو اس کو آپ براہ راست سنتے ہیں اور جب کوئی دور رہ کر آپ پر درود بھیجتا ہے، تو فرشتے کے ذریعہ سے آپ کی خدمت میں پہنچایا جاتا ہے، اگر آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو پھر فرشتے کے ذریعہ سے آپ کی خدمت میں درود پہنچانے کا کیا مطلب؟ اور کیا ضرورت ہے، آپ خود فرمارہے ہیں کہ فرشتے کے ذریعہ سے ہی میری خدمت میں پہنچایا جاتا ہے، تو اس حدیث شریف سے صاف واضح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں جو اس طرح کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے ساتھ بغاوت کرتے ہیں، ان کو خود اپنا عقیدہ صحیح کرنے کی ضرورت ہے اور اس طرح کے عقائد سے توبہ کرنا لازم ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد کہہ کر پکارنا ایک طرح کی بے ادبی ہے؛ بلکہ یارسول اللہ، یا حبیب اللہ وغیرہ کہنا چاہئے اور مخاطب کر کے قبر اطہر کے پاس پکارنا جائز ہے؛ اس لئے کہ قبر اطہر سے آپ خود سنتے ہیں اور غائب اور دور رہ کر اس عقیدہ سے پکارنے کی گنجائش ہے کہ میں یارسول اللہ جو کہہ رہا ہوں، میری یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک فرشتے پہنچادیں گے اور اس عقیدہ سے پکارنا کہ میری بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سن رہے ہیں جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ درود شریف وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود نہیں سنتے ہیں بلکہ فرشتے آپ تک پہنچادیتے ہیں۔

عن عمار بن یاسرؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إن اللّٰہ وکل بقبري ملکا أعطاہ اللّٰہ أسماء والخلائق فلا یصلی علي أحد إلی یوم القیامۃ إلا أبلغني باسمہ واسم أبیہ ھذا فلان بن فلان قد صلی علیک.

(مسند البزار، مکتبۃ العلوم والحکم بیروت ٤/ ٢٥٥، رقم: ١٤٢٥)

(وقولہ): إذا مت فلیس أحد یصلي علي صلوة إلا قال: یا محمد! صلی علیک فلان بن فلان، قال: فیصلي الرب تبارک وتعالیٰ علی ذلک الرجل بکل واحدة عشرا. (الترغیب والترهیب، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۳۲۶)

عن عبدالله بن مسعودؓ قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إن لله ملائکة سیاحین في الأرض یبلغوني عن أمتي السلام. (المعجم الکبیر، دار احیاء التراث العربي ۱۰/ ۲۲۰، نسائي، الصلاة، باب السلام علی النبي، النسخة الهندیة ۱/ ۱۴۳، دارالسلام، رقم: ۱۲۸۳، مسند الدارمي، دار المغني بیروت ۳/ ۱۸۲۶، رقم: ۲۸۱۶)

عن أبي هریرةؓ قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من صلی علي عند قبري سمعته، ومن صلی علي نائیًا أبلغته. (شعب الإیمان، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۲۱۸، رقم: ۱۵۸۳، مشکوة شریف ۱/ ۸۷)

قال القرطبي قوله تعالیٰ: ولا تجهروا له بالقول، أي لا تخاطبوه: یا محمد! و یا أحمد! ولکن یا نبی الله! ویارسول الله! توقیرًا له. (تفسیر القرطبي، سورة الحجرات: ۲، بیروت ۱۶/ ۲۰۱-۲۰۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۳۱/۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۱/۱۴۳۴ھ

اولیاء اللہ کو صاحب عطا، حاضر وناظر اور مشکل کشا گردانا

سوال [۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو شخص اولیاء اللہ کو صاحب عطا، مشکل کشا، حاضر وناظر سمجھے اور حرمین شریفین کے علماء اور وہاں کی حکومت کو کافر کہے، تبلیغی جماعت جس کے بانی مولانا محمد الیاسؒ ہیں، ان کے اجتماع میں شریک ہونے کو کفر سمجھے اور شریک ہونے والے کا دوبارہ نکاح پڑھائے، ایسا پیشوا اور اس کے متبعین مسلمان ہیں کہ نہیں، اگر مسلمان ہیں

بھی تو موحد لڑکی کا عقد و نکاح ایسے عقیدہ رکھنے والے لڑکوں کے ساتھ جائز ہے کہ نہیں؟

المستفتی: اکرام علی قاسمی ناظم مدرسہ اشرف المدارس ڈونکپوری ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اولیاء کو صاحب عطا، مشکل کشا اور حاضر وناظر سمجھنا باطل اور موہم شرک ہے؛ لیکن تکفیر کا مسئلہ نہایت اہم اور دشوار گذار ہے، اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

إدخال كافر في الملة الإسلامية أو إخراج مسلم عنها عظيم في الدين. (شرح الشفاء ۲/ ۵۰۰، بحواله جواهر الفقه قديم ۱/ ۲۱، جديد زكريا ۱/ ۱۰۸)

اسی لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ جو مسئلہ کفر سے متعلق ہو، اگر اس میں ننانوے احتمالات کفر کے ہوں اور صرف ایک احتمال کفر کی نفی کرتا ہو تو مفتی وقاضی کو چاہئے کہ اس کفر کی نفی کرنے والے احتمال پر عمل کرے اور کفر کا فتویٰ نہ دے۔

وقد ذكر وأن المسئلة المتعلقة بالكفر إذا كان لها تسع وتسعون احتمالا للكفر، واحتمال واحد في نفيه، فالأولىٰ للمفتي والقاضي أن يعمل بالاحتمال النافي. (شرح فقه أكبر لملا علي قاري، أشرفي ۱۹۹، شرح فقه أكبر لأبي المنتهى ۱۹۹)

اس لئے ہم اہل بدع کی تکفیر نہیں کرتے۔

وقد ذكر في المحيط: أن بعض الفقهاء لا يكفر أحدا من أهل البدع، وبعضهم يكفرون البعض …… والنقل الأول أثبت. (شامي، باب المرتد، مطلب هم في حكم سب الشيخين، كوئٹه ٤/ ٢٢، كراچی ٤/ ٢٣٧، زكريا ٦/ ٣٧٧)

ومن رضى بكفر غيره ففيه اختلاف المشايخ، والأصح أنه لا يكفر بالرضاء بكفر الغير إن كان لا يحب الكفر؛ ولكن يتمنى أن يسلب الله عنه الإيمان حين ينتقم منه على ظلمه وإيذائه. (شرح فقه أكبر، أشرفي، ص: ٥٠)

لیکن یہ لوگ اگر چہ مسلمان ہیں، مگر مبتدع اور فاسق ہونے کی بنا پر موحد صحیح العقیدہ لڑکی کے کفوٴ نہیں؛ لہٰذا اولیاء کی رضاء کے ساتھ ان لوگوں سے نکاح جائز اور درست ہے، اس کے بغیر نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم:۴۸۲، جدید زکریا/۴۶۰)

وتعتبر في العرب والعجم ديانة، أي تقوى فليس فاسق كفوءًا لصالحة. (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الكفاءة، زكريا ٤/ ٢١٢، ٢١٣، كراچی ٣/ ٨٩، عالمگيری، كتاب النكاح، الباب الخامس في الأكفاء، زكريا جديد ١/ ٣٥٧، قديم ١/ ٢٩١، قاضي خان، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، زكريا جديد ١/ ٢١٣، وعلى هامش الهندية زكريا ١/ ٣٥٠، البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في الأكفاء، زكريا ٣/ ٢٣٣، كوئٹه ٣/ ١٣٢)

والكفاءة هي حق الولي لا حقها. (الدر المختار مع الشامي، كتاب النكاح، باب الكفاءة، كراچی ٣/ ٨٥، زكريا ٤/ ٢٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۸/ رجب ۱۴۰۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۳۱/۲۴)	۱۴۰۸/۷/۲۸ھ

حضور ﷺ کا میلاد کی مجلس میں تشریف لانا

سوال [۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں اب بھی شریک ہوتے ہیں؟

المستفتی: شفیق احمد سیتا پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضور علیہ الصلوۃ والسلام مجلس میں تشریف لاتے ہیں، یہ عقیدہ غلط ہے۔ (أحسن الفتاوی ١/ ٣٤٨)

قال علماءنا: من قال: أن أرواح المشايخ حاضرة يكفر. (بزازيه، الفصل الثاني فيما يتعلق بالله تعالیٰ، زكريا جديد ٣/ ١٨٢، وعلى هامش الهندية، زكريا ٦/ ٣٢٦)

ویکفر بقوله: أرواح المشايخ حاضرة تعلم. (مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد، جديد دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۵۰۵)

ذكر الحنفية تصريحا بالتكفير باعتقاد أن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب، لمعارضة قوله تعالى: قل لا يعلم من فى السموات والارض الغيب الا الله. (شرح فقه أكبر، أشرفي ۱۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رصفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰ رصفر ۱۴۱۹ھ

علم غیب ذاتی وعطائی کی حقیقت

سوال [۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا کہنا ہے کہ علم غیب کی دو قسمیں ہیں: ایک ذاتی، ایک عطائی۔ اور یہ دعویٰ کر کے کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطائی علم غیب حاصل ہے؛ اس لئے آپ برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کریں زید کا قول کہاں تک درست ہے۔

المستفتی: محمد رضوان الحق گڈا بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہر جگہ حاضر وناظر اور عالم الغیب کی صفت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، یہ کسی انسان کی صفت نہیں ہے، آقائے نامدار علیہ الصلاۃ والسلام کو ان ہی چیزوں کا علم تھا جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بتلایا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اخیر عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولین وآخرین کا علم عطا فرمایا، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ علوم ہیں، آقائے نامدار علیہ الصلاۃ والسلام پر بعض دفعہ دور کی چیزیں منکشف فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک چیز دیکھ دیکھ کر بیان فرمایا جیسا کہ بخاری شریف ۱/ ۵۴۸ میں ہے کہ معراج کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم

حطیم کعبہ میں تشریف فرما تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بیت المقدس کی ہر ایک چیز منکشف فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک چیز دیکھ دیکھ کر بیان فرمادی، اسی طرح بخاری شریف ۲/ ۶۱۱ میں ہے کہ غزوۂ موتہ کے موقع پر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف فرمایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بتلایا، یہ نہ تو علم غیب ہے اور نہ ہی اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر جگہ حاضر وناظر ہونا ثابت ہوتا ہے؛ بلکہ جس موقع پر اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بطور معجزہ مختلف چیزیں منکشف فرمائیں؛ لیکن جب اللہ نے نہ چاہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی چیز منکشف نہ ہوئی، اس پر بہت ساری دلیلیں ہیں، جن میں سے ہم آٹھ دلیلیں پیش کرتے ہیں:

(۱) مسلم شریف ۲/ ۵۴ میں ہے کہ ایک مرتبہ عبد اللہ بن سہل رضی اللہ عنہ اور محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خیبر پہنچے، وہاں پہنچ کر جب الگ الگ ہوگئے، تو عبد اللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو کسی نے قتل کر دیا؛ لیکن قاتل کا پتہ کہیں نہ چل سکا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کرتے ہوئے دیکھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں سے قسمیں لیں؛ لیکن قاتل کا پتہ نہ چل سکا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر وناظر ہوتے تو قاتل کا ضرور پتہ لگ جاتا اور قسمیں لینے کی ضرورت نہ پڑتی۔

(۲) بخاری شریف ۲/ ۵۸۶ میں ہے کہ بیر معونہ میں ستر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہید کیا گیا؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ خود ہی ان کی شہادت کا علم ہوا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شہید کرتے ہوئے دیکھا؛ بلکہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کی اطلاع کے بعد معلوم ہوا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور پتہ چل جاتا۔

(۳) بخاری شریف ۲/ ۶۰۲ میں ہے کہ قبیلہ عرینہ کے لوگوں نے آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کیا اور جانور لے کر چلے گئے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ لے جاتے وقت معلوم ہوسکا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کرتے ہوئے دیکھا؛ بلکہ بعد میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اطلاع کی۔

(۴) بخاری شریف ۲/۶۱۰ میں ہے کہ غزوۂ خیبر میں ایک یہودی عورت زینب بنت حارث نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر آلود بکری کا گوشت پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر کا علم نہ ہوا؛ اس لئے ایک لقمہ اٹھالیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی کچھ تناول فرمایا، اس کے بعد ایک لقمہ نوش فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو احساس ہوا۔

(۵) بخاری شریف ۲/۶۱۲ میں ہے کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے کفار مکہ کو خط روانہ کیا، جس کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ہوا؛ بلکہ جب وہ عورت روضۂ خاخ میں پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوا، اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم نہ ہوسکا۔

(۶) بخاری شریف ۲/۵۹۳ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کا مشہور واقعہ ہے، جس کی حقیقت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم نہ ہوسکا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً چالیس دن تک پریشان رہے بعد میں قرآن پاک کی آیت کے ذریعہ معلوم ہوا۔

(۷) بخاری شریف ۲/۸۵۸ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا مشہور واقعہ ہے، جادو کس طرح کیا گیا اور کس نے کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم نہ ہوسکا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو جادو کرتے ہوئے دیکھا؛ بلکہ بعد میں وحی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ ایک یہودی لبید بن عاصم نے جادو کیا تھا۔

(۸) بخاری شریف ۲/۶۶۳ میں ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہوا، جس کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ہوا، جس کی وجہ سے سارا قافلہ پریشان ہوا اور بعد میں وہ ہار اونٹ کے نیچے ملا۔ ان کے علاوہ بھی بہت سارے واقعات ہیں، جن سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں اور نہ ہر جگہ حاضر وناظر

ہیں، جولوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر عمر میں ما کان وما یکون کا علم غیب عطا کیا گیا تھا، یہ صحیح نہیں ہے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین واقعات ہیں جن سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اخیر عمر میں بھی علم غیب عطا نہیں کیا گیا تھا۔

(۱) بخاری شریف ۲/ ۹۵۶ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض الوفات کا واقعہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تین مرتبہ غشی طاری ہوئی، تو ہر مرتبہ پوچھتے تھے کہ نماز ہوئی یا نہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا نہیں کیا گیا۔

(۲) بخاری شریف ۲/ ۹۶۶ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ قیامت کے دن میرے سامنے سے میری امت کی ایک جماعت کو جہنم میں ڈالنے کے لئے لے جایا جائے گا، تو میں کہوں گا: اے اللہ! یہ میرے امتی ہیں، تو کہا جائے گا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیسی بدعات ایجاد کیں، چنانچہ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے کھینچ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(۳) بخاری شریف ۲/ ۱۱۱۸ میں شفاعت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس دن میرے دل میں حمد وثنا کے ایسے الفاظ ڈالیں گے کہ جن کے ذریعہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور وہ الفاظ مجھے ابھی معلوم نہیں ہیں، اس وقت معلوم ہوں گے۔ الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب مان کر ہر جگہ حاضر وناظر ماننا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنا قرآن، احادیث شریفہ اور اجماع کے خلاف ہے، چنانچہ مسلم شریف ۱/ ۹۸ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جو شخص یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کل کی غیبی خبروں کا علم رکھتے ہیں، اس نے اللہ پر بہتان باندھا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ آسمانوں اور زمینوں کے مغیبات کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔

آخر حديث عائشة: ”ومن زعم أنه يخبر بما يكون في غد فقط أعظم على الله الفرية، والله يقول : قُلْ لاَ يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الغيب الا

اللّٰہ. (مسلم شریف، کتاب الإیمان، باب معنی قول اللّٰہ عز وجل: ''ولقد رأہ نزلة اخری'' النسخة الھندیة ۱/ ۹۸، بیت الأفکار، رقم: ۲۷۷، بخاری شریف، التفسیر، سورة الحج ۲/ ۷۲۰، رقم: ٤٦٦٧، ف: ٤٨٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۲۶ھ

بصیغۂ ندا صلوۃ وسلام پڑھنا

سوال [۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر وناظر جان کر یا تعظیم کے لئے قیام کرنا (یعنی کھڑے ہوکر درود پڑھنا) اور یا نبی سلام علیک، یا رسول اللہ سلام علیک، یا حبیب اللہ سلام علیک، صلوۃ اللہ علیک مع شعر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں اس کو لے کر بہت جھگڑا چل رہا ہے؛ لہٰذا براہ کرم مہربانی فرما کر بالتفصیل مع حوالہ کتب بالدلائل تحریر فرمائیں، تاکہ فرقۂ باطلہ بدعتیوں کے منہ بند ہوجائیں۔

المستفتی: نور الزماں آسامی مدرسہ جامعہ اسلامیہ محمودیہ دار العلوم پٹیلا دوھادھو پوری ضلع بنگائی آسام ۷۸۳۳۹۱

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس طرح ذکر اللہ، تلاوت قرآن کھڑے ہوکر، بیٹھ کر؛ بلکہ لیٹ کر بھی ہر طرح جائز ہے، اسی طرح درود شریف ہر طرح جائز ہے؛ لیکن کھڑے ہوکر پڑھنے کو ضروری اور لازمی اور اس کے خلاف کرنے کو خلاف ادب سمجھنا التزام ما لا یلزم کے قبیل سے ہے اور بدعت شنیعہ ہوکر ناجائز ہے، بسا اوقات کھڑے ہوکر پڑھنے میں کفر تک کا بھی خطرہ ہے، جب کہ کھڑے ہونے میں یہ عقیدہ اور یقین ہوکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب سے ہم کو دیکھ رہے ہیں اور ہماری باتوں کو سن رہے ہیں، ہماری مجلس میں حاضر

ہوتے ہیں، یہ صرف اللہ کی صفت ہے؛ اس لئے مروجہ طریقہ پر کھڑے ہوکر صلاۃ وسلام پڑھنے میں سخت ترین ضیاع ایمان کا خطرہ ہے، اس طریقہ کا درود وسلام صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین اور علماء سلف میں سے کسی سے ثابت نہیں ہے؛ بلکہ یہ بدعت قبیحہ ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ، قدیم ۱/۲۱۳ تا ۲۱۷، جدید زکریا ۱/۵۱۳ تا ۵۱۷، فتاوی احیاء العلوم ۱/۱۳۵ محمودیہ، قدیم ۱/۱۹۹، جدید ڈابھیل ۳/۱۹۵)

والاحتفال بذكر الولادة الشريفة إن كان خاليا من البدعات المروجة فهو جائز، بل مندوب كسائر أذكاره صلى الله عليه وسلم، والقيام عند ذكر ولادته الشريفة حاشا لله أن يكون كفرًا. (إمداد الفتاوى، زكريا ٦/ ٣٣٧)

لم يكن من دأب الصحابة القيام عند السلام على النبي صلى الله عليه وسلم مطلقا لا في وقت زيارة قبره ولا في غيره. (فتاوى هيئة كبار العلماء بيروت ١/ ١٢٧)

من قال: أن أرواح المشايخ حاضرة يكفر. (بزازية، الباب الرابع في المرتد، الفصل الثاني فيما يتعلق بالله تعالىٰ، زكريا جديد ٣/ ١٨٢، وعلى هامش الهندية، زكريا ٦/ ٣٢٦، مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد، جديد ٢/ ٥٠٥، البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، زكريا ٥/ ٢٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
یکم رجب ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۸۰۶)	۱/۷/۱۴۲۱ھ

حضور ﷺ کو حاضر وناظر مان کر درود شریف پڑھنا

سوال [۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی مسلمان ہندوستان میں یہ تصور کرکے کہ میں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مطہرہ کے سامنے ادب سے کھڑا ہوں اور یہ یقین کرکے کہ میرا سلام فرشتے آنحضرت تک ضرور

پہنچا رہے ہیں (یا نبی سلام علیک، یا رسول اللہ سلام علیک، یا حبیب سلام علیک، صلوات اللہ علیک) پڑھتا ہے، تو یہ پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں؟ بدلائل واضح فرمائیں۔

المستفتی: عبدالرحمٰن لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس عقیدہ کے ساتھ جائز ہے کہ دور سے پڑھے ہوئے درود وسلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعۂ فرشتہ پہنچائے جاتے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی احیاء العلوم ۱/۱۴۴، فتاوی رحیمیہ ۲/ ۳۵۶)

حدیث میں آیا ہے: **عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى علي عند قبري سمعته، ومن صلى علي نائيًا أبلغته.** (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۲۱۸، رقم: ۱۵۸۳، مشكوة ۱/ ۸۷)

عن عبداللهؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن لله ملائكة سياحين في الأرض يبلغوني من أمتي السلام. (نسائي شريف، الصلاة، باب التسليم على النبي ۱/ ۱۴۳، دارالسلام، رقم: ۱۲۸۳، مسند البزار ۵/ ۳۰۸، رقم: ۱۹۲۵، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي بيروت ۲/ ۲۱۵، رقم: ۳۱۱۶)

اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دور سے سنتے ہیں، یا حاضر وناظر ہیں تو ناجائز اور ممنوع ہے۔ (مستفاد: فتاوی إحیاء العلوم ۱/ ۱۴۵، فتاوی رحیمیہ قدیم ۲/ ۳۴۶، جدید زکریا ۲/ ۱۰۸، إمداد الفتاوی زکریا ۵/ ۳۸۵، فتاوی رشیدیہ قدیم ۹۵، جدید زکریا/ ۳۲)

ويكفر بقوله: أرواح المشايخ حاضرة. (مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد، جديد ۲/ ۵۰۵، بزازية، النوع الثاني فيما يتعلق بالله تعالىٰ، زكريا جديد ۳/ ۱۸۲، وعلى هامش الهندية زكريا ۶/ ۳۳۶، البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، كوئٹه ۱/ ۱۲۴، زكريا ۵/ ۲۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۶۰)

حضور ﷺ کو ''امام الاکبر، اکرم الاکرمین'' کہنا اور علم غیب کا عقیدہ رکھنا

سوال [۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضور ﷺ کو ''امام الاکبر، اکرم الاکرمین'' کہنا، آپ ﷺ کے بارے یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ ﷺ کو ''ما کان و ما یکون'' کا علم دیا گیا ہے، آپ ﷺ اپنے نور نبوت سے ہر دیندار کے دین کو جانتے ہیں کہ دین کے کس درجہ میں ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ اور کون سا حجاب اس کی ترقی سے مانع ہے؛ لہٰذا حضور ﷺ تمہارے گناہوں کو، تمہارے ایمانی درجات کو، تمہارے نیک وبد اعمال کو اور تمہارے اخلاص وانفاق کو جانتے ہیں اور پہچانتے ہیں، ایسا عقیدہ رکھنے والے کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: عارف صدیقی، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضور اکرم ﷺ کو ''امام الاکبر، سید الانبیاء'' کہنا بلا شبہ جائز اور درست ہے۔ اور ''اکرم الاکرمین، ارحم الراحمین'' اللہ کی صفت ہے، ان الفاظ کو حقیقی طور پر اللہ کی شان میں استعمال کیا جاتا ہے، حضور ﷺ کے حق میں مجازی طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے، کہ آپ ﷺ کو ''رحمۃ للعالمین'' بنا کر مبعوث کیا گیا ہے، تو ''رحمۃ للعالمین'' ہونے کے اعتبار سے مجازاً یہ الفاظ آپ ﷺ کی شان میں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ آپ ﷺ کو ''ما کان وما یکون'' کا اتنا علم حاصل ہے کہ جتنا اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعۂ وحی عطا فرمایا ہے۔ انسان کے دلوں کی باتوں کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے، یہ عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے اور دوسروں کے حالات بغیر کسی کنکشن کے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں، اگر حضور ﷺ کو وحی کے ذریعہ کسی کے دل کی بات معلوم ہو جائے تو اس میں کوئی اشکال نہیں؛ لیکن بغیر وحی اور بغیر فرشتوں کے، اسی طرح بغیر کسی کنکشن کے آپ

کوکسی کے دل کی بات معلوم نہیں ہوتی؛ لہٰذا بلاکسی کنکشن کے دوسروں کے دلوں کی بات معلوم ہونے کا عقیدہ رکھنا سخت خطرناک ہے، اس سے توبہ کرنا لازم ہے، اس سلسلے میں قرآنی آیات اور فقہی جزئیات ملاحظہ فرمایئے:

قال الله تبارک وتعالیٰ: **قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ.** [النمل: ٦٥]

والأنبياء عليهم السلام لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما علمهم الله تعالى أحيانا، وذكر الحنفية تصريحا بالتكفير باعتقاد أن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالیٰ: قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ. (شرح فقه اكبر، جديد/ ١٨٥)

حقيقة الشرك أن يعتقد إنسان في بعض المعظمين من الناس الآثار العجيبة الصادرة منه، إنما صدرت لكونه متصفا بصفة من صفات الكمال مما لم يعهد فى جنس الإنسان، بل يختص بالواجب جل مجده لا يوجد في غيره. (حجة الله البالغة، ١/ ١٨٣، مكتبه حجاز ديوبند ١/ ١٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۲/۲۹ھ

٤ / باب الاستمداد بغير الله

دعا میں ''یارسول اللہ! کرم کردیجئے خدا کے واسطے'' کہنا

سوال [۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں صوفی والی مسجد میں امام صاحب جب دعا کرتے ہیں تو دعا میں یہ پڑھتے ہیں: ''یارسول اللہ! کرم کردیجئے خدا کے واسطے''، یااللہ! رحم کر محمد کے واسطے'' کیا یہ الفاظ صحیح ہیں؟

المستفتی: محمد سعید سیدھی سرائے مرادآباد

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: انبیاء، اولیاء اور شہداء وغیرہ سے دعا مانگنا خواہ وہ دعا رحم وکرم کی ہو یا دیگر حاجات کی جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ دعا کرنا عبادت ہے جو اللہ کے ساتھ خاص ہے اور رسول اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے رحم وکرم کی دعا کرنا صحیح ہے؛ لیکن یہاں سوال نامہ میں مذکور الفاظ بالکل الٹے ہیں، اللہ کا واسطہ دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرم کرنے کی درخواست کی گئی ہے، جو قرآن وحدیث کی رو سے قطعاً ناجائز اور حرام ہے۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِنَ الظَّالِمِيْنَ. [یونس، آیت: ١٠٦]

أخرج الترمذي عن ابن عباس حديثا طويلا، وفيه: إذا سألت فاسأل الله، وإذا استعنت فاستعن بالله. (ترمذي شريف، أبواب صفة القيامة، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ٢/ ٧٨، دارالسلام، رقم: ٢٥١٦، المعجم الأوسط، دارالفكر بيروت ٤/ ١٢٠، رقم: ٥٤١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رشعبان ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۷۵)

’’یارسول اللہ! میری پھوٹی قسمت سنبھال دیجئے‘‘ کہنا

سوال [۴۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نعتیہ کلام میں ایسے جملے استعمال کرنا جیسے ’’یا رسول اللہ! میری پھوٹی قسمت سنبھال دیجئے‘‘ ایسے جملہ کو کفریہ جملہ کہیں گے یا نہیں؟ اور اس شخص کا کیا حکم ہے؟ جب کہ اس کا کہنا ہے کہ ہم عاجزی کررہے ہیں۔

المستفتی: محمد توصیف لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگراس عقیدہ سے پڑھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختارکل ہیں اورقسمت میں تبدیلی کرسکتے ہیں، تو اس سے شرک لازم آئے گا۔اوراگر یہ عقیدہ نہیں؛ بلکہ محض عاجزانہ انداز میں پڑھتا ہے تو بھی مکروہ ہونے سے خالی نہ ہوگا؛اس لئے کہ اس سے سننے والوں کا عقیدہ خراب ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ، قدیم: ۴۰، جدید زکریا ۳۵، امدادالفتاوی زکریا ۵/۳۸۳)

قال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَنْ لَا یَسْتَجِیْبُ لَهُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غَافِلُوْنَ [الأحقاف، الآیة: ٥]

منهم الذین یدعون الأنبیاء والأولیاء عند الحوائج والمصائب باعتقاد أن أرواحهم حاضرة تسمع النداء وتعلم الحوائج، وذلک شرک قبیح وجهل صریح. (الجنة لأهل السنة، ص: ٣٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/۳/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۳/۱۴۱۴ھ

سلام کے بعد ’’حق لا الٰہ الا اللہ، یاغوث! المدد‘‘ پڑھنا

سوال [۴۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ ہمارے یہاں چند مقتدی حضرات باجماعت نمازیں ادا کرتے ہیں اور پیش امام صاحب جب سلام سے فارغ ہوتے ہیں تو یہ حضرات مل کر بلند آواز سے یہ کلمات پڑھتے ہیں: ''**حق لا اله الا الله محمد رسول الله یا غوث! المدد، یا غوث! المدد، یا غوث! المدد، المدد، المدد**''. کیا ان حضرات کا یہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: مسیحا سائیکل اسٹور لالباغ چھند باڑا (ایم پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: ''**حق لا اله الا الله محمد رسول الله**'' کہنے میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے؛ لیکن سلام کے بعد اس طرح پڑھنے کا ثبوت کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ اور ''یا غوث! المدد'' کہنے میں ضیاع ایمان کا خطرہ ہے، یہ موجب کفر کلمہ ہے، اس کا ترک لازم ہے اور کہنے والے سب پر توبہ لازم ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱/۱۲۳، جدید ڈابھیل ۱/۳۶۲)

أن الناس قد أكثروا من دعاء غير الله تعالىٰ من الأولياء الأحياء منهم والأموات وغيرهم، مثل يا سيدي فلان أغثني، وليس ذلك من التوسل المباح في شيء ...... وقد عده أناس من العلماء شركًا. (روح المعاني، سورة المائدة، تحت رقم الآية: ٣٥، زكريا جلد: ٤، جزو: ٥/ ١٨٨)

این وظیفة متضمن است ندائے اموات را از امکنه بعید وشرعا ثابت نیست که اولیاء را قدرتے حاصل نیست که از امکنه بعیده ندارا بشوند ...... بلکه اعتقاد اینکه غیر حق سبحانه حاضر وناظر وعالم خفی وجلی در هر وقت وهر آن است اعتقاد شرک است. (مجموعة الفتاوی للکنوی علی هامش خلاصة الفتاوی ٤/ ٣٣١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۱۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۴/۱۴۱۳ھ

''یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئ للہ'' کا وظیفہ پڑھنا

سوال [۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اس طرح ایک وظیفہ پڑھتا ہے: ''یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئ للہ'' کیا اس طرح پڑھنا درست ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تصدیق فرمائیں۔

المستفتی: احقر محمد طیب بسکٹ والان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ مشرکانہ، حرام اور ناجائز حرکت ہے، اس سے باز رہنا لازم ہے؛ کیوں کہ غیر اللہ سے مرادیں مانگنا حرام ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱/ ۲۰۹، جدید ڈابھیل ۱/ ۳۵۹)

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيْبُ لَهُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غَافِلُوْنَ [الأحقاف، الآية: ٥]

عن ابن عباس قال: كنت خلف رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم –إلى– إذا سألت فاسأل اللّٰه، وإذا استعنت فاستعن باللّٰه. (ترمذي شريف، أبواب صفة القيامة، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ٢/ ٧٨، دارالسلام، رقم: ٢٥١٦، مسند أبو يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١٠١، رقم: ٩٦)

أن الناس قد أكثروا من دعاء غير اللّٰه تعالىٰ من الأولياء الأحياء منهم والأموات وغيرهم، مثل يا سيدي فلان أغثني، وليس ذلك من التوسل المباح في شيء ...... وقد عده أناس من العلماء شركا. (روح المعاني، سورة المائدة تحت الآية: ٣٥، زكريا جلد: ٤، جزء: ٥/ ١٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۳/ ۱۴۲۱ھ

قبر والوں سے دعا کی درخواست کرنا

سوال [۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حدیث پاک میں قبرستان میں مردوں کو سلام کرنے کا حکم ہے اور یہ بھی وارد ہے کہ مردے جواب بھی دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے دعا کی درخواست کرنا بھی درست ہوگا؛ چونکہ سلام کا جواب بھی دعا ہے، تو شرعاً مردوں سے دعا کی درخواست کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: فریدالرحمٰن لاج پت نگر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مردوں سے دعا کی گزارش جائز نہیں اور مردوں کا سلام کا جواب دینا کسی صحیح مرفوع متصل روایت سے ثابت نہیں، جن علماء نے جواب سلام کی بات لکھی وہ راجح اور معتبر نہیں۔ اور شعب الایمان اور طبرانی کی روایت قابل استدلال نہیں، ہاں البتہ یہ بات معتبر روایات سے ثابت ہے کہ مردے سلام کو سنتے ہیں۔

والذي نفس محمد بيده ما أنتم بأسمع لما أقول منهم. (بخاري شريف، كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل ٢/ ٥٦٦، رقم: ٣٨٣٤، ف: ٣٩٧٦)

قال عمر: يا رسول الله! كيف تكلم أجسادا لا أرواح فيها؟ قال: ما أنتم بأسمع لما أقول منهم، غير أنهم لا يستطيعون أن يردوا علي شيئا.

(مسلم شريف، كتاب الجنة، باب عرض مقعد الميت من الجنة، النسخة الهندية ٢/ ٣٨٧، بيت الأفكار، رقم: ٢٨٧٣)

وفي رواية: ولكنهم لا يقدرون أن يجيبوا. (مسلم، كتاب الجنة، باب عرض مقعد الميت من الجنة، النسخة الهندية ٢/ ٣٨٧، بيت الأفكار، رقم: ٢٨٧٣) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱/۷ھ

”بابا میری مدد کرو“ کہنا

سوال [۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم بزرگان دین کی زیارت کے لئے کبھی کبھار جاتے ہیں اور وہاں پہنچ کر درود وفاتحہ خوانی کے بعد ایصال ثواب کرتے ہیں، پھر عرض کرتے ہیں: بابا میری مدد کرو اور میرے لئے خدا سے دعا کرو“ ایسا کہنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالعظیم بسائیاں مسجد راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ”مردہ سے“میرے لئے دعا کرو“ کہنا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے، نیز یہ کہنا موجب شرک اور گناہ کبیرہ ہے کہ میری مدد کرو، اس سے توبہ کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ قدیم ص:۵۸، جدید زکریا ۸۴)

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ، فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ. [یونس، آیت: ۱۰۶]

أخرج الترمذي عن ابن عباس حديثا طويلا، وفيه: إذا سألت فاسأل الله، وإذا استعنت فاستعن بالله. (ترمذي شريف، أبواب صفة القيامة، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/ ۷۸، دارالسلام، رقم: ۲۵۱۶، المعجم الأوسط، دارالفكر بيروت ۴/ ۱۲۰، رقم: ۵۴۱۷)

أن الناس قد أكثروا من دعاء غير الله تعالىٰ من الأولياء الأحياء منهم والأموات وغيرهم، مثل يا سيدي فلان أغثني، وليس ذلك من التوسل المباح في شيء ...... وقد عده أناس من العلماء شركا. (روح المعاني، سورة المائدة، تحت الآية: ۳۵، زكريا ۴/ ۱۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/۷/۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۷/۱۴۱۳ھ

''یا مصطفیٰ کرم کیجئے خدا کے واسطے'' کہنے کا حکم

سوال [۴۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص اپنی دعا میں اس طرح کے الفاظ استعمال کرتا ہے: ''یا مصطفیٰ کرم کیجئے خدا کے واسطے'' تو اس طرح دعا کرنا کیسا ہے؟ اور کوئی شخص اس طرح دعا کرنے سے انکار کرتا ہے اور اپنی دعا میں اس طرح کے الفاظ استعمال نہیں کرتا تو کیا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی شمار ہوگی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: طاہر حسین مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''یا مصطفیٰ کرم کیجئے'' کے الفاظ سے دعا کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے۔ اور اس طرح کے الفاظ کے ساتھ دعا کرنا خلیفہ رسول حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت نہیں ہے اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی اور صحابی رسول، تابعین، یا تبع تابعین رحمہم اللہ سے ثابت ہے اور نہ ہی امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت ہے، تو کیا ان حضرات کے مذکورہ الفاظ کے ساتھ دعا نہ کرنے کی وجہ سے ان حضرات کو بھی گستاخ رسول کہا جائے گا؟ ہرگز نہیں، بلکہ دعا کا سنت طریقہ وہی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے ثابت ہے، جس کا ذکر حدیث اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی جائے اس کے بعد سید الکونین کی خدمت میں درود پاک پیش کیا جائے، پھر اپنی مراد مانگی جائے۔

عن فضالة بن عبيد قال: بينا رسول الله صلى الله عليه وسلم قاعد إذ دخل رجل فصلى، فقال: اللهم اغفرلي وارحمني، فقال رسول الله صلى الله

علیہ وسلم: عجلت أیها المصلي، إذا صلیت فقعدت فاحمد اللّٰہ بما هو أهله، وصل علي ثم ادعه، قال: ثم صلی رجل آخر بعد ذلک فحمد اللّٰہ وصلی علی النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم، فقال له النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: أیها المصلي! ادع تجب. (ترمذي، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/ ۱۸۵-۱۸۶، دارالسلام، رقم: ۳۴۷۶)

حدثني أبو هاني: أن عمرو بن مالک أخبره أنه سمع فضالة بن عبید، یقول: سمع النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم رجلا یدعو في صلاته، فلم یصل علی النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم، فقال النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: عجل هذا، ثم دعاه، فقال له أو لغیره: إذا صلی أحدکم فلیبدأ بتحمید اللّٰہ والثناء علیه، ثم لیصل علی النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم، ثم لیدع بعد ماشاء.

(ترمذي، الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/ ۱۸۶، دارالسلام، رقم: ۳۴۷۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ صفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۸/ ۳/ ۱۴۳۱ھ

دفع مصائب کی غرض سے بکرا ذبح کرنا

سوال [۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے یا کوئی حادثہ پیش آجائے اور بطور جان کا بدلہ جان جانور ذبح کرنے کو دفع مصائب کا سبب سمجھ کر صدقہ کی نیت سے جانور ذبح کر کے گوشت کو غرباء وفقراء میں تقسیم کردے، تو ایسا کرنا کیسا ہے؟ برائے کرم قرآن وحدیث کے حوالہ جات کے ساتھ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

نوٹ: قرآن وحدیث کے جو بھی حوالے تحریر کئے جائیں ان میں جانور کے ذبح کرنے کا ذکر سوال کی نوعیت کے لحاظ سے ضرور آنا چاہئے۔

المستفتی: محمد نسیم الدین مغل پورہ دوئم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ سے بلا اور مصیبت ٹل جاتی ہے؛ لہٰذا صدقہ کو دفع مصائب کا سبب سمجھنا جائز اور درست ہے، مگر جانور ذبح کرنے کا نام صدقہ نہیں ہے؛ بلکہ صدقہ نام ہے فقراء اور محتاجوں کی ضرورت پوری کرنے کا اور قربانی، عقیقہ کے علاوہ باقی کسی بھی موقع پر ذبح کو عبادت سمجھنا یا دفع مصائب کا سبب سمجھنا جائز نہیں ہے۔ قرآن وحدیث، فقہ، صحابہ، ائمہ مجتہدین میں سے کسی سے بھی نفس ذبح کو دفع مصائب کا سبب سمجھنا ثابت نہیں ہے؛ بلکہ یہ ایک غیر عبادت کو عبادت سمجھنا ہے، جو ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے، اس میں عقیدہ کی سخت خرابی ہے؛ لہٰذا ذبح کو دفع مصائب کا سبب سمجھنا ہرگز جائز نہ ہوگا اور نہ ہی اس عقیدہ سے ذبح کرنا جائز ہوگا، ہاں البتہ اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ قصاب کی دوکان سے گوشت خرید کر صدقہ کرنے کو جانور ذبح کرکے اس کے گوشت صدقہ کرنے سے افضل سمجھتا ہے، تو اس کے لئے ذبح کرکے گوشت صدقہ کرنے میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے؛ اس لئے کہ وہ ذبح کو دفع مصائب کا سبب نہیں سمجھتا ہے؛ بلکہ صرف صدقہ ہی کو دفع بلا کا سبب سمجھتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی، زکریا ۳/ ۵۷۰، احسن الفتاوی، زکریا ۱/ ۳۶۷، ایضاح المسائل ص: ۱۳۸)

عن أنس بن مالک –رضي اللّٰہ عنہ– قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: إن الصدقة لتطفئ غضب الرب، وتدفع ميتة السوء. (سنن الترمذي، باب ما جاء في فضل الصدقة، النسخة الهندية ١/ ١٤٤، دارالسلام، رقم: ٦٦٤)

والفارق بين ما أهل به لغير اللّٰہ بسبب تعظيم المخلوق وبين غيره، وعلى هذا فالذبح عند وضع الجدار أو عروض مرض أو شفاء منه لا شک

في حله؛ لأن القصد منه التصدق. (شامي، كتاب الذبائح، زكريا ۹/ ٤٤٩، كراچی ٦/ ٣٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/۲/۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۵۷۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۲/۱۴۱۷ھ

وباء سے بچنے کے لئے کالی بکری ذبح کرنا

سوال [۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دیہات کے بعض علاقوں میں پورے قریہ کے لوگ مل کر کسی بھی موسم میں ایک کالی بکری خرید کر لاتے ہیں اور ذبح کرنے سے پہلے اس کے کان میں سورۂ تغابن پڑھ کر دم کرتے ہیں، نیز اسی کے ساتھ ساتھ ایک پندرہ بیس گز کا جھنڈا لاتے ہیں اور اس کو کپڑے سے ملبوس کرتے ہیں اور اس کپڑے میں مندرجہ ذیل اشعار لکھتے ہیں:

لي خمسة أطفی بها حرا لو بالحاطمة
المصطفى والمرتضى والبناهما والفاطمة

پھر اس جھنڈے کو مسجد کے سامنے گاڑ دیتے ہیں اور اس مذکورہ بکری کو ذبح کر کے پورے گاؤں کے لوگ مل کر کھاتے ہیں، ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ اس سے آنے والی وباء ٹل جاتی ہے۔

المستفتی: محمد جمال نیپالی مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ عمل گناہ کبیرہ ہے، قریب الی الشرک ہے، ایمان کا بھی خطرہ ہے، مذکورہ اشعار میں شرکیہ جملہ ہیں، اس کا ترک لازم ہے اور کالی بکری کا یہ عمل کفار ومشرکین کا عمل ہے اور انہیں کا یہ عقیدہ ہے، اس سے بچنا ہر مسلمان پر لازم ہے اور اس بکری کا گوشت کھانا کسی بھی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱/ ۸۴،

جدید ڈابھیل ۱/ ۳۳۱، احسن الفتاوی، زکریا ۱/ ۴۶، ایضاح المسائل ۱۳۸)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ.

[سورة المائدة: ۳] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ محرم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۱۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱/۲۵ھ

دفع مصائب کے لئے بکرا ذبح کرنا

سوال [۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید سخت بیمار ہو گیا، کسی شخص نے بتلایا کہ بکرا صدقہ کر دو تم ٹھیک ہو جاؤ گے، زید نے اس نیت سے بکرا صدقہ کیا کہ ٹھیک ہو جائے، تو اس بکرے کا گوشت طلبۂ کرام یا کسی غریب کے لئے کھانا کیسا ہے؟ اور اس طرح صدقہ کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: احقر محمد عابد میرٹھی آگرہ یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بیماری کے نام پر دفع بیماری وبلاء کے لئے بکرا ذبح کرنا جائز نہیں ہے؛ البتہ حدیث شریف میں یہ بات آئی ہے کہ صدقہ سے بلاء ٹل جاتی ہے۔ اور صدقہ نام ہے فقراء کی ضرورت پوری کرنے کا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ خون بہانے سے ہی بلاء ٹلے گی یہ مشرکین کا عقیدہ ہے؛ اس لئے اس عقیدہ سے جو جانور ذبح کیا جاتا ہے، اس کا فقراء اور غریبوں کے لئے بھی کھانا جائز نہیں ہے؛ اس لئے طلبہ کے لئے بھی ہرگز جائز نہیں ہے، ہاں البتہ دفع بلاء کے لئے بازار سے گوشت خرید کر پھر کھانا بنا کر کھلایا جائے، تو کوئی حرج نہیں اور سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ نقد صدقہ کر دیا جائے؛ کیوں کہ اس سے فقراء کی ضرورت اچھی طرح پوری ہوتی ہے۔ (ایضاح المسائل/ ۱۳۹، امداد الفتاوی، زکریا ۳/ ۵۷۰، احسن الفتاوی، زکریا ۱/ ۴۶)

عن أنس بن مالک –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: إن الصدقة لتطفئ غضب الرب، وتدفع ميتة السوء. (سنن الترمذي، باب ما جاء في فضل الصدقة، النسخة الهندية ۱/ ۱٤٤، دارالسلام، رقم: ٦٦٤)

عبيدالله بن أنس قال: حدثني أبي، عن رسول الله ﷺ قال: إن الصدقة ترد غضب الرب، وتمنع من البلاء، وتزيد في الحياة. (الضعفاء الكبير للعقيلي ۳/ ۱۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۷/۱۴۲۱ھ

شفایابی کے لئے بکرا ذبح کرنا

سوال [۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کا لڑکا بیمار ہے، اس کی شفایابی کے لئے بکرا ذبح کر کے صدقہ کرنا چاہتا ہے، تو اس مقصد سے جو بکرا ذبح کیا جائے گا وہ حلال ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عوام میں یہ عقیدہ ہے کہ بکرا ذبح کرنا اور خون بہانا ہی بیماری سے شفایابی اور بلاؤں سے حفاظت کا ذریعہ ہے، اس مقصد کے لئے بیماری کی طرف سے بکرا ذبح کر کے گوشت صدقہ کرتے ہیں، تو ایسا کرنا ناجائز اور حرام ہے اور وہ گوشت فقراء کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔ اور اگر مقصد ذبح کرنا نہیں ہے؛ بلکہ صدقہ ہی مقصد ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ بطیب خاطر طبیعت کے انشراح کے ساتھ ایسا ہی گوشت دوکان سے خرید کر کے صدقہ کر دیتا ہے اور ذبح کا اہتمام نہیں ہے، تو ایسی صورت میں ایسے شخص کے لئے ذبح کر کے بھی گوشت صدقہ کرنا جائز ہے۔ اور سوال نامہ میں یہی پہلو غالب سمجھ میں آرہا ہے کہ ذبح ہی کو ذریعۂ شفا سمجھا جارہا ہے، اگر یہی بات ہے تو ناجائز ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاوی ۳/ ۵۷۰)

والفارق بین ما أهل به لغیر الله بسبب تعظیم المخلوق وبین غیره، وعلی هذا فالذبح عند وضع الجدار أو عروض مرض أو شفاء منه لا شک في حله؛ لأن القصد منه التصدق. (شامي، کتاب الذبائح، زکریا ۹/ ٤٤٩، کراچی ٦/ ٣٠٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹/۱۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۱/۳ھ

اجمیر سے لائے ہوئے دھاگے کو باعث شفا سمجھنا

سوال [۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اجمیر یا نظام الدین سے لائے گئے کچھ رنگین دھاگے بنظر حفاظت ہاتھ یا گلے میں باندھنا کیسا ہے؟ اور اس کے ساتھ نماز ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد ادریس جامعہ ملیہ دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اجمیر یا نظام الدین اولیاء کے مزار سے یا صابر کلیر کے مزار سے یا کسی اور جگہ سے لائے گئے رنگین دھاگے ہاتھ میں اس عقیدہ سے باندھنا کہ اس دھاگہ کے باندھنے کی وجہ سے کسی بیماری سے شفا ہوگی یا کوئی مراد پوری ہوگی ناجائز، حرام اور شرک کے مرادف ہے، ان مزارات سے کسی کی کوئی مراد پوری نہیں ہوتی۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ. [العنکبوت: ٤١]

عن عبد الرحمن بن أبي لیلی، عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: من علق التمائم، وعقد الرقی، فهو علی شعبة من الشرک. (المصنف لابن أبي شیبة، کتاب الطب، قدیم ٥/ ٣٦، رقم: ٢٣٤٧٠، جدید ١٢/ ٤٣، رقم: ٢٣٩٣٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱/۲۷ھ

۵/ باب ما یتعلق بالتوسل

اللہ سے براہ راست مانگیں یا وسیلہ سے؟

سوال [۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندہ ایک بریلوی سے ملا، انہوں نے کہا تم ایک دم اللہ سے مانگا کرتے ہو، پھر یہ بھی کہا کہ تم بزرگوں سے وسیلہ لے کر نہیں مانگتے ہو، پھر وہ بدعتی یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ہم پہلے بزرگ سے بولتے ہیں، پھر وہ بزرگ دوسرے بزرگ غوث اعظم وغیرہ کو کہتے ہیں، پھر وہ اللہ کے نبی کو کہتے ہیں، پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے عرض کرتے ہیں، اس طرح قبولیت کا بہت بڑا ذریعہ بنتا ہے اور قبول ہو بھی جاتا ہے، پھر انہوں نے مثال دیا کہ تم کو بادشاہ سے ملنا ہو تو وہاں کے آدمی سے ملنا پڑے گا، اس کے بعد وزیر سے ملنا پڑے گا، ورنہ دائریکٹ (براہِ راست) ملنا مشکل اور ادھورا رہے گا، اسی طرح زینہ سے چڑھنا پڑے گا اوپر جانا ہو تو، اس طرح کی مثال دی تھی۔ پھر کہا تمہارا عقیدہ صحیح نہیں ہیے، بندہ کو ان لوگوں کی باتیں سمجھ میں نہیں آرہی تھیں، آپ حوالوں سے جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد لقمان منی پوری

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اللہ تعالیٰ سے بغیر کسی وسیلہ اور توسل کے براہ راست دعا مانگنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور وسیلہ کے ذریعہ مانگنا بھی جائز اور درست ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے یا صاحب نسبت متبع شریعت مشائخ اور ولی کے وسیلہ سے بھی اللہ سے دعا مانگنا جائز ہے۔ اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ براہ راست اللہ سے دعا مانگنا صحیح نہیں ہے؛ بلکہ وسیلہ ہی سے مانگنا ضروری ہے، تو وہ شخص اسلام اور شریعت سے ناواقف ہے؛ کیوں کہ شریعت میں دونوں طرح جائز ہے۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِىٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِى سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ. [غافر: ٦٠]

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِى عَنِّى فَإِنِّى قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِى وَلْيُؤْمِنُوا بِى لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ. [البقرة: ١٨٦]

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً. [الأعراف: ٥٥]

وفي التكملة: وفي هذا الحديث دليل على جواز التوسل برسول الله صلى الله عليه وسلم إلى الله عز وجل مع اعتقاد أن الفاعل هو الله سبحانه وتعالىٰ، وأنه المعطي المانع ماشاء كان ومالم يشأ لم يكن. (تكمله فتح الملهم، كتاب الرقاق، مسألة التوسل في الدعاء، أشرفيه ٥/ ٦٢٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۴؍ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۰۲)	۱۴۲۹/۳/۴ھ

زندگی میں آپ ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنا

سوال [۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کے وسیلہ سے دعا مانگنا ثابت ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کے وسیلہ سے دعا کرنا مندرجہ ذیل احادیث سے ثابت ہے:

عن عثمان بن حُنيف، أن رجلا ضرير البصر أتى النبي فقال: ادع الله أن يعافيني، قال: إن شئت دعوت، وإن شئت صبرت فهو خير لک، قال:

فادعه، قال: فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءه ويدعو بهذا الدعاء: اللهم إني أسئلك وأتوجه إليك بنبيك محمد نبي الرحمة، إني توجهت بك إلى ربي في حاجتي هذه لتقضى لي، اللهم فشفعه في. (جامع الترمذي، الدعوات، باب في دعاء الضيف، النسخة الهندية ۲/ ۱۹۸، دارالسلام، رقم: ۳۵۷۸، قال الإمام الترمذي: حديث حسن صحيح غريب، سنن ابن ماجة، الصلوات، باب ما جاء في صلاة الحاجة، النسخة الهندية ۱/ ۹۹، دارالسلام، رقم: ۳۸۵، وفيه: قال أبو إسحاق: هذا حديث صحيح، صحيح ابن خزيمة، الصلاة، باب صلاة الترغيب والترهيب، المكتب الإسلامي ۱/ ۶۰۳، رقم: ۱۲۱۹، قال المحشي: إسناده صحيح، مسند أحمد بن حنبل ٤/ ۱۳۸، رقم: ۱۷۳۷۲، ۱۷۳۷٤، المستدرك، كتاب التطوع، قديم ۱/ ٤٥۸، جديد ۲/ ٤٥٤، رقم: ۱۱۸۰، كتاب الدعاء والتكبير قديم ۱/ ۷۰۰، جديد ۲/ ۷۲۸، رقم: ۹۰۹، قديم ۱/ ۷۰۷، جديد ۲/ ۷۳۵، رقم: ۱۹۲۹، ۱۹۳۰)

عن ثمامة بن عبدالله بن أنس، عن أنس بن مالك أن عمر بن الخطابؓ، كان إذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبدالمطلبؓ، فقال: اللهم إنا كنا نتوسل إليك بنبينا –صلى الله عليه وسلم– فتسقينا، وإنا نتوسل إليك بعم نبينا فاسقنا، قال: فيسقون. (بخاري، باب سوال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا ۱/ ۱۳۷، رقم: ۱۰۰۰، ف: ۱۰۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(رجسٹر خاص)

آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنا

سوال [۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے وسیلہ سے دعا کرنا ثابت ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا مانگنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ بلا وجہ قبل الوفات اور بعد الوفات میں فرق کرنا نہایت بے انصافی کی بات ہے، کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت اور نبی الرحمہ کا جو درجہ عطا فرمایا ہے آپ کی وفات کے بعد اس منصب نبوت اور نبی الرحمہ کے درجہ اور عظمت شان میں کوئی فرق آیا ہے؟ ہرگز نہیں، جو اس کا دعوی کریں وہ قرآن وحدیث سے ثابت کردیں، ورنہ اپنے ایمان اور عقیدہ کی خیر منائیں، ہر مؤمن کا عقیدہ یہ ہونا ضروری ہے کہ قبل الوفات اور بعد الوفات دونوں حالتوں میں آپ کی منصب نبوت اور عظمت شان بدستور باقی ہے؛ اسی لئے آپ کی وفات کے بعد بھی منصب نبوت اور نبی الرحمہ کے وسیلہ سے دعا مانگنا بلاشبہ جائز ہے۔ حضرت عثمان بن حنیف کی روایت اور ابو صالح سمان عن مالک الداری کی روایت سے واضح طور پر اس کا ثبوت ملتا ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف، عن عمه عثمان بن حنيف: أن رجلا، كان يختلف إلى عثمان بن عفان –رضي الله عنه– في حاجة له، فكان عثمان لا يلتفت إليه ولا ينظر في حاجته، فلقي ابن حنيف فشكى ذلك إليه، فقال له عثمان بن حنيف ائت الميضأة فتوضأ، ثم ائت المسجد فصل فيه ركعتين، ثم قل: اللهم إني أسألك وأتوجه إليك بنبينا محمد نبي الرحمة، يا محمد، إني أتوجه بك إلى ربي، فتقضي لي حاجتي. (المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي بيروت ۹/ ۳۱، رقم: ۸۳۱۱)

عن مالك الدار قال: وكان خازن عمر على الطعام، قال: أصاب الناس قحط في زمن عمر، فجاء رجل إلى قبر النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله! استسق لأمتك فإنهم قد هلكوا، فأتى الرجل في المنام، فقيل له: ائت عمر فأقرئه السلام، وأخبره أنكم مسقيون، وقل له:

عليک الكيس، عليک الكيس، فأتى عمر فأخبره، فبكى عمر، ثم قال: يا رب لا آلـو إلا ما عجزت عنه. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الفضائل، باب ما ذكر في فضل عمر بن الخطاب رضي الله عنه، مؤسسة علوم القرآن، جديد ١٧/ ٦٤، رقم: ٣٢٦٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(رجسٹر خاص)

آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے توسل سے دعا مانگنا

سوال [۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے توسل سے دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد جہانگیر امام جامع مسجد بھلاڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے اور آپ کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت اور آپ کی عظمت شان کے توسل سے دعا مانگنا صحیح احادیث شریفہ سے ثابت ہے؛ لہٰذا آپ کے توسل سے دعا کرنا جائز ہی نہیں؛ بلکہ قبول دعا کا موجب بھی ہے۔

عن عثمان بن حُنيف، أن رجلا ضرير البصر أتى النبي فقال: ادع الله أن يعافيني، قال: إن شئت أخرت ذلک وهو خير، وإن شئت دعوت، قال أبو موسىٰ: قال: فادعه، قالا: فأمره أن يتوضأ، قال بندار: فيحسن، وقالا: ويصلي ركعتين ويدعو بهذا الدعاء: اللهم إني أسألک وأتوجه إليک بنبيک محمد نبي الرحمة، يا محمد إني توجهت بک إلى ربي في حاجتي

هـذه فتقضى لي. (صحيح ابن خزيمة، كتاب الصلاة، باب صلاة الترغيب والترهيب، المكتب الإسلامي ١/ ٦٠٣، رقم: ١٢١٩، قال المحشي: إسناده صحيح، سنن ابن ماجة، الصلوات، باب ماجاء في صلاة الحاجة، النسخة الهندية ١/ ٩٩، دارالسلام، رقم: ١٣٨٥، وفيه قال أبو إسحاق: هذا حديث صحيح)

قال أبوبكر علمني النبي صلى الله عليه وسلم هذا الدعاء، قال قل: ألـلهم إني أسألک بمحمد نبيک وبإبراهيم خليلک. (جمع الفوائد، قديم ٢/ ٢٦٤، جديد ٤/ ٨٩، رقم: ٩٤٢١، بحواله رزين)

عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف، عن عمه عثمان بن حنيف: أن رجلا، كان يختلف إلى عثمان بن عفان –رضي الله عنه– في حاجة له، فكان عثمان لا يلتفت إليه ولا ينظر في حاجته، فلقي ابن حنيف فشكى ذلک إليه، فقال له عثمان بن حنيف ائت الميضأة فتوضأ، ثم ائت المسجد فصل فيه ركعتين، ثم قل: اللهم إني أسألک وأتوجه إليک بنبينا محمد نبى الرحمة، يا محمد، إني أتوجه بک إلى ربي، فتقضي لي حاجتي. (المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي بيروت ٩/ ٣١، رقم: ٨٣١١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۸۱)

حضور ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنے کا ثبوت

سوال [٥٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مفتی صاحب جمعہ کے دن امام صاحب نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا جائز نہیں، اگر جائز ہے تو اس کا ثبوت کس حدیث شریف سے ہے؟ حوالہ پیش فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا جائز ہے جو مندرجہ ذیل احادیث سے ثابت ہے:

عن عثمان بن حُنیف، أن رجلا ضریر البصر أتی النبي فقال: ادع اللّٰہ أن یعافیني، قال: إن شئت دعوت وإن شئت صبرت فھو خیر لک، قال فادعہ، قال: فأمرہ أن یتوضأ فیحسن وضوءہ ویدعو بھذا الدعاء: اللّٰھم إني أسئلک وأتوجہ إلیک بنبیک محمد نبي الرحمۃ، إني توجھت بک إلی ربي في حاجتي ھذہ لتقضی لي، اللّٰھم فشفعہ في. (جامع الترمذي، الدعوات، باب فی دعاء الضیف، النسخۃ الھندیۃ ۲/ ۱۹۸، رقم: ۳۵۷۸، السنن الکبری للنسائي، کتاب عمل الیوم واللیلۃ، ذکر حدیث عثمان بن حنیف، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۶/ ۱۶۸-۱۶۹، رقم: ۱۰۴۹۴، ۱۰۴۹۵، ۱۰۴۹۶)

عن ثمامۃ بن عبداللّٰہ بن أنس، عن أنس بن مالک، أن عمر بن الخطابؓ کان إذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبدالمطلبؓ، فقال: اللّٰھم إنا کنا نتوسل إلیک بنبینا -صلی اللّٰہ علیہ وسلم- فتسقینا، وإنا نتوسل إلیک بعم نبینا فاسقنا، قال: فیسقون. (بخاري، باب سوال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا ۱/ ۱۳۷، رقم: ۱۰۰۰، ف: ۱۰۱۰) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(رجسٹر خاص)

حضور ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنا

سوال [۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں دعا مانگنا جائز ہے، مثلاً یا اللہ

حضور کے صدقہ میں میری بیماری دور فرمادے، یا مجھے روزگار عطا فرمادے۔

المستفتی: محمد احمد خان فیض گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ اور وسیلے سے دعا مانگنا نہ صرف جائز اور مستحسن؛ بلکہ اجابت دعا میں مؤثر ہے۔

عن عثمان بن حُنيف، أن رجلا ضرير البصر أتى النبي فقال: ادع الله أن يعافيني، قال: إن شئت أخرت ذلك وهو خير، وإن شئت دعوت، فقال: ادعه، فأمره أن يتوضأ، فيحسن وضوءه، ويصلي ركعتين ويدعو بهذا الدعاء: اللهم إني أسألك وأتوجه إليك بمحمد نبي الرحمة، يا محمد إني توجهت بك إلى ربي في حاجتي هذه لتقضى، اللهم فشفعه في. قال أبو إسحاق: هذا حديث صحيح . (سنن ابن ماجة، الصلوات، باب ماجاء في صلاة الحاجة، النسخة الهندية ١/ ٩٩، دارالسلام، رقم: ١٣٨٥، مسند أحمد بن حنبل ٤/ ١٣٨، رقم: ١٧٣٧٢، ١٧٣٧٣، ١٧٣٧٤)

ومن أداب الدعاء تقديم الثناء على الله والتوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم يستجاب. (حجة الله البالغة ٢/ ٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۱۹)

نبی اکرم ﷺ یا بزرگوں کے وسیلہ سے دعا مانگنا

سوال [۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے یا دوسرے بزرگان دین کے توسل سے دعا مانگنا کیسا ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: عبداللہ متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اور بزرگان دین کے توسل سے دعا مانگنا جائز بلکہ مستحسن اور اقرب الی الاجابہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے استسقاء کے لئے دعا مانگی تھی کہ ''اے اللہ! ہم تیرے پیغمبر علیہ السلام کے وسیلہ سے دعا مانگا کرتے تھے تو بارش عطا فرماتا تھا، اب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا مانگتے ہیں، ہماری دعا قبول فرما اور بارش عطا فرما'' چنانچہ بارش ہوئی۔

عن أنس بن مالک، أن عمر بن الخطابؓ، کان إذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبدالمطلبؓ، فقال: اللهم إنا کنا نتوسل إلیک بنبینا –صلی اللہ علیه وسلم– فتسقینا، وإنا نتوسل إلیک بعم نبینا فاسقنا، قال: فیسقون.

(بخاري، باب سوال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا ۱/ ۱۳۷، ف: ۱۰۰۰، رقم: ۱۰۱۰، المعجم الکبیر للطبراني، دار احیاء التراث العربي بیروت ۱/ ۷۲، رقم: ۸٤، المعجم الأوسط، دارالکتب العلمیة ۳/ ٤۱، رقم: ۲٤۳۷، صحیح ابن حبان، باب صلاة الاستسقاء، دارالفکر ۳/ ٤۳۱، رقم: ۲۸۵۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یک جمادی الثانی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۲ھ

اولیاء اللہ کے وسیلہ سے دعا مانگنا

سوال [۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی بزرگ کو دعا کے اندر وسیلہ بنانا درست ہے یا نہیں؟ دراں حالیکہ وہ بزرگ مر چکے ہوں، اگر درست ہے تو اس حدیث کیا مطلب ہوگا جو بخاری کے اندر ''باب الاستسقاء'' میں ہے؟ راوی حضرت انس ہیں، فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے دعا کروایا نہ کہ حضور کو وسیلہ بنایا۔ اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے جواب عنایت فرمائیں، اگر مردہ کو وسیلہ بنانا درست ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور کو وسیلہ بناتے نہ کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بناتے۔

المستفتی: نوشاد عالم قاسمی، بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گذرے ہوئے بزرگوں اور اولیاء اللہ کے توسل سے دعا مانگنا جائز اور ثابت ہے، یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

فالتوسل والتشفع والتجوه والإستغاثة بالنبي صلى الله عليه وسلم وسائر الأنبياء والصالحين ليس لها معنى في قلوب المسلمين غير ذلك، ولا يقصد بها أحد منهم سواه فمن لم ينشرح صدره لذلك فليبك على نفسه. (شفاء السقام ۱۲۹، بحواله تسكين الصدور ۴۰۴)

قلت: فكيف لا يستشفع ولا يتوسل بمن له هذا المقام والجاه عند مولاه، بل يجوز التوسل بسائر الصالحين كما قاله السبكي. (وفاء الوفاء ۲/ ۴۲۲، بحواله تسكين الصدور ۴۰۷)

ويجوز التوسل إلى الله تعالى والاستغاثة بالأنبياء والصالحين بعد موتهم. (بريقة محموديه ۱/ ۲۷۰، بحواله تسكين الصدور ۴۳۵)

اور جس حدیث شریف میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے توسل سے دعا مانگنا ثابت ہے، اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غیر نبی جو مقبول ہو اس کے وسیلہ سے بھی دعا مانگنا درست ہے، نیز حضور کی وفات کے بعد حضور کے توسل سے مانگنا حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔

ويستفاد من قصة العباسؓ استحباب الاستشفاع بأهل الخير والصلاح وأهل بيت النبوة. (فتح الباري، الاستسقاء، زكريا ۲/ ۶۳۲، بيروت قديم ۳/ ۱۵۱، عمدة القاري، كتاب الاستسقاء، باب سوال الناس الإمام، زكريا ۵/ ۲۵۶، بيروت قديم ۷/ ۳۳)

أن رجلا كان يختلف إلى عثمان بن عفان رضى الله عنه في حاجة له فكان عثمان رضى الله عنه لا يلتفت إليه، ولا ينظر في حاجته، فلقي عثمان بن حنيف، فشكى ذلك إليه، فقال له عثمان بن حنيف: ائت الميضأة، فتوضأ، ثم ائت المسجد فصل فيه ركعتين، ثم قل: اللهم إني أسألك و أتوجه إليك بنبينا محمد صلى الله عليه وسلم نبي الرحمة. (المعجم الصغير قديم: ١٠٤، جديد ١/ ٣٠٦، رقم: ٥٠٨، المعجم الكبير ٩/ ٣١، رقم: ٨٣١٠، شفاء السقام ١٢٤، وفاء الوفاء ٢/ ٤٢٠، بحواله تسكين الصدور ٤٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۷۴)

نبی، صحابی یا کسی بزرگ کے طفیل دعا ومناجات کرنا

سوال [۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا قرآن وسنت سے ہمیں کسی نیک بزرگ صحابی حتی کہ نبی کے طفیل دعا ومناجات کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتی: شفیق احمد سیتا پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انبیاء کرام حضرات صحابہ اور نیک لوگوں کے توسل سے دعا کرنا جائز ہے، جیسا کہ بخاری شریف کی صحیح روایت سے صالح اعمال کے توسل سے دعا کرنا اور پھر اس کا قبول ہونا ثابت ہے۔

عن ابن عمر – رضي الله عنهما – أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: بينما ثلاثة نفر ممن كان قبلكم يمشون، إذ أصابهم مطر، فأووا إلى غار، فانطبق عليهم. (بخاري، باب حديث الغار ١/ ٤٩٣، رقم: ٣٤٦٤، ف: ٣٤٦٥، مسند البزار ١٦/ ٢٩٠، رقم: ٩٤٩٨)

قال أبوبكر: علمني النبي صلى الله عليه وسلم هذا الدعاء، قال: قل: اللهم إني أسئلك بمحمد نبيک، وبإبراهيم خليلک، وبموسى نجيک، وعيسى روحک وكلمتک، وبتوريت موسى وإنجيل عيسى، وزبور داؤد وبفرقان محمد، وكل وحي أوحيته وقضاء قضيته، وأسئلک بكل اسم هو لک أنزلته في كتابک أواستأثرت به في غيبک، وأسئلک باسمک المطهر الطاهر وبالأحد الصمد الوتر وبعظمتک وكبريائک وبنور وجهک، أن ترزقني القرآن والعلم، وأن تخلطه بلحمي ودمي وسمعي وبصري، وتستعمل جسدي بحولک وقوتک؛ فإنه لا حول ولا قوة. (جمع الفوائد، قديم ۲/ ۲٦٤، جديد ٤/ ۸۹، رقم: ۹٤۲۱، بحواله رزين)

وقال الحافظ ابن حجر: ويستفاد من قصة العباس استحباب الاستشفاع بأهل الخير والصلاح، وأهل بيت النبوة. (فتح الباري، كتاب الاستسقاء، زكريا ۲/ ٦۳۲، بيروت قديم ۳/ ۱٥۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍صفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۴۸)

اے اللہ! کرم فرما محمد کے واسطے یا رسول اللہ! کرم فرمایئے اللہ کے واسطے

سوال [۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جو منصب امامت پر فائز ہے، بعد نماز فجر منجملہ دعائیہ کلمات اور عبارت کے ذیل کی خط کشیدہ عبارات سے کبھی دعا مانگتا ہے:

اے اللہ! کرم فرما محمد کے واسطے ☆ یارسول اللہ! رحم فرمایئے اللہ کے واسطے

(۱) کیا خط کشیدہ عبارت کے ذریعہ دعا مانگنا شرعاً درست ہے؟

(۲) کیا خط کشیدہ عبارت کے ذریعہ دعا مانگنا توحید کے منافی ہے؟

(۳) کیا اس شخص کو امام بنانے میں شرعی حیثیت سے کوئی قباحت ہے؟ مدلل اور تشفی بخش جواب مطلوب ہے۔

المستفتی: محمد ایوب ٹھاکردوارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ”اے اللہ! کرم فرما محمد کے واسطے“ اس جملہ کے ذریعہ دعا مانگنا جائز اور مسنون ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۳/ ۵، إمداد الفتاوی زکریا ۴/ ۳۷۲، فتاوی محمودیہ قدیم ۱/ ۶۹، جدید ڈابھیل ۱/ ۵۷۲، کفایت المفتي قدیم ۱/ ۱۹۱)

قال السبكي: يحسن التوسل بالنبي إلى ربه، ولم ينكره أحد من السلف ولا الخلف. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مطبوعه کوئٹہ ٥/ ٢٨١، کراچی ٦/ ٣٩٧، زکریا ٩/ ٥٦٩)

ومن آداب الدعاء تقديم الثناء على الله والتوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم يستجاب. (حجة الله البالغة ٢/ ٦)

”یارسول اللہ! کرم فرمایئے اللہ کے واسطے“ اس جملہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاجت روائی کرنے پر قادر اور حاضر ناظر سمجھتے ہوئے دعا مانگنا موجب شرک اور حرام ہے۔

(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱/ ۱۶۴، ۱۷۸، ۱۹۳، جدید مطول ۱/ ۳۷۱، جدید تسکین الصدور: ۴۱۱)

قال الله تعالى: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لا يَسْتَجِيْبُ لَهُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غَافِلُوْنَ. [الأحقاف: ٥]

وفي حديث طويل: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا سألت فاسأل الله، وإذا استعنت فاستعن بالله. (ترمذي، صفة القيامة، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ٢/ ٧٨، دارالسلام، رقم: ٢٥١٦، المعجم الأوسط، دارالفكر بيروت ٤/ ١٢٠، رقم: ٥٤١٧)

أن الناس قد أكثروا من دعاء غير الله تعالىٰ من الأولياء الأحياء منهم

والأموات وغيرهم، مثل يا سيدي فلان أغثني، وليس ذلك من التوسل المباح في شيء …… وقد عده أناس من العلماء شركا. (روح المعاني، سورة المائدة تحت الآية: ۳۵، زكريا جلد: ٤، جزء: ٥/ ١٨٨)

والتفصيل في المسئلة: أن التوسل بالمخلوق له تفاسير ثلاثة: الأول: دعائه واستغاثته كديون المشركين وهو حرام إجماعا…… والثاني: طلب الدعاء منه، وهذا جائز فيمن يمكن طلب الدعاء منه، ولم يثبت في الميت بدليل، فيختص هذا المعنى بالحي. والثالث: دعاء الله ببركة هذا المخلوق المقبول، وهذا قد جوزه الجمهور. (بوادر النوادر، إداره اسلاميات لاهور، ص: ٧٠٦-٧٠٨)

لہٰذا اس قسم کے جملوں سے دعا مانگنے سے باز رہنا واجب ہے۔ اور امام صاحب پر اس عمل کو ترک کر کے تائب ہوجانا لازم ہے۔

(۱) خط کشیدہ عبارت: (یارسول اللہ! کرم فرمایئے اللہ کے واسطے) کے ذریعہ دعا مانگنا جائز نہیں ہے۔

(۲) حاضر وناظر اور حاجت روائی کے عقیدہ سے دعا مانگنا توحید کے منافی ہے۔

(۳) اگر توبہ کر کے باز آجائے تو بلا کراہت نماز درست ہے، ورنہ وہ امامت کے لائق نہیں، اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی زکریا ۳/ ۲۹۰، کفایت المفتی قدیم ۱/ ۱۶۴، ۱۷۸، جدید زکریا ۱/ ۲۱۲، ۲۲۴، جدید زکریا مطول ۱/ ۳۷۱، فتاوی محمودیہ قدیم ۵/ ۲۸۰، جدید ڈابھیل ۶/ ۹۵ تا ۱۰۴)

قال الرملي: …… إن كراهة تقديم الفاسق والمتبدع كراهة التحريم. (منحة الخالق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ١/ ٦١١، كوئٹه ١/ ٣٤٩، حلبي كبير، كتاب الصلاة، فصل في الإمامة، لاهور، أشرفيه ٥١٣، هداية، أشرفي ديوبند ١/ ١٢٢، شامي زكريا ٢/ ٢٩٩، كراچی ١/ ٤١٣)

وما نقل عن بعض السلف من المنع عن الصلوة خلف المتبدع،

فمحمول على الكراهة إذ لا كلام في كراهة الصلوة خلف الفاسق والمبتدع. (شرح عقائد، نعيميه ١٥٩-١٦٠، حلبي كبير، كتاب الصلاة، فصل في الإمامة، لاهور ٥١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۷۲/۲۳)

صاحب قبر سے دعا کی درخواست کرنا کیسا ہے؟

سوال [٦٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صاحب قبر سے یہ کہنا کہ میرے لئے دعا کردو، کیا یہ شرک ہے؟ اے اللہ! میری دعا اس بزرگ کے طفیل سے قبول فرما صحیح کونسا جملہ ہے؟

المستفتی: محمد راغب نیپالی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صاحب قبر سے یہ کہنا ”تم میرے لئے دعا کردو“ یہ شرک تو نہیں ہے؛ لیکن بنص حدیث صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ صاحب قبر نہ تو کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے، نہ ہی اپنے لئے کچھ کرسکتا ہے، نہ دوسرے کے لئے کچھ کرسکتا ہے۔

عن أبي هريرة رضـ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له. (مسلم، باب ما يلحق الإنسان في الثواب بعد وفاته، النسخة الهندية ٢/ ٤١، بيت الأفكار، رقم: ١٦٣١، السنن الكبرى للبيهقي، جديد ٩/ ٣٨٩، رقم: ١٢٩٠٠، مسند دارمي، دار المغني بيروت ١/ ٤٦٢، رقم: ٥٧٨)

ہاں البتہ اس طریقہ سے دعا کرنا کہ ”اے اللہ! میری دعا فلاں بزرگ کے طفیل میں قبول فرما“ جائز اور درست ہے۔

وبعد هذا كله: أنا لا أرى بأسا في التوسل إلى الله تعالىٰ بجاه النبي صلى الله عليه وسلم عند الله تعالى حيا وميتا –إلى قوله–: أن التوسل بجاه غير النبي صلى الله عليه وسلم لا بأس به أيضا، إن كان المتوسل بجاهه مما علم أن له جاها عند الله تعالىٰ كالمقطوع بصلاحه وولايته. (روح المعاني زكريا، سورة المائدة: ۳۳–۳۵، ۴/ ۱۸۷)

وأن التوسل بالنبي وبأحد من الأولياء العظام جائز، بأن يكون السوال من الله تعالىٰ، ويتوسل بوليه ونبيه صلى الله عليه وسلم. (إمداد الفتاوی زکریا ٦/ ٣٢٧)

عندنا وعند مشايخنا يجوز التوسل في الدعوات بالأنبياء والصالحين من الأولياء والصديقين والشهداء في حياتهم وبعد وفاتهم. (المهند على المفند بحواله محموديه ڈابهيل ۲۱/ ۸۸)

عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف، عن عمه عثمان بن حنيف، أن رجلا كان يختلف إلى عثمان بن عفان –رضي الله عنه– في حاجة له، فكان عثمان لا يلتفت إليه، ولا ينظر في حاجته، فلقي عثمان بن حنيف، فشكا ذلك إليه، فقال له عثمان بن حنيف: ائت الميضأة فتوضأ، ثم ائت المسجد فصل فيه ركعتين، ثم قل: اللهم إني أسئلك وأتوجه إليك بنبينا محمد –صلى الله عليه وسلم– نبي الرحمة يا محمد إني أتوجه بك إلى ربك، فتقضى لي حاجتي. (المعجم الصغير للطبراني ۱/ ۳۰٦، رقم: ۵۰۸، وبمعناه في المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي بيروت ۹/ ۳۱، رقم: ۸۳۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/۷/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۷۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۷/۱۴۲۳ھ

مزارات کا سفر اور اولیاء اللہ کے وسیلہ سے دعائیں مانگنا

سوال [۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید بزرگان دین کے مزاروں پر وقتاً فوقتاً حاضری دینے کے لئے جایا کرتا ہے، کیا قصداً کسی مزار کے لئے سفر کرکے جانا جائز ہے اور وہاں جا کر ان کے وسیلہ سے کوئی منت مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ یا اس طرح کہنا (صاحب قبر سے) کہ ''آپ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں، اللہ تعالیٰ سے میری سفارش کردیجئے کہ میرا فلاں کام ہوجائے'' جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شمس الرحمٰن مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: خلاف شرع امور کا ارتکاب نہ کیا جائے، اگر مزار بہت زیادہ دور ہے یا دوسرے ملک میں ہے اور صرف اس کی زیارت ہی مقصود ہے کوئی دوسری دینی یا معاشی ضرورت نہیں ہے، تو اس کی شرعاً گنجائش نہیں ہے؛ البتہ اگر اپنے ملک میں ہے اور بہت زیادہ صرفہ کا باعث بھی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں زیارت کے لئے سفر کی شرعاً اجازت ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱/۱۲۳، جدید ڈابھیل ۹/۲۰۰)

عن سليمان بن بريدة، عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ قد كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فقد أذن لمحمد في زيارة قبر أمه، فزوروها؛ فإنه تذكر الآخرة. (سنن الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في الرخصة في زيارة القبول، النسخة الهندية ١/ ٢٠٣، دارالسلام، رقم: ١٠٥٤، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم، بيروت ١٠/ ٢٧١، رقم: ٤٣٧٣، المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الجنائز، باب من رخص في زيارة القبور، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٧/ ٣٦٧، رقم: ١١٩٣١)

اولیاء کرام اور بزرگان دین کو اپنی دعاؤں میں وسیلہ بنانا جائز ہے، خواہ مزار پر جا کر دعا کریں یا گھر پر رہ کر۔ (مستفاد: امداد الفتاوی زکریا ۵/ ۳۳۹، فتاوی رشیدیہ قدیم: ۱۴۲، جدید زکریا: ۲۹)

أن التوسل بجاه غير النبي صلى الله عليه وسلم لا بأس به أيضا، إن كان المتوسل بجاهه مما علم أن له جاها عند الله تعالىٰ كالمقطوع بصلاحه وولايته. (روح المعاني زكريا، سورة المائدة: ٣٣-٣٥، ٤/ ١٨٧)

قبر کے پاس جا کر کہنا کہ ''آپ میری اللہ تعالیٰ سے سفارش کر دیجئے'' شریعت سے ثابت نہیں ہے؛ بلکہ بدعت ہے۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ ۵۷-۵۸)

وفي حديث طويل: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا سألت فاسأل الله، وإذا استعنت فاستعن بالله. (مسند أحمد بن حنبل ١/ ٣٠٣، رقم: ٢٧٦٣، ١/ ٢٩٣، رقم: ٢٦٦٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲/ ۴۸۲۸)

٦/ باب ما يتعلق بالارتداد

کافر، مرتد، زندیق، منافق اور فاسق کسے کہتے ہیں؟

سوال [۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کافر کسے کہتے ہیں؟ (۲) مرتد کسے کہتے ہیں؟ (۳) زندیق کسے کہتے ہیں؟ (۴) منافق کسے کہتے ہیں؟ (۵) فاسق کسے کہتے ہیں؟ پانچوں کی الگ الگ تعریف کر کے اصطلاحی فرق واضح کریں اور ہر ایک کا حکم شرعی بھی بیان فرما دیں۔

المستفتی: عبید اللہ قاسمی، تدریب الافتاء مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) **کافر**: اس شخص کو کہا جاتا ہے، جو ان چیزوں کا انکار کرے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف سے لا کر امت کے سامنے پیش کیا ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وفي الشرع: إنكار ما علم بضرورة مجيء الرسول به. (بيضاوي، تحت الآية: ان للذين كفروا ١/ ٢٣)

اور بعض علماء نے اس طرح بھی تشریح کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف سے جو ضروریات دین کو لا کر امت کے سامنے پیش کیا ہے، ان میں سے کسی ایک کے انکار سے بھی کافر ہو جاتا ہے۔

إنكار شيء من أمور الدين مما جاء به النبي صلى الله عليه وسلم.

اور کفر کا حکم اخروی یہ ہے کہ نفس کفر موجب دخول جہنم ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَآءُ. [سورة النساء: ٤٨]

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ خَالِدِيْنَ فِيْهَا.

[سورة التغابن: ١٠]

(۲) مرتد: اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اسلام اور ہدایت کی نعمت خداوندی سے بہرہ ور ہونے کے بعد پھر کفر والحاد کی طرف چلا جائے۔

والمرتد: الراجع عن دين الإسلام إلى الكفر. (لغة الفقهاء كراچی/ ٤٢١)

اور مرتد کا حکم شرعی یہ ہے کہ مرتد ہوتے ہی اس کی ساری املاک اس کی ملکیت سے نکل جائیں گی اور حالت اسلام میں کمایا ہوا مال اس کے مسلمان ورثاء میں تقسیم ہو جائے گا۔ اور حالت ردت کی کمائی بیت المال میں بطور فیئ داخل کردی جائے گی، نیز مرتد کو محبوس کرلیا جائے گا اور تین دن تک ارتداد سے رجوع کرنے کی مہلت دی جائے گی، اگر تین دن کے اندر ارتداد سے باز آکر دوبارہ اسلام قبول نہ کرے تو اس پر اسلامی ممالک میں حد ارتداد جاری کی جائے گی۔

أما ميراث المسلم من المرتد ...... قال الثوري وأبو حنيفة: ما اكتسبه في الردة لبيت المال، وما اكتسبه في الإسلام فهو لورثته المسلمين. (حاشية ترمذي ٢/ ٣١)

إذا مات المرتد على ارتداده ...... فما اكتسبه في حال إسلامه، فهو لورثته المسلمين، وما اكتسبه في حال ردته يوضع في بيت المال، هكذا حكمه عند أبي حنيفة، وفي هامشه: هذا أفضل في حكم المسلم إذا ارتد عن الإسلام، وحكمه أنه عرض الحاكم عليه الإسلام استحبابا على المذهب لبلوغه الدعوة، وتكشف شبهة، ويحبس وجوبا، وقيل: ندبا ثلاثة أيام إن استمهل، أي طلب المهلة، وإلا قتله من ساعته لحديث من بدل دينه فاقتلوه. (حاشية شريفيه/ ١٤٠)

(۳) زندیق: وہ شخص ہے جو دین پر کسی بھی طرح قائم نہ رہے اور کفر کا کام

کرتا رہے۔ اور جب اس کی گرفت کی جائے تو تاویل کرے یا توبہ کرے، اس کے بعد پھر ویسے ہی کام کرتا رہے۔

الـزنـديـق: هـو مـن لايتـدين بدين، وأما من يبطن الكفر والعياذ بالله، ويـظهـر الإسـلام فهـو مـنـافق، ويجب أن يكون حكمه في عدم قبولنا توبته كالزنديق؛ لأن ذلک في الزنديق لعدم الإطمئنان إلى ما يظهر من التوبة إذا كـان قـد يخفى كفره الذي هو عدم اعتقاده دينا. (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، كوئٹه ۲/ ۱۲۶، زكريا ۵/ ۲۱۲)

احناف کے نزدیک زندیق کا حکم یہ ہے کہ اگر سچی توبہ کرکے دین پر قائم ہوجائے تو اس کی توبہ شرعاً اور قانوناً قبول سمجھی جاء گی۔

والـزنـديق إذا تاب بعد القدرة عليه ...... عن أبي حنيفة وأبي يوسف، وحكـى ابـن الـمـنـذر عن علي بن أبي طالب يستتاب. (مجموعه رسائل ابن عابدين، ثاقب بکڈپو دیوبند ۱/ ۳۲۱)

(۴) **منافق**: وہ شخص ہے جو اسلام ظاہر کرے اور باطن میں کفر چھپائے رکھے۔

المنافق: الذي يظهر الإسلام ويبطن الكفر. (لغة الفقهاء، كراچی / ٤٦١)

اور اس کی توبہ قبول ہونے نہ ہونے میں اس کا حکم زندیق کی طرح ہے۔

أمـا مـن يبـطن الكفر والعياذ بالله، ويظهر الإسلام فهو منافق، ويجب أن يـكون حكمه في عدم قبولنا توبته كالزنديق. (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، كوئٹه ۲/ ۱۲۶، زكريا ۵/ ۲۱۲)

(۵) **فاسق**: وہ شخص ہے جو اسلام کا عقیدہ رکھتا ہو اور بالقصد گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہو اور توبہ نہ کرتا ہو۔

الفسق، ارتكاب الكبائر قصدا، أو الإصرار على الصغائر بغير تأويل.

(لغة الفقهاء، كراچی ص: ٣٤٦)

الفسق في اللغة: الخروج، وفي إصطلاح الشرع: يطلق على من ارتكب الكبيرة، أو أصر على الصغيرة ما لم يتب. (تفسير مظهري، زكريا ٩/ ٤٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۹۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۱۳ھ

ایک احتمال بھی مؤمن ہونے کا ہو تو تکفیر کا حکم

سوال [۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا کہنا یہ ہے کہ ایک مولانا پر ۹۹ فتویٰ کفر کے ہیں اور ایک فتویٰ مؤمن ہونے کا ہے، تو کیا وہ عالم صاحب کافر ہیں یا مؤمن؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کتابوں میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ جس شخص کے اندر ۹۹؍ احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال بھی مسلمان ہونے کا ہو تو اس کو مسلمان ہی کہنا بہتر ہے، اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔

أن المسئلة المتعلقة بالكفر إذا كان لها تسع وتسعون احتمالا للكفر، واحتمال واحد في نفيه، فالأولىٰ للمفتي والقاضي أن يعمل بالاحتمال النافي. (شرح فقه أكبر، أشرفی بکڈپو ۱۹۹)

الكفر شيء عظيم فلا أجعل المؤمن كافرا متى وجدت رواية أنه لا يكفر انتهى، ثم قال: والذي تحرر أنه لا يفتي بكفر مسلم إن أمكن حمل كلامه على محمل حسن أو كان في كفره اختلاف ولو رواية ضعيفة.

(رسم المفتي، قديم ۸۳، دارالکتاب ۱۳۲-۱۳۳، رسائل ابن عابدين، ثاقب بکڈپو ۱/ ۳۶)

إذا كان في المسألة وجوه توجب التكفير ووجه واحد يمنع التكفير، فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسينا للظن بالمسلم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأحكام المرتدين، الفصل الأول، زكريا ٧/ ٢٨١، رقم: ١٠٤٨٧، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٧/ ٣٩٧، رقم: ٩١٧٧، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت٢/ ٥٠١-٥٠٢)

کسی شخص کو بلا وجہ کافر کہنا بہت بڑا گناہ ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس شخص کو کافر کہا گیا اگر وہ شخص کافر نہیں ہے تو کفر کہنے والے ہی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

عن ابن عمر، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا كفر الرجل أخاه فقد باء بها أحدهما. (مسلم شريف، الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه: يا كافر، النسخة الهندية ١/ ٥٧، بيت الأفكار، رقم: ٦٠، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم بيروت ١٥/ ٢١٠، رقم: ٨٦١٨)

عن أبي ذر -رضي الله عنه- أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: لا يرمي رجل رجلا بالفسوق، ولا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك. (بخاري، باب ما ينهى من السباب واللعن ٢/ ٨٩٣، رقم: ٥٨١٠، ف: ٦٠٤٥، مسند إمام أحمد ٥/ ١٨١، رقم: ٢١٩٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ / جمادی الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۷۳)

دل میں ایمانیات سے متعلق کلام کرنے سے کیا آدمی کافر ہو جائے گا؟

سوال [٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اسلامی قوانین کا نفاذ دنیا میں ظہور پر ہوتا ہے، تو اگر کوئی شخص دل میں ایمانیات کے متعلق کلام کرے جس کو اگر زبان سے ادا کرے تو کافر ہو جائے گا، تو

کیا اس صورت میں عنداللہ کافر ہوجائے گا اور نکاح کا اعادہ ضروری ہوگا؟ نیز ایسا ہی کلام ظن غالب کا درجہ حاصل کرلے تو شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: جمیل احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دل میں ایسی بات پیدا ہوجاتی ہے اور ساتھ ساتھ ناگواری اور خدا کا خوف بھی ہوجاتا ہے، تو انشاء اللہ تعالیٰ ایسی صورت میں عنداللہ کوئی گناہ نہیں ہوگا اور نہ ہی نکاح پر کوئی اثر پڑے گا؛ بلکہ حدیث شریف میں اس طرح دل میں خیال آنے اور اس کو ناگوار سمجھنے کو عین ایمان کہا گیا ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: جاء ناس من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، فسألوه: إنا نجد في أنفسنا ما يتعاظم أحدنا أن يتكلم به، قال: وقد وجدتموه، قالوا: نعم، قال: ذلک صريح الإيمان. (صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان الوسوسة، النسخة الهندية ١/ ٧٩، بيت الأفكار، رقم: ١٣٢)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إن الله تجاوز لي عن أمتي ما وسوست به صدرورها ما لم تعمل أو تكلم. (صحيح البخاري، كتاب الفتن، باب الخطأ والنسيان في العتاقة، والطلاق ونحوه ١/ ٣٤٣، رقم: ٢٤٥٩، ف: ٢٥٢٨)

جب تک کلام یا عمل نہ کرے گا تو کوئی حکم لاگو نہ ہوگا۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: قال الله عز وجل: إذا هم عبدي بحسنة ولم يعملها، كتبتها له حسنة، فإن عملها كتبتها عشر حسنات إلى سبع مائة ضعف، وإذا هم بسيئة ولم يعملها لم أكتبها عليه، فإن عملها كتبتها سيئة واحدة. (صحيح مسلم، الإيمان،

باب بیان تجاوز اللّٰہ عن حدیث النفس ......، النسخۃ الہندیۃ ۱/ ۷۸، بیت الأفکار، رقم: ۱۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۷۰)

لاعلمی میں کلمۂ کفر کہنے پر تجدید ایمان ونکاح لازم نہیں

سوال [۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید عمرو آپس میں ہنسی مذاق کی باتیں کررہے تھے، درمیان گفتگو زید عمرو سے کہتا ہے کہ آپ (عمرو) ایسا کام کرتے ہیں جو خدا کو بھی نہیں معلوم ہے- العیاذ باللہ- تو مسئولہ صورت میں کیا زید اپنے اس کلام سے اسلام سے نکل گیا یا اسلام پر باقی ہے؟ تجدید ایمان ونکاح کی ضرورت ہے یا نہیں؟، زید نے ایسا جملہ اعتقاداً نہیں کہا۔

المستفتی: قاری عبدالمؤمن استاذ جامعہ
معراج العلوم سی سیکٹر چیتا کیمپ بمبئی ۸۸

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کوئی بھی چیز اللہ کے علم وقدرت سے باہر نہیں ہے، اس کو ہر ذرے ذرے کا علم ہے؛ اس لئے اس عقیدہ کا منکر کافر ہوگا؛ لیکن زید سے مذکورہ جملہ جہل اور لاعلمی کی وجہ سے نکلا ہے، جیسا کہ اس کے اعتقاد سے بھی معلوم ہوتا ہے؛ اس لئے اس کا مرتکب کافر تو نہیں ہوگا؛ لیکن بہت بڑا گنہگار اور فاسق ہوگا، اس کو فوراً اپنے اس عمل سے سخت مذمت کے ساتھ توبہ کرلینی چاہئے اور آئندہ اس طرح کی بدزبانی سے اجتناب کرے، تجدید نکاح اور تجدید ایمان کی ضرورت نہیں۔

لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِیْ السَّمَاوَاتِ وَلَا فِیْ الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِکَ وَلَا اَکْبَرُ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُبِیْنٍ. [سورۃ السبا: ۳]

ولا يخرج عن علمه وقدرته شيء؛ لأن الجهل بالبعض والعجز عن البعض نقص، وافتقار إلى مخصص مع أن النصوص القطعية ناطقة بعموم العلم وشمول القدرة، فهو بكل شيء عليم وعلى كل شيء قدير. (شرح عقائد، نعيميه ديوبند/ ٤٣)

ومن تكلم بها (كلمة الكفر) مخطئا، أو مكرها لا يكفر عند الكل.

(البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، كوئٹه ٥/ ١٢٥، زكريا ٥/ ٢١٠)

وما كان خطأ من الألفاظ، ولا توجب الكفر، فقائله مؤمن على حاله، ولا يؤمر بتجديد النكاح، ولكن يؤمر بالاستغفار والرجوع عن ذلك والله أعلم. (المحيط البرهاني، كتاب السير، الفصل الثاني والأربعون، جديد، المجلس العلمي بيروت ٧/ ٣٩٩، رقم: ٩١٨٣، الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الأول ٧/ ٢٨٣، رقم: ١٠٤٩٦)

عن ابن عباس -رضى الله عنهما- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تجاوز الله عن أمتي الخطأ، والنسيان، وما استكر هو عليه.
(المستدرك للحاكم، قديم ٢/ ٢١٦، جديد ٣/ ١٠٥٨، رقم: ٢٨٠١، سنن ابن ماجة، باب طلاق المكره والناسي، النسخة الهندية ١٤٧، دارالسلام، رقم: ٢٠٤٣، صحيح ابن حبان، دارالفكر ٦/ ٣٧٤، رقم: ٧٢٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۴۰)

بلا ارادہ زبان سے الفاظ کفر صادر ہونے کا حکم

سوال [۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تین عالم آپس میں قادیانی کے مستدلات اور آیات قرآنیہ سے اپنے

مزعومات کے اثبات کا تذکرہ کررہے تھے کہ کس کس انداز سے آیات کو توڑ مڑور کر اپنے عقائد فاسدہ کو قرآنی آیات سے مدلل کرتا ہے اور ہر فرقہ اپنی دلیل قرآن سے ڈھونڈ نکالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، اسی ماحول میں گفتگو چل رہی تھی کہ ایک عالم نے اپنی زبان سے یوں ادا کیا کہ ”اب تو مجھے اللہ کے بارے میں بھی شک ہوتا ہے کہ ایسی کتاب کیوں نازل کی جس سے ہر ایک اپنی بات ثابت کر دیتا ہے“ رو میں کہہ گئے، بعد میں احساس ہوا کہ کہیں یہ جملہ کفریہ تو نہیں نکل گیا۔ دوسرے دو موجودہ عالم سے استفسار کرنے لگے کہ بھائی کفریہ جملہ تو نہیں کہہ دیا؟ ایک نے کہا کلمہ پڑھئے، تو فوراً کلمہ پڑھا اور ایمان مفصل دہرایا، تو کیا اس سے ارتداد لازم آ گیا اور ارتداد کی صورت میں اعمال سابقہ حبط ہو جاتے ہیں، اس سلسلہ میں احادیث سے صراحت یا قریب بصراحت کے دلالۃ ثبوت کے ساتھ جواب مرحمت فرما کر پریشان حال کی بے اطمینانی دور فرمائیں۔

واضح رہے کہ اقوال علماء امت مختلف ہو سکتے ہیں اور ان کا قول استدلالی ہوگا، جس میں غلطی کا احتمال ہے؛ اس لئے نصوص سے جواب دیا جائے، ورنہ ہم تو علماء کے اقوال پر اعتماد کر کے خوش فہمی میں رہ جائیں اور فی الحقیقت اعمال رخصت ہو چکے ہوں، نیز تسلی کے بجائے تحقیقی جواب سے نوازیں کہ معاملہ دوسرے کی تکفیر کا نہیں کہ تکفیر میں احتیاط سے کام لیا جائے؛ بلکہ مبتلا شخص بطور خود مستفتی ہے؛ اس لئے ٹھوس بنیادوں پر مبنی جواب دے کر احسان عظیم فرمائیں کہ بہت بے چین ہوں، ارتداد کی صورت میں فرائض کی قضا بھی لازم ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو حبط اعمال کے کیا معنی ہوئے؟ جواب با حوالہ کی ضرورت ہے۔

المستفتی: تبارک حسین دارالعلوم بہادر گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ارتداد نام ہے دین اسلام میں داخل ہونے کے بعد یا اسلام میں پیدا ہونے کے بعد مکلّف آدمی بالقصد اسلام سے نفرت

کر کے دین سے پھر جائے، اس کی وجہ سے سابقہ نیک اعمال رائے گاں ہوجاتے ہیں، مگر بعد میں ان کی قضالازم نہیں ہوتی۔

وما أدى من الصيامات والصلوات في إسلامه، ثم ارتد تبطل طاعاته لكن لايجب عليه قضاؤها بعد الإسلام. (قاضيخان، كتاب السير، باب الردة وأحكام أهلها، زكريا جديد ٣/ ٤٣٣، وعلى هامش الهندية، زكريا ٣/ ٥٨٣)

لیکن اگر کسی سے بلاارادہ الفاظ کفر یہ زبان سے صادر ہوجائیں اور متنبہ ہونے پر فوراً توبہ کرلے تو ایسا شخص مرتد نہیں ہے اور ایسے شخص پر فوری طور پر اپنے سرزد گناہ سے توبہ کرلینا لازم ہے۔

وما كان خطأ من الألفاظ، ولا توجب الكفر، فقائله مؤمن على حاله، ولا يؤمر بتجديد النكاح، ولكن يؤمر بالاستغفار والرجوع عن ذلك والله أعلم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الأول، زكريا ٧/ ٢٨٤، رقم: ١٠٤٩٦، المحيط البرهاني، كتاب السير، الفصل الثاني والأربعون، المجلس العلمي ٧/ ٣٩٩، رقم: ٩١٨٣)

عن ابن عباس –رضی الله عنهما– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تجاوز الله عن أمتي الخطأ، والنسيان، وما استكر هو عليه. (المستدرك للحاكم، قديم ٢/ ٢١٦، جديد ٣/ ١٠٥٨، رقم: ٢٨٠١، سنن ابن ماجة، باب طلاق المكره والناسي، النسخة الهندية ١/ ١٤٧، دارالسلام، رقم: ٢٠٤٣، صحيح ابن حبان، دارالفكر ٦/ ٣٧٤، رقم: ٧٢٢٨، مصنف عبدالرزاق ٦/ ٤٠٩، رقم: ١١٤١٦)

اور حدیث پاک: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له" (سنن ابن ماجة، باب ذكر التوبة، النسخة الهندية/ ٣١٣، دارالسلام، رقم: ٤٢٥٠، المعجم الكبير للطبراني ١٠/ ١٥٠، رقم: ١٠٢٨١) **کے دائرہ میں ایسا شخص داخل ہوجاتا ہے**، جس کی زبان سے بلاارادہ اور بے خبری میں کلمۂ کفریہ نکل جانے کے بعد فوراً

توبہ کرلیتا ہے؛اس لئے سائل پہلی صورت میں داخل نہیں ؛ بلکہ دوسری صورت میں داخل ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۶/شوال ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۴/۵۹۰۶)

الجواب صحیح:
احقرمحمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱۰/۲۶ھ

دل میں خیال آئے کہ نماز کوئی چیز نہیں تو کیا حکم ہے؟

سوال [۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگرکسی کے دل میں یہ خیال آئے کہ نماز کوئی چیز نہیں ہے،صرف اس طرح کے خیالات دل میں آئیں؛لیکن نماز بھی پڑھے اور تمام احکام بھی ادا کرے،تو ان خیالات سے اس کے ایمان پرکوئی اثر ہوگا یانہیں؟اوران خیالات سے بچنے کی کوئی تدبیر ہوتو تحریر فرمادیں۔

المستفتيه: رضیہ بیگم اندراچوک،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب وہ شخص نماز پڑھتاہےاوردوسرے دینی احکام بھی انجام دیتاہے، پھراس طرح کے خیالات دل میں آنا یہ شیطانی وسوسہ ہے،اس سے ایمان زائل نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ علی حالہ باقی رہتاہے؛البتہ ایسے خیالات دل میں لانا اور جمانا اچھی بات نہیں ہےاور ان خیالات سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ جب دل میں ایساخیال آجائے تو اللہ تعالیٰ سے نادم ہوکرتوبہ کرلیا کرے۔(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/۱۵۳،جدیدڈابھیل ۱/۱۶۹)

عن أبي هريرة رضـ قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إن الله تجاوز لي عن أمتي ما وسوست به صدورها ما لم تعمل أو تكلم. (بخاري، كتاب العتق، باب الخطأ والنسيان في العتاقة والطلاق ونحوه ١/ ٣٤٣، رقم: ٢٤٥٩، ف: ٢٥٢٨،

مسلم، کتاب الإیمان، باب تجاوز اللّٰه عن حدیث النفس والخواطر ......، النسخة الهندیة ۱/ ۷۸، بیت الأفکار، رقم: ۱۲۷، مشکوة/ ۱۸)

عن عبداللّٰه قال: سئل النبي صلی اللّٰه علیه وسلم عن الوسوسة قال: تلک محض الإیمان. (مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان الوسوسة في الإیمان وما یقوله من وحدها، النسخة الهندیة ۱/ ۷۹، بیت الأفکار، رقم: ۱۳۳) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۸۹)

ذہن میں برے خیالات اور شیطانی وسوسہ آنا

سوال [۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت جو نہایت ہی دیندار، صوم وصلوۃ کی پابند ہے؛ لیکن کچھ عرصہ سے کچھ ذہنی خیالات اسے پریشان کرتے ہیں، مثلاً ذہن ودماغ میں سوچتی رہتی ہے کہ قرآن کریم، نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ یہ سب کوئی چیز نہیں ہیں اور یہ سب کرنا حرام ہے، سب بیکار چیزیں ہیں، جب کہ وہ قرآن کی تلاوت بھی کرتی ہے اور نماز بھی پڑھتی ہے، مگر مذکورہ خیالات کی وجہ سے نہایت ہی پریشان ہے، توبہ واستغفار بھی کرتی ہے، مگر یہ خیالات دور نہیں ہوتے: لہٰذا بتائیں کہ شرع میں ان خیالات کی کیا حیثیت ہے؟ رہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں، تاکہ ان خیالات سے محفوظ رہ سکوں یا کوئی دعا وغیرہ بتائیں جس کو پڑھ کر مطمئن رہ سکوں۔

المستفیہ: نیلوفر بنت مطلوب حسین محلہ کٹار شہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح کے وہمی خیالات شیطانی وساوس ہوتے ہیں، اولاً تو ان خیالات کو ذہن میں نہ لائیں؛ لیکن اگر یہ خیالات زیادہ

پریشان کریں، تو کثرت سے توبہ واستغفار کریں اور کثرت سے کلمہ طیبہ اور لاحول پڑھتی رہا کریں، مسئولہ صورت میں ان خیالات کی وجہ سے عنداللہ کسی قسم کی داروگیر نہ ہوگی؛ اس لئے کوئی فکر نہ کریں، اللہ معاف فرمائے گا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/۱۵۳، جدید ڈابھیل ۱/۱۹۶)

عن أبي هريرة رضـ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله تجاوز لأمتي ما حدثت به أنفسها ما لم يتكلموا أو يعملوا به. (مسلم، كتاب الإيمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس والخواطر بالقلب إذا لم تستقر، النسخة الهندية ١/ ٧٨، بيت الأفكار، رقم: ١٢٧، بخاري، كتاب العتق، باب الخطأ والنسيان في العتاقة والطلاق ونحوه ١/ ٣٤٣، رقم: ٢٤٥٩، ف: ٢٥٢٨، سنن نسائي، الطلاق، باب من طلق في نفسه، النسخة الهندية ٢/ ٨٦، دارالسلام، رقم: ٣٤٦٣، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم بيروت ١٧/ ٣١، رقم: ٩٥٤٣)

عن أبي هريرة رضـ قال: جاءه أناس من أصحابه فقالوا: يا رسول الله! نجد في أنفسنا الشيء نعظم أن نتكلم به أو الكلام به ما نحب أن لنا وأنا تكلمنا به، قال: أو قد وجدتموه؟ قالوا: نعم، قال: ذاک صريح الإيمان. (أبوداؤد، الأدب، باب في رد الوسوسة، النسخة الهندية ٢/ ٦٩٧، دارالسلام، رقم: ٥١١١، صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان الوسوسة في الإيمان وما يقوله من وجدها، النسخة الهندية ١/ ٧٩، بيت الأفكار، رقم: ١٣٢)

عن عبدالله قال: سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الوسوسة، قال: تلک محض الإيمان. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان الوسوسة في الإيمان، النسخة الهندية ١/ ٧٩، بيت الأفكار، رقم: ١٣٣، السنن الكبرى للبيهقي، دارالفكر بيروت ٩/ ٢٤٨، رقم: ١٠٤٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۴/۲۰۷)	۱۴۲۲/۵/۲ھ

کسی کو خدا کہنے کا شرعی حکم

سوال [۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی جگہ پر تین آدمی یا اس سے زیادہ بیٹھے ہوئے تھے ہنسی مذاق ہو رہا تھا، دوران گفتگو ایک آدمی وہاں سے اٹھا اور باہر چلا گیا باقی لوگوں کو اس کے جانے کا پتہ نہیں چلا، جب وہ واپس آیا تو ان کی نگاہ اس پر پڑی، تبھی ایک آدمی نے کہا کہ بھائی تم کوئی جن ہو کہ تمہارے جانے کا کسی کو پتہ نہیں چلا، اس پر بیٹھے ہوئے دوسرے شخص نے کہا کہ ''یہ خدا ہے''، جیسے ہی یہ جملہ اس کی زبان سے ادا ہوا ویسے ہی ایک حافظ قرآن جو وہاں موجود تھے، انہوں نے فوراً نعوذ باللہ من ذلک کہا، ساتھ ہی دوسرے لوگوں نے بھی کہا اور توبہ واستغفار کرلیا۔ سوال یہ ہے کہ جس نے یہ جملہ ادا کیا، کیا اس کا ایمان جاتا رہا یا سلامت رہا؟ اسی طرح اس کا نکاح سلامت رہا یا نکاح بھی جاتا رہا؟ جب کہ اس نے بھی سبھی کے ساتھ توبہ واستغفار کرلیا ہے، آدمی علم سے بہرہ ور نہیں ہے اور اس کی بیوی حمل سے ہے، یہ بتائیں کہ اگر نکاح اور ایمان دونوں جاتے رہیں تو دوبارہ نکاح کرنے اور ایمان لانے کی کیا صورت ہوگی؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ موجود لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ان کا ایمان اور نکاح جاتا رہا یا سلامت رہا؟ اگر ان کا ایمان ونکاح دونوں جاتے رہے تو ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد شمشاد عالم بیگم پوری کانٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ وہاں موجود تھے، ان میں سے اکثر کم پڑھے لکھے تھے اور جو آدمی چلا گیا تھا اس کے واپس آنے پر کسی کا یہ کہنا کہ تم کوئی جن ہو جو تمہارے جانے کا پتہ نہیں چلا، اس کہنے کی وجہ سے اس کے ایمان وعقیدہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اور دوسرے شخص کا یہ کہنا کہ یہ -العیاذ باللہ- خدا ہے، لگتا ہے کہ یہ تردید میں کہا ہے اور اس پر حافظ صاحب کا نعوذ باللہ

پڑھنا اپنی جگہ درست ہے، اگر اس شخص نے تردید میں یہ لفظ کہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ خدا ہے کہنا ایک قسم کا سوالیہ جملہ ہے جو تردید کے لئے ہوتا ہے، اثبات کے لئے نہیں، تو ایسی صورت میں اس کے ایمان پر اثر نہیں پڑے گا، مگر اس طرح کی باتیں کرنا غلط اور نہایت نامناسب ہیں؛ اس لئے توبہ واستغفار کر لینا چاہئے اور سوال نامہ میں اس بات کی وضاحت ہے کہ سب نے توبہ واستغفار کرلیا ہے؛ اس لئے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کی لغزشیں درگذر فرما دیں گے۔

عن عبدالله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجة، الزهد، باب ذكر التوبة، النسخة الهندية / ٣١٣، دارالسلام، رقم: ٤٢٥٠، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي بيروت ١٠/ ١٥٠، رقم: ١٠٢٨١)

اور آئندہ سے اس قسم کی فضول لغویات سے احتراز ضروری سمجھا کریں۔

سئل علي بن أحمد عن شاهد قال له الحاكم أو غيره كيف تعرف الله؟ فقال في الجواب: أنت تعرف وأنا لا أعرف، فهل يكون ذلك علامة على كفره؟ فقال: إن كان يريد به العبارة باللسان استفهاما لا يكفر إن شاء الله تعالىٰ. (تاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الخامس في المتفرقات، قديم ٥/ ٤٧٠، زكريا ٧/ ٢٩٣، رقم: ١٠٥٢٣)

وما كان خطأ من الألفاظ، ولا توجب الكفر، فقائله مؤمن على حاله، ولا يؤمر بتجديد النكاح، ولكن يؤمر بالاستغفار والرجوع عن ذلك والله أعلم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الأول ٧/ ٢٨٤، رقم: ١٠٤٩٦، المحيط البرهاني، كتاب السير، الفصل الثاني والأربعون، جديد المجلس العلمي ٧/ ٣٩٩، رقم: ٩١٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۵۴۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۵ھ

اللہ تعالیٰ کی شان میں نازیبا الفاظ کہنا

سوال [۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے چپل گم ہوگئے تو عمر نے زید سے کہا: اللہ اور دے گا، تو زید نے کہا اللہ کیا گدھے کی گانڈ میں سے دے گا (العیاذ باللہ) مہربانی فرما کر قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب دیں۔

المستفتی: حاجی لطیف احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے ہودہ انداز سے گستاخی ہے، جو موجب کفر ہے، زید پر لازم ہے کہ فوراً اس فعل شنیع سے توبہ کر کے باز آجائے۔

یکفر إذا وصف اللہ تعالیٰ بما لایلیق به. (هندية، الباب التاسع في أحكام المرتدين، زكريا جديد ۲/ ۲۷۱، قديم ۲/ ۲۵۸، الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الثاني، زكريا ۷/ ۲۸۵، رقم: ۱۰۴۹۷، البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، زكريا ۵/ ۲۰۲، كوئٹه ۵/ ۱۲۰، المحيط البرهاني، كتاب السير، الفصل الثاني والأربعون جديد المجلس العلمي ۷/ ۳۹۹، رقم: ۹۱۸۴، مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۵۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۷/۳/۱۴۱۴ھ

اللہ کو پھر بھی چین نہیں آیا

سوال [۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ زید نے عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ میں تقریر کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے امتحانات اور آزمائشوں کا تذکرہ کیا، بعض آزمائشوں کو بیان کرنے کے بعد اس نے کہا کہ ''اللہ کو پھر بھی چین نہیں آیا'' یہ جملہ کہہ کر مزید امتحانات کا ذکر کیا، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ جملہ ''اللہ کو پھر بھی چین نہیں آیا'' کہنا شرعاً کیسا ہے؟ اور قائل کے متعلق کیا حکم ہے؟ کیا اس پر توبہ واستغفار لازم ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبداللہ ساکن ڈھکیا امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اللہ کی طرف ایسے الفاظ منسوب کرنے سے ایمان کے خطرہ میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ العیاذ باللہ یہ کہا جائے کہ ''اللہ کو پھر بھی چین نہیں آیا'' یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کو ظلم وستم کی طرف منسوب کرنے کے مرادف ہے؛ اس لئے سچے دل سے توبہ کرنا لازم ہے۔ ہندیہ میں ہے:

قال أبو حفص رحمه الله تعالیٰ: من نسب الله تعالیٰ إلی الجور فقد کفر کذا في فصول العمامية، رجل قال: یا رب این ستم مسند، قال بعضهم: یکفر، والأصح أنه لایکفر. (هندية، الباب التاسع في أحکام المرتدین، زکریا قدیم ۲/ ۲۵۹، جدید زکریا دیوبند ۲/ ۲۷۲، تاتارخانية، کتاب أحکام المرتدین، الفصل الرابع، قدیم ۵/ ٤٦٦، زکریا ۷/ ۲۸۹، رقم: ۱۰۵۱۰، ۱۰۵۱۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۹/۲/۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۳۷۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۲ھ

''خدا زنا کرسکتا ہے'' کہنا (العیاذ باللہ)

سوال [۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ زنا کرسکتا ہے، بکر کہتا ہے نہیں کرسکتا ہے، ان

دونوں میں کس کا کہنا صحیح ہے اور زید وبکر پر کس طرح کا گناہ ہے؟ کوئی گناہ چھوٹا یا بڑا ہوتا ہے؟ یا کسی پر کفر عائد ہوتا ہے۔

المستفتی: تحسین خان سکندر آباد بلند شہر

الجواب وبالله التوفيق: خداتعالیٰ "**احد صمد لم يلد و لم ويولد**" بھی ہے اور "**ان الله علی کل شیء قدیر**" بھی ہے۔ **اللہ تعالیٰ کی شان میں اس طرح مغلظ باتوں کو منسوب کرنے والا اپنے ایمان کی حفاظت کرے۔**

إذا وصف الله تعالىٰ بما لا يليق به ...... يكفر. (المحيط البرهاني، كتاب السير، الفصل الثاني والأربعون، المجلس العلمي بيروت ۷/ ۳۹۹، رقم: ۹۱۸٤، هندية، الباب التاسع في أحكام المرتدين ۲/ ۲۵۸، جديد زكريا ديوبند ۲/ ۲۷۱، البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، زكريا ۵/ ۲۰۲، كوئٹه ۵/ ۱۲۰، مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، جديد ۲/ ٥٠٤، الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الثاني، زكريا ۷/ ۲۸۵، رقم: ۱۰٤۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۴/ ۱۴۱۸ھ

اللہ تعالیٰ کی شان میں بے ہودہ الفاظ کہنا

سوال [۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعد نماز عشاء جب مسجد سے نمازی حضرات باہر نکلے تو زید کی چپلیں غائب تھیں؛ لہٰذا زید اپنی جوتیوں کے غائب ہونے کی وجہ سے اول پھول بک رہا تھا، بکر دوسرے نمازی نے زید سے کہا کہ "اللہ دے گا" اس پر زید نے کہا کہ: "کیا اللہ گانڈ مرا کر دیگا" (العیاذ باللہ) ازروئے شرع زید کا اس کفریہ جواب پر ایمان باقی رہا یا نہیں؟

اگر ایمان باقی نہیں رہا تو تجدید ایمان کے ساتھ تجدید نکاح بھی ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ از روئے شرع وقرآن وحدیث میں ایسے لوگوں کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد عبدالرحمٰن فتح اللہ گنج، ٹھاکردوارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید نے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس میں سخت بیہودہ انداز سے اہانت کا جملہ استعمال کیا ہے، جو موجب کفر ہے، اس پر لازم ہے کہ فوراً اپنے قول شنیع سے توبہ کرکے باز آجائے اور احتیاطاً تجدید نکاح بھی کرے۔

يكفر إذا وصف الله تعالىٰ بما لا يليق به. (المحيط البرهاني، كتاب السير، الفصل الثاني والأربعون، المجلس العلمي بيروت قديم زكريا ۷/ ۳۹۹، رقم: ۹۱۸٤، هندية ۲/ ۲۵۸، جديد زكريا ديوبند ۲/ ۲۷۱، البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، زكريا ۵/ ۲۰۲، كوئٹه ۲/ ۱۲۰، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۵۰٤، الفتاوى التاتارخانية ۷/ ۲۸۵، رقم: ۱۰٤۹۷)

وما فيه خلاف يؤمر بالإستغفار والتوبة وتجديد النكاح. (الدر المختار مع الرد المحتار، باب المرتد، كراچی ٤/ ۲٤۷، زكريا ٦/ ۳۹۰-۳۹۱)

وإن كانت نيته الوجه الذي يوجب التكفير لا ينفعه فتوى المفتي، ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك، وبتجديد النكاح بينه وبين امرأته. (المحيط البرهاني، كتاب السير، الفصل الثاني والأربعون، المجلس العلمي ۷/ ۳۹۷، رقم: ۹۱۷۷)

وما كان في كونه كفرا اختلافا، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الأول ۷/ ۲۸٤، رقم المسئلة: ۱۰٤۹٦، المحيط البرهاني المجلس العلمي ۷/ ۳۹۹، رقم: ۹۱۸۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۸۴)

اللہ ورسول کی شان میں گستاخی کرنا

سوال [۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یعقوب نے اپنے داماد سے بیماری کی حالت میں کہا کہ بھینسہ کا گوشت کم کھایا کرو، تو حافظ اشتیاق صاحب نے کہا: کیا مراد ہے؟ دوبارہ دہرایا، تو محمد یعقوب نے کہا کہ ہم حرام نہیں بتاتے ہیں، پھر تیسرے شخص عظیم اللہ نے کہا: اگر بھینسہ کا گوشت حرام ہوتو ہم بھی نہ کھائیں، تو یعقوب نے کہا ہماری بات میں لقمہ زیادہ نہ دیا کرو، پھر محمد یعقوب مسجد سے اپنے گھر چلے آئے، پھر یعقوب نے لڈن کو چندہ کرنے کے لئے بلایا تو لڈن نے کہا یہاں آؤ اس وقت موقع پر صابر موجود تھے، صابر نے ان سے کہا کہ یعقوب نے کہا ہے کہ بھینسہ کا گوشت حرام ہے، پھر یعقوب نے لڈن سے کہا کہ جہاں چلنا ہے وہاں چلو، باتوں میں نہ پڑو، پھر میں نے یعقوب سے پوچھنا شروع کیا اور کہا کہ کیا تم کسی مولوی کی بات نہیں مانو گے؟ تو یعقوب نے کہا کہ ''اسی گھڑی کوئی نبی اتر آئے تو ہم نہ مانیں گے، اور اگر اللہ یہاں کہہ دیں تو نہ مانیں گے'' اس پر لڈن نے کہا تو بات ختم ہے، صابر نے کہا کہ ہم کہہ رہے تھے کہ مانیں گے نہیں، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ مذکورہ واقعہ میں کن کن لوگوں پر کفر لازم ہے، ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے؟ باحوالہ جواب عنایت فرمائیں۔

اس واقعہ کے بعد محمد یعقوب نے عشاء کی نماز میں تکبیر کہی، نماز کے بعد لوگوں میں شور ہوا کہ اس نے تو نبی اور اللہ کی شان میں گستاخی کی ہے، اس وجہ سے نماز نہیں ہوئی، یعقوب نے کہا کہ ہم نے اپنے نبی سے متعلق نہیں کہا تھا، پھر بھی لوگوں کی تنبیہ پر اس نے توبہ واستغفار کرلی، دریافت یہ کرنا ہے کہ مذکورہ شخص کی تکبیر سے نماز ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد یعقوب بہرائچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ صورت میں کیوں کہ قائل خود کہہ رہا

ہے کہ میری مراد وہ نہیں ہے جو الفاظ سے ظاہر ہے؛ بلکہ مخاطب سے گرما گرمی میں اس کی باتوں کو زیر اور دبانے کے لئے اس طرح کا جملہ اس کی زبان سے نکلا اور پھر بعد میں نادم ہوکر توبہ بھی کرلیا؛ اس لئے مذکورہ قائل کے اوپر کفر کا حکم تولا گو نہیں ہوگا؛ لیکن پھر بھی احتیاطاً توبہ کے ساتھ ایمان ونکاح کی تجدید کرلے تو بہتر ہے۔

وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح. (درمختار) وفي الشامية: والتوبة أي تجديد الإسلام وتجديد النكاح، أي احتياطاً كما في فصول العمادية. (شامي، باب المرتد، زكريا ٦/ ٣٩٠، كراچی ٤/ ٢٤٧)

وإن لم تكن له نية حمل المفتي كلامه على وجه لا يوجب التكفير، ويؤمر بالتوبة والاستغفار واستجداد النكاح. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الأول ٧/ ٢٨٢، رقم: ١٠٤٨٧، المحيط البرهاني، كتاب السير، الفصل الثاني والأربعون، جديد المجلس العلمي ٧/ ٣٩٧، رقم: ٩١٧٧، مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، جديد بيروت ٢/ ٥٠٢)

عشاء کی نماز میں جو تکبیر کہی گئی ہے اس تکبیر کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی؛ بلکہ نماز درست ہوگئی۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۲/ ۹۲، ۲/ ۱۰۸)

ويكره أداء المكتوبة بالجماعة فى المسجد بغير أذان وإقامة، كذا في فتاوى قاضيخان. (هندية، الباب الثاني في الأذان ١/ ٥٤، جديد زكريا ديوبند ١/ ١١١)

وهو سنة للرجال ...... والإقامة كالأذان. (درمختار، كتاب الصلاة، باب الأذان، زكريا ٢/ ٤٨، ٢/ ٥٤، كراچی ١/ ٣٨٤، ٣٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	یکم صفر ۱۴۲۲ھ
۱۴۲۲/۲/۱ھ	(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۵۷)

اللہ تعالیٰ کی شان میں بے ہودہ الفاظ کہنے کا حکم

سوال [۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے گھر میں اس وقت دو ہی کمرے ہیں۔ اور دونوں میں ٹی وی ہے؛ لیکن اس وقت ایک ہی ٹی وی ہے۔ زید کی بیوی جب نماز پڑھنا چاہتی ہے تو وہ مجبور ہو کر زید سے کہتی ہے کہ ٹی وی کی آواز آہستہ کر دو میں نماز پڑھنا چاہتی ہوں، اس پر زید کہتا ہے کہ میں آہستہ نہیں کروں گا؛ بلکہ ٹی وی کی آواز اور تیز کر دیتا ہے، زید کی بیوی کسی طرح نماز پڑھ لیتی ہے۔ اور کبھی نماز پڑھنے کی حالت میں زید اس کے سامنے سے گزر کر ٹی وی دیکھنے کے لئے جاتا ہے۔ آج سے ایک ہفتہ پہلے کی بات ہے کہ زید کی بیوی اپنے میکہ آئی دوسرے دن اس کا شوہر آیا اور آتے ہی اس نے کہا کہ میرے لڑکے کو کپڑا پہنا دو میں اسے لے جاؤں گا، وہ بار بار یہی کہتا رہا اور ساتھ میں اس نے یہ بھی کہا کہ تم اپنے اہل وعیال کو بلاؤ میں ابھی کہہ دیتا ہوں؛ لیکن اس وقت گھر میں عورتوں کے علاوہ کوئی مالک موجود نہیں تھا، ایسی صورت میں ازدواجی زندگی اور تعلقات باقی رہے یا ختم ہو گئے؟ زید کی شادی تقریباً نو یا دس سال قبل ہوئی ہے، زید کی بیوی نماز روزہ کی پابند ہے، بار بار بیوی زید سے یہ کہتی رہی کہ آپ بھی نماز پڑھیے اور اہتمام سے روزہ رکھئے، اس کے جواب میں زید کہتا ہے کہ تم تو نماز پڑھتی ہو، اس سے کیا ملتا ہے، اگر تم اس بات کی ذمہ داری قبول کرو کہ نماز پڑھنے سے کھانا ملے گا، تو میں نماز پڑھوں۔ زید ٹی وی کا بہت بڑا شائق ہے، راتوں دن اسی میں غرق رہتا ہے، امسال رمضان المبارک میں بلا عذر شرعی ایک روزہ ترک کر دیا، جس پر زید کی بیوی بار بار کہتی رہی کہ سحری کھا لیجئے اور روزہ رکھ لیجئے؛ لیکن زید نے سحری نہیں کھائی؛ بلکہ دوسرے دن دوپہر میں کھانا پکوا کر کھایا۔ زید کے ساتھ دس سالہ زندگی میں زید نے اپنی بیوی سے سب سے سخت بات یہ کہی: ''رمضان المبارک کا قصہ ہے،

ایک مرتبہ افطار کے وقت بیوی نے کھانا کھانے کا سامان اکٹھا کر دیا، اس وقت پلیٹ کم تھی، جس پر زید نے کہا: ''پلیٹ کیا اللہ تعالیٰ لے کر چلے گئے'' -العیاذ باللہ- اسی طرح ایک مرتبہ صرف شوہر بیوی کی موجودگی میں تقدیر کی بات ہوئی، جس پر شوہر نے بیوی سے کہا کہ تمہاری پھوپھی ایک بڑے گھرانے میں رہتی ہے اور تمہاری تقدیر یہ ہے کہ تم ایک برے گھر میں پڑی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ ''تمہاری تقدیر گدھے کی شرم گاہ سے لکھی ہوئی ہے''۔ مسئلہ پوچھنے کے بعد معلوم ہوا کہ زید توبہ واستغفار کثرت سے کرے، تو زید نے بیوی کی ان تمام باتوں کا سرے سے انکار کر دیا اور کہا کہ جاؤ تم توبہ واستغفار کرو، میں ہرگز توبہ واستغفار نہیں کروں گا۔

المستفتی: اکرام الحق محلّہ نوادہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال کے تمام گوشوں کا جواب یہ ہے کہ زید کا یہ کہنا کہ ''نماز پڑھنے سے کیا ملتا ہے'' اور یہ کہنا کہ ''نماز پڑھنے سے کھانا ملے گا'' اسی طرح یہ کہنا کہ ''پلیٹ اللہ تعالیٰ لے کر چلے گئے'' نیز یہ کہنا کہ ''تمہاری تقدیر گدھے کی شرم گاہ سے لکھی گئی ہے'' ان باتوں پر توبہ واستغفار کے لئے کہنے پر زید کا یہ کہنا کہ توبہ واستغفار تم کرو، میں توبہ واستغفار ہرگز نہیں کروں گا۔ یہ سب الفاظ استہزاء، استخفاف فی الدین اور موجب کفر ہیں۔ زید پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح لازم ہے، اس کے بغیر زید کے لئے بیوی کو ساتھ رکھنا جائز نہیں ہے۔ اور بیوی کے لئے اس کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہے۔

إذا قیل لہ: صل، فقال: ...... تو نماز کردی چہ برسر آوردی، أو قال: نماز کرا کنم ...... أو قال: نماز کردہ وناکردہ یکے است، أو قال: نماز میکنم چیزے برسر نمی آید ...... آن بروجہ استخفاف وطنز گوید کافر گردد الخ. (هندیة، کتاب السیر، الباب التاسع، مطلب موجبات الکفر أنواع، زکریا قدیم ۲/ ۲۶۸، جدید زکریا دیوبند ۲/ ۲۸۰، المحیط البرهاني، المجلس العلمي

۷/ ٤١٤، رقم: ٩٢٣٦، الفتاوى التاتارخانية ٧/ ٣٢٠، رقم: ١٠٥٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۷۷)

اے اللہ! تو نے یہ کیسی اذیت بھیج دی؟

سوال [۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی شخص کے سامنے کوئی پریشانی پیش آئے اور وہ کہہ دے کہ ''اے اللہ! تو نے یہ کیسی اذیت بھیج دی'' تو اس سے کیا نکاح دوبارہ پڑھوانا پڑے گا اور پہلا نکاح ختم ہوجائے گا؟ اس کا مسئلہ تفصیل سے بتادیجئے۔

المستفتی: محمد ادریس محلّہ ڈیریا مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ صورت میں اس شخص پر توبہ واستغفار کرنا لازم ہے اور احتیاطاً تجدید نکاح بھی کرلینا چاہئے۔

قال رجل: يا رب! اين ستم مبسند، قال بعضهم: يكفر، والأصح أنه لا يكفر الخ. (عالمگیریٍ، كتاب السير، الباب التاسع، مطلب موجبات الكفر أنواع ...... زكريا قديم ٢/ ٢٥٩، جديد ٢/ ٢٧٢)

وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح. وفي الشامي: وتجديد النكاح أي احتياطاً الخ. (الدر المختار، باب المرتد، كراچی ٤/ ٢٤٧، زكريا ٦/ ٣٩٠-٣٩١، الفتاوى التاتارخانية ٧/ ٣٢٠، رقم: ١٠٥٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۹۶)

خدااور رسول کی توہین کرنے والے کاحکم

سوال [۷۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جوشخص خدااور رسول کی توہین کرے وہ کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دینے کی زحمت گوارہ فرمائیں۔

المستفتی: جاویداختر انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور توہین کرنا کفر ہے۔(مستفاد:امدادالفتاوی زکریا ۵/۳۹۳)

يكفر إذا وصف الله تعالىٰ بما لا يليق به، أو سخر باسم من أسمائه.

(هندية، كتاب السير، الباب التاسع، مطلب موجبات الكفر أنواع، زكريا قديم ٢/ ٢٥٨، جديد زكريا ديو بند ١/ ٢٧١)

وقال فيما يتعلق بالأنبياء: يكفر؛ لأنه شتم لهم واستخفاف بهم.

(هندية، زكريا قديم ٢/ ٢٦٣، جديد زكريا ديو بند ٢/ ٢٧٦)

ومن لم يقر ببعض الأنبياء، أو عاب نبيا بشيء فقد كفر. (المحيط البرهاني، كتاب السير، لفصل الثاني والأربعو، المجلس العلمي ٧/ ٤٠٧، رقم: ٩٢١٦، ومثله في مجمع الأنهر، كتاب الجهاد والسير، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٠٦، الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل السابع ٧/ ٣٠٠، رقم: ١٠٥٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۶/شعبان ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۸/۱۷ھ

’’اللہ بھی آکرتمبا کو سے منع کرے تو بھی نہ چھوڑ وں گا‘‘

سوال [۸۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ زید کے محلّہ کی مسجد میں محراب کے اندر ایک ڈبہ رکھا رہتا ہے اور امام صاحب ومقتدی (مصلیان مسجد) اس ڈبہ میں تمبا کو کھا کر تھوکتے ہیں، وہ تمبا کو جس کے پتے کو سکھا سکھا کر پتھر پر پیس کر پاؤڈر بناتے اور چونہ ملا کر استعمال کرتے ہیں، پھر اس تمبا کو کو کھا کر اور کھاتے ہوئے کلام الٰہی قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں، بلا کلی کئے ہوئے امام صاحب امامت کرتے ہیں، بکر امام صاحب کو منع کرتا ہے کہ یہ فعل اماموں اور مسلمانوں کے لئے روا نہیں ہے، جب کہ درمختار ۴/ ۲۶۸ میں تمبا کو ہمیشہ استعمال کرنا گناہ کبیرہ لکھا ہوا ہے۔ امام صاحب کا جواب ہوتا ہے کہ اگر قرآن پاک کو میرے گلے میں لٹکا دیا جائے تو بھی میں تمبا کو کھانا نہیں چھوڑ سکتا۔ بکر کہتا ہے اللہ پاک آپ کو ایسے غلیظ نشہ آور چیز سے بچائے، تو امام صاحب کہتے ہیں: اگر اللہ پاک خود آکر بھی کہے گا کہ تمبا کو کھانا چھوڑ دو تب بھی تمبا کو کھانا نہیں چھوڑوں گا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: امام صاحب کا قول ''اللہ پاک خود آکر بھی کہے گا کہ تمبا کو چھوڑ دو تب بھی تمبا کو کھانا نہیں چھوڑوں گا'' یہ کلمہ موجب کفر ہے؛ اس لئے امام صاحب پر فوراً توبہ کر لینا لازم ہے۔

إذا قال: لو أمرني الله بكذا لم أفعل، فقد كفر الخ. (فتاوى عالمگيرى، الباب التاسع في أحكام المرتدين، زكريا قديم ٢/ ٢٥٨، جديد زكريا ديوبند ٢/ ٢٧١، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٧/ ٤١١، رقم: ٩٢٢٧، الفتاوى التاتارخانية ٧/ ٣١١، رقم: ١٠٥٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۳۱۰)

''کوئی خدا نہیں'' کہنے والے کا حکم

سوال [۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک شخص نے یہ کہا: ''اس کا کوئی خدا نہیں'' مزید وہ یہ بھی کہتا ہے کہ وہ کافر ہوگیا ہے، تو ایسے شخص پر کیا حکم لاگو ہوتا ہے؟ مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جو شخص خدا کا انکار کرے اور خود کو کافر قرار دے (العیاذ باللہ) ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے گا، اس کے اوپر تجدید ایمان اور تجدید نکاح لازم ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۲/ ۴۰۷، میرٹھ ۲/ ۲۲۰)

مسلم قال: أنا ملحد يكفر، ولو قال: ما علمت أنه كفر لا يعذر بهذا. (هندية، كتاب السير، الباب التاسع، مطلب موجبات الكفر أنواع، زكريا ۲/ ۲۷۹، جديد زكريا ديوبند ۲/ ۲۸۹)

من رضي بكفر نفسه فقد كفر. (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الأول ۷/ ۲۸۳، رقم: ۱۰۴۹۳)

من رضي بكر نفسه، فقد كفر. (المحيط البرهاني، كتاب السير، الفصل الثاني والأربعون، المجلس العلمي بيروت ۷/ ۳۹۸، رقم: ۹۱۸۳، كوئٹه ۵/ ۵۷٤)

من أتى بلفظة الكفر مع علمه أنها لفظة الكفر عن اعتقاد، فقد كفر، وإن لم يعتقد أو لم يعلم أنها لفظة الكفر، ولكن أتى بها عن اختيار، فقد كفر عند عامة العلماء رحمهم الله تعالىٰ، ولا يعذر بالجهل. (المحيط البرهاني، كتاب السير، الفصل الثاني والأربعون، المجلس العلمي بيروت ۷/ ۳۹۷، رقم: ۹۱۷۸، كوئٹه ۵/ ۵۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ صفر ۱۴۳۵ھ
رجسٹر خاص

اذان کے ساتھ استہزاء واستخفاف کفر ہے

سوال [۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید جو قوم مسلم کا پیشوا تسلیم کیا جاتا ہے، اہل ہنود کے تہوار ہولی ملن میں شریک تھا، جہاں ایک غیر مسلم نظامت کر رہا تھا کہ اس دوران مغرب کی اذان شروع ہوگئی اور غیر مسلم ناظم نے احتراماً مائک پر بولنا روک دیا؛ لیکن ایک شخص نے اس کے رک جانے کی وجہ جاننا چاہی تو ناظم نے کہا کہ اذان ہو رہی ہے، اس پر اس مسلم پیشوا نے ایک بڑی مجلس میں اس ناظم کے احترام کو درکنار کرکے یہ فرمایا کہ آپ بولنا جاری رکھیں؛ لہٰذا ناظم نے مسلم قوم کے پیشوا کے فرمان کے مطابق اذان کے دوران ہی مائک پر بولنا شروع کر دیا، مسلم پیشوا نماز کے لئے بھی نہیں گیا، جب کہ عوام میں سے ان کو نماز کے لئے کہا گیا تھا، تو کیا مسلم پیشوا کا یہ عمل شریعت کے خلاف تھا کہ اذان کی توہین کی گئی، کیا ایسے پیشوا کی امامت جائز ہے؟ کیا غیر مسلموں کے اجتماع میں عین نماز کے وقت نماز ترک کرکے اس میں شامل ہونا جائز تھا؟

المستفتی: محمد عارف دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان میں اسمائے الٰہی موجود ہوتے ہیں اور اللہ کے نام اور اذان کے الفاظ اور آواز کی تعظیم کرنا اور اذان کا جواب دینا ہر مسلمان پر ضروری اور لازم ہے۔ اور سوال نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک غیر مسلم اذان کی آواز سن کر اس کی تعظیم کر رہا ہے اور اذان کی وجہ سے اپنی گفتگو کا سلسلہ ختم کر رہا ہے، پھر مسلم پیشوا کا اس پر رد کر دینا اور اذان کی تعظیم ختم کرا کے غیر مسلم کو مائک میں گفتگو جاری رکھنے کا حکم کرنا اذان کے ساتھ استخفاف اور استہزاء ہے؛ اس لئے مذکورہ پیشوا گناہ عظیم کا مرتکب ہو چکا ہے، اس فعل شنیع سے نادم ہوکر توبہ واستغفار کرنا لازم ہوگا، ورنہ وہ شخص

فاسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے، نیز اذان کے وقت دنیاوی عمل میں مشغول رہنا اوراذان کے بارے میں لاپرواہی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

من سمع النداء كره له الاشتغال بالعمل، وعن عائشة أنه حرام.

(البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ١/ ٦٠٣، كوئٹه ١/ ٣٤٥)

الاستهزاء بالأذان كفر. (الأشباه والنظائر، كراچى ١/ ٢٩٤)

رجل سمع اسما من أسماء الله تعالىٰ يجب عليه أن يعظمه. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح وقراءة القرآن، زكريا ٥/ ٣١٥)

ويكره إمامة عبد، وأعرابي، وفاسق، وأعمى. (درمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كراچى ١/ ٥٥٩، زكريا ٢/ ٢٩٨، هداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة، أشرفي ديوبند ١/ ١٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۸/ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۰۳۵/۳۲)

مالی پریشانی کی وجہ سے خدا اور رسول کو گالی دینا

سوال [۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی پریشانی میں خدا تعالیٰ اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم رسول خدا کو ماں بہن کی گالی دے چکا ہے، دینے کی وجہ یہ تھی کہ سر پر قرض تھا اور کام ساتھ نہیں دے رہا تھا، اس پریشانی میں رسول خدا کو گالی فحش کلام کہہ چکا ہے؛ لہٰذا اس کے لئے شرع کیا حکم کرتا ہے اور اس کو کیا کرنا چاہئے؟ وہ اب اپنی معافی کے لئے کیا کرے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں صحیح راستہ بتائیں، مہربانی ہوگی؟

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اللہ تعالیٰ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی اور گستاخانہ الفاظ کہنے سے انسان اسلام سے خارج اور مرتد ہو جاتا ہے، تجدید ایمان کر کے خالص توبہ کر لینے سے انشاء اللہ توبہ قبول ہو جائے گی، نیز ہمیشہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا کریں، نیز تجدید نکاح بھی ضروری ہے۔

ولو سب الله تعالیٰ قبلت؛ لأنه حق الله تعالیٰ. (الدر المختار، كتاب الجهاد، باب المرتد، كوئٹه ۳/ ۳۱۷، زكريا ٦/ ۳۷۰، كراچی ٤/ ۲۳۲)

من سب الرسول صلى الله عليه وسلم فإنه مرتد وحكمه حكم المرتد، ويفعل به ما يفعل بالمرتد، وهو ظاهر في قبول توبة الخ. (الدر المختار، كتاب الجهاد، باب المرتد، زكريا ٦/ ۳۷٤، كراچی ٤/ ۲۳٤، كوئٹه ۳/ ۳۱۹)

وأن ما يكون كفرًا إتفاقا يبطل العمل والنكاح. (حاشية الدر المختار، قبيل مطلب في حكم من شتم دين مسلم، زكريا ٦/ ۳٦۷، كراچی ٤/ ۲۳۰، كوئٹه ۳/ ۳۱٦)

من سب النبي صلى الله عليه وسلم أو أبغضه كان ذلک منه ردة حكمه حكم المرتدين. (تنبيه الولاة من رسائل ابن عابدين ۲/ ۳۲٥)

(وقوله) ان مذهب أبي حنيفة والشافعي أن حكمه حكم المرتد، وقد علم أن المرتد تقبل توبته. (تنبيه الولاة من رسائل ابن عابدين، ثاقب بكڈپو ديوبند ۱/ ۳۳۳، ۳۳٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ رجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۰۴)

’’تم کو بھی چھوڑ دیا اور خدا اور رسول کو چھوڑ دیا‘‘ کہنا

سوال [۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ زید کے یہاں شادی تھی، زید کے چچا ناراض تھے، زید ان کو راضی کرنے کے لئے ان کے گھر پہنچا اور ان سے اپنی غلطی کی پاؤں پکڑ کر معافی مانگی اور کہا کہ خدا اور رسول کے واسطے سے معاف کر، اس پر زید کے چچا نے کہا کہ: ''جاؤ میں نے تم کو بھی چھوڑ دیا اور خدا اور خدا کے رسول کو بھی چھوڑ دیا''۔ اس پر ایک شخص وہاں تھا، اس نے کہا کہ ان کو چھوڑ و، لیکن یہ جملہ مت کہو، انہوں نے تاکیداً پھر یہی کہا کہ: ''خدا کو اور خدا کے رسول کو بھی چھوڑ دیا''۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا وہ مسلمان باقی رہے یا ایمان سے خارج ہو گئے؟ ہم لوگ ان سے تعلق رکھیں یا توڑ دیں۔

المستفتی: محمد ایوب، معرفت مولانا امام الدین صاحب، رام نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خط کشیدہ الفاظ کا زبان پر بلا جبر جاری کرنا موجب کفر ہے۔ **من با تو بحکم خدا کارمیکنم، فقال خصمه: من حکم خدا را ندانم، أو قال: اینجا حکم نرود، أو قال: اینجا حکم نیست، او قال: خدائے حاکمی را نشاید –الی قوله– فهذا کله کفر.** (عالمگیری، کتاب السیر، الباب التاسع، مطلب موجبات الکفر أنواع، زکریا قدیم ۲/ ۲۵۸، جدید ۲/ ۲۷۱)

لہٰذا بہت جلد توبہ واستغفار کر کے اپنے قول شنیع سے باز آجانا ضروری ہے۔ اور اگر لوگوں کے سمجھانے کے باوجود باز نہ آئے تو برادری والوں کو اس سے توبہ کر کے باز آنے تک بائیکاٹ کر لینا چاہئے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلَا تَرْکَنُوْا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ. [سورة هود ۱۱۳]

توبہ کے بعد بائیکاٹ ختم کرنا بھی ضروری ہے اور احتیاطاً تجدید نکاح بھی کر لینا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۴۶)

غصہ کی حالت میں ”میں کسی خدا اور سول کو نہیں مانتا“ کہنے کا حکم

سوال [۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے مذہب اسلام کی توہین کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی اور کہا: ”جاؤ میں کسی خدا اور سول کو نہیں مانتا“ اور بعد میں معافی بھی مانگی۔ یہ واقعہ دو شخصوں کی لڑائی کے دوران پیش آیا، تو کیا وہ کافر ہو گیا؟ اس کی کیا سزا ہو سکتی ہے؟ اس کو سزا دینے کا اختیار کس کو ہے؟

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذہب اسلام کی توہین کرنا اسی طرح حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنا کفر ہے۔

والإستهزاء على الشريعة كفر. (شرح عقائد، مكتبه نعيميه ديوبند ١٦٧)

أجمع العلماء على أن شاتم النبي صلى الله عليه وسلم والمنقص له كافر. (رسائل ابن عابدين ١/ ٣١٦)

أو سبه النبي صلى الله عليه وسلم؛ لأن السب كفر. (مجمع الأنهر، كتاب الجهاد والسير، فصل في الجزية، مكتبه دارالكتب العلمية ٢/ ٤٨٢)

اوراس کا یہ جملہ کہنا کہ ”جاؤ میں کسی خدا اور سول کو نہیں مانتا“ ہو سکتا ہے کہ اس نے غلطی اور غصہ کی حالت میں کہا ہو، جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے اور بعد میں اس نے معافی بھی مانگ لی ہے؛ لہٰذا وہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا، تاہم ان الفاظ کا ظاہری مطلب خطرناک ہے، جس سے بسا اوقات کہنے والا کفر تک پہنچ جاتا ہے؛ اس لئے آئندہ کے لئے پوری احتیاط رکھے اور جو الفاظ زبان سے نکل گئے ان پر توبہ کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۷/ ۴۸۰، جدید ڈابھیل ۲/ ۴۱۲)

ومن تكلم بها مخطأ ومكرها لا يكفر عند الكل. (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، كوئته ٥/ ١٢٥، زكريا ٥/)

لا يفتي بتكفير مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن. (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، كوئته ٥/ ١٢٥، زكريا ٥/ ٢١٠)

وما كان خطأ من الألفاظ ولا توجب الكفر، فقائله مؤمن على حاله ولا يؤمر بتجديد النكاح، ولكن يؤمر بالاستغفار والرجوع عن ذلك والله أعلم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الأول ٧/ ٢٨٤، رقم: ١٠٤٩٦، المحيط البرهاني، كتاب السير، الفصل الثاني والأربعون، المجلس العلمي ٧/ ٣٩٩، رقم: ٩١٨)

عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تجاوز عن أمتي الخطأ والنسيان، وما استكرهوا عليه. (سنن سعيد بن منصور، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣١٧، رقم: ١١٤٥، ومثله ابن ماجة، أبواب الطلاق، باب طلاق المكره والناسي، النسخة الهندية ١/ ١٤٧، دارالسلام، رقم: ٢٠٤٣، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي بيروت ٦/ ٤٠٩، رقم: ١١٤١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۳؍ رجب ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۵۲)	۲۳؍ ۷؍ ۱۴۲۱ھ

’’میری شادی اللہ کو منظور ہی نہیں تھی‘‘ کہنے کا حکم

سوال [۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد عمر کی شادی تیرہ سال قبل فریقین کی رضامندی سے ہوئی؛ لیکن اللہ کی مرضی کوئی اولاد نہ ہوئی، ڈاکٹروں سے چیک اپ بھی کرایا گیا، تو دونوں کو صحیح قرار دیا گیا اولاد نہ ہونے کے سبب میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہونے لگا، ایک دن محمد عمر

نے اپنی بیوی سے جھگڑتے ہوئے کہا کہ ''میری شادی اللہ میاں کو منظور ہی نہیں تھی؛ بلکہ زبردستی ہوگئی''۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ محمد عمر کا یہ کہنا کہ ''میری شادی اللہ میاں کو منظور ہی نہیں تھی؛ بلکہ زبردستی ہوگئی''۔ ان کا یہ جملہ کہنا ازروئے شریعت کیسا ہے؟ کیا اس جملہ کے کہنے کی وجہ سے تجدید نکاح وایمان لازم ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد یوسف گرام والا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ جذبہ جہالت میں جزع فزع ہے، اس کی نیت یہ ہوگی کہ شادی کا اہم ترین مقصد توالد وتناسل ہے اور اتنے سال گذرنے تک اس کی کوئی اولاد نہ ہوسکی تو اولاد نہ ہونے کی وجہ سے اس نے اس شادی کو ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے کہ جب شادی کا مقصد ہی حاصل نہ ہوسکا تو گویا کہ منجانب اللہ اولاد نہ ہونے کو اس نے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے کہ شادی اللہ کو منظور ہی نہیں تھی، ایسی بھونڈی تعبیر اس کو اختیار نہیں کرنی چاہئے تھی؛ لیکن اس کا مقصد یہی ہے کہ شادی کا مقصد اولاد ہے اور جب اولاد نہ ہوئی تو گویا کہ شادی ہی نہیں ہوئی؛ اس لئے اس کے ان الفاظ کی وجہ سے فسخ نکاح کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، پھر بھی اس کو اس طرح کی باتوں سے توبہ کرلینا چاہئے۔

ثم إن كانت نية القائل الوجه الذي يمنع التكفير فهو مسلم. (هندية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة، جديد زكريا ٢/ ٢٩٣، قديم ٢/ ٢٨٣)

وفي الفتاوى الصغرى: الكفر شيء عظيم فلا أجعل المؤمن كافرا متى وجدت رواية أنه لايكفر. (البحر، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، كوئٹه ٥/ ١٢٤، زكريا ٥/ ٢١٠)

وفي الخلاصة وغيرها: إذا كان في المسألة وجوه توجب التكفير، ووجه واحد يمنع التكفير فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسينا للظن بالمسلم الخ. (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام

المرتدين، كوئٹه ٥/ ١٢٤، زكريا ٥/ ٢١٠، بزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاما أو كفرا ...... الفصل الثاني، جديد زكريا ٣/ ١٧٨، وعلى هامش الهندية زكريا ٦/ ٣٢١) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۲۴ھ

''حضرت فاطمہؓ اللہ سے بڑی اوران کی والدہ ہیں'' کہنے کا حکم

سوال [۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے نوے پارے ہیں، جس میں ۳۰/ پارہ ظاہر ہیں اور باقی علم معرفت میں موجود ہیں۔ اور وہ کہتا ہے کہ اللہ سب سے بڑا ہے اور اس سے بھی ایک بڑا ہے، اس سے پوچھنے سے وہ کہتا ہے کہ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اللہ نے ماں کہا ہے؛ لہٰذا ماں اولاد سے بڑی ہوتی ہے۔ اور قیامت کے دن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اللہ کا عرش پکڑ کر اللہ سے جھگڑیں، اپنے دونوں صاحبزادوں کے بارے میں، نیز وہ کہتا ہے علم معرفت میں نماز روزہ اور تمام فرائض معاف ہیں، جب اس سے ان باتوں کے دلائل پوچھے جاتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ علم معرفت میں ہے، اس کو معلوم کرنے کے لئے پیر ومرشد کے پاس جانا ہوگا، اسی کے پاس ہے؛ لہٰذا ایسے آدمی کا کیا حکم ہے؟ اور ان باتوں کی کیا اصل ہے؟

المستفتی: بلال احمد آسامی، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اللہ سے بڑی کہنا اور ان کو اللہ تعالیٰ کی ماں کہنا اور نماز، روزہ کو بالکلیہ معاف کہنا اور علم معرفت میں

تمام فرائض کو معاف کہنا یہ سب کفریہ اور گمراہ کن عقائد ہیں، ایسا شخص اسلام سے خارج اور اس کا نکاح بھی باقی نہیں ہے، تجدید ایمان اور تجدید نکاح دونوں لازم ہوں گے۔

وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولٰٓئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ [البقرة: ٢١٧]

وما يكون كفراً إتفاقاً يبطل العمل والنكاح وأولاده أولاد زنا، ومافيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح. (درمختار، كتاب الجهاد، باب المرتد، زكريا ٦/ ٣٩٠، كراچی ٤/ ٢٤٧)

ثم إن كانت نية القائل الوجه الذي يمنع التكفير فهو مسلم، وإن كانت نيته الوجه الذي يوجب التكفير لا ينفعه فتوى المفتي ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك وبتجديد النكاح بينه وبين امرأته. (المحيط البرهاني، كتاب السير، الفصل الثاني والأربعون، مكتبة المجلس العلمي ٧/ ٣٩٧، رقم: ٩١٧٧، الفتاوىٰ التاتارخانية ٧/ ٢٨١، رقم: ١٠٤٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ر محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۰۳)

حسن وحسین کی تختی کے بارے میں اللہ رب العزت فیصلہ نہ کرسکا

سوال [۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص ہے جو یہ کہتا ہے کہ امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما نے جو تختی لکھی تھی دونوں بھائیوں کا دعویٰ تھا کہ میری تختی اچھی ہے۔ اور یہ بات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچتی ہوئی سلسلہ درسلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی بالآخر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت جبرئیل امین کو بھیج کر سیب کے ذریعہ فیصلہ فرمایا، اس فیصلہ کو شخص مذکور کہتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فیصلہ نہ کرسکا، یہ کہنا کیسا ہے؟ اور کہاں تک صحیح ہے

اور جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارے میں ایسا کہے اس پر شریعت کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب ارشاد فرمائیں، نیز یہ فرمائیں کہ یہ واقعہ صحیح ہے یا غلط؟

المستفتی: غلام ربانی پیرکھیڑا مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ واقعہ اردو کے بعض رسائل میں موجود ہے؛ لیکن کسی معتبر ومستند کتاب میں احقر کی نظر سے نہیں گذرا اور اللہ تبارک وتعالیٰ فیصلہ نہ کرسکا یہ جملہ شان الٰہی میں سخت گستاخانہ ہے، ایسے شخص کو توبہ واستغفار کرکے باز آجانا لازم ہے اور احتیاطاً تجدید ایمان ونکاح بھی ضروری ہے۔

إذا وصف الله تعالیٰ بما لا یلیق به یکفر الخ. (فتاوی بزازیة، کتاب ألفاظ تکون إسلاما أو کفرا ......، الفصل الثاني، جدید زکریا ۳/ ۱۷۹، وعلی هامش الهندیة، زکریا ٦/ ۳۲۳)

وما یکون کفراً إتفاقاً یبطل العمل والنکاح وأولاده أولاد زنا، وما فیه خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة وتجدید النکاح، وظاهره أنه أمر احتیاطاً الخ. (شامي، کتاب الجهاد، باب المرتد، زکریا ٦/ ۳۹۰، کراچی ٤/ ۲٤٦، کوئٹه ۳/ ۳۱٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۵۸۱)

جو میں ہوں وہ تو ہے اور میں تو شرک در شرک ہے

سوال [۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ایک خط کا تذکرہ جو حضرت گنگوہیؒ نے اپنے پیر ومرشد حضرت حاجی امداد اللہ

صاحبؒ کی خدمت میں لکھا ہے، اس پورے خط کو حضرت شیخ الحدیثؒ نے فضائل صدقات حصہ دوم میں تحریر فرمایا ہے، اس خط کے چند الفاظ پر غیر مقلدین اعتراض کرتے ہیں۔ اور اس کا شافی وکافی انداز میں جواب طلب کیا ہے، اس خط کے چند الفاظ یہ ہیں: ''حضور نے جو بندۂ نالائق کے حالات سے استفسار فرمایا ہے، میرے ماوائے دارین اس ناکس کے کیا حالات اور کس درجہ کی کوئی خوبی ہے، جو آفتاب کمالات کے روبرو عرض کروں، بخدا سخت شرمندہ ہوں، کچھ نہیں ہوں، مگر جو ارشاد حضرت ہے تو کیا کروں، بناچاری کچھ لکھنا پڑتا ہے حضرت مرشد من علم ظاہری کا تو یہ حال ہے کہ آپ کی خدمت سے دور ہوئے، غالباً عرصہ سات سال سے کچھ زیادہ ہوا ہے، اس سال تک دو سو سے چند عدد زیادہ آدمی سند حدیث حاصل کر کے گئے اور اکثر ان میں وہ ہیں کہ انہوں نے درس جاری کیا اور سنت کے احیاء میں سرگرم ہوئے اور اشاعت دین ان سے ہوئی اور اس شرف سے زیادہ کوئی شرف نہیں، اگر قبول ہوجائے اور حضرت کے اقدام نعلین کی حاضری کے ثمرہ کا یہ خلاصہ ہے کہ جذبۂ قلب میں غیر حق تعالیٰ سے نفع وضرر کا التفات نہیں واللہ بعض اوقات اپنے مشائخ کی طرف سے علیحدگی ہوجاتی ہے؛ لہٰذا کسی کی مدح وذم کی پرواہ نہیں رہی اور ذام و مادح کو دور جانتا ہوں اور معصیت کی طبعاً نفرت اور اطاعت کی طبعاً رغبت پیدا ہوگئی ہے اور یہ اثر اسی نسبت یادداشت بیرنگ کا ہے، جو مشکوۃ انوار حضرت سے پہنچتی ہے، پس زیادہ عرض کرنا گستاخی اور شوخ چشمی ہے، یا اللہ معاف فرمانا کہ حضرت کے ارشاد سے تحریر ہوا ہے، جھوٹا ہوں کچھ نہیں ہوں''۔

تیرا ہی ظل ہے، تیرا ہی وجود ہے میں کیا ہوں کچھ نہیں
اور وہ جو میں ہوں وہ تو ہے اور میں تو شرک در شرک ہے

استغفر اللہ استغفر اللہ استغفر اللہ لا حول ولا وقوۃ إلا باللہ. (فضائل صدقات ص: ۴۰۹، ۵۵۶) خط کشیدہ الفاظ کے معنی ومطالب صاف اور واضح انداز میں تحریر فرمائیں۔

اعتراض منجانب غیر مقلدین:

(۱) سوچئے عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو رب کا حصہ بنا کر مشرک، یہودی عزیر علیہ السلام کو رب کا بیٹا بنا کر مشرک اور بریلوی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نور من نور اللہ کہہ کر مشرک؛ لیکن تبلیغی جماعت والے دیوبندی عالم کو تیرا ہی ظل، تیرا ہی وجود، جو میں ہوں وہ تو، میں اور تو خود شرک در شرک کہہ کر موحد کے موحد اور توحید کے ٹھیکیدار۔ کیا یہ شرک فی الذات نہیں ہے؟

(۲) تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں ''بہشتی زیور، ص: ۶۹'' میں: چھوٹی لڑکی سے اگر مرد نے صحبت کی جو ابھی جوان نہیں ہوئی، تو اس پر غسل واجب نہیں، ہاں عادت ڈالنے کے لئے اس سے غسل کرانا چاہئے۔ زانیوں اور بدکاروں کے لئے تجاویز ومشورے مفت میں حنفی مسلک کے کتابوں میں جو صراحتاً قرآن وحدیث سے ٹکراتے ہیں، جن کتابوں کا تعلق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بالکل ہی نہیں ہے۔

المستفتی: شہاب الدین قاسمی خطیب وامام مسجد بلال خوشحال نگر، کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل نے جن عبارات پر خط کھینچ کر مطلب دریافت فرمایا ہے، اس میں چار عبارات ہیں، شروع کی تین عبارات کا مطلب واضح ہے، جو حدیث شریف سے صاف طور پر ثابت ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جو کہ حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو میرے کسی ولی اور دوست سے عداوت رکھتا ہے، تو میں اس کے خلاف جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔ اور میرے بندے جن عبادتوں کے ذریعہ مجھ سے قریب ہوتے ہیں، ان میں سب سے محبوب ترین عبادت وہ ہے جس کو میں نے اپنے بندوں پر فرض کیا ہے۔ اور میرے بندے نوافل کے ذریعہ مجھ سے ایسے قریب ہو جاتے ہیں، کہ میں ان کو اپنی محبوبیت کا درجہ دے دیتا ہوں۔ اور میرے اور بندے کے درمیان ایسا شدید تعلق

ہو جاتا ہے کہ میں اس کا وہ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی وہ آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا وہ پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

اس حدیث شریف کی صریح عبارات سے شروع کی تینوں خط کشیدہ عبارات کا مطلب واضح ہو جاتا ہے، کہ انتہائی عاجزی انکساری کی حالت میں بندہ کا اللہ سے یہ کہنا کہ ''تیرا ہی ظل ہے، تیرا ہی وجود ہے، میں کیا ہوں، کچھ نہیں۔ اور جو میں ہوں وہ تو ہے'' بخاری کی عبارت کا عین ترجمہ ہے، اب سائل کا یہ کہنا کہ تبلیغی جماعت والے دیو بندی عالم کو ''موحد اور توحید کے ٹھیکیدار سمجھتے ہیں، کیا یہ شرک فی الذات نہیں؟'' اس طرح کے الفاظ سے موسوم کرنا بخاری شریف کی صحیح حدیث شریف جو کہ حدیث قدسی ہے، اس کا مذاق اڑانا ہے۔ اور ایسا کہنے والا خود اپنے ایمان کی حفاظت کرے۔ اب رہی چوتھی عبارت تو اس عبارت کا مطلب واضح ہونا ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ سائل کو دراصل امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی اس عبارت کو سمجھنے میں کمی رہی، بات اصل میں یہ ہے کہ جب کسی شخص پر تواضع فنائیت کا غلبہ ہوتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے مقابلہ میں ہر غیر کو بے اصل اور بے وقعت سمجھتا ہے، تو عالم مغلوبیت میں وہ اپنے سے صادر ہونے والے افعال کی نسبت خود اپنی طرف کرتے ہوئے بھی شرم محسوس کرتا ہے۔ اور اسے ہر فعل میں قدرت خداوندی آشکارہ نظر آتی ہے، یقیناً یہ توحید کا اعلیٰ مقام اور توکل کا اونچا مرتبہ ہے، اسی مقام پر فائز ہو کر حضرت گنگوہیؒ نے مکتوب کے کلمات تحریر فرمائے ہیں، اس میں اپنی عاجزی کے اظہار کے ساتھ اپنی خوبیوں کو بھی اللہ ہی کی طرف منسوب کیا ہے، جیسا کہ بخاری شریف کی مذکورہ حدیث شریف میں اللہ کے نیک بندوں کی یہی صفت بیان کی گئی ہے۔ اور آخری جملہ میں جو یہ فرمایا کہ ''میں اور تو خود شرک در شرک ہیں'' اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی فعل میں ''میں اور تو'' کے ذریعہ انانیت کا اظہار، یا اللہ سے ہٹ کر غیر اللہ کی طرف کسی خوبی کی نسبت یہ بھی ایک طرح کا

شرک ہے۔ الغرض اس مکتوب میں سراسر شرک کی نفی کی گئی ہے، یہی اس مکتوب کا مطلب ہے۔ معترض کو موحد کے موحد اور توحید کے ٹھیکیدار اور شرک فی الذات کہاں سے نظر آیا، جب کہ اس میں شرک کی سراسر نفی کی گئی ہے۔

اب بخاری شریف کی حدیث ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي هريرة رضؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله قال: من عادى لي وليا فقد آذنته بالحرب، وما تقرب إلي عبد بشيء أحب إلي مما افترضت عليه، ولا يزال عبدي يتقرب إلي بالنوافل حتى أحببته، فكنت سمعه الذي يسمع به، وبصره الذي يبصر به، ويده الذي يبطش بها، ورجله الذي يمشي بها، وإن سألني لأعطينه، ولئن استعاذني لأعيذنه، وما ترددت عن شيء أنا فاعله ترددي عن نفس المؤمن يكره الموت وأنا أكره مساء ته. (بخاري، كتاب الرقاق، باب التواضع، النسخة الهندية ۲/ ۹۶۳، رقم: ۶۲۵۳، ف: ۶۵۰۲)

معترض نے حضرت تھانویؒ کی بہشتی زیور کی عبارت پر جو اعتراض کیا ہے، وہ ایک حیرت کی بات ہے۔ بہشتی زیور کی مذکورہ عبارت سے اس کو زنا کہاں سے نظر آیا؟ اور زانی اور بدکار کے لئے تجاویز اور مشورے کی بات کہاں سے نظر آئی؟ کیا ایسی لڑکی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے جو ابھی جوان نہ ہوئی ہو؟ بخاری شریف کی حدیث میں صاف وضاحت موجود ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چھ سال کی عمر میں ہوا ہے، کیا نابالغ لڑکی سے نکاح ہوجانے کے بعد اگر شوہر نے صحبت کرلی، تو کیا اسے زنا اور بدکاری کہا جائے گا؟ کیا وہ شوہر کے لئے حلال نہیں ہوئی؟ معترض کی طرف سے یہ بھی در پردہ بخاری شریف کی حدیث کا مذاق اڑانا ہے۔ حضرت تھانویؒ نے یہ مسئلہ حدیث شریف کے پیش نظر صحیح اور درست لکھا ہے کہ اگر چھوٹی لڑکی جو ابھی جوان اور بالغ نہیں ہوئی ہے، اس سے نکاح ہوجائے، تو حدیث شریف کے مطابق جائز اور درست ہے۔ اور جب نکاح ہوگیا ہے، تو اس کے ساتھ

شوہر کے صحبت کرنے کا نام صحبت ہی ہوگا، یا زنا اور بدکاری؟ اب معترض خود فیصلہ کرے، معترض کو اپنے اس گندے اعتراض پر توبہ کرنی چاہئے۔

عن عائشة رضـ قالت: تزوجني النبي صلى الله عليه وسلم وأنا بنت ست سنين –إلى قوله– فأسلمني إليه وأنا يومئذ بنت تسع سنين. (بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب تزويج النبي صلى الله عليه وسلم عائشة ......، النسخة الهندية ١/ ٥٥١، برقم: ٣٧٥٦، ف: ٣٨٩٤)

عن هشام عن أبيه قال: توفيت خديجة رضـ قبل مخرج النبي صلى الله عليه وسلم إلى المدينة بثلث سنين، فلبث سنتين أو قريبا من ذلك، ونكح عائشة وهي بنت ست سنين، ثم بنى بها وهي بنت تسع سنين. (بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب تزويج النبى صلى الله عليه وسلم عائشة ......، النسخة الهندية ١/ ٥٥١، برقم: ٣٧٥٨، ف: ٣٨٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱/۱۰ھ

''اللہ کے نور سے حضور اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے نور سے سارا جہاں پیدا ہوا'' کہنا

سوال [۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اللہ کے نور سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے سارا جہاں پیدا ہوا، کیا اس طرح کی بات کہنا درست ہے۔

المستفتی: ڈاکٹر روشن علی، محمد سالم علی وغیرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوالنامہ میں درج شدہ شکل کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے؛ البتہ اس طرح کہنا درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا نور ہدایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہدایت سے سارے

جہاں کےلوگوں کونور ہدایت کا راستہ حاصل ہوا ہےاوراسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کی آیت: ’’نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَهْدِیْ اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَشَآءُ‘‘ [النور: ۳۵] سے اشارہ فرمایا ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۲۷)

تقدیر کا مضحکہ کفر ہے

سوال [۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک جاہل مسلمان رکشہ پولر نے جہالت کی وجہ سے ایک خاص طبقہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی قسمت سونے کے قلم سے لکھی ہے۔اور ہماری قسمت گدھے کے لنڈ سے لکھی ہے۔

المستفتی: محمد جابر موضع پترامپور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ شانِ الٰہی اور اوامر حق تعالیٰ کے ساتھ مضحکہ اور تمسخر ہے، جو موجب کفر ہے، ایسے شخص پر اپنے فعل سے توبہ کرنا اور تجدید نکاح کر لینا ضروری ہے۔

ویکفر إذا وصف اللّٰہ تعالیٰ بما لایلیق بہ أو سخر باسم من أسمائہ، أو بأمر من أوامرہ الخ. (عالمگیری، کتاب السیر، الباب التاسع، مطلب موجبات الکفر أنواع ...... جدید زکریا ۲/ ۲۷۱، قدیم ۲/ ۲۵۸)

وما فیہ خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبۃ وتجدید النکاح. (الدر المختار، کتاب الجہاد، باب المرتد، زکریا ۶/ ۳۹۰، کراچی ۴/ ۲۴۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۱۲/ ۱۴۱۰ھ

علماء حق کی توہین اوران کومنافق کہنا

سوال [۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید بکر سے کہتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے کہ جو خدا کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اوراس کی فرماں برداری کرے ؛ لہٰذا جو شخص خدا کی طرف بلائے خواہ وہ کسی طریقے سے ہو، مثلاً انبیاء کرام معجزہ کے ذریعہ، علماء کرام دلائل کے ذریعہ، مجاہدین تلوار کے ذریعہ اور مؤذن اذان سے ،تو وہ شخص اس آیت کی تعریف اور بشارت میں داخل ہے اور جو دیندار یا علماء کرام بوریا بستر باندھ کر لوگوں کو بلاتے ہیں، وہ بھی اس میں داخل ہیں۔ اور علماء کرام مثل کنواں کے بھی ہیں اور مثل بادل کے بھی ، جب اللہ کی رحمت جوش میں آتی ہے، تو علماء کرام کا علم امت پر بارش کی طرح برستا ہے۔ اور جب ایمان کی پیاس زور پر ہوتی ہے تو ایمان والے علماء کرام اور صلحاء کی مجلس وصحبت میں بیٹھ کر سیراب ہوتے ہیں، جیسے کہ پیاسے آدمی کنویں کے پاس جاتے ہیں اوراپنی پیاس کو بجھاتے ہیں؛ لیکن بکر زید سے کہتا ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ علماء کرام مثل کنویں کے بھی ہیں ؛ بلکہ علماء کرام صرف بادل کی طرح ہیں، جیسا کہ انبیاء کرام اور صحابہ کرام بادل کی طرح برستے تھے، علماء کو چاہئے کہ بارش کی طرح برسیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ بوریا بستر باندھ کر لوگوں کو دین کی دعوت دیں، اور جو علماء بوریا بستر باندھ کر لوگوں کو دین کی دعوت نہیں دیتے ہیں، تو ایسے علماء کا علم چہار دیواری کے اندر رہتا ہے، ایسے لوگ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے ، بکر ایسے علماء کو منافق سے تعبیر کرتے ہیں اور علم کے طلب گاروں کو زید کے پاس جانے سے منع کرتے ہیں۔ کیا بکر کی بات صحیح ہے؟ اگر صحیح نہیں ہے تو بکر اور بکر کے ماننے والوں کی خدا کے یہاں کس طرح مہمانی ہوگی، شریعت کی روشنی میں جواب دیا جائے ، عین کرم ہوگا۔ فقط والسلام

المستفتی: سرور احمد صدیقی حبیب گنج رام گڈھ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث شریف میں علم کے پیاسوں اور طلب گاروں کو خود سفر کر کے علماء سے علم حاصل کرنے کا حکم کیا گیا ہے۔

اور اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ. [التوبة: ۱۲۲]

عن أنس بن مالک قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: من خرج في طلب العلم فهو في سبیل اللّٰہ حتی یرجع. (ترمذي، کتاب العلم، باب فضل طلب العلم، النسخة الهندیة ۲/ ۹۳، دارالسلام، رقم: ۲٦٤٧، مسند بزار، مکتبة العلوم والحکم ۱۳/ ۱۳۰، رقم: ٦٥٢٠، المعجم الصغیر ۱/ ۲۳٤، رقم: ۳۸۰)

اس لئے ایک جگہ بیٹھ کر درس وتدریس میں مشغول رہنے والے علماء کرام کو نعوذ باللہ منافق کہنا سخت محرومی کی بات ہے۔ اور چہار دیواری میں رہ کر جو علماء کرام درس وتدریس میں مشغول ہیں ان کو کنویں سے تشبیہ دینا اس اعتبار سے درست ہے کہ ان کے پاس طالبانِ علم دین خود حاضر ہو کر اپنی علمی پیاس بجھاتے ہیں۔ اور بادل وبارش کے ساتھ تشبیہ دینا بھی اس اعتبار سے درست ہے کہ وہ حضرات اپنی تصنیف وتالیف اور شاگردوں کے ذریعہ عوام اور عامۃ المسلمین تک علم دین پہنچاتے ہیں؛ اس لئے جو بدبخت ایسے علماء کو منافق سے تعبیر کرتا ہے، وہ خود اپنے ایمان کی حفاظت کرے۔

عن أبي حفص حدثه أنه سمع أنس بن مالک یقول: قال النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: إن مثل العلماء في الأرض کمثل النجوم في السماء یهتدی بها في ظلمات البر والبحر، فإذا انطمست النجوم أوشک أن تضل الهداة. (مسند أحمد ۳/ ۱۵۷، رقم: ۱۲٦۲۷)

ویخاف علیه الکفر إذا شتم عالماً أو فقیها من غیر سبب. (فتاوی

عالمگیری، کتاب السیر، الباب التاسع، مطلب موجبات الکفر أنواع ……، زکریا قدیم ۲/ ۲۷۰، جدید ۲/ ۲۸۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۵۱)

''مفتی سے جو چاہے لکھوالو'' کہنے والے کا حکم

سوال [۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ذمہ داران مسجد کو اگر کوئی فتوی قرآن وحدیث کی روشنی میں دکھلاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ: مولوی لوگ تو ایسے ہی لکھ دیتے ہیں، جو ان سے چاہو لکھوالو، تو سوال یہ ہے کہ فتوی لکھنے والے علماء کرام، مفتیان عظام کو اس انداز سے ذمہ داران مسجد کا کہنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: علماء دین کو برا بھلا کہنا اور ان کی گستاخی اور توہین کرنا شرعاً حرام اور جرم عظیم کا ارتکاب ہے۔ اور ذمہ داران مسجد کا یہ کہنا کہ مولوی لوگ ایسے ہی لکھ دیتے ہیں جو ان سے چاہو لکھوالو، یہ علماء اور مفتیان عظام کی توہین ہے اور ایسے الفاظ استعمال کرنے والا موجب فسق ہے، اس کے اوپر توبہ کرنا لازم ہے۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۶/ ۱۱۴، جدید ڈابھیل ۲/ ۴۲۵)

الاستخفاف بالعلماء لكونهم علماء استخفاف بالعلم –إلى قوله– والاستخفاف بالأشراف والعلماء كفر. (بزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاما أو كفرا ……، الثامن في الاستخفاف بالعلم، زكريا جديد ۳/ ۱۸۸، وعلى هامش الهندية، زكريا قديم ٦/ ٣٣٦)

ومن أبغض عالماً بغير سبب ظاهر خيف عليه الكفر. (مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد ألفاظ الكفر أنواع، قديم ١/ ٧٠٣، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٠٩)

ومن أبغض. وفي الذخيرة: ومن شتم عالماً أو فقيهاً من غير سبب خيف عليه الكفر. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل السادس عشر، مكتبه زكريا ۷/ ۳۳۵، رقم: ۱۰۶۲٤، المحيط البرهاني، الملجس العلمي ۷/ ٤۲۰، رقم: ۹۲٦۰، البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، كوئٹه ٥/ ۱۲۳، زكريا ٥/ ۲۰۷)

حدثني عبد الله قال: سباب المسلم فسوق. (بخاري، النسخة الهندية ۲/ ۸۹۳، رقم: ٥۸۰۹، ف: ٦۰٤٤، ٤۸، مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان قول النبي صلى الله عليه وسلم: سباب المسلم فسوق وقتاله كفر، النسخة الهندية ۱/ ٥۸، بيت الأفكار، رقم: ٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۸۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۵/۲۲ھ

’’ہم بے شرع ہی رہیں گے اور ہم فتوی نہیں مانتے‘‘ کہنا؟

سوال [۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں میں دو پارٹیاں ہیں، دونوں مسلم حنفی المسلک ہیں۔ ایک پارٹی کا ایک شخص اپنی اکثریت ودولت ونفسانیت کی بنا پر اگر یہ جملہ کہے کہ ’’ہم بے شرع ہی رہیں گے‘‘۔ اور ایک نے اسی بنیاد پر یہ جملہ کہا کہ ’’ہم فتویٰ کو نہیں مانتے اور جانتے‘‘ تو ان کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبد اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلے دو جملے ’’ہم فتویٰ کو نہیں مانتے اور جانتے اور ہم بے شرع ہی رہیں گے‘‘ ایسے ہیں کہ ان سے ایمان کا سلامت رہنا دشوار ہے؛ لہٰذا نادم

ہوکر سچے دل سے توبہ کرلیں اور کلمہ پڑھ کر دو گواہوں کے سامنے نکاح کا ایجاب وقبول دوبارہ کرلیں۔ (فتاوی عالمگیری، البحر الرائق) وغیرہ میں ایسا ہی مذکور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد: (سندوقت وحضرت اقدس مفتی) محمود حسن صاحب
(دامت برکاتہم) غفرلہ دیوبند ۸/۳/۱۴۰۱ھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حضرت اقدس مفتی اعظم ہند مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہم کا جواب "**تخفيف العلم و العلماء كفر**" اور "احسن الفتاوی ۱/ ۳۸، کفایت المفتی قدیم ۱/ ۳۵، ۱/ ۴۰، جدید زکریا ۱/ ۹۱، مطول ۱/ ۱۲۷، مجموعۃ الفتاوی ۱/ ۲۸۵، فتاوی احیاء العلوم ۱/ ۸۷، ۱/ ۹۷، امداد الفتاوی ۵/ ۳۹۱، فتاوی عالمگیری کی عبارت: "**رجل عرض عليه خصمه فتوى الأئمة فردها، وقال: چه بار نامه فتوى آورده، قيل: يكفر؛ لأنه رد حكم الشرع**".

(عالمگيري، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، مطلب موجبات الكفر أنواع، زكريا ۲/ ۲۷۲، جديد ۲/ ۲۸۳) "فتاوی بزازیہ ۶/ ۳۳۸" وغیرہ کی روشنی میں بالکل حق ہے۔ **وماذا بعد الحق إلا الضلال.** فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۴/ ۷)

اکابر علماء دیوبند وندوۃ العلماء کو کافر کہنا

سوال [۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مولانا اکرام ندوی نے جب اپنے بھائی کا رشتہ ایک بدعتی کے یہاں کیا، تو ان بدعتی حضرات نے سوال کیا کہ جب تک تم سب علماء دیوبند اور ندوۃ العلماء کو کافر نہ کہو گے اور لکھ کر نہ دو گے رشتہ نہ ہوگا۔ اور بدعتی حضرات خط میں لکھ کر

لائے کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا علی میاں ندویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا اسماعیل شہید دہلویؒ کے بارے میں مولوی اکرام ندوی اوران کے خاندان کے بڑے لوگ دستخط کردیں کہ یہ سب کافر ہیں علماء دیوبند۔ اور پھر اس طرح یہ رشتہ ہوگیا، تو ایسے لوگوں سے تعلق رکھنا کیسا ہے؟۔ دوندوی صحابہ کرام کی غلطی نکالتے ہیں، ایسے دونوں ندوی حضرات کو کیا کہا جائے؟

المستفتی: افروز عالم امام مسجد وزیر باغ لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان میں مختلف فرقۂ باطلہ اپنے عقائد باطلہ ہر طرف پھیلا رہے ہیں، علماء دیوبند رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام کے طریقہ کے مطابق عقیدہ کی تعلیم دیتے ہیں اوراسی کی تربیت دیتے ہیں؛ اس لئے علماء دیوبند ہی درحقیقت صحیح اورحق پر ہیں؛ اس لئے کہ علماء دیوبند نے ہمیشہ فرقۂ باطلہ اور عقائد باطلہ کا مقابلہ کیا ہے، ان کو کافر کہنے والے خود اپنے ایمان کی حفاظت کریں۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا علی میاں ندوی وغیرہم نوراللہ مرقدہم کے عقیدے عین سنت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے عقیدے کے عین مطابق ہیں، ان کو کافر کہنے والے خود اپنے ایمان کو برباد کررہے ہیں؛ اس لئے مولانا اکرام ندوی ہوں یا کوئی اور اپنے بھائی کسی عزیز کے رشتہ کے لئے ان پاکباز علماء کو کافر کہنے کے لئے ہرگز آمادہ نہ ہوں۔ کیوں کہ حدیث میں آیا ہے جو کسی مسلمان کو کافر کہے وہ خود اپنے ایمان کی خیر منالے۔

عن أبي ذر قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: لا یرمي رجل رجلاً بالفسوق، ولا یرمیه بالکفر إلا ارتدت علیه إن لم یکن صاحبه کذلک. (بخاري، کتاب الأدب، باب ما ینهی عن السباب واللعن، النسخة الهندیة ۲/ ۸۹۳، رقم: ۵۸۱۰، ف: ۶۰۴۵، مسند البزار، مکتبة العلوم والحکم ۹/ ۳۵۴، رقم:

۳۹۱۹، مسند إمام أحمد ٥/ ١٨١، رقم: ٢١٩٠٠٤، مشکوۃ/ ١٤١١، فتاوی رحیمیہ، قدیم ١/ ٢، جدید زکریا ٢/ ١٦)

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنه أن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: إذا کفر الرجل أخاه فقد باء بها أحدهما. (مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان من قال لأخیه المسلم: یا کافر، النسخة الهندیة ١/ ٥٧، بیت الأفکار، رقم: ٦٠، مسند بزار ١٥/ ٢١٠، رقم: ٨٦١٨، بخاري، کتاب الأدب، باب من أکفر أخاه بغیر تاویل، النسخة الهندیة ٢/ ٩٠١، رقم: ٥٨٦٦، ف: ١٠٤)

وفي روایة: ومن دعا رجلا بالکفر، أو قال: عدو اللّٰہ ولیس کذلک إلا حار علیه. (مسند أحمد ٥/ ١٦٦، رقم: ٢١٧٩٧)

اور جن دوندویوں کی صحابہ کرام کی غلطی نکالنے کی بات سوالنامہ میں ہے، واضح کریں کیا غلطی نکالتے ہیں اور محض یہ کہنا درست نہیں کہ فلاں غلطی نکالتے ہیں، اس کے بعد جواب لکھا جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲؍شعبان ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۱۸)	۱۴۲۵/۸/۲ھ

قرآن، رسول اللہ ﷺ، اذان اور علماء کی توہین کا حکم

سوال [۹٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اگر کوئی مسلمان مجمع عام میں کہہ دے کہ قرآن وران کوئی چیز نہیں ہے، یہ سب من گھڑت ہیں؟

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اچھے تو رام لکشمن ہیں۔

(۳) مندر میں گھنٹی بجتی ہے وہ مجھے بہت اچھی لگتی ہے، اذان بہت بری لگتی ہے۔

(۴) تقریر کرتے ہوئے مسجدوں میں علماء ایسے لگتے ہیں جیسے سور گڑگڑا رہے ہوں، ایسے شخص کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتیان: نو جوانان قصبہ شریف نگر مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کے مطابق جس شخص نے اس طرح کے الفاظ اپنی زبان سے ادا کئے ہیں، ایسا شخص یقینی طور پر اسلام سے خارج ہوکر مرتد ہو چکا ہے، اگر شادی شدہ ہے تو اس کا نکاح بھی ٹوٹ چکا ہے اور اس سے مسلمان اپنا تعلق قطع کرلیں اور اس وقت تک قطع تعلق رکھیں جب تک سچے دل سے تجدید ایمان کرکے اسلام میں داخل نہ ہوجائے۔ اور تجدید ایمان کے بعد بیوی سے باضابطہ دوبارہ نکاح ہوگا۔

إذا أنكر آية من القرآن أو سخر بآية من القرآن أو عاب، فقد كفر.

(التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل العاشر ٧/ ٣١٥، برقم: ١٠٥٧٦)

لو سمع الأذان، فقال: هذا صوت الجرس، يكفر، وإن استهزء بالأذان يكفر. (تاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الثاني عشر، زكريا ٧/ ٣٢٦، رقم: ١٠٦٠٠)

إهانة أهل العلم كفر على المختار. (شامي، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في الجرح المجرد، زكريا ٦/ ١٢١، كراچی ٤/ ٧٢)

لو عاب النبي صلى الله عليه وسلم بشيء من العيوب يكفر. (تاتار خانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل السابع، زكريا ٧/ ٣٠٣، رقم: ١٠٥٤٨)

ويكفر من أراد بغض النبي صلى الله عليه وسلم بقلبه أو بقوله. (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، كوئٹه ٥/ ١٢١، زكريا ٥/ ٢٠٣)

ثم إن كانت نية القائل الوجه الذي يوجب التكفير لاتنفعه فتوى المفتي، ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك وبتجديد النكاح بينه وبين

امرأته. (هندية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة، جديد زكريا ٢/ ٢٩٣، قديم زكريا ٢/ ٢٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۹/ ۱۰۴۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۲۷ھ

بریلوی علماء کا اکابر دیوبند کو کافر کہنا

سوال [۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بریلوی فرقے کے پیشوا امت کے اکثر طبقوں کو کافر کہتے ہیں۔ اور ان کے کفر کی پر زور تبلیغ کرتے ہیں، جلیل القدر علماء جیسے مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کو کافر کہتے ہیں اور ان بزرگوں سے منسلک طبقوں کو بھی کافر کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر اور جو ان سے تعلق رکھے وہ بھی کافر۔

المستفتی: اکرام علی قاسمی، ناظم مدرسہ اشرف المدارس ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ تینوں بزرگ باکمال، صاحب کرامت، متبع سنت، عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحیح العقیدہ، اہل سنت والجماعت تھے، اصول واعتقادیات میں حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ، امام ابو منصور ماتریدی اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے متبع اور مقلد تھے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۴/ ۶، جدید زکریا ۳/ ۵۵، کفایت المفتی قدیم ۱/ ۱۹۹، ۱/ ۲۰۱، جدید زکریا ۱/ ۲۴۵، ۱/ ۲۴۷، جدید زکریا مطول ۱/ ۶۵۸)

ان اکابرین اور ان سے منسلک طبقوں، علماء حرمین، حکومت سعودیہ اور تبلیغی اجتماعات میں شریک ہونے والوں کی تکفیر کرنے والے اپنی آخرت کو برباد کرتے ہیں۔

عن أبي ذر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يرمي رجل

رجلاً بالفسوق، ولا یرمیه بالکفر إلا ارتدت علیه إن لم یکن صاحبه کذلک. (بخاري، کتاب الأدب، باب ما ینهی عن السباب واللعن، النسخة الهندیة ۲/ ۸۹۳، رقم: ۵۸۱۰، ف: ۶۰۴۵، مسند بزار، مکتبة العلوم والحکم ۹/ ۳۵۴، رقم: ۳۹۱۹، مسند إمام أحمد ۵/ ۱۸۱، رقم: ۲۱۹۰۰۴، مشکوۃ/ ۱۴۱۱، فتاوی رحیمیه، قدیم ۱/ ۲، جدید زکریا ۲/ ۱۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍ رجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۳۱)

حضرت نانوتویؒ حضرت گنگوہیؒ وغیرہ کو-العیاذ باللہ- کافر کہنے والے کی نماز جنازہ

سوال [۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو شخص حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا الیاس صاحبؒ وغیرہ علماء کرام اور مسلک دیوبند پر چلنے والے لوگوں کو برملا کافر کہتا ہے اور مائک پر اس کا اعلان کرتا ہے، تو کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ اور ایسا عقیدہ رکھنے والے کی نماز جنازہ میں شرکت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور دیگر علماء حق کو برملا گالی دیتا اور ان کو کافر کہتا ہے تو ایسا شخص سخت ترین گمراہی کا شکار اور فاسق معلن ہے۔ اور فاسق کی نماز جنازہ جائز ہے اور اس کے پیچھے نماز بھی کراہت کے ساتھ ہو جاتی ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

عن أبي هریرة –رضي اللہ عنه– قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه

وسلم: الجهاد واجب عليكم -إلى- الصلاة واجبة عليكم خلف كل مسلم برا كان أو فاجرا. (أبوداؤد، الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور، النسخة الهندية ١/ ٣٤٣، دارالسلام، رقم: ٢٥٣٣)

عن ابن سيرين قال: ما أعلم أحدا من أهل العلم ولا التابعين ترك الصلوة على أحد من أهل القبلة تأثما. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ٧/ ٣٨٥، رقم: ١١٩٨٧)

عن عاصم قال: قلت للحسن: إن لي جارا من الخوارج مات، أ أشهد جنازته؟ قال: أخرج على المسلمين؟ قال: قلت: لا، قال: فاشهد جنازته. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٧/ ٣٨٥، رقم: ١١٩٨٨)

يكره إمامة عبد وفاسق ومبتدع، ويكره الاقتداء بهم تنزيها. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، قبيل مطلب: البدعة خمسة أقسام، كراچی ١/ ٥٥٩، ٥٦٠، زكريا ٢/ ٢٩٨)

فالحاصل: أنه يكره لهؤلاء التقدم، ويكره الاقتداء بهم كراهة تنزيهية، فإن أمكن الصلوة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولى من الإنفراد. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كوئٹه ١/ ٣٤٩، زكريا ١/ ٦١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

ہندی انگریزی نہ جاننے والے علماء کو پچھلے درجہ کا گنوار سمجھنا

سوال [۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو یہ کہے کہ ہر شخص کو انگریزی و ہندی کا علم ہونا بہت ضروری ہے؛ کیوں کہ اگر ہم امریکہ جائیں اور ہم وہاں اسلام کا پیغام پہنچانا چاہیں تو کیسے پہنچائیں گے:

کیوں کہ نہ ہی ہم انگریزی بولنا جانتے ہیں اور نہ ہی سمجھنا، اسی شخص کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر کوئی عالم دین ہو یا مقرر ہو، قاری ہو یا حافظ ہو، بہر حال حدیث کا کتنا بھی علم حاصل کیا ہو یا قرآن کا کتنا بھی علم حاصل کیا ہو، اگر وہ انگریزی نہیں جانتا تو میں ایسے شخص کو بالکل جاہل ان پڑھ، بنڈل پچھلے درجہ کا گنوار مانتا ہوں، پھر آگے کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ فرمایا ہے کہ علم حاصل کرو چاہے وہ کوئی سا بھی ہو، جو شخص علماء وقراء وحفاظ کو ایسے گندے الفاظ بولے تو اس شخص کے بارے میں قرآن کا کیا حکم ہے؟ تفصیل کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد شمشاد القادری رضوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندی، انگلش وغیرہ کی تعلیم زندگی کی ضرورت اور معاشی وسماجی اور شہری زندگی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے حاصل کی جاتی ہے، جو اپنی جگہ جائز اور درست ہے اور اس طرح کی تعلیم کو دنیوی تعلیم کہا جاتا ہے اور کبھی ایسی تعلیم کے ذریعہ سے دوسری قوموں کو دین پہنچانے میں مدد بھی ملتی ہے؛ اس لئے ایسی تعلیم حاصل کرنا غلط نہیں ہے، ہاں البتہ ایسی تعلیم میں دہریت کے مضامین پڑھنا اور ان سے مانوس ہونا جائز نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہودیوں کی تعلیم سیکھنے کا حکم فرمایا اور انہوں نے پندرہ دن کے اندر ضرورت کے مطابق سیکھ لی تھی۔

عن زيد بن ثابت قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أتعلم له كلمات من كتاب يهود. وفي رواية: أن أتعلم السريانية. (ترمذي، أبواب الآداب، باب في تعليم السريانية ۲/ ۱۰۰، دارالسلام، رقم: ۲۷۱۵، سماجی زندگی/ ۴۵)

لیکن جو شخص اتنا اکڑ کر امریکہ جا کر اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے علماء کی شان میں گستاخانہ جملہ استعمال کر رہا ہے، شاید وہ شخص نہ کامل طور پر انگریزی جانتا ہوگا اور نہ

ہی امریکہ جاکر اسلام پھیلایا ہوگا اور نہ اس کے پاس اسلام کی اتنی تعلیم ہوگی جس کے ذریعہ سے غیروں کے سامنے صحیح اسلام پیش کرسکے، اس کو پہلے اپنی خبر لینی چاہئے۔

(۲) اس نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ جو شخص انگریزی ہندی نہیں جانتا اس نے قرآن وحدیث اور دین کا کتنا بھی علم حاصل کیا ہو وہ بالکل جاہل ان پڑھ، پچھلے درجہ کا گنوار ہے، یہ بات خود کہنے والے کی جہالت اور گمراہی کو ثابت کرتی ہے، نہ اسے دینی علوم سے واسطہ ہوگا۔ اور نہ ہی ہندی انگلش کا وہ شخص ماہر فن ہوسکتا ہے، قرآن وحدیث کے اندر جس کو عالم کہا گیا ہے اس سے صرف قرآن وحدیث کا عالم مراد ہے۔

المراد بالعلم العلم الشرعي الذي يفيد المعرفة ما يجب على المكلف من أمر عباداته ومعاملاته، والعلم بالله وصفاته، وما يجب له من القيام بأمره وتنزيهه النقائص ومدار ذلك على التفسير والحديث والفقه. (فتح الباري، مطبع دارالإيمان ۱/ ۱۷۰، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۸۸، أنوار هدايت/ ۵۱۵)

(۳) جو شخص علماء، قراء اور حفاظ کے بارے میں محض انگریزی اور ہندی سیکھنے کی وجہ سے ایسے گندے اور مغلظ الفاظ اختیار کرتا ہے وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، اس کو توبہ کرنا لازم ہے، نیز بعض دفعہ ایسے شخص کے ضیاع ایمان کا خطرہ ہوجاتا ہے، اس کو فوراً توبہ کرلینی چاہئے۔

عن أبي ذر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يرمي رجل رجلا بالفسوق ولا يرميه بالكفر إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك. (بخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن، النسخة الهندية ۲/ ۸۹۳، رقم: ۸۱۰، ف: ۶۰۴۵، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۹/ ۳۵۴، رقم: ۳۹۱۹، مسند إمام أحمد ۵/ ۱۸۱، رقم: ۲۱۹۰۴)

ومن أبغض عالماً بغير سبب ظاهر خيف عليه الكفر –إلى قوله–

ویخاف علیه الکفر إذا شتم عالما أو فقیها من غیر سبب. (فتاوی عالمگیری، کتاب السیر، الباب التاسع، مطلب: موجبات الکفر أنواع ۲/ ۲۷۰، جدید ۲/ ۲۸۲)

والاستخفاف بالعلماء لکونهم علماء استخفاف بالعلم، والعلم صفات الله. (بزازیة، کتاب ألفاظ تکون إسلاما أو کفرا، الثامن في الاستخفاف بالعلم، جدید زکریا ۳/ ۱۸۸، وعلی هامش الهندیة ٦/ ۳۳٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۴۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۱/۱۴۲۳ھ

کیا عورت کی ران پر تعویذ باندھنا موجب کفر ہے؟

سوال [۱۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جنوبی افریقہ میں سعودی سلفی گروہ نے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ یہ سعودی سلفی گروہ کہتا ہے کہ مولانا تھانویؒ کی کتاب ''اعمال قرآنی'' میں جو یہ لکھا ہے کہ ولادت کی سختی اور تکلیف دور کرنے کے لئے اور ولادت کو آسان بنانے کے لئے عورت اپنی بائیں ران پر ''سورہ انشقاق'' کی دو آیتوں کا تعویذ باندھ لے، یہ قرآن کریم کے ساتھ سخت گستاخی ہے اور اس کی تعلیم کرنے والا کافر ہے۔ مؤدبانہ عرض ہے کہ حضرات مفتیان کرام اس بہتان وتکفیر کا مفصل ومدلل جواب ارسال فرما کر اہل السنّت والجماعت کے متبعین اور علماء دیوبند کے معتقدین کو شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ فقط والسلام

المستفتی: ہارون ابراہیم عفی عنہ ۲/۲/۲۰۱۱ء

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ''فتاوی ابن تیمیہ'' میں ایک فصل قائم کرکے پوری فصل میں صاف اور واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ

اگر عورت کو ولادت میں دشواری اور مشقت پیش آجائے تو قرآن کریم کی متعدد آیتوں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آیتوں کو ایک پلیٹ یا طشت میں لکھ کر اسے پانی سے دھل کر عورت کو پلا دے اور اس کے ناف کے نیچے کے پورے حصہ پر بہا دے، اس سے ولادت میں سہولت ہو جائے گی۔ اور انہوں نے امام احمد بن حنبلؒ کے بیٹے عبداللہ بن احمدؒ کا حوالہ بھی دیا ہے، اب غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک جس کے اندر پیٹ اور ران دونوں شامل ہیں، ہر انسان کے لئے ستر عورت ہے، جس میں عورت و مرد سب شامل ہیں۔ اور ہر عورت کا ستر تو پورا بدن ہے۔ اور ساتھ میں ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ مرد کے لئے ستر ہے، اب سوال یہ ہے کہ ناف کے نیچے جب آیت کریمہ کے پانی کو بہایا جا سکتا ہے تو ران پر بہانے میں کیا نقصان ہے؟ تو ہم سمجھتے ہیں کہ ناف کے نیچے کا حصہ ران کے مقابلہ میں زیادہ معیوب ہے، جب بطور علاج ناف کے نیچے بہایا جا سکتا ہے، تو ران میں بھی بہانا جائز ہوگا، جب آیت کریمہ کا پانی براہ راست بہانا جائز ہے، تو آیت کریمہ کا تعویذ بنا کر اس پر غلاف چڑھا کر تکلیف دور ہونے اور بچہ کے باہر آنے تک کے لئے باندھ دیا جائے تو کفر کی بات کہاں سے لازم آتی ہے؛ بلکہ یہاں آیت کریمہ کو بطور علاج کے استعمال کرنے میں اس کا احترام ہے نہ کہ اہانت، نیز مسجد حرام میں سینکڑوں سلفی حضرات کو دیکھنے میں آیا ہے کہ کعبۃ اللہ کی طرف پیر پھیلا کر اور اپنے ٹانگوں پر رکھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں، یہاں تو ایک دو آیت کا مسئلہ ہے اور وہاں پورے قرآن کا مسئلہ ہے، تو کیا سلفی حضرات ان سب سلفی حضرات پر کفر کا فتویٰ صادر کریں گے جو رانوں پر اور ٹانگوں پر قرآن رکھ کر قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ اور جس طرح رانوں اور ٹانگوں پر رکھ کر کپڑا اور غلاف کا آڑ ہے، اسی طرح تعویذ میں بھی موم جما کر آڑ پیدا کیا جاتا ہے، نیز ایک سوال یہ ہو سکتا ہے کہ ولادت کے وقت طہارت اور وضو باقی نہیں رہتا تو حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے تعویذ لکھ کر اسی حالت میں عورت کے بازو پر

باندھنے کی ترغیب دی ہے، نیز جس وقت عورت کے پیٹ پر پانی بہایا جارہا ہوگا، اس وقت لازمی طور پر عورت کا وضو نہیں رہتا ہوگا؛ لہٰذا ہم ٹانگوں پر رکھ کر قرآن کریم کی تلاوت کرنے کو اور کعبۃ اللہ کی طرف پیر پھیلانے کو بے ادبی اور گستاخی سمجھتے ہیں اور علاج کے لئے آیت کریمہ کے پانی کو پیٹ اور ران پر بہانے اور تعویذ کی شکل میں باندھنے کو بے ادبی نہیں سمجھتے ہیں، اگر آپ مولانا اشرف علی تھانویؒ پر کفر کا فتویٰ صادر کرتے ہیں تو ناف کے نیچے پانی بہانے میں شیخ ابن تیمیہؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور عبداللہ بن احمدؒ کے بارے میں کیا فتویٰ دیں گے؟ اس لئے ہم ان سب مشائخ کو برحق سمجھتے ہیں۔ حضرت شیخ ابن تیمیہؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ان سب کو برحق اور متبع سنت سمجھتے ہیں۔ اور ان میں سے کسی کو کافر کہنا ان کی جلالت شان کے بارے میں ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنے زمانہ سے چھ سو سال پہلے کے فقہاء کی عبارات سے یہ مسئلہ لکھا تھا، چنانچہ ''فتاوی تاتارخانیۃ'' میں ''فتاوی الحجۃ'' کے حوالہ سے واضح انداز میں یہ عبارت موجود ہے۔

وفي فتاوى الحجة: وقيل: إن المرأة إذا تعسر عليها الولادة يكتب على قرطاس: بسم الله الرحمن الرحيم، وألقت ما فيها وتخلت واذنت لربها وحقت، أهيا اشرأهيا، وتعلق من فخذها اليسرىٰ تلقى الولد من ساعته إن شاء الله تعالىٰ عز وجل. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل التاسع في الحيض و النفاس، مكتبه زكريا ۱/ ۵٤۱، برقم: ۱٤۷۰)

فتاوی ابن تیمیہ کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

ويجوز أن يكتب للمصاب وغيره من المرضى شيئا من كتاب الله، وذكره المداد المباح، ويغسل ويسقى كما نص على ذلك أحمد وغيره، قال أحمد وغيره: قال عبدالله بن أحمد: قرأت على أبي ثنا يعلى بن عبيد، ثنا سفيان عن محمد بن أبي ليلى بسم الله ...... لا إله إلا الله

الحليم الكريم، سبحان الله رب العرش العظيم، الحمد لله رب العالمين (كأنهم يوم يرونها لم يلبثوا إلا عشيّةً أو ضحاها) كأنهم يوم يرونها ما يوعدون لم يلبثو إلا ساعة من نهار، بلاغ فهل يهلك إلا القوم الفاسقون) قال أبي: ...... ثنا أسود بن عامر بإسناده بمعناه، وقال: يكتب في إناء نظيف فتسقي، قال أبي: وزاد فيه وكيع فتسقي وتتضح مادون سرتها، قال عبدالله: رأيت أبي يكتب للمرأة في جام أو شيء نظيف، وقال أبو عمرو محمد بن شيوبه: ثنا يعلى بن الحسن بن شقيق، ثنا عبدالله بن المبارك عن سفيان، عن ابن أبي ليلى عن الحكم عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال: إذا عسر على المرأة ولادها فليكتب: بسم الله لا إله إلا الله العلى العظيم، لا إله إلا الله الحليم الكريم، سبحان الله رب العرش العظيم، والحمدلله رب العالمين (كأنهم يوم يرونها لم يلبثوا إلا عشيّةً أوضحاها) كأنهم يوم يرونها ما يوعدون لم يلبثو إلا ساعة من نهار، بلاغ فهل يهلك إلا القوم الفاسقون) قال علي: يكتب في كاغذة فيعلق على عضد المرأة، قال علي: وقد جربناه فلم نر شيئا أعجب منه، فإذا وضعت تحله سريعا، ثم تجعله في خرقة أو تحرقه، آخر كلام شيخ الإسلام ابن تيمية قدس سره ونور ضريحه. (فتاوی شيخ الإسلام ابن تيميه ۱۹/ ٦٤، تا ٦٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ر ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۲۹ھ

’’قرآن اللہ کا کلام کیسے ہوسکتا ہے‘‘ کہنے والے کا حکم

سوال [۱۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) حامد اور محمود دونوں صوم وصلاۃ کے پابند ہیں، دوران گفتگو حامد محمود سے کہنے لگا نعوذ باللہ قرآن اللہ کا کلام کیسے ہوسکتا ہے؟ جب کہ قرآن میں ہے، ’’شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے‘‘ اس پر محمود نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ تم ٹھیک کہتے ہو۔ ان دونوں کے ایمان کے بارے میں شریعت کا فیصلہ کیا ہے؟ لیکن دونوں اپنی بات پر بضد نہیں ہیں۔

(۲) ایک مجلس میں اسی موضوع پر گفتگو ہورہی تھی، حامد کی سخت تردید اور مخالفت کرتے ہوئے عمر کی زبان سے یہ نکل گیا کہ ہر سورۃ کے شروع میں جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہے وہ قرآن کریم کے باہر ہے؛ اسی لئے نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورۃ کے شروع میں بلند آواز میں نہیں پڑھی جاتی ہے، ہاں اللہ کے رسول نے اس کو پڑھا ہے، تھوڑی دیر کے بعد عمر اپنے آپ پر ملامت کرنے لگا کہ میں نے یہ کون سی بات اپنی زبان سے کہہ دی، یعنی مجھے ایسا ہرگز نہیں کہنا چاہئے، اب رات دن یہ فکر لگی رہتی ہے، میرے ایمان کے بارے میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے۔ معلوم نہیں مومن رہا یا ایمان سے خارج ہوگیا؟ جب کہ عمر شادی شدہ ہے، عمر کا اعتقاد ہے کہ بسم اللہ ہر سورۃ کے شروع میں ہے، یہ قرآن ہی پر مبنی ہے۔

المستفتی: عبدالعزیز، ممتاز احمد مبارکپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) حامد کا یہ کہنا کہ ’’قرآن کریم اللہ کا کلام کیسے ہوسکتا ہے؟‘‘ اس پر حامد ومحمود کو توبہ کرکے تجدید ایمان کرلینا چاہئے؛ اس لئے کہ قرآن اللہ کا کلام ہی ہے، اس میں شک کرنے والا مومن نہیں ہوسکتا۔

قال عمر بن الخطابؓ: إن هذا القرآن كلام الله، فلا أعرفنكم ما عطفتموه على أهوائكم. (مسند الدارمي، دارالمغني بيروت ٤/ ٢١١١، برقم: ٣٣٩٨)

عن أبي هريرةؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: المراء في القرآن كفر. (أبوداؤد، كتاب السنة، باب النهي عن الجدال في القرآن، النسخة الهندية ٢/ ٦٣٢، دارالسلام، رقم: ٤٦٠٣)

والقرآن كلام الله تعالىٰ غير مخلوق. (شرح عقائد، مبحث القرآن كلام الله غير مخلوق، مكتبه نعيميه ديو بند: ٥٧)

وإن القرآن كلام الله تعالىٰ غير مخلوق ولا محدث. (فتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، باب في المسائل الاعتقادية، زكريا ١٨/ ٧، برقم: ٢٧٨٥٦)

والكفر لغة الستر: وشرعا: تكذيبه صلى الله عليه وسلم في شيء مما جاء به من الدين ضرورة. (درمختار مع الشامي، كتاب الجهاد، باب المرتد، زكريا ٦/ ٣٥٧، كراچی ٤/ ٢٢٣)

إذا أطلق الرجل كلمة الكفر عمداً لكنه لم يعتقد الكفر، وقال بعضهم: يكفر، وهو الصحيح عندي؛ لأنه استخف بدينه. (شامي، كتاب الجهاد، باب المرتد، زكريا ٦/ ٣٥٨، كراچی ٤/ ٢٢٤)

(۲) ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ جو لکھا گیا ہے وہ دو سورتوں کے درمیان فصل کے لئے لکھا گیا ہے، ہاں البتہ سورۂ نمل میں جو بسم اللہ ہے، اس کے علاوہ ایک بار کی بسم اللہ قرآن کا جزو ہے، ہر سورۃ کا جزو نہیں یہی درست ہے، اسی وجہ سے سورۂ فاتحہ کے بعد جب کوئی سورۃ شروع کی جاتی ہے تو اس میں بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی، اگر بسم اللہ سورۃ کا جزو ہوتی تو جہراً بسم اللہ کے ساتھ سورۃ شروع کی جاتی، جب کہ ایسا نہیں ہے۔

ذهب قراء المدينة والبصرة وأبوحنيفة وغيره من فقهاء الكوفة إلى أنها ليست من الفاتحة، ولا من غيرها من السور والافتتاح بها للتيمن،

والحق أنها من القرآن أنزلت للفصل. (تفسير مظهري، زكريا جديد ١/ ٩، قديم ١/ ٣)

والمسألة في الحقيقة تبتني على أن التسمية ليست بآية من أول الفاتحة لا من أوائل السور عندنا ...... وأنها آية نزلت للفصل بين السور لا من أوائل السور. (مبسوط سرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١٥)

لاشك أنها من القرآن في سورة النمل. (روح المعاني، أبحاث جليلة في البسملة، زكريا ١/ ٧٣)

وإسلامه أن يتبرأ عن الأديان سوى الإسلام أو عما انتقل إليه بعد نطقه بالشهادتين. (درمختار مع الشامي، كتاب الجهاد، باب المرتد، زكريا ٦/ ٣٦١، كراچی ٤/ ٢٢٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍شوال ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۵۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۸ھ

قرآن شریف اٹھا کر پھینک دینا

سوال [۱۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید عاقل بالغ مسلمان ہے، اس نے بحالت غصہ اپنی بیوی سے جھگڑے کے وقت قرآن شریف اٹھا کر پھینک دیا - العیاذ باللہ- تقریباً تین ماہ کے بعد لوگوں کو اس واقعہ کا علم ہوا، لوگوں نے زید سے اس واقعہ سے متعلق دریافت کیا تو زید نے جواب دیا کہ بیوی قرآن بھی پڑھتی ہے اور ٹیلی ویزن بھی دیکھتی ہے؛ اس لئے میں نے قرآن شریف پھینک دیا کہ ایسے قرآن پڑھنے سے کیا فائدہ؟ جب زید سے یہ کہا گیا کہ تمہیں ٹی وی کو چھوڑنا چاہئے تھا، قرآن کی بے حرمتی نہیں کرنی چاہئے تھی، اس پر زید نے جواب دیا کہ ٹی وی تو تین ہزار روپئے کا آتا ہے، جب کہ قرآن پچاس روپیہ میں

ملتا ہے، جب یہ صورت حال بستی کے ایک عالم کے سامنے رکھی گئی تو انہوں نے کہا کہ زید توہین قرآن کی وجہ سے کافر ہوگیا ہے، ایسا شخص اسلام میں واجب القتل ہے؛ لیکن اگر وہ توبہ کرلیتا ہے تو شرعاً اس کی توبہ قبول کی جائے گی، اس پر زید نے توبہ کرلی، عالم مذکور نے مجمع کے سامنے اس کو اول تجدید ایمان کرائی پھر باقاعدہ نکاح کرایا، جب یہ مسئلہ بستی کے ایک دوسرے عالم دین کے پاس پہنچا تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ جس عالم نے زید کا نکاح پڑھایا اس نے غلط کیا، اس کی سزا تو قتل ہی ہے، ادھر کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ ایسے شخص کو منہ کالا کر کے اس کے گلے میں جوتوں کا ہار ڈال کر بستی میں گشت کرایا جائے، تاکہ دوسروں کو بھی عبرت ہو، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے توبہ کرنے کے بعد جب کہ اس نے تجدید ایمان ونکاح کرلیا، کیا اب کسی اور سزا کا مستحق ہے؟ نیز جس عالم نے توبہ کے بعد تجدید ایمان ونکاح کرایا ہے، کیا وہ کسی ملامت کا مستحق ہے؟ بہر حال پوری صورت حال کو سامنے رکھ کر جواب دیا جائے۔

المستفتی: محمد سفیان عالم سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں زید کی حرکات شنیعہ کا جو ذکر ہے وہ سب موجب کفر ہیں، اس کے اوپر تجدید ایمان اور تجدید نکاح لازم ہے۔ اور جس عالم نے تجدید ایمان اور تجدید نکاح کرایا ہے وہ صحیح ہے، اس پر کسی قسم کی ملامت جائز نہیں۔ اور جب اس نے خالص دل سے توبہ اور تجدید ایمان کرلیا ہے تو اس کے بعد اور کوئی سزا اس پر نہیں اور تجدید ایمان کے بعد جوتوں کا ہار وغیرہ کی سزا کی گنجائش باقی نہیں ہے۔ اور قتل کا حکم اس ملک میں کسی بھی حال میں جاری نہیں ہوسکتا۔

وما یکون کفراً إتفاقاً یبطل العمل والنکاح، وأولاده أولاد زنا، ومافیه خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة، وتجدید النکاح الخ. (در مختار، کتاب الجهاد، باب المرتد، زکریا ٦/ ٣٩٠، کراچی ٤/ ٢٤٦)

أو وضع مصحفا في قاذورة، فإنه يكفر وإن كان مصدقا؛ لأن ذلك في حكم التكذيب. (شامي، كتاب الجهاد، باب المرتد، زكريا ٦/ ٣٥٦، كراچی ٤/ ٢٢٢)

وفي الخزانة: أو عاب فقد كفر. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل العاشر، زكريا ٧/ ٣١٥، رقم: ١٠٥٧٦)

ثم إن كانت نية القائل الوجه الذي يمنع التكفير فهو مسلم، وإن كانت نيته الذى يوجب التكفير لا تنفعه فتوى المفتي، ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك، وتجديد النكاح بينه وبين امرأته. (الفتاوى التاتاخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الأول، زكريا ٧/ ٢٨٢، رقم: ١٠٨٧)

ومن استخف بالقرآن ...... كفر. (شرح فقه أكبر، مكتبه أشرفي، ص: ٢٠٥، البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، زكريا ٥/ ٢٠٥، کوئٹہ ٥/ ١٢٢) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۸؍ رجب ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۵۳)	۱۸؍۷؍۱۴۲۱ھ

قرآن شریف کو پھاڑنے اور ردی کہنے والے کا حکم

سوال [۱۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے ایک مرتبہ ٹی وی دیکھتے ہوئے بیوی سے کسی کام کو کہا اور بیوی قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول تھی، جواب دیتی ہے کہ ایک یا دو لائن ہیں پوری کرلوں، پھر شوہر نے باندازِ سوال کہا کیا یہ لائنیں یعنی ان کا پڑھنا میرے کہنے سے زیادہ اہم ہے؟ کہہ کر قرآن لے کر پھینک دیا - العیاذ باللہ - مزید سننے میں آیا کہ اس نے

ٹھوکریں بھی ماری ہیں، بیوی نے باندازسوال شریفانہ طریقہ پر کہا کہ یہ ٹھوکریں تو ٹی وی پر بھی ماری جاسکتی تھیں؟ شوہر نے جواب دیا ٹی وی تین ہزار یا ساڑھے تین ہزار کا ہے اور یہ کاغذ صرف چالیس یا پچاس روپئے کا ہے۔

(۲) دوسری مرتبہ بھی کچھ اسی طریقہ پر غصہ میں قرآن عظیم کو پھاڑ ڈالا عوام یہ سن کر جوش میں آکر سزا دینا چاہتی ہے؛ لیکن دشمن قرآن کے حامی دیوار بن گئے، اس پر گفتگو کی گئی تو شوہر نام اقبال نے کہا کہ اگر میں عیسائی ہوگیا تو کیا کروگے؟ یہ الفاظ ذی جاہ عالم نے سن کر (۱) تجدید نکاح کیا (۲) اس سے توبہ کرائی، پھر استفتاء لکھا۔ ذی جاہ عالم ناکح اور دو چار آدمی گواہ بن جائیں اور اس کو کلمہ پڑھائیں، توبہ کرائیں اور بس تو کیا یہ فعل اس ہتک قرآن کے لئے کافی ہے؟ کیا اس کو عیسائیت سے بچانے کے لئے نکاح پڑھایا جاسکتا ہے؟ کلمہ پڑھایا جاسکتا ہے؟ کچھ حامی شرابیوں اور زناکاروں کی مثال دیتے ہیں کہ یہ بھی تو حرام ہے سزا کیوں نہیں دی جاتی؟ کیا شراب چوری، زناکاری، قرآن کریم کو پھینکنے، ٹھوکریں مارنے اور پھاڑنے کے برابر ہے؟ نیز اس کے اس فعل کی شہرت پوری بستی میں ہے اور اس کو توبہ ایک کونہ میں کرادی جائے تو کیا یہ جائز ہے؟ کیا ایسے فیصلہ میں عوام کے جذبات ایمانی کا خیال نہیں رکھا جائے گا اور قرآن کریم کی توہین کو سن کر اگر عوام اس کو کچھ سزا دینا چاہیں یا کسی کے دل میں جذبہ بھڑک اٹھے کہ اسے قتل کر ڈالوں تو کیا یہ جذبات درست ہیں؟

المستفتی: ظہیر الاسلام سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں شخص مذکور کی توہین قرآن سے متعلق جو حرکات شنیعہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ سب کفریہ حرکات ہیں، ان حرکات شنیعہ کی وجہ سے اس کا خارج از ایمان ہوجانا واضح ہے۔ اور ایسے کفریہ حرکات کے مرتکب پر ایمان ونکاح کی تجدید لازم ہے اور توبہ اور تجدید ایمان شریعت اسلام میں اس کے حق میں مقبول ہے۔ **وکل مسلم إذا ارتد فتوبته مقبولة.** (درمختار، کتاب الجهاد،

باب المرتد، زكريا ٦/ ٣٧٠، كراچی ٤/ ٢٣١) اور صحت نکاح کے لئے شرعاً صرف دو گواہ کافی ہیں۔ اور مذکورہ واقعہ میں تین چار افراد موجود ہیں تو نکاح بلا شبہ صحیح ہو چکا ہے۔ اور اب جب لوگوں کو اس کی توبہ وایمان کی بات معلوم ہوگئی ہے، تو اس کو کوئی دوسری سزا دینے کا کسی کو حق نہیں ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجة، الزهد، باب ذكر التوبة، النسخة الهندية ٢/ ٣١٣، دارالسلام، رقم: ٤٢٥٠)

اور شراب پینا، زنا کرنا، چوری کرنا سب گناہ کبیرہ ہیں، ان میں اور توہین قرآن میں بہت فرق ہے، توہین قرآن سے خارج از ایمان ہو جاتا ہے اور ان امور کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور توہین قرآن کی وجہ سے ایمان ونکاح کی تجدید لازم ہوتی ہے۔ اور ان امور کی وجہ سے تجدید ایمان ونکاح کی ضرورت نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ توبہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہاں اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے حد لگانے کی گنجائش نہیں ہے۔

فيشترط الإمام لاستيفاء الحدود. (شامي، كتاب الجنايات، قبيل باب القود فيما دون النفس، زكريا ١٠/ ١٩٦، كراچی ٦/ ٥٤٩)

في موضع آخر: والزنا الموجب للحد ...... وطي ...... مكلف ...... ناطق ...... في دار الإسلام. (شامي، كتاب الحدود، زكريا ٦/ ٥، كراچی ٤/ ٤) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ ۹/ صفر ۱۴۱۵ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۵۹)	الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۲/۹ھ

کسی شخص کا یہ کہنا کہ میں قرآن کو نہیں مانتا یہ کوئی چیز نہیں

سوال [۱۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ

ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے قرآن کریم کے متعلق یہ کہا کہ میں قرآن کونہیں مانتا، یہ کوئی چیز نہیں، اس میں جو کچھ ہے وہ ڈرانے دھمکانے کے لئے ہے۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ موت کے بعد کوئی حساب وکتاب نہیں ہوگا، مرجائیں گے مٹی ہوجائیں گے، جوبھی ہے یہی دنیا ہے، تو ایسے شخص کے متعلق شریعت کا حکم کیا ہے؟ ان الفاظ کے کہنے کے بعد اس کا نکاح باقی رہا یا نہیں؟

المستفتی: ابواحرار پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن کریم کو نہ ماننا اور قرآن کریم کے بارے میں یہ کہنا کہ کوئی چیز نہیں محض ڈرانے دھمکانے کے لئے، یہ قرآن کریم کے وحی الٰہی ہونے کا صراحت سے انکار ہے اور اس طرح قرآن کا انکار کرنے والا مرتد اور اسلام سے خارج ہوجاتا ہے اور اس کی بیوی کا نکاح ختم ہوجاتا ہے اور اس کا بیوی کے ساتھ رہنا زنا کاری ہے، یہ شخص جب تک دوبارہ صحیح عقیدہ کے ساتھ باقاعدہ اسلام قبول نہیں کرے گا اس وقت تک بیوی کے ساتھ دوبارہ نکاح بھی صحیح نہ ہوگا۔

إذا أنكر الرجل آية من القرآن أو تسخر بآية من القرآن، أو عاب كفر الخ. (هندية، كتاب السير، الباب التاسع، مطلب: موجبات الكفر أنواع، زكريا جديد ٢/ ٢٦٦، الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل العاشر، زكريا جديد ٢/ ٢٧٩، ٧/ ٣١٥، رقم: ١٠٥٧٦، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٧/ ٤١١، رقم: ٩٢٢٩)

وما يكون كفراً إتفاقاً يبطل العمل والنكاح، وأولاده أولاد زنا، ومافيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة، وتجديد النكاح الخ. (در مختار، كتاب الجهاد، باب المرتد، زكريا ٦/ ٣٩٠، كراچی ٤/ ٢٤٦)

عن أبي هريرة رضـ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: المِراء في القرآن كفر. (سنن أبوداؤد، كتاب السنة، باب في النهي عن الجدال في القرآن، النسخة الهندية ٢/ ٦٣٢، دارالسلام، رقم: ٤٦٠٣، مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٢٨٦، رقم: ٧٨٣٥، صحيح

ابن حبان ۳/ ۱۰، رقم: ۱٤٦۱، المعجم الأوسط، دارالفکر بیروت ۲/ ۵۲، رقم: ۲٤٧٨، ۲/ ٤٠٦، رقم: ٣٦٦٦)

وفي رواية: **لا تماروا في القرآن، فإن المِراء في القرآن كفر.** (المعجم الأوسط، دارالفکر بیروت ۳/ ۹۲، رقم: ۳۹٦۱، ۳/ ٦٨، ۲۱۲٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ رمحرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۲۷۵)

تعلیم قرآن اور صحابہ سے بدظنی رکھنے والے کا حکم

سوال [۱۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص یہ کہتا ہے کہ یہ کلمہ کس کام کا؟ کلمہ طیبہ کے متعلق۔ اور مدارس اسلامیہ میں بچوں کو کلمہ یاد کرانے سے کیا فائدہ ہے؟ کون سے دفتر میں بچہ اس کو سنائے گا؟ اس کو یاد کرانے سے کوئی فائدہ نہیں، قرآن پاک پڑھنے پر حدیث شریف میں جو انعامات بتائے گئے ہیں، مثلاً نیکیوں کا ملنا باعمل حافظ قرآن کے والد کو تاج کا ملنا وغیرہ وغیرہ کوئی شخص یہ کہے کہ یہ غلط ہے اور یہ قرآن پڑھنے والے بھول میں ہیں، نہ نیکیاں ملیں گی نہ تاج ملے گا، اس کو قرآن پڑھنے پر کچھ نہیں ملتا، قرآن کی تعلیم بیکار ہے۔

صحابہ کرام کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما وغیرہ کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ جب تک یہ حضرات دین سے دور تھے بہت خوش حال تھے، عزت تھی، مال ودولت کی فراوانی تھی اور جب دین میں داخل ہوگئے بھک منڈ ہوگئے (نعوذ باللہ) ایسے شخص کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے؟ آیا اس کو مار دیا جائے یا صرف اس سے کنارہ کشی اختیار کرلی جائے؟ اس طرح سے وہ عام لوگوں کو قرآن وحدیث اور صحابہ سے بدظن کررہا ہے، ایسے شخص کے بارے میں قرآن وحدیث میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: قاری محمد کامل صاحب نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ سب کے سب کفریہ عقیدے ہیں، تجدید ایمان کرکے اور اللہ سے توبہ واستغفار کے ذریعہ اپنے عقیدہ کو پاک وصاف کرنا لازم ہے۔

إذا وصف الله تعالىٰ بما لا يليق به، أو سخر اسما من أسمائه تعالىٰ، أو بأمر من أوامره، أو أنكر وعداً ووعيداً يكفر. (بزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاما أو كفرا...... النوع الثاني فيما يتعلق بالله تعالى، جديد زكريا ٣/ ١٧٩، وعلى هامش الهندية، زكريا قديم ٦/ ٣٢٣، المحيط البرهاني، كتاب السير، الفصل الثاني والأربعون، مكتبه المجلس العلمي ٧/ ٣٩٩، رقم: ٩١٨٤، مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد، مكتبة دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٠٤)

ونحب أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولا نفرط في حب أحد منهم، ولا نتبرأ من أحد منهم، ونبغض من بغضهم، -إلى قوله- ولا نذكرهم إلا بخير وحبهم دين وإيمان وإحسان، وبغضهم كفر ونفاق وطغيان. (شرح العقيدة الطحاوية، دارالكتب العلمية بيروت ٤٦٧)

ومن استخف بالكفر ...... أو بنحوه مما يعظم في الشرع كفر. (شرح فقه أكبر، مكتبه أشرفي ١٦٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شعبان ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٨٩٥)

مسجد میں بیٹھ کر دین کی باتوں کا مذاق اڑانا

سوال [١٠٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مسجد میں بیٹھ کر نماز کے اوقات میں بھی اور دوسرے اوقات میں مسجد میں بیٹھ کر دین کی باتوں کا مذاق بناتا ہے۔ اور لوگوں کو گھیر کر جمع کرکے فحش

باتیں بھی کرتا ہے، جمعہ کے خطبہ کے دوران بھی باتیں اوردل لگی کرتا رہتا ہے، مسجد میں بعض اوقات سامان، دودھ کی بالٹی وغیرہ لاکرلٹکا دیتا ہے، کوئی دینی بات ہوتو اس کو مذاق بناکرلوگوں کوہنساتا ہے، ایسے شخص کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟ جب کہ اس کی باتوں کوسن کرلوگ کبیدہ خاطر بھی ہوتے ہیں اور بعض لوگ اس کی بدزبانی اور بدتہذیبی پرڈانٹ بھی دیتے ہیں۔ کیا ایسے شخص کومسجد میں آنے سے منع کردینا درست ہے یانہیں، جب تک کہ وہ اپنی حالت درست نہ کرلے یا توبہ نہ کرلے؟

المستفتی: وثیق الرحمٰن متولی مسجد اصالت پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بصورت صحت واقعہ اگراس شخص کے اندر یہ بات پائی جارہی ہے جس کا سوال نامہ میں ذکر ہے، کہ وہ دین کی باتوں کا مذاق اڑاتا ہے اوراستخفاف کرتا ہے، تو ایسے شخص پرکفر کا خطرہ ہے، ضروری ہے کہ وہ اپنی حرکتوں سے بازآجائے اورتوبہ واستغفارکرے اوردودھ کی بالٹی وغیرہ مسجد میں نہ لٹکائے۔

والإستهزاء على الشريعة كفر؛ لأن ذلک من أمارات التكذيب.

(شرح عقائد نسفي، مبحث الاستهزاء بالشريعة كفر، مكتبه نعيميه ديو بند ١٦٧)

ایسے شخص پرضروری ہے کہ اپنی اصلاح کی پابندی کرے اورمتولی وذمہ داران کو حق ہے کہ مسجد میں ایسی باتیں ہونے پرکڑی پابندی لگائیں اوراس بات کی پابندی لگادیں کہ نماز پڑھ کرچلا جایا کرے، مسجد میں نہ رکے۔ اورجب یہ شخص اپنی اصلاح کرلے گا تو پابندیاں اٹھالیں؛ کیوں کہ حدیث شریف میں مسجدوں میں دنیا کی باتیں اورشور وشغب سے منع کیا گیا ہے۔

أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: جنبوا مساجدكم صبيانكم، ومجانينكم، وشراء كم، وبيعكم، وخصوماتكم، ورفع أصواتكم الخ. (ابن ماجة شريف، أبواب المساجد، باب ما يكره في المساجد، النسخة الهندية ١/ ٥٤،

دارالسلام، رقم: ۷۵، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي بيروت ١/ ٤٤١، رقم: ١٧٢٦، معرفة السنن والآثار ١٤/ ٢٢٢، رقم: ١٩٧٣٣)

عن عبدالله بن مسعود –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سيكون في آخر الزمان قوم يكون حديثهم في مساجدهم ليس لله فيهم حاجة. (صحيح ابن حبان، دارالفكر بيروت ٦/ ٢٠٨، رقم: ٦٧٧٠، الترغيب والترهيب للمنذري ١/ ١٢٨)

وفي رواية المستدرك عن أنس بن مالك رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ياتي على الناس زمان يتحلقون في مساجدهم، وليس همتهم إلا الدنيا ليس لله فيهم حاجة، فلا تجالسوهم.

(المستدرك للحاكم قديم ٤/ ٣٥٩، جديد ٨/ ٢٨٢٠، رقم: ٧٩١٦)

ويكره الكلام في المسجد. (درمختار) **وفي الشامية: وحمله في الظهيرية وغيرها على ما إذا جلس لأجله.** (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٦٠٠، كراچی ٦/ ٤١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۶ھ

بیوی کا مذاق میں کہنا کہ میں نماز نہیں پڑھوں گی

سوال [۱۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بیوی سے مذاق کرتے ہوئے، مذاق ہی میں ہنستے ہوئے کہا: (اگر چہ یہ ہنسی ظاہر نہیں ہورہی تھی، مگر دل میں اس کے غصہ نہیں تھا) بیوی سے کہ میں نماز پڑھنے جارہا ہوں تم بھی نماز پڑھ لو، بیوی بھی اس کیفیت کے ساتھ مذاق میں بولی کہ میں نہیں پڑھوں گی، باوجود یکہ وہ نماز پڑھتی ہے پہلے سے، مگر ناز میں اس طرح

بولی،شوہر زید نے آکر دیکھا بھی کہ نماز پڑھ چکی ہے،مگر اب زید کو شک ہورہا ہے کہ یہ کلمہ (میں نہیں پڑھوں گی) کہنے سے نعوذ باللہ کفر تو نہیں ہوا؟ اگر خدانخواستہ ہوگیا تو اب کیا کرے اور نہیں ہوا تو بھی شوہرا احتیاطاً الگ رہ رہا ہے،مگر کبھی بھی غلطی میں پھنس سکتا ہے؛ لہٰذا جلد جواب دے کر یہ پریشانی ختم فرمائیں، اگر تجدید نکاح کرنا ہو تو زید چاہتا ہے کہ معاملہ ظاہر نہ ہو؛ کیوں کہ اب بھی کوئی نہیں جانتا،اس کی صورت بتائیں۔

المستفتی: محمد عبداللہ آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کی بیوی صرف ''نماز نہیں پڑھوں گی'' کہنے کی بناپر نہ مرتد کے حکم میں ہے، نہ نکاح سے خارج ہے،مگر اس طرح کی مذاق سے بچنا چاہئے۔

قال الناطفي: قوله: لا أصلي على أربعة أوجه: لا أصلي بأمرك، فقد أمرني بها من هو خير منك، أو لا أصلي فسقا ومجانة لا يكفر، -إلى- الرابع لا أصلي إذ لا تجب علي ولم أومر بها يكفر، قال الناطفي: إذا أطلق يحتمل الوجوه الثلاث أيضا، فلا يكفر. (بزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاما أو كفرا، أو خطأ، النوع التاسع فيما يقال في القرآن......، جديد زكريا ٣/ ١٩٠، وعلى هامش الهندية، زكريا قديم ٦/ ٣٤١، خانية على الهندية ٣/ ٥٧٣، مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، الفصل الثالث في القرآن والأذكار والصلوة، قديم ١/ ٧٠١، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۵۹۲)

دو نمازوں کے منکر اور حدیث کو غیر معتبر سمجھنے والے شخص کا حکم

سوال [۱۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک شخص مشکور الدین احمد ولد امیر احمد، ساکن محلّہ نئی بستی متصل تخت والی مسجد، محمد علی روڈ مرادآباد نمازوں کے بارے میں تین وقت کی نماز فرض ہونا بتاتا ہے۔ اور علماء دین کے بارے میں ہتک آمیز باتیں کرتا ہے، احادیث کے بارے میں بھی غلط رائے رکھتا ہے۔ اور نعوذ باللہ قابل اعتبار نہیں مانتا ہے، صرف قرآن کریم کے اردو ترجمہ سے اختلافی مسائل پیدا کرنے کی کوشش جاری ہے، اس شخص کی کسی دینی مدرسہ میں تعلیم بھی کبھی نہیں ہوئی ہے اور نہ کسی نے محلّہ پڑوس کی مسجد میں اس شخص کو نماز ادا کرتے دیکھا ہے اور نہ ہی اس کی اولادوں میں سے کسی کو نماز یا مذہب سے کوئی لگاؤ دلچسپی ہے۔

المستفتی: قمر جہاں محلّہ کسرول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پانچ وقت کی پانچ نمازیں دلیل قطعی سے ثابت ہیں اور جو حکم شرعی دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے، اس کا انکار موجب کفر ہے۔

والرابع: لا أصلي إذ ليس يجب علي الصلوة ولم أومر بها يكفر.

(هندية، كتاب السير، الباب التاسع، مطلب: موجبات الكفر أنواع ......، جديد زكريا ۲/ ۲۸۰، قديم زكريا ۲/ ۲٦۸، المحيط البرهاني، كتاب السير، الفصل الثانى والأربعون، المجلس العلمي بيروت ۷/ ٤١٤، رقم: ۹۲۳٥، الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الحادي عشر، زكريا ۷/ ۳۱۹، رقم: ۱۰٥۸٦)

ورد النصوص بأن ينكر الأحكام التي دلت عليها النصوص القطعية من الكتاب والسنة، كحشر الأجساد مثلا كفر لكونه تكذيباً صريحا لله تعالىٰ ورسوله عليه السلام. (شرح العقائد، مكتبه نعيميه ديوبند ١٦٦)

اور احادیث شریفہ کے بارے میں غلط رائے رکھنا اور منکر بن جانا بھی موجب کفر ہے؛ اس لئے کہ بہت سی احادیث شریفہ تواتر اور قطعیت کے ساتھ ثابت ہیں، ان کا انکار خارج از اسلام کا باعث بن جاتا ہے؛ اس لئے ایسے شخص پر اپنے عقیدہ فاسدہ

سے توبہ کرکے باز آجانا لازم ہے، ورنہ عقائد کفریہ کی وجہ سے ایمان سے خارج ہوجانے کا خطرہ ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/ ۸۵، جدید ڈابھیل ۲/ ۳۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۵/ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۸۰)	۲۵/ ۴/ ۱۴۱۵ھ

اہل قرآن اور صرف تین وقت کی نماز کے قائل کا حکم

سوال [۱۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید جو اہل قرآن میں سے ہے، تین وقت کی نماز کا قائل ہے اور ادا بھی کرتا ہے۔ زید کا انتقال ہوگیا، کیا مسلمان اس کی نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں؟ کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے نماز جنازہ پڑھی یا پڑھائی تو اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اہل قرآن مسلمان ہیں یا نہیں؟ اگر کوئی نماز جنازہ پڑھادے یا پڑھ لے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بریلی سے اس سلسلہ میں فتویٰ آیا ہے کہ جن لوگوں نے نماز جنازہ پڑھی ہے ان کا نکاح فاسد ہوگیا اور جو دفن میں شریک رہا وہ دوبارہ کلمہ پڑھے، اس فتویٰ کی کیا حقیقت ہے؟

المستفتی: محمد اقبال خان قاسمی جامعہ مارکیٹ گدالہ، بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) اگر مذکورہ شخص پانچ نماز فرض ہونے کا منکر ہے اور صرف تین نماز کا قائل ہے تو وہ حدیث متواتر کا منکر ہے، ایسا شخص اسلام سے خارج ہوجاتا ہے، اس کی نماز جنازہ اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفنانا جائز نہیں ہے۔ اور جن لوگوں نے نماز جنازہ میں جان بوجھ کر شرکت کی ہے، ان پر اپنے اس فعل سے توبہ کرنا واجب ہے۔

عن المقدام بن معديكرب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: ألا إني أوتيت القرآن ومثله معه ألا يوشك رجل شبعان على أريكته يقول عليكم بهذا القرآن. الحديث (سنن أبوداؤد، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، النسخة الهندية ٢/ ٦٣٢، دارالسلام، رقم: ٤٦٠٤، معرفة السنن والآثار ١/ ١١١، رقم: ٥٠)

ورد النصوص بأن ينكر الأحكام التي دلت عليها النصوص القطعية من الكتاب والسنة، كحشر الأجساد مثلا كفر لكونه تكذيباً صريحا لله تعالىٰ ورسوله عليه السلام. (شرح العقائد، مبحث رد النصوص كفر، مكتبه نعيميه ديوبند ١٦٦)

والرابع: لا أصلي إذ ليس يجب علي الصلوة ولم أومر بها يكفر. (هندية، كتاب السير، الباب التاسع، مطلب: موجبات الكفر أنواع، زكريا جديد ٢/ ٢٨٠، قديم ٢/ ٢٦٨، الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الحادي عشر، زكريا ٧/ ٣١٩، رقم: ١٠٥٨٦)

(۳) اس فتوی کو براہ راست دیکھنے کے بعد ہی کچھ کہا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۰/ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۴۹)	۲۰/ ۴/ ۱۴۱۳ھ

بچہ سے پریشان ہو کر ”ہم نماز نہیں پڑھیں گے“ کہنے کا حکم

سوال [۱۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے بچے چھوٹے چھوٹے ہیں، اس نے اپنی بیوی سے نماز پڑھنے کے لئے کہا، بیوی نے بچوں کے پریشان کرنے کی وجہ سے غصہ میں یہ کہہ دیا کہ ”ہم نماز نہیں

پڑھیں گے'' شوہر نے فوراً متنبہ کیا تو اس نے نادم ہوکر توبہ کرلی اور کلمہ پڑھ لیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سے نکاح پر کچھ اثر تو نہیں پڑا؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد اشتیاق کوٹ کلاں، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ بیوی نے نماز کی اہانت اور استخفاف کی بنا پر یہ جملہ نہیں کہا ہے؛ بلکہ بچوں کی پریشانی اور الجھنوں کی بنا پر اس کی زبان سے یہ جملہ نکلا ہے اور اس کے دل میں نماز کی اہمیت باقی ہے اور ساتھ میں اس نے نادم ہوکر توبہ کرلی ہے؛ اس لئے اس سے نہ تو ایمان سے خارج ہوئی ہے اور نہ ہی نکاح پر کوئی اثر پڑا ہے، نکاح علی حالہ باقی ہے؛ البتہ الجھنوں کی بنا پر اس طرح کا جملہ زبان سے نہ نکالے، اگر غلطی سے نکل بھی جائے تو فوراً توبہ کرلینی چاہئے۔ اور اس نے بھی توبہ کرلی ہے۔

وقال الناطفي: إذا أطلق فقال: لا أصلي، لا يكفر لاحتمال هذه الوجوه. (فتاوی تاتار خانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الحادي عشر، قديم ٥/ ٤٩٤، زكريا ٧/ ٣١٩، رقم: ١٠٥٨٦)

لا يفتي بكفر مسلم ما أمكن حمل كلامه على محمل حسن. (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد، زكريا ٦/ ٣٦٧، كراچی ٤/ ٢٢٩)

وكذا قوله: لا أصلي حين أمر بها. (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، زكريا ٥/ ٢٠٥، كوئٹه ٥/ ١٢٢)

وإن لم تكن له نية حمل المفتي كلامه على وجه لا يوجب التكفير، ويؤمر بالتوبة والاستغفار. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الأول ٧/ ٢٨٢، رقم: ١٠٤٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۰۷)

ضروریات دین کا انکار کفر ہے

سوال [۱۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے اور میرے بہنوئی کے درمیان کل شام بہت جھگڑا ہوا، مغرب کا وقت تھا، اذان ہوئی تو میں نے کہا کہ اب مت لڑو، نماز پڑھ لو، تو اس نے کہا: ''میں نماز نہیں پڑھتا، نماز و ماز فرض نہیں ہے، میں شریعت کو نہیں جانتا'' اس پر مجھ کو بہت غصہ آیا؛ لیکن برداشت کیا، پھر وہ بولتا رہا میں نے کہا تم بہت بیوقوف ہو، ایسی بات کہتے ہو تو پھر اس نے کہا: ''میں قرآن کو نہیں مانتا، حدیث کو نہیں مانتا، میں مسلمان نہیں ہوں، میں کافر ہوں'' دو بار کہا، جب اس نے یہ باتیں خدا اور رسول کی شان میں کہیں تو میں نے کہا، ہمارے گھر سے نکل جا، تو وہ یہ کہتا ہوا گھر سے نکلا: آج سے میرا اور تمہارا کوئی رشتہ نہیں ہے، اپنی بہن کو بھی لے آؤ، میں نے طلاق، طلاق، طلاق دی، اس کو میری طرف سے تین طلاق ہیں، میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ اب اس صورت میں کیا میری بہن پر طلاق پڑ گئی یا نہیں؟ آپ کا بہت شکریہ ہوگا۔ فقط والسلام

المستفتی: محمد احسان الحق گاؤں ناگل سوتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کی فرضیت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے، اس کی فرضیت کا انکار کرنے والا خارج از اسلام ہے۔ ''درمختار'' میں ہے:

ویکفر جاحدها أي الصلوة لثبوتها بدليل قطعي. (الدر المختار، كتاب الصلاة، زكريا ٢/ ٥، كراچى ١/ ٣٥٢، كذا في العالمگيرية ٦/ ١٢٣)

نیز سوال میں ذکر کردہ دوسرے کلمات میں سے بھی بعض کفریہ کلمات ہیں، ان کا کہنے والا اسلام سے خارج ہوکر مرتد ہو چکا ہے۔ اور اس کا نکاح فسخ ہو گیا ہے، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اپنے فتاوی کے اندر اس قسم کے ایک سوال کے جواب

میں رقم طراز ہیں کہ ''کسی شخص کا یہ کہنا کہ ''ہم قرآن وحدیث کو بالکل نہیں مانتے ، یا کسی ایسی بات کا زبان سے نکالنا جس سے اللہ تعالیٰ او راس کے رسل وکتب کی حقارت ہوتی ہوصریح کفر ہے''۔(کفایت المفتی قدیم ۱/۲۸، جدید زکریا ۱/۸۵، مطول ۱/۶۱۹)

إذا أنكر الرجل آية من القرآن أو تسخر بآية من القرآن، وفي الخزانة: أو عاب كفر الخ. (هندية، كتاب السير، الباب التاسع، في أحكام المرتدين، مطلب موجبات الكفر أنواع، زكريا قديم ۲/ ۲٦٦، جديد ۲/ ۲۷۹)

وفي أعلام بقواطع الإسلام لابن الحجر المكي: ويكفر من كذب بشيء مما صرح به القرآن من حكم أو خبر أو جملة التوراة والإنجيل وكتب الله المنزلة أو كفر بها أو لعنها أو سبها أو استخفها الخ. (بحواله كفايت المفتي قديم ۱/ ۳۰، جديد زكريا ۱/ ۸٦، مطول ۱/ ٦۰٤، ومجموعة الفتاوى مولانا عبدالحي ۲/ ۲۷)

جب شوہر مرتد ہوجاتا ہے تو باجماع ائمہ اربعہ و باتفاق جمہور فقہاء کرام اس کا نکاح خود بخو دفسخ ہوجاتا ہے،قضاء قاضی،حکم حاکم اورطلاق کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

إذا ارتد أحد الزوجين عن الإسلام وقعت الفرقة بغير طلاق فى الحال قبل الدخول، وبعده الخ. (عالمگيرية، كتاب النكاح، الباب العاشر: نكاح الكفار، زكريا جديد ۱/ ٤۰٥، قديم ۱/ ۳۳۹، جواهر الفقه قديم، مصنفه حضرت مولانا ومفتى شفيع احمد صاحب ۲/ ۱۲٦، جديد زكريا ٤/ ۲۹۱، الحيلة الناجزة ۱۱٦)

صورت مسئولہ میں شوہر نے بحالت ارتداد قبل تجدید اسلام اپنی زوجہ کو جو تین طلاقیں دی ہیں، تینوں واقع ہوگئیں، اب بعد تجدید ایمان بلا حلالہ شرعی نکاح نہیں ہوسکتا ہے،شرعی حلالہ کی ضرورت ہے۔

والدلائل على هذه الدعاوي العبارات الآتية، قال في الشامية: وذكر في البحر: أول كتاب الطلاق أنه لا يقع في عدة الفسخ إلا في ارتداد

أحدهما، وتفريق القاضي بإباء أحدهما عن الإسلام. (شامي، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، زكريا ٤/ ٣٦١، كراچی ٣/ ١٩٠)

وقال في شرح الوقاية في أحكام المرتد: وصح طلاقه واستيلاده؛ فإنه قد انفسخ بالردة، فتكون المرأة معتدة، فإن طلقها تقع الخ. (شرح وقاية، مكتبه ياسر نديم كمپنى ديوبند، ص: ٣٧٧، كذا في الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا ٤/ ٥٥٠، مصري ٣/ ٣٠١، كراچی ٣/ ٣١٣)

وقال في الشامية تحت قوله: الطلاق أي ما دامت في العدة؛ لأن الحرمة بالردة غير متأدبة لارتفاعها بالإسلام، فيقع طلاقها عليها في العدة الخ. (فتاوى شامي، كتاب النكاح، باب الولي، مطلب مهم هل للعصبة تزويج الصغير؟ زكريا ٤/ ١٧٦، كراچی ٣/ ٧٠، مصری ٣/ ٣٠١)

وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هداية، كتاب الطلاق، فصل فيما تحمل به المطلقة، مكتبه أشرفي ديوبند ٢/ ٣٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۵۵)

شرعی تقسیم وراثت کو نہ ماننے والے کا حکم

سوال [۱۱۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی وارث شرعی احکام کو تسلیم نہ کرے یا اپنی من مانی چلائے، اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اگر وہ اپنی زبردستی سے میراث کو غیر شرعی طور پر تقسیم کرکے ہٹ دھرمی پر ڈٹا رہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ جو لوگ شرعی حساب کو حقارت کی نظر سے دیکھ کر اپنی ضد پر قائم ہوں، تو کیا ان سے تعلق اور رشتہ داری باقی رکھنا درست ہے؟ نیز تین

ورثاء میں اگر اتفاق ہو جائے اور وہ اپنی زبردستی سے اپنی مرضی کے مطابق تقسیم کرلیں اور جو وارث حکم شرعی پر بضد ہو وہ بوجہ فساد ان کی ان ہی تقسیم کو قبول کر لے؛ کیوں کہ فساد کا اندیشہ ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ امید کہ پوری تفصیلات سے مطلع فرمائیں گے۔

المستفتی: محمد شفیع ولد حاجی عبدالمجید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وراثت کے احکام قرآن کریم کے نص قطعی سے ثابت ہیں۔ **یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ.** [سورۃ النساء، آیت: ۱۱] اس کے انکار سے خوف کفر ہوتا ہے۔

إذا أنكر الرجل آية من القرآن أو تسخر بآية من القرآن، أو عاب كفر الخ. (هندية، كتاب السير، الباب التاسع، مطلب: موجبات الكفر أنواع، مكتبه زكريا جديد ۲/ ۲۷۹، قديم ۲/ ۲٦٦، الفتاوى التاتارخانية ۷/ ۳۱۵، رقم: ۱۰۵۷٦، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۷/ ٤۱۱، رقم: ۹۲۲۹)

ورد النصوص بأن ينكر الأحكام التي دلت عليها النصوص القطعية من الكتاب والسنة، كحشر الأجساد مثلا كفر لكونه تكذيباً صريحا لله تعالىٰ ورسوله عليه السلام. (شرح العقائد، مبحث رد النصوص كفر، مكتبه نعيميه ديوبند ۱٦٦)

لہٰذا ان کو سمجھایا جائے اگر پھر بھی نہ مانیں تو بائیکاٹ کر سکتے ہیں۔

وَلَا تَرْکَنُوْا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ. [هود: ۱۱۳]

اس سے جلدی توبہ واستغفار کر لے، خوف کفر ہے، جیسا کہ اوپر گذرا۔ اس کا گناہ زبردستی کرنے والوں پر ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۸۸)

مرنے کے بعد مٹی ہوجاؤ گے حساب کچھ نہیں اور میں قرآن کو نہیں مانتا

سوال [۱۱۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا شوہر مجھے سمجھاتا ہے کہ قرآن کے اندر جو باتیں ہیں سب ڈرانے کی ہیں، جو کچھ چاہو کرو، جیسے چاہو رہو، موت کے بعد لوگ مٹی ہوجائیں گے، تو کیوں حساب کا ذکر کرتی ہے، میں تو قرآن کو مانتا نہیں اور نہ اس کی قسم کی یا حلف کی اہمیت سمجھتا ہوں، سب ایسی باتیں ہیں، میں ان باتوں سے گھبراتی ہوں، تو مجھے ان سے تعلق رکھنا چاہئے یا نہیں؟

المستفتیہ: زیا محلّہ لاجپت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ نے جو باتیں سوال نامہ میں لکھی ہیں وہ سب کلمات کفریہ اور عقائد کفریہ ہیں، اگر آپ کا شوہر ایسا کہہ رہا ہے تو وہ اسلام سے خارج ہوچکا ہے، اس کے ساتھ آپ کا رہنا زنا کاری ہوگی، آپ اس کے نکاح سے بالکل خارج ہوچکی ہیں، اس کے پاس بیوی بن کر رہنا ہرگز جائز نہیں ہے، آپ فوراً اس سے الگ ہوجائیں، جب تک وہ صحیح عقیدہ کے ساتھ دوبارہ اسلام میں داخل نہ ہوگا اس وقت تک دوبارہ نکاح بھی صحیح اور درست نہ ہوگا۔

وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا اَئِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ○ اَوَ آبَاؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ○ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ○ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَعْلُوْمٍ ○ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّالُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ○ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِنْ زَقُّوْمٍ ○ [سورۃ الواقعۃ ۴۷-۵۲]

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنْ لَنْ يُبْعَثُوْا قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○[سورۃ التغابن: ۷]

ورد النصوص بأن ينكر الأحكام التي دلت عليها النصوص القطعية من الكتاب والسنة، كحشر الأجساد مثلا كفر لكونه تكذيباً صريحا لله تعالىٰ ورسوله عليه السلام. (شرح العقائد، مبحث رد النصوص كفر، مكتبه نعيميه ديوبند ١٦٦)

ما يكون كفراً إتفاقاً يبطل العمل والنكاح وأولاده أولاد زنا.

(درمختار، کتاب الجهاد، باب المرتد، زکریا ٦/ ٣٩٠، کراچی ٤/ ٢٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍محرم ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۳۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۱/۱۴۱۶ھ

''مجھے ایسے ثواب کی ضرورت نہیں'' کہنے کا حکم

سوال [۱۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے مسجد سے متصل ایک مکتب قائم کرنے کے لئے چند احباب کو جمع کیا، تاکہ مشورہ کروں، اثناء گفتگو میں نے مسجد کے امام جناب حافظ جلیل احمد صاحب سے کہا کہ ''امام صاحب! آپ مکتب کی نگرانی رکھیں کہ بچے کیسے پڑھتے ہیں اور مدرس صاحب کس طرح پڑھاتے ہیں'' اس کے جواب میں امام صاحب نے کہا: ''مجھے ایسے ثواب کی ضرورت نہیں ہے''، تو میں نے کہا کہ حافظ صاحب! آپ کو ثواب کی کیا ضرورت ہے؛ اس لئے کہ آپ تو حافظ ہیں اور ہزاروں مرتبہ قرآن آپ نے پڑھا ہے اور ایک ایک لفظ پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں، اب آپ کو ثواب کی کیا ضرورت ہے؟ ہمیں تو ایک ایک نیکی کی ضرورت ہے؛ لہٰذا امام موصوف کا یہ جواب کہ ہمیں ایسے ثواب کی ضرورت نہیں، شریعت مطہرہ میں اس کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام صاحب کا ایک دم یہ کہنا کہ ’’مجھے ایسے ثواب کی ضرورت نہیں‘‘، کسی کی طرف سے ثواب کے نام کے ساتھ مکتب کی نگرانی کی ذمہ داری پر ترغیب یا دباؤ کے بغیر سمجھ میں نہیں آتا، اگر ثواب کے نام کے ساتھ امام صاحب پر دباؤ ڈالا گیا ہے اور اس دباؤ کے نتیجہ میں امام صاحب نے یہ جملہ جواباً کہا ہے، تو اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ امام صاحب کو ثواب کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ محض دباؤ ڈالنے والوں کو چپ کرنے کا ایک جواب ہے۔ اور اگر کسی کے دباؤ کے بغیر یا ثواب کے لفظ سے ترغیب دئے بغیر امام صاحب نے ایک دم یہ جملہ کہہ دیا ہے تو آپ نے بھی اس کے جواب میں امام صاحب کو کم نہیں کہا ہے، یہ آپس کی رنجش اور تکرار کی بات ہے، اس کو مزید اچھالنے کی ضرورت نہیں ہے، جانبین کے غصہ اور رنجش ختم کرنے کی راہ فراہم کرنی چاہئے، ورنہ جانبین سے اس طرح کا سوال وجواب غیر مناسب ہے۔

عن أبي هريرة عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: إن العبد ليتكلم بالكلمة من رضوان اللّٰہ لا يلقى لها بالا يرفعه اللّٰہ بها درجات، وإن العبد ليتكلم بالكلمة من سخط اللّٰہ لا يلقى لها بالا يهوى بها في جهنم. (بخاري شريف، باب حفظ اللسان، النسخة الهندية ۲/ ۹۵۹، رقم: ۶۲۲۹، ف: ۶۴۷۸، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم بيروت ۱۵/ ۳۸۰، رقم: ۸۹۷۹، المؤطا للإمام مالك، أشرفي بكڈپو ۳۸۶) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۳/۱/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۵۱)

لکڑی کا گنبد خضرا بیت اللّٰہ شریف کی شبیہ بنا کر اس کا طواف کرنا

سوال [۱۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کچھ عرصہ پہلے ہمارے قصبہ نگار پور ضلع بلندشہر میں بعض لوگوں کی طرف سے یہ عمل شروع ہوا ہے کہ ہر سال ۲۵؍صفر کو ایک خاص جگہ لکڑی کا گنبد خضرا بنا کر رکھا جاتا ہے، جس کے اندر ایک قبر رہتی ہے اور متعین تاریخ میں دور دور سے عوام ننگے پیر آکر اس لکڑی کی شبیہ کا باقاعدہ طواف کرتے ہیں اور یہ مشہور کیا جاتا ہے کہ یہاں طواف کرنے کا ثواب حج بیت اللہ کے طواف کے برابر ہے۔

اسی طرح ۸؍ربیع الاول کو موضع پہانی ضلع ہردوئی میں بھی یہ عمل ہوا ہے؛ بلکہ وہاں گنبد خضرا کے ساتھ بیت اللہ کی شبیہ اور آب زمزم کا چشمہ اور مصنوعی صفا و مروہ بھی بنایا گیا اور آس پاس کے علاقوں میں باقاعدہ یہ اعلان کیا گیا کہ آپ لوگوں کو حج کے لئے حجاز مقدس جانے کی ضرورت نہیں ہے، اب وہ پہانی آکر زیارت کرلیا کریں۔ شکار پور میں پچھلے سالوں میں اس عمل میں شریک ہونے والوں کی تعداد سینکڑوں میں رہتی تھی، جب کہ اس سال ایک اندازہ کے مطابق بیس ہزار کے قریب افراد نے شرکت کی، جس میں سبھی مکتب فکر کے لوگ تھے۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے یہ بالکل واضح ہے کہ اس سے عوام کے عقائد کے بگاڑ کا شدید خدشہ پیدا ہوگیا ہے۔ مندرجہ بالا صورت حال کو دیکھتے ہوئے مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) اس طرح عمل کرنے کی شرعاً گنجائش ہے یا نہیں؟

(۲) کیا واقعتاً اس طرح کوئی شخص حج کا ثواب حاصل کرسکتا ہے؟

(۳) کیا یہ عمل حج جیسی اسلامی عبادت کے ساتھ مذاق نہیں ہے؟

المستفتی: حاجی اصغر علی قریشی، بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فریضۂ حج اسلام کا پانچواں رکن اور اہم ترین مذہبی شعار ہے، اس فریضہ کو تمام ارکان پر خاص امتیازی شان حاصل ہے؛ کیوں کہ اس کے ذریعہ اسلام کی جس شان وشوکت، عظمت ووقعت اور اجتماعیت کا اظہار ہوتا

ہے وہ اس طریقہ پر دیگر ارکان میں نہیں پائی جاتی، فریضۂ حج کو یہ امتیاز خاص کر اس لئے حاصل ہوا ہے کہ شرعاً اس کی انجام دہی خاص اوقات، خاص مقامات، خاص ارکان ومناسک اور خاص انداز پر موقوف ہے، ان خصوصیات کے بغیر یہ فریضہ کبھی ادا نہیں ہوسکتا۔ اور دنیا کے کسی بھی خطے اور کسی بھی تاریخ میں اس فریضہ کی ادائے گی کی کوئی قدر نہیں کی جاسکتی، قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ طواف صرف بیت اللہ شریف کا ہی کیا جائے۔ دوسری جگہ طواف نہیں ہوسکتا۔ سورۂ ''فیل'' میں ذکر کردہ واقعۂ ابرہہ اس پر شاہد ہے۔ نیز ارشاد ربانی ہے:

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ. [سورة الحج: ٢٩]

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَاَمْنًا. [سورة البقرة: ١٢٥]

وَاَذِّنْ فِيْ النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوْكَ رِجَالًا وَعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ. [سورة الحج: ٢٧]

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا. [سورة البقرة: ١٥٨]

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا. [آل عمران: ٩٧]

الغرض نصوص قطعیہ سے یہ حقیقت آشکارا ہے کہ مقامات مقدسہ وشعائر اسلام کے علاوہ ہرگز کہیں فریضۂ حج ادا نہیں ہوسکتا، تاریخ میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کو حاجیوں کے بھیس میں بیت المقدس کی زیارت کے لئے جاتے دیکھا، تو آپ نے انہیں واپس لوٹایا اور انہیں درے لگوائے، تاکہ آئندہ یہ بدعت نہ دہرائی جاسکے۔ (تواریخ الکفایۃ الشعبیہ بحوالہ فتاوی رحیمیہ قدیم ۲/۲۶، جدید زکریا ۸/ ۳۵)

اس لئے پورے وثوق سے ہم عوام کو متنبہ کردینا چاہتے ہیں کہ مقامات مقدس کے علاوہ شکارپور یا پہانی یا کسی اور مقام پر حج کے نام سے میلہ لگانا اور اس میں شرکت کرنا اسلام کے اہم رکن کا مقابلہ، شریعت کے ساتھ کھلا ہوا مذاق ہے جو

قطعاً حرام اور شدید ترین معصیت ہے؛ حتی کہ اس طرح حج کے نام سے ثواب کی امید رکھنا کفر تک پہنچا دینے والا عقیدہ ہے۔ ہر مسلمان کو اس سے بچنا اور اس کے خلاف جدو جہد کرنا لازم اور ضروری ہے۔

من أهان الشريعة أو المسائل التي لا بد منها كفر. (شرح فقه أكبر، مكتبه أشرفي ديوبند، ص: ٢١٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/۴/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۴۰۴)

سود کی حرمت کے منکر کا حکم

سوال [۱۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو شخص سود لیتا ہے اور دوسروں کو بھی سود لینے کی ترغیب دیتا ہے۔ اور جو شخص سود کی حرمت کا انکار کرے اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: حافظ محمد خالد رائپوری، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود لینا دینا اور اس کی ترغیب دینا حرام ہے؛ چونکہ اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔ اور ترغیب دینا ایک طرح سے معصیت پر تعاون ہے اور اس بارے میں حدیث میں سخت وعید آئی ہے۔

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [سورة البقرة: ٢٧٥]

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [سورة المائدة: ٢]

عن أبي هريرة قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة،

باب في آكل الربا، النسخة الهندية ٢/ ٢٧، بيروتي رقم: ١٥٩٨، مشكوة ص: ٢٢٤، ومشكوة ص: ٢٤٦)

اور جو شخص سود کی حرمت کا انکار کرے تو وہ کافر ہو جائے گا؛ کیوں کہ اس صورت میں نص قطعی کا انکار لازم آتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۴/ ۲۰۶، جدید ڈابھیل ۲/ ۳۷۲)

وإن أنكر بعض ما علم من الدين ضرورة كفر بها. (درمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كراچی ١/ ٥٦١، زكريا ٢/ ٣٠٠)

سئل أبو ذر عمن شك في تحريم الربوا أو الخمر وهو قريب العهد بالكفر جاهل بحكم الإسلام، فقال: هو متمسك بحكم العقل، فإن علم حرمته بالشرع واستحل ذلك كفر. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الثامن، مكتبه زكريا ٧/ ٣١٣، رقم: ١٠٥٧٣)

وفي التتمة: من أهان الشريعة أو المسائل التي لابد منها كفر. (شرح فقه أكبر، مكتبه أشرفي ديوبند، ص: ٢١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۶/ ۱۴۲۰ھ

نماز پنجگانہ اور احادیث متواترہ کا منکر خارج از اسلام

سوال [۱۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے قصبہ میں کچھ لوگ ہیں، جو اپنے کو اہل قرآن کہتے ہیں، حدیث نبوی کو نا قابل عمل جانتے ہیں، پورے کلمہ طیبہ کے بھی قائل نہیں ہیں، تین وقت کی نماز فرض جانتے ہیں، اس جماعت کا ایک آدمی چند روز قبل مر گیا، کچھ لوگوں نے اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی اور مرنے کے دن قرآن خوانی بھی کی، اس بات پر جب سمجھ دار طبقہ نے اعتراض کیا تو مختلف قسم کی باتیں ہونے لگی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جن لوگوں

نے لاعلمی میں نماز جنازہ پڑھی یا مرنے والے کے لئے اس کو مسلمان جان کر تلاوت قرآن کی، ان کے لئے کیا حکم ہے؟ وہ کیا کریں کہ اس گناہ سے نجات پائیں اور جن لوگوں نے یہ سب کچھ صحیح جان کر کیا ان کے لئے کیا حکم ہے؟ ان کے چھٹکارہ کی کیا شکل ہے؟ جو حکم ہو تفصیل سے تحریر فرمائیں۔

نوٹ: جو شخص دفن میں رسماً شریک ہوا اور نہ مٹی دیتے وقت آیت قرآن پڑھی اور نہ نماز جنازہ پڑھی، نہ فاتحہ پڑھی، اس کے لئے کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد اظہر علی خان شرافتی القادری ککرانہ، ضلع بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) نماز پنجگانہ ضروریات دین میں سے ہے، جو ایک وقت کی نماز کا بھی منکر ہو اور حدیث متواتر کا منکر ہو، وہ خارج از اسلام ہے، اس کی نماز جنازہ اور اس کے لئے ایصال ثواب کرنا اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفنانا سب ناجائز ہیں۔ اور جن لوگوں نے غلطی اور لاعلمی میں شرکت کی ہے ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور جن لوگوں نے جان بوجھ کر شرکت کی ہے وہ لوگ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ سے توبہ واستغفار کرکے آئندہ کے لئے عہد کر لینا واجب ہوگا۔

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ. [سورة الأحزاب: ٥]

وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ.

[سورة الأنعام: ٦٨]

ورد النصوص بأن ينكر الأحكام التي دلت عليها النصوص القطعية من الكتاب والسنة، كحشر الأجساد مثلا كفر لكونه تكذيباً صريحا لله تعالىٰ ورسوله عليه السلام. (شرح العقائد، مبحث رد النصوص كفر، مكتبه نعيميه ديوبند ١٦٦)

إن الله تـجاوز لي عن أمتي الخطأ والنسيان، وما استكرهوا عليه. (ابن ماجة، أبواب الطلاق، باب طلاق المكره ۱/ ۱٤۷، دارالسلام، رقم: ۲۰٤۳)

عـن الـحسن عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن الله عز وجل عفا لـكـم عـن ثـلاث: عـن الخطأ والنسيان، وما استكرهتم عليه. (سـنن سعيد بن مـنـصـور، دارالـكـتـب الـعـلـمية بيـروت ۱/ ۳۱۷، رقم: ۱۱٤٥، ومثله في سنن ابن ماجة، الـطـلاق، بـاب طـلاق الـمـكـره والناسي، النسخة الهندية ۱٤۷، دار السلام، رقم: ۲۰٤٥، صحيح ابن حبان، دارالفكر بيروت ٦/ ۳۷٤، رقم: ۷۲۲۸، المستدرك للحاكم، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ۳/ ۱۰٥۸، رقم: ۲۸۰۱)

(۲) رسماً شریک ہونا بھی نا جائز ہے، توبہ کرکے باز آ جانا لازم ہوگا۔

وَلَا تَـرۡكَـنُوۡا اِلَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ. [سورة الهود: ۱۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ صفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۵۴)

کسی عالم کا ہندوستان کے مسلمانوں کو کافر کہنا

سوال [۱۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید عالم فاضل ہے، زید نے یوں کہا کہ ''ہندوستان کے سارے امام اور سارے نیتا اور ساری عورتیں ہندو اور کافر ہیں'' ایسے شخص کے متعلق شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبد اللہ قاسمی معصوم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلا وجہ شرعی کسی مسلمان پر کفر کا حکم لگانا موجب کفر اور دین وایمان کے فساد کا باعث ہے؛ لہٰذا زید عالم کو چاہئے کہ علی الاعلان

اپنے اس عمل پر غلطی کا اقرار کرے اور بہت جلد توبہ واستغفار کرے۔ (فتاوی محمودیہ قدیم ١٠/ ٥٦، جدید ڈابھیل ٢/ ٤٧٦، احسن الفتاوی ١/ ٥٧)

عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أيما رجل قال لأخيه: كافر فقد باء بها أحدهما. (بخاري شريف، كتاب الأدب، باب بيان من قال لأخيه المسلم: يا كافر، النسخة الهندية ٢/ ٩٠١، رقم: ٥٨٦٦، مسلم شريف، باب من قال لأخيه المسلم: يا كافر، النسخة الهندية ١/ ٥٧، رقم: ٦٠، سنن أبو داؤد، كتاب السنة، باب الدليل على الزيادة والنقصان، النسخة الهندية ٢/ ٦٤٤، دارالسلام، رقم: ٤٦٨٧، مشكوة شريف/ ٤١١)

عن أبي ذر أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: لا يرمي رجل رجلا بالفسوق ولا يرميه بالكفر إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك. (بخاري شريف، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن، النسخة الهندية ٢/ ٨٩٣، رقم: ٥٨١٠، مسند إمام أحمد ٥/ ١٨١، رقم: ٢١٩٠٤، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم بيروت ٩/ ٣٥٤، رقم: ٣٩١٩، مشكوة شريف/ ٤١١)

عن عمران بن حصين عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا قال الرجل لأخيه: يا كافر، فهو كقتله، ولعن المؤمن كقتله. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي بيروت ١٨/ ١٩٣، رقم: ٤٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١/١/١٤٢٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٦/ ٧٤١٩)

نمازیوں کی پیشانی کا داغ کیا شیطان کے پیشاب سے بنتا ہے؟

سوال [١١٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید امام صاحب ٹھوڑا گڈھ کی جامع مسجد میں ایک تقریر کرتے ہوئے

فرماتے ہیں کہ جن نمازیوں کی پیشانی پر سیاہ داغ پڑ جاتا ہے، وہ داغ شیطان کے پیشاب سے بنتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نمازی کی پیشانی کے داغ کو شیطان کے پیشاب کا نشان قرار دینا غلط اور بدزبانی ہے، ایسے لوگوں پر اپنی زبان کی حفاظت لازمی ہے۔ اللہ رب العزت نے سورہ فتح میں اس کی بہترین مدح فرمائی ہے اور یہ نشانات آخرت میں چمکیں گے۔ آیت ملاحظہ فرمائیں:

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ. [سورة الفتح: ۲۹]

وفي الحديث الطويل وقطعته هذا: فيعرفونهم في النار بآثار السجود تأكل النار ابن آدم إلا أثر السجود حرم الله على النار أن تأكل أثر السجود، فيخرجون من النار. (بخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله: ”وجوه يومئذ ناضرة“ النسخة الهندية ۲/ ۱۱۰۶، رقم: ۷۱۳۷، ف: ۷٤۳۷)

عن عبدالرحمن بن جبير بن نفير، يحدث عن أبيه أنه سمع أبا الدرداء يخبر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أنا أول من يؤذن له برفع رأسه، فأرفع رأسي فأعرف أمتي عن يميني وعن شمالي، فقيل له: كيف تعرفهم يا رسول الله! قال: غرّ محجلون من أثر السجود وزراريهم نورهم بين أيديهم. (المعجم الأوسط، دارالفكر بيروت ۲/ ۲٦٤، رقم: ۳۲۳٤، وهكذا في المستدرك للحاكم، مكتبه نزار مصطفى الباز بيروت ٤/ ۱٤۱٥، رقم: ۳۷۸۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/۱۱/۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۲۴)

الجواب صحیح:
محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۱۱/۱۴۱۰ھ

سجدہ کے نشان کو کوڑھ کا نشان بتانا

سوال [۱۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا نماز پڑھتے پڑھتے پیشانی وزانو پر اور ٹخنوں پر کالے نشان پڑ جاتے ہیں، کیا وہ کوڑھ کے نشان مانے جا سکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سجدے کے نشانات آخرت میں چمکیں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کی بہترین مدح فرمائی ہے۔ **سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ.** [سورة الفتح: ٢٩] کوڑھ کے نشان بتلانا غلط ہے۔

وفي الحديث الطويل وقطعته هذا: فيعرفونهم في النار بآثار السجود تأكل النار ابن آدم إلا أثر السجود حرم الله على النار أن تأكل أثر السجود، فيخرجون من النار. (بخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله: "وجوه يومئذ ناضرة" النسخة الهندية ٢/ ١١٠٦، رقم: ٧١٣٧، ف: ٧٤٣٧)

عن عبدالرحمن بن جبير بن نفير، يحدث عن أبيه أنه سمع أبا الدرداء يخبر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أنا أول من يؤذن له برفع رأسه، فأرفع رأسي فأعرف أمتي عن يميني وعن شمالي، فقيل له: كيف تعرفهم يا رسول الله! قال: غرّ محجلون من أثر السجود وزراريهم نورهم بين أيديهم. (معجم الأوسط، دارالفكر بيروت ٢/ ٢٦٤، رقم: ٣٢٣٤، وهكذا في المستدرك للحاكم، مكتبه نزار مصطفى الباز بيروت ٤/ ١٤١٥، رقم: ٣٧٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۹۱)

کیا مرتد ہونے کی وجہ سے نکاح فسخ ہوجاتا ہے؟

سوال [۱۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید چالیس برس کا مسلمان ہے، تقریباً بیس برس قبل اس کی شادی ہوئی تھی، اس بیس برس کے عرصہ میں اس نے اپنی بیوی کو دوبار ایک ایک طلاق رجعی دے دی ہے اور صوم وصلوۃ کا پابند ہے، نماز میں تو صاحب ترتیب ہے، روزہ بھی سوائے دورمضان المبارک کے کبھی اس نے چھوڑا نہیں ہے، وہ بھی بیماری کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکا تھا، اس پر بہت احوال آئے، ان احوال میں سے ایک بار والد سے جھگڑے میں کافر ہوگیا، کفریہ بہت سے جملے بھی کہے اور اپنے کو کہا کہ ہم اب کافر ہوئے، ہم کو اسلام سے کچھ نہ ملا؛ اس لئے اسلام چھوڑ دیا، مگر چند گھنٹے تک لوگوں کے اور والد صاحب کے سمجھانے سے اسلام میں داخل ہوا اور اسلام قبول کیا، پھر تجدید نکاح بھی کیا، اب ایسی حالت میں زید کتنی طلاق کا مستحق رہا اور پچھلا قضا روزہ اس سے ساقط ہوا یا برقرار رہا؟ اس کا کہنا ہے کہ جب کفر تمام نیکیوں کو سلب کرتا ہے تو قضا روزہ کا حساب بھی نہیں ہوگا اور بیوی کے معاملہ میں تین طلاق کا ازسرنو اسلام لانے سے حقدار ہوگیا، کیا یہ صحیح ہے؟ اور اگر صحیح نہیں ہے تو صحیح کیا ہے؟ اور صاحب ترتیب اور دیگر نیکیوں کا ثواب اس کا باقی رہا یا زائل ہوگیا؟ واضح فرمایا جائے۔

المستفتی: محمد فیاض الدین گوڑاگڑھ، پوسٹ بہارشریف، ضلع نالندہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) **أجمع أصحابنا على أن الردة تبطل عصمة النكاح، وتقع الفرقة بينهما بنفس الردة الخ.** (قاضیخان، کتاب السیر، باب الردة وأحكامها، مكتبه زكريا ديوبند جديد ۳/ ۴۳۲، وعلى هامش الهندية، زكريا ۳/ ۵۸۱، وهكذا ملتقى الأبحر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد، مكتبة

دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٤٩٤، قديم ١/ ٣٧٢، الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب المرتد، زكريا ٦/ ٣٩٤، كراچی ٤/ ٢٤٩، مصري ٣/ ٣٢٨، ٢/ ٤٢٥)

(٢) أن الفرقة بينهما لاتكون طلاقا بل هي فسخ لا يعدم شيئا من عدد الطلاق، فإذا ارتد الزوج ثم تاب وجدد النكاح عليها لم ينقص ذلک شيئا من عدد الطلاق الخ. (الفقه على المذاهب الأربعة، دارالفكر بيروت ٤/ ٢٢٤، هكذا قاضيخان، كتاب السير، باب الردة وأحكامها، زكريا جديد ٣/ ٤٣٢، وعلى هامش الهندية زكريا ٣/ ٥٨١، الدر المختار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، زكريا ٤/ ٣٦٦، كراچی ٣/ ١٩٣، مصري ٢/ ٤٢٥)

(٣) إذا كان على المرتد قضاء صلوات أوصيامات تركها في الإسلام ثم أسلم قال شمس الأئمة الحلواني عليه قضاء ما ترک في الإسلام؛ لأن ترک الصلوة والصيام معصية، والمعصية تبقى بعد الردة الخ. (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، كوئٹه ٥/ ١٢٧، دارالكتاب ديوبند ٥/ ٢١٤، منحة الخالق ٥/ ١٢٧، قاضيخان، كتاب السير، باب الردة وأحكامها، زكريا ٣/ ٤٣٣، وعلى هامش الهندية ٣/ ٥٨٢، الدر المختار، كتاب الجهاد، باب المرتد، مكتبه زكريا ٦/ ٣٩٧، مصري ٣/ ٣٣١)

(٤) وما أدى منها فيه يبطل ولا يقضى من العبادات إلا الحج الخ. (الدر المختار، كتاب الجهاد، باب المرتد، زكريا ٦/ ٣٩٧، كراچی ٤/ ٢٥١، ٢٥٢، مصري ٣/ ٣٣١، وتفصيلا في قاضيخان مع الهندية، كتاب السير، باب الردة وأحكامها، زكريا جديد ٣/ ٤٣٣، وعلى هامش الهندية، زكريا ٣/ ٥٨٣، البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، كوئٹه ٥/ ١٢٧، دارالكتاب ديو بند ٥/ ٢١٤، بدائع الصنائع مختصرا قديم ٧/ ١٣٦، جديد كتاب السير، بيان أحكام المرتدين، زكريا ٦/ ١٢٠)

(۱) عبارت کا حاصل: علماء احناف کا اجماع ہے کہ محض مرتد ہونے کی وجہ سے نکاح فسخ ہوجاتا ہے۔

(۲) عبارت کا حاصل: ارتداد کی فرقت طلاق نہیں؛ بلکہ فسخ ہے، جس سے تعداد طلاق میں کمی زیادتی نہیں ہوسکتی، اگر ارتداد سے قبل بالکل طلاق نہیں دی ہے تو بعد اسلام تین کا حقدار رہوگا۔ اور اگر ایک طلاق دی تھی تو بعد اسلام دو طلاقوں کا حقدار رہے گا اور اگر قبل ارتداد دو طلاق دے چکا ہے، تو بعد اسلام صرف ایک طلاق دینے کا حقدار رہے گا۔ اور اگر تین دی تھی تو بعد اسلام بلا حلالہ تجدید نکاح نہیں ہوسکتی۔

(۳) عبارت کا حاصل: ارتداد سے قبل بحالت اسلام جو صوم وصلوۃ وغیرہ فوت شدہ ہیں، بعد اسلام اس پر ان کی قضا کرنا واجب ہے؛ اس لئے کہ ترک صوم وصلوۃ معصیت ہے اور معصیت ردت کی وجہ سے ختم نہیں ہوتی؛ بلکہ باقی رہتی ہے۔

(۴) عبارت کا حاصل: ارتداد سے قبل جو صوم وصلوۃ، حج وزکوۃ وغیرہ نیکیاں کی ہیں وہ سب ارتداد کی وجہ سے باطل ہوجاتی ہیں؛ البتہ بعد اسلام ان میں سے صرف حج دوبارہ ادا کرنا واجب ہے، اس کے ماسوا نہیں، اب سوال نامہ کا جواب عبارات بالا کی روشنی میں آسان ہوگا۔ ارتداد کی وجہ سے شخص مذکور کا نکاح فسخ ہوچکا تھا، جو عبارت نمبر ۱ سے واضح ہوتا ہے۔ شخص مذکور کو آئندہ صرف ایک طلاق کا حق باقی ہے جو عبارت نمبر ۲ سے ثابت ہے۔ شخص مذکور پر دونوں رمضان المبارک کے فوت شدہ روزہ قضا کرنا واجب ہے جو عبارت نمبر ۳ سے ثابت ہوتا ہے۔ شخص مذکور کا یہ کہنا کہ کفر تمام نیکیوں کو سلب کرتا ہے تو قضا روزہ کا حساب بھی نہیں ہوگا۔ اور بیوی کے معاملہ میں از سر نو تین طلاق کا حقدار ہے، غلط ہے؛ بلکہ اس پر قضا بھی واجب اور بیوی کے معاملہ میں صرف ایک طلاق کا حق باقی ہے، جو عبارت نمبر: ۲، ۳، ۴ر سے ثابت ہے۔ (ہکذا بہشتی زیور ۳/ ۵۸، امداد الفتاوی ۲/ ۴۶۹، کفایت المفتی قدیم ۶/ ۱۴۲، جدید زکریا ۶/ ۱۷۴، مطول ۸/ ۳۷۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۹۷)

مرتد کی بیوی کا حکم

سوال [۱۲۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بوقت ملاقات احقر نے آپ سے مرتد کی طلاق کے وقوع وعدم وقوع کے بارے میں استفسار کیا تھا، تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ مرتد کی بیوی محل طلاق نہیں رہی؛ اس لئے طلاق واقع ہونے کا کوئی سوال نہیں، اس وقت تو دل مطمئن ہو گیا؛ لیکن جب مدرسہ پہنچا اور مراجعت کتب فقہیہ کی تو ذہنی خلش وخلجان ہونے لگا، خیر تلاش وجستجو اور تتبع کتب نیز مراجعت فتاوی اسلاف کی تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ مرتد کی طلاق واقع ہو جاتی ہے جب تک عورت عدت میں ہے، بعد انقضائے عدت وہ محل طلاق نہیں ہے؛ اس لئے عدت کے بعد طلاق واقع نہیں ہوگی، جیسے مطلقہ بطلاق بائن کی حالت عدت میں اس پر طلاق واقع ہو جاتی ہے؛ حالانکہ وہ بائنہ ہے اور نکاح سے نکل چکی ہے، اس کے متعلق ایک استفتاء آیا تھا، اس پر احقر نے جواب لکھا جو آنجناب کی خدمت میں برائے تصحیح حاضر ہے اور آپ اپنی تحقیق انیق سے مطلع فرمائیں گے۔

المستفتی: محمد فاروق مدرس مدرسہ رحیمیہ
مدینۃ العلوم جامع مسجد قاضی پاڑہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عزیز مکرم آپ نے مطلقاً مرتد کے بارے میں سوال کیا تھا، اصل مسئلہ کا پس منظر ظاہر نہیں کیا تھا، جس کی وجہ سے بلا قید جواب دیا گیا تھا۔ اور مرتد کا فرد کامل وہ ہے جس پر زبردستی رجوع الی الاسلام یا سزا مقرر کرنا مشکل ہو، جیسے حضرات فقہاء عام طور پر لحاق بدار الحرب کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، کاتب الحروف نے فرد کامل کا حکم بیان کر دیا تھا جو کہ صحیح ہے۔

لا یلحق الطلاق في عدۃ الردۃ مع اللحاق الخ. (شامي، کتاب النکاح، باب الولي، زکریا ٤/ ١٧٧، کراچی ٣/ ٧٠)

إذا ارتد ولَحِقَ بدار الحرب فطلق امرأته لا يقع –إلى قوله– وقيد باللحاق إذ بدونه يقع؛ لأن الحرمة غير متأبدة، فإنها ترتفع بالإسلام الخ.
(شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچی ۳/ ۳۱۳، زکریا ٤/ ٥٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/۱۲/۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۰۳۴)

صاحب قبر کی قدم بوسی کا حکم

سوال [۱۲۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صاحب قبر کے احترام میں ذرا جھک کر سلام کرنا، اس طرح جیسا کہ بادشاہوں کے زمانہ میں ہوا کرتا تھا، یا قدم بوسی کے نام پر مزار کو چومنا یا بشکل سجدہ قدموں پر گر جانا جائز ہے یا نہیں؟ اس صورت میں کہ بشکل سجدہ قدموں پر گرجانے کو زید کہتا ہے کہ یہ سجدہ نہیں ہے؛ بلکہ احتراماً قدم بوسی ہے، سجدے کے لئے تین چیزیں شرط ہیں: (۱) قبلہ رخ ہونا (۲) نیت کا ہونا (۳) تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہنا۔ برائے مہربانی مفصل جواب عنایت فرمائیں، تاکہ شرک اور احترام کا فرق معلوم ہو سکے، اسلاف نے بھی مزاروں پر حاضری دی ہے، ان کا کیا معمول تھا۔

المستفتی: شمس الرحمٰن مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مزار کی قدم بوسی کرنا اگر صرف تعظیم اور احترام کے طور پر ہے تو یہ عمل حرام ہے، جو مشابہ بالشرک ہے، خواہ اس میں جہت قبلہ نیت اور تسبیح نہ ہو تب بھی یہ عمل ہرگز جائز نہیں۔ اور اگر سجدہ کرتا ہے تو صریح شرک ہے۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۵/ ۳۴۸، فتاوی محمودیہ قدیم ۵/۳۲۲، جدید ڈابھیل ۱/۳۱۲، فتاوی رشیدیہ قدیم ص: ۶۹، جدید زکریا ص: ۴۱، و ۱۱۹، احیاء العلوم ۱/۱۴۰)

مزاروں پر جانا امر مستحسن ہے، اگر عبرت اور نصیحت کے لئے جائیں اور کسی خلاف شرع امر کا ارتکاب نہ کریں، جتنا بآسانی ہوسکے تلاوت کرکے ثواب پہنچا دیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا۔

والسنة زيارتها قائما، والدعاء عندها قائما، كما يفعله صلى الله عليه وسلم في الخروج إلى البقيع. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب: في زيارة القبور، كراچی ۲/ ۲٤۲، زكريا ۳/ ۱٥۱، طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، قديم ۳٤۱، جديد دارالكتاب ديوبند، ص: ٦۲۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۳۸)

''میں آپ کے سایہ میں جی رہا ہوں'' کہنے کا حکم

سوال [۱۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی آدمی کے پاس فون کیا، فون کرنے والے نے خیریت معلوم کی تو جواب دینے والے نے کہا کہ ''میں آپ کی دعاؤں کے سایہ میں جی رہا ہوں'' تو کیا ایسا کہنا کفر ہے؟

المستفتی: محمد خورشید تاج گنج، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا کہنا کہ ''آپ کی دعاؤں کے سایہ میں جی رہا ہوں'' کسی قسم کا کفریہ یا شرکیہ جملہ نہیں ہے؛ بلکہ اس جملہ میں مخاطب کو اپنا سرپرست تسلیم کرنے کا معنی پایا جاتا ہے؛ لہٰذا اس جملہ میں کسی قسم کی قباحت نہیں۔

الأصل أن لا يكفر أحد بلفظ محتمل؛ لأن الكفر نهاية في العقوبة،

فيستدعي نهاية في الجناية، ومع الاحتمال لا نهاية. (الفتاوى التاتارخانية زكريا ٧/ ٢٨٢، رقم: ١٠٤٩٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر رجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۷/۱۴۳۳ھ

سجدہ تعظیمی اور دست وقدم بوسی کا حکم

سوال [۱۲۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) سجدہ تعظیمی جائز ہے یا نہیں؟ (۲) آج بزرگوں، پیروں، والدین اور استاذوں کے پیروں ہاتھوں کے چومنے کو سجدہ تعظیمی کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور جو اس چومنے کو سجدہ تعظیمی کہتے ہیں اور جائز بھی کہتے ہیں اور کرتے بھی ہیں، ان کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ ''**لآدم فسجدوا الا ابلیس ابی**'' آیت کو لے کر آج اپنے بزرگوں کو سجدہ تعظیمی کو جائز سمجھ کر کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: خواجہ بشیر احمد پونچھ، کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرات ملائکہ نے بحکم خداوندی حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی فرمایا تھا اور یہ سجدہ تعظیمی انبیاء سابقین میں بھی جائز تھا، مگر شریعت محمدیہ میں یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اور اب امت محمدیہ میں سجدہ تعظیمی کرنا ناجائز وحرام اور سخت گناہ کا ارتکاب ہے، نیز خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو سجدہ کرنے سے ممانعت فرمائی ہے، تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سجدہ تعظیمی جائز نہیں ہے، تو اس دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون تعظیم کا مستحق ہو سکتا ہے؟

وقد كان السجود جائزاً في شريعة آدم عليه السلام للمخلوقين، ويشبه أن يكون قد كان باقيا إلى زمان يوسف عليه السلام -إلى قوله- إلا

أن السجود لغير الله تعالیٰ علی وجه التكرمة والتحية منسوخ، بما روت عائشة وجابر بن عبدالله وأنس أن النبي صلی الله عليه وسلم قال: ماينبغي لبشر أن يسجد لبشر الخ. (أحكام القرآن للجصاص، سورة البقرة، باب السجود لغير الله تعالیٰ ١/ ٣١، لاهور ١/ ٣٥، جديد زكريا ١/ ٣٧)

اور نبی کریم علیہ السلام نے اپنے لئے سجدہ تعظیمی کی ممانعت اس حدیث شریف سے کی ہے:

عن قيس بن سعد قال: أتيت الحيرة رأتهم يسجدون لمرزبان لهم، فقلت لرسول الله صلی الله عليه وسلم: أحق أن يسجد له، فأتيت رسول الله صلی الله عليه وسلم، فقلت: إني أتيت الحيرة فرأتهم يسجدون لمرزبان لهم فأنت أحق أن يسجد لک، فقال لي: أرأت لو مررت بقبري أ كنت تسجد له؟ فقلت: لا، فقال: لا تفعلوا الخ. (مشكوة ٢/ ٢٨٢، سنن أبوداؤد، كتاب النكاح، باب في حق الزوج علی المرأة، النسخة الهندية ١/ ٢٩١، دارالسلام، رقم: ٢١١٤، المستدرك، مكتبه نزار مصطفى الباز بيروت ٣/ ١٠٤٤، رقم: ٢٧٦٣)

وفي البحر الرائق: وما يفعله من السجود بين يدی السلطان فحرام، والفاعل والراضي به آثمان؛ لأنه أشبه بعبدة الأوثان. (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الاستبراء، زكريا ٨/ ٣٦٤، كوئٹه ٨/ ١٩٨)

وفي هامش الحموي على الأشباه والنظائر: إن أراد به التحية لا يكفر، ويحرم عليه ذلک، وإن لم يكن إرادة كفر عند أكثر أهل العلم.

(الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية، مطبوعه نيشنل پريس ديوبند، ص: ٥٥)

قال شمس الأئمة السرخسي: إن كان بغير الله تعالیٰ علی وجه التعظيم كفر، قال القهستاني: وفي الظهيرية: يكفر بالسجدة مطلقاً. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ...... زكريا ٩/ ٥٩١، أشعة اللمعات ١/ ٧١٦)

(۲) والدین، اساتذہ وبزرگوں کے ہاتھوں اور پیروں کو بغرض تبرک چومنے بوسہ

دینے کی گنجائش ہے۔ اور قدم بوسی و دست بوسی الگ چیز ہے، دونوں ایک نہیں، جو دونوں کو ایک سمجھتا ہے یہ اس کی ناواقفیت پر مبنی ہے؛ اس لئے کہ شریعت اسلامی نے سجدہ تعظیمی کو حرام قرار دیا اور قدم بوسی اور دست بوسی کو جائز و مباح قرار دیا ہے۔ اور دونوں باتیں نصوص شرعیہ سے الگ الگ ثابت ہیں اور سجدہ تعظیمی کی حرمت کی روایات سوال نمبر: ا کے جواب میں آ چکی ہیں۔ اور قدم بوسی اور دست بوسی کا جواز احادیث وفقہ سے اس طرح ثابت ہے کہ وفد عبدالقیس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دست بوسی وقدم بوسی فرمائی ہے۔

حدثني أم أبان بنت الوازع بن زارع عن جدها زارع، وكان في وفد عبدالقيس قال لما قدمنا المدينة، فجعلنا نتبادر من رواحلنا، فنقبل يد رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجله الخ. (أبوداؤد، كتاب الأدب، باب قبلة الرجل، النسخة الهندية ٢/ ٧٠٩، دارالسلام، رقم: ٥٢٢٥، المعجم الأوسط، دار الفكر بيروت ١/ ١٣٢، رقم: ٤١٨، المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي، بيروت ٥/ ٢٧٥، رقم: ٥٣١٣)

اور مستدرک حاکم میں ایک درخت کا واقعہ نقل فرمایا ہے، جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا بوسہ لیا ہے۔ حدیث شریف کا ٹکرا ملاحظہ فرمائیے:

قال: ثم أذن له فقبل رأسه ورجليه. (المستدرك، قديم ٤/ ١٩٠، جديد مكتبه نزار مصطفى الباز بيروت ٧/ ٢٦١٧، رقم: ٧٣٢٦)

وفي مسند البزار: فقام الرجل، فقبل رأسه ويديه ورجليه، وأسلم.

(مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم بيروت ١٠/ ٣٢٤، رقم: ٤٤٥٠)

وفي الدر المختار مع الشامي كراچى: ولا بأس بتقبيل يد الرجل العالم والمتبرع على سبيل التبرك. ونقل المصنف عن الجامع: أنه لا بأس بتقبيل يد الحاكم والمتدين السلطان العادل –إلى قوله– ولا رخصة في تقبيل اليد لغيرهما، أي لغير عالم وعادل هو المختار. وفي المحيط: إن

لتعظيم إسلامه وإكرامه جاز، وإن لنيل الدنيا كره. (در مختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء، زكريا ٩/ ٥٤٩، كراچی ٦/ ٣٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ رجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۵۳۵)

قدم بوسی ودست بوسی کا شرعی حکم

سوال [۱۲٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے گھر اونچے مالدار گھرانے سے یا اچھے عالموں میں سے کوئی آجاتا ہے، تو زید کا ان کے سامنے آکر جھک کر پیر وغیرہ چومنا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: دلشاد احمد جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اونچے اور مالدار گھرانے میں سے کسی شخص کی آمد پر اس کی طرف جھکنا اور اس کی دست بوسی اور اس کے پیر چومنا شرعاً جائز نہیں ہے، اسی طرح کسی لیڈر اور سرکاری آفیسر کے آنے پر اس کی طرف جھکنا اور اس کا پیر چومنا بھی شرعاً جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اپنے والدین اور متبع شریعت استاذ کی دست بوسی کرنا جائز ہے۔ اور اسی طرح والدین اور استاذ کی قدم بوسی کی اس شرط کے ساتھ گنجائش ہے کہ رکوع، سجدہ کی شکل نہ پیدا ہونے پائے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی فرمائی ہے، جو صحیح حدیث سے ثابت ہے؛ لہٰذا اگر رکوع یا سجدہ کی شکل پیدا ہو جاتی ہے، تو والدین اور استاذ کی قدم بوسی کرنا بھی جائز نہیں ہے، اسی قسم کا ایک سوال محمد رفیق کسرول مرادآباد کے واسطے سے آیا ہوا تھا، جس کا جواب ۲۰/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ میں لکھا گیا تھا، اس میں جو جواب لکھا گیا ہے،

اس کا بھی یہی مطلب ہے جو اوپر لکھا گیا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۹/۱۲۶)

وفي حديث وفد عبدالقيس: ''قال لما قدمنا المدينة، فجعلنا نتبادر من رواحلنا، فنقبل يد رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجله'' الخ. (أبوداؤد، كتاب الأدب، باب قبلة الرجلة، النسخة الهندية ۲/ ۷۰۹، دارالسلام، رقم: ٥٢٢٥، المعجم الأوسط، دارالفكر بيروت ۱/ ۱۳۲، رقم: ٤١٨، المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي بيروت ٥/ ۲۷٥، رقم: ٥٣١٣)

أن رجلا أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله! علمني شيئا ازداد به يقينا، قال: فقال: أدع تلك الشجرة، فدعا بها، فجاءت حتى سلمت على النبي صلى الله عليه وسلم، ثم قال لها: ارجعي، فرجعت، قال: ثم أذن له، فقبل رأسه ورجليه. (مستدرك حاكم قديم ٤/ ۱۹۰، جديد مكتبه نزار مصطفى البازر بيروت ۷/ ۲٦١٦، رقم: ۷۳۲٦)

وفي رواية مسند البزار: فقبل رأسه ويديه ورجليه. (مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱۰/ ۳۲٤، رقم: ٤٤٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۱ھ

کیا ارتداد کی وجہ سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال [۱۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت اپنی جٹھانی کے ساتھ لڑی بھڑی اور اپنی نند کے دروازہ پر جا بیٹھی، وہاں سے سخت سست باتیں کرتی رہی، عصر کا وقت ختم ہونے کے قریب تھا، ۱۵/ رمضان ۱۴۰۸ھ کا یہ واقعہ ہے، نند نے کہا کہ بھابھی غصہ چھوڑو، دیکھو نماز قضاء ہونے کا وقت ہو رہا ہے، جاؤ نماز پڑھو، غصہ بھی اتر جائے گا، جھگڑا بھی ختم ہو جائے گا، اس عورت

نے جواب میں کہا کہ نہیں پڑھوں گی نماز و ماز اور اب روزہ بھی چھوڑ دوں گی، میں نے دیکھ لیا ملا مولوی کو سب ایسے ہی ہیں، نند نے اور اسے سمجھایا پر اس نے اسی بات کو دھرا دیا اور نماز چھوڑ دی، جا کر سوگئی، دوسرے دن اس نے روزہ بھی چھوڑ دیا؛ بلکہ پان کھا کر جٹھانی کے اور نند کے دروازے پر گھوم گھوم کر تھوکتی رہی اور دکھاتی رہی کہ دیکھو میں نے روزہ بھی چھوڑ دیا ہے۔ اب کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس نے کفر کا کام کیا، کہنے تک ہی نہیں رکھا؛ بلکہ اس پر عمل کر کے دکھا دیا، اس کا نکاح ٹوٹ گیا، وہ اپنے مرد کے لئے حرام ہوگئی۔ اس سلسلہ میں صحیح حکم سے مطلع فرمائیں۔ فقط

المستفتی: ناچیز منور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گناہوں پر فخر کرنا، روزہ کا مذاق اڑانا موجب کفر ہے؛ لیکن عورت کے مرتد ہونے سے نکاح ختم نہیں ہوتا ہے؛ البتہ نکاح باقی رہنے کے ساتھ ساتھ اس وقت تک شوہر کے لئے صحبت وغیرہ کرنا جائز نہیں ہے، جب تک عورت تجدید ایمان نہ کرے؛ اس لئے تجدید ایمان اور احتیاطاً تجدید نکاح دونوں ہو جانے کے بعد صحبت کرنا جائز ہوسکتا ہے۔ (الحیلۃ الناجزۃ/ ۱۰۵-۱۰۶، احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۹)

وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح الخ. (الدر المختار، كتاب الجهاد، باب المرتد، زكريا ٦/ ٣٩٠، مطبوعه كراچى ٤/ ٢٤٧)

وما كان في كونه كفرا اختلاف، يؤمر قائله بتجديد النكاح وبالتوبة والرجوع عن ذلك إحتياطاً. (مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۶۵)

کیا اس وقت منافقین ہیں؟

سوال [۱۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا اس وقت منافقین ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس زمانے میں وہ منافق نہیں ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے، جن کے بارے میں قرآن میں سخت وعید آئی ہے؛ البتہ وہ اعمال شنیعہ جن کا ارتکاب منافقین کیا کرتے تھے، بعض مسلمان اس طرح کے عمل سے نفاق کے مرتکب بن جاتے ہیں، اس کی وجہ سے ان مسلمانوں کو منافق یا کافر نہیں کہا جائے گا؛ بلکہ فاسق کہا جائے گا۔

إن هذه الخصال قد توجد في المسلم المصدق بقلبه ولسانه مع أن الإجماع حاصل على أنه لا يحكم بكفره وبنفاق يجعله في الدرك الأسفل من النار. (عمدة القاري، دار احياء التراث العربي بيروت ۱/ ۲۲۱، زكريا ديوبند ۱/ ۳۳۰، باب علامة المنافق) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/ ۳/ ۱۴۲۰ھ

ہندوستان میں ہندوؤں کو کافر کے بجائے غیر مسلم کہنا

سوال [۱۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان میں تمام حالتوں میں ہندوؤں سے نہ کوئی عداوت ہے نہ بغض ہے، نہ چڑھانا مقصود ہے، صرف کافر کو کافر کہہ دیا جائے تو کیا یہ قول شرعاً درست

ہے یا نہیں؟ اور فقہاء کرام کا اس مسئلہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: نظام الدین متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت اسلامی کا قانون ہے کہ جن ممالک میں مسلم وکافر ملے جلے رہتے ہیں، ان میں ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ معاشرہ میں ایک دوسرے کے ساتھ معاملات کو استوار رکھے اور ایک دوسرے کی دل شکنی نہ کیا کرے؛ لہٰذا اگر بحالت اعتدال عرف اور معاشرہ میں غیر مسلم کے حق میں کافر کا لفظ استعمال کرنا مذموم ہے، تو کافر کو کافر کہنا حالت اعتدال میں بھی جائز نہیں ہے۔ اور اگر عرف ومعاشرہ میں مذموم نہیں ہے، تو کافر کو کافر کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. الخ (رسم المفتي/ ۹۵)

اور جہاں قرآن مجید میں: ''یا ایہا الکافرون'' وغیرہ آیا ہے، یہ منجانب اللہ وعید ہے، اس طرح کی آیتیں حالت رضا کی نہیں ہیں؛ بلکہ حالت غضب کی ہیں اور ہندوستان میں چونکہ کافر کو کافر کہنا مذموم ہے؛ اس لئے جائز نہیں تاکہ شہری زندگی میں فتنہ برپا نہ ہو۔

لو قال ليهودي، او مجوسي: يا كافر، يأثم إن شق عليه الخ. (البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير، كوئٹه ٥ / ٤٤، زكريا ٥ / ٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۱۳)

''میں ہندو ہو جاؤں گا'' کہنا کفر ہے

سوال [۱۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص بھورے نام کا ہے، ایک موقع پر ایک مسجد اور اس میں نماز

پڑھانے والے امام سے بغض وعناد سے مغلوب ہوکر کہا کہ ”اس مسجد کے بالکل بغل میں مندر بنے گا اور میں ہندو ہوجاؤں گا“ اور دشمنی میں بہت سی باتیں کہیں، تو دریافت یہ کرنا ہے: کیا اس شخص کو تجدید نکاح اور تجدید ایمان کرنے کی ضرورت ہے یا صرف توبہ ضروری ہے؟ ایسے الفاظ زبان سے نکالنے والے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: شکیل احمد قاسمی مچھرہیڈ، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بھورے شخص کا یہ کہنا کہ ہندو ہو جاؤں گا، اس کلمہ سے وہ اسلام سے خارج ہوکر مرتد ہوگیا اور اس کا نکاح ٹوٹ گیا؛ لہٰذا اس پر ضروری ہے کہ توبہ کرکے اسلام میں داخل ہوجائے اور تجدید نکاح کرے۔

(مستفاد: امدادالاحکام ۱/ ۱۴۶، فتاوی دارالعلوم ۱۲/ ۳۹۳)

لو قالت لزوجها: إن جفوتني بعد هذا، أو قالت: إن لم تشتر لي كذا لكفرت، كفرت في الحال، كذا في الفصول العمادية. (فتاوی عالمگیرية، كتاب السير، الباب التاسع، مطلب: موجبات الكفر أنواع، زكريا جديد ديوبند ۲/ ۲۹۰، قديم زكريا ۲/ ۲۷۹)

مسلم قال: أنا ملحد يكفر، ولو قال: ما علمت أنه كفر لا يعذر بهذا. (هندية، كتاب السير، الباب التاسع، مطلب: موجبات الكفر أنواع، زكريا قديم ۲/ ۲۷۹، زكريا جديد ديوبند ۲/ ۲۸۹)

من رضي بكفر نفسه فقد كفر. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الأول، قديم ۵/ ۴۶۰، جديد زكريا ۷/ ۲۸۳، رقم: ۱۰۴۹۳، محيط البرهاني، كتاب السير، الفصل الثاني والأربعون، المجلس العلمي بيروت ۷/ ۳۹۸، رقم: ۹۱۸۳، كوئٹه ۵/ ۵۷۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۹ھ

کفریہ گانا لکھنے اور سننے کا حکم

سوال [۱۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اس گانے کے لئے ''خدا بھی آسماں سے جب زمین پر دیکھتا ہوگا، میرے محبوب کو کس نے بنایا سوچتا ہوگا'' -نعوذ باللہ- سننے والوں پر کیا حکم ہے؟

المستفتی: عارف حسین اصالت پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس طرح کے گانے اور شعر کہنے والے کو اپنے ایمان کی حفاظت کرنی چاہئے، یہ اللہ کی شان میں خطرناک گستاخی ہے، اسے توبہ کرنی چاہئے، سائل نے سننے والوں کے بارے میں پوچھا ہے، اس سلسلہ میں سائل سے گزارش ہے کہ کس نیت اور کس ارادہ سے سنا ہے؟ غالباً سائل نے بھی خود سنا ہوگا، تبھی تو اپنے ہاتھ سے لکھا ہے، اب سب سے پہلے سائل کے بارے میں سوال ہوتا ہے کہ سائل نے کیوں سنا؟ ؛ اس لئے سننے والوں کے بارے میں اس وقت تک کوئی حکم شرعی نہیں لکھا جاسکتا جب تک خود سننے والے اپنے مقصد کی وضاحت نہ کردیں۔

يكفر إذا وصف الله تعالىٰ بما لايليق به الخ. (الهندية، كتاب السير، الباب التاسع، مطلب: موجبات الكفر أنواع، زكريا جديد ۲/ ۲۷۱، قديم ۲/ ۲۵۸)

إذا وصف الله تعالىٰ بما لا يليق به ...... أو العجز أو النقص ...... يكفر.

(مجمع الأنهر، كتاب السير، باب المرتد، جديد دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۵۰٤)

واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وإنها على الفور لا يجوز تاخيرها سواء كانت المعصية صغيرة أو كبيرة. (شرح نووي، كتاب التوبة ۲/ ۳۵٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۱/۱۷ھ

ہندو سنتھال کے ساتھ بھاگنے والی لڑکی کا حکم

سوال [۱۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسلمان کی لڑکی ایک سنتھال لڑکے کے ساتھ نکل گئی اور شادی بھی کرلی، پھر عرصۂ دراز کے بعد اپنے وطن واپس آئی، تو اس لڑکی کو سماج میں لےکر چلا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: بدرالدین مرشدآبادی

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ لڑکی ہندو سنتھال بن کر غیر مسلم سنتھال کے ساتھ چلی گئی تھی اور اب دوبارہ تائب ہوکر اسلام میں داخل ہوگئی ہے، تو اس کو دائرہ اسلام میں رکھتے ہوئے اسلامی سماج میں چلانا مسلمانوں پر لازم ہے۔

والمرتدة تحبس حتى تسلم، ولا تقتل الخ. (تنوير الأبصار مع الرد، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب: لو تاب المرتد هل تعود حسناته؟ زكريا ٦/ ٣٩٩، كراچی ٤/ ٢٥٣)

ويعرض الإسلام على المرتد والمرتدة -إلى قوله- فإن أسلم يخلى سبيله. (المحيط البرهاني، كتاب السير، الفصل الثاني والأربعون، المجلس العلمي ٧/ ٤٤٢-٤٤٣، رقم: ٩٣١٩، الفتاوى التاتارخانية ٧/ ٣٨١، ٣٨٢، رقم: ١٠٧١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۹۲)

مسلم رسم رواج کے مطابق گڈے گڑیا کی شادی کرنا

سوال [۱۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شاہجہاں پور میں دو مسلم گھرانوں نے گڑیا گڈے کی شادی مسلم رسم

ورواج کے مطابق کی اور شہر کے بڑے قاضی محمد مقصود صاحب نے نکاح پڑھایا اور سبھی قسم کا جہیز دیا گیا۔ اور بہت سے لوگوں نے شرکت کی یہ نکاح پڑھانا درست ہے؟ اور کپڑے کے بت کس خانے میں آتے ہیں؛ لہٰذا آپ سے التماس ہے کہ دین کی روشنی میں بتائیں کہ قاضی صاحب کا یہ فعل کہاں تک درست ہے؟

المستفتی: سرفراز علی مہمند گڑھی شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح نام ہے ایسے عقد کا جس کے ذریعہ سے مرد کا عورت سے جنسی خواہش پوری کرنے سے متعلق فائدہ اٹھانا حلال ہو جائے اور بلکہ استمتاع ثابت ہو جائے؛ اس لئے نکاح کی تعریف کے دائرہ میں گڈے گڑیا کا نکاح داخل نہیں ہوسکتا۔ اور انسانی رسم ورواج کے مطابق گڈے گڑیا کا نکاح کرنا اور لین دین کرنا اور باقاعدہ اس میں شرکت کرنا اور قاضی کا اس میں نکاح پڑھانا شریعت کے بنیادی اصول کے ساتھ مذاق اڑانا ہے، شریعت نے نکاح کا یہ طریقہ صرف انسان کے لئے ثابت کیا ہے، غیر انسان کے لئے نہیں؛ اس لئے ان تمام لوگوں کو توبہ کرنی چاہئے، جنہوں نے اس مذاق میں شرکت کی ہے۔

النکاح عقد یفید ملک المتعة، أي حل استمتاع الرجل من امرأة لم یمنع من نکاحها مانع شرعي، فخرج الذکر والخنثی المشکل. وقوله: هو حقیقة في الوطيء مجاز في العقد، فحیث جاء في الکتب أو السنة مجرداً عن القرائن یراد به الوطيء کما في (شامی، کتاب النکاح، زکریا ٤/ ٥٩، کراچی ٣/ ٣تا٥) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱؍۴؍۱۴۲۳ھ

قسم کے لئے ''میں تو مندر جاتا ہوں'' کہنے کا حکم

سوال [۱۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زمین کے سلسلہ میں دو آدمیوں کا جھگڑا ہوا، دوسرے نے کہا کہ اگر یہ زمین تیری ہے تو چل مسجد میں چل کر قسم کھا، میں دے دوں گا، تو اس کے جواب میں اس نے کہا کہ میں مسجد میں نہیں چلتا میں تو مندر میں جاتا ہوں، تو سوال یہ ہے کہ اس طرح کے الفاظ سے اس کا ایمان باقی رہا یا نہیں؟

المستفتی: محمد غفران

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے یہ الفاظ کہ ''میں تو مندر جاتا ہوں'' غصہ کی حالت میں کہے ہیں۔ اور بظاہر اس کی نیت مخالف کی بات کو رد کرنا ہے نہ کہ مسجد کی توہین وتحقیر، نیز قسم کھانے کے لئے مسجد میں جانا ضروری نہیں تھا؛ بلکہ ایک امر جائز ہے؛ اس لئے ایسے شخص کی تکفیر میں احتیاط کی جاتی ہے؛ لیکن اگر چہ اس کا دل صاف ہے اور غصہ میں اس نے ایسا کہہ دیا ہے، تو ایسا کہنا بھی گناہ کبیرہ ہے؛ اس لئے اس کو توبہ کرنی لازم ہے۔

سئل عن رجل قیل له: یا یکدرم بده تا بعمارت مسجد صرف کنم یا بمسجد حاضر شو بنماز، فقال: من نه مسجد آیم ونه درهم دهم مرابا مسجد چه کار. (أما أن تعطي درهما لنصرفه في عمارة المسجد، وأما أن تحضر بالمسجد للصلوة، فقال: أنا لا آتي المسجد ولا أعطي درهما، أي شغل لي بالمسجد وهو مصر علی ذلک قال: لایکفر، ولکن یعزر. (هندیة، کتاب السیر، الباب التاسع، مطلب: موجبات الکفر أنواع، زکریا ۲/ ۲۸۰، جدید زکریا دیوبند ۲/ ۲۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۴/ ۱۴۲۱ھ

شادی کے موقع پر دیوتاؤں کی پوجا کرنا

سوال [۱۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گاؤں میں یہ رواج جاری ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پر گاؤں کی عورتیں اورلڑکیاں دیوتاؤں کی پوجا کرتی ہیں اوراس میں پان وچھالی وغیرہ رکھتی ہیں، اس نیت سے کہ کوئی نقصان نہ پہنچائیں اوردیگر مواقع پر بھی ایسا ہی کرتی ہیں۔

المستفتی: محمد علیم الدین کشن گنج (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شادی بیاہ کے موقع پر دیوتاؤں کی پوجا کرنا انتہائی جسارت کی بات ہے، اس کی وجہ سے ایمان کے جانے کا خطرہ ہے، مخلوق میں سے کسی کو یہ اختیار نہیں کہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچائے۔ اور نفع نقصان کی مالک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

كما لو سجد لصنم، أو وضع مصحفا في قاذورة يكفر، وإن كان مصدقا؛ لأن ذلک في حكم التكذيب. (شامي، كتاب الجهاد، باب المرتد، زكريا ٦/ ٣٥٦، كراچی ٤/ ٢٢٢)

من خرج إلى النشيدة فقد كفر، وعلى قياس مسألة النشيدة الخروج إلى نيروز المجوس، والموافقة معهم فيما يفعلون في ذلک اليوم من المسلمين يوجب الكفر. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الحادي والعشرون ٧/ ٣٤٧، رقم: ١٠٦٥٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۳/۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۵۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۴/۱۴۲۸ھ

مسلم نیتاؤں کا مالا پرشاد چڑھانا

سوال [۱۳۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کے دور میں غیر مسلم نیتا مسلمانوں کے ہر پروگرام میں شرکت کررہے ہیں، افطار میں مدرسہ اور مسجد کی بنیاد کے افتتاح میں، دینی اجلاس میں اور باقاعدہ سر پر ٹوپی اوڑھ کر یا رومال باندھ کر شرکت کرتے ہیں، ایسے ہی مسلمانوں نے غیر مسلموں کے مذہبی تہواروں میں اور ان کے ہر پروگرام میں شرکت کرنا شروع کردیا ہے، صرف اس لئے کہ وہ لوگ ہمارے مذہبی کاموں میں شرکت کرتے ہیں، حتی کہ مسلم نیتاؤں نے گاؤں کے مسلم پردھان اور ممبروں نے ان کی مورتیوں پر مالا چڑھانی اور پرشاد چڑھانا شروع کردیا ہے اور بہت سے مالا اور پرشاد نہیں چڑھاتے مگر ان کے ساتھ ساتھ کھڑے رہتے ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے، کیا ہمارے ان مسلمانوں کا یہ مالا پرشاد چڑھانا یا شرکت کرنا کہیں شرک تو نہیں ہے؟ ایمان تو خطرہ میں نہیں آجاتا؟

المستفتی: محمد اصغر سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو مسلم نیتا اور پردھان اس فعل قبیح کو شرک جانتے ہوئے مورتیوں پر مالا وغیرہ چڑھاتے ہیں، ان کے ایمان کے چلے جانے کا خطرہ ہے؛ کیوں کہ یہ رضا بالکفر کی صورت ہے۔ اور رضا بالکفر پر فقہاء نے کفر کا حکم عائد کیا ہے؛ لہٰذا ان کے اوپر سچے دل سے توبہ کرنی لازم ہے اور آئندہ اس قسم کی شرکت سے باز رہنے کا اللہ سے عہد و پیمان کرنا لازم ہے۔ اور جو لوگ غیر مسلموں کے شرکیہ کاموں میں محض شرکت کرتے ہیں ان کا یہ عمل ناجائز وحرام ہے، ان پر بھی توبہ کرنا لازم ہے۔

وذکر شیخ الإسلام أن الرضا بکفر غیرہ إنما یکون کفراً إذا کان یستجیزہ ویستحسنہ. (شرح الفقه الأکبر، مکتبه أشرفي دیوبند ۲۲۱)

ویکفر بخروجه إلی نیروز المجوس والموافقة معهم فیما یفعلونه في ذلک الیوم. (مجمع الأنهر، کتاب السیر والجهاد، قبیل باب البغاة، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۵۱۳)

من کثر سواد قوم فهو منهم، ومن رضي عمل قوم کان شریکا في عمله. (کنز العمال ۹/ ۱۱، رقم: ۲۴۷۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ صفر ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۳/۱۲ھ

ہندؤوں کی پوجا پاٹ میں شرکت کرنا موجب کفر ہے

سوال [۱۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسلمان نوجوان لڑکی ایک غیر مسلم لڑکے ساتھ ناجائز تعلقات کی وجہ سے گھر سے فرار ہوگئی، چند دن کے بعد وہ لڑکی خود ہی اپنے گھر آگئی، چند دن غیر مسلم کے گھر رہی، ان ہی کا کھانا پینا، ان ہی کی پوجا پاٹ وغیرہ میں نہ چاہتے ہوئے بھی شرکت کی، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا اس لڑکی کا ایمان باقی رہا، یا یہ مرتدہ ہوگئی؟ اب اس کے مسلمان ہونے کی کیا شکل ہے؟

المستفتی: شمشاد احمد خان دھامپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایک مسلمان لڑکی کا ہندؤوں کی پوجا پاٹ میں شریک ہونا ایک موجب کفر عمل ہے، اگر لڑکی نے بدون جان کے خوف کے صرف اس گھرانہ سے تعلق اور ساتھ کو برقرار رکھنے کے لئے بادل ناخواستہ ان کی پوجا پاٹ میں شرکت کی ہے، تو اس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں ہے، اس پر تجدید ایمان لازم ہے۔

من خرج إلی النشدة فقد کفر؛ لأن فیه إعلان الکفر، فکأنه أعان

علیه، وعلی قیاس مسئلة النشدة الخروج إلی نیروز المجوس والموافقة معهم فیما یفعلون في ذلک الیوم من المسلمین یوجب الکفر. (المحیط البرهاني، کوئٹه ۵/ ۵۷۶، جدید، المجلس العلمي ۷/ ۴۲۸، رقم: ۹۲۸۶)

کما لو سجد لصنم أو وضع مصحفا فی قاذورة؛ فإنه یکفر وإن کان مصدقا. (شامي، کتاب الجهاد، باب المرتد، کراچی ۴/ ۲۲۲، زکریا ۶/ ۳۵۶)

ویکفر بخروجه إلی نیروز المجلوس والموافقة معهم فیما یفعلونه في ذلک الیوم، وبشرائه یوم نیروز شیئا لم یکن یشتریه قبل ذلک تعظیما للنیروز. (مجمع الأنهر، کتاب السیر والجهاد، قبیل باب البغاة بیروت، فقیه الأمت ۲/ ۵۱۳)

من خرج إلی النشیدة فقد کفر، وعلی قیاس مسألة النشیدة الخروج إلی نیروز المجوس والموافقة معهم فیما یفعلون في ذلک الیوم من المسلمین یوجب الکفر، وأکثر ما یفعل ذلک من کان أسلم منهم، ویخرج إلیهم في ذلک الیوم، ویوافقهم فیصیر به کافرا ولا یشعر بذلک.

(الفتاوی التاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین، الفصل الحادي والعشرون ۷/ ۳۴۷، رقم: ۱۰۶۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/۴/۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۰۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۴/۱۴۳۱ھ

بتوں کی پوجا، سادھوؤں کی خدمت اور مندر میں روپے پیسے دینا

سوال [۱۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر مسلم آدمی نے صحت عقل کے باوجود مندرجہ ذیل افعال شنیعہ کا ارتکاب کیا، تو کیا حکم ہے؟ مندر میں جا کر وہاں رکھی ہوئی مورتیوں کی پوجا پاٹ کی کتھا

اور بھاگوت کوسنا اور سادھوؤں کی خدمت کی، ہندوؤں نے کھانے کا نظم کیا، اس میں روپئے دئے اور کھانا وغیرہ بھی تناول کیا۔

(نوٹ): سوال کے ہر جزو کا مدلل جواب دینے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

المستفتی: محمد ہاشم مسلم مسافر خانہ، لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مندروں میں جاکر بتوں کی پوجا پاٹ کرنا موجب کفر ہے، اسی طرح بھاگوت سننا اور تعظیماً سادھوؤں کی خدمت کرنا اور وہاں مالی تعاون کرنا سب امور گناہ کبیرہ ہیں، بہرحال اس شخص پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح کرنا بھی لازم ہوگا۔

کما لو سجد لصنم أو وضع مصحفا فی قاذورة؛ فإنه یکفر و إن کان مصدقا. الخ (شامي، کتاب الجهاد، باب المرتد، کراچی ٤/ ٢٢٢، شامي زکریا ٦/ ٣٥٦)

من خرج إلی النشدة فقد کفر، وعلی قیاس مسألة النشدة الخروج إلی نیروز المجوس والموافقة معهم فیما یفعلون في ذلک الیوم من المسلمین یوجب الکفر. (المحیط البرهاني، کتاب السیر، الفصل الثاني والأربعون، المجلس العلمي ٧/ ٤٢٨، رقم: ٩٢٨٦، الفتاوی التاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین، الفصل الحادي والعشرون، زکریا ٧/ ٣٤٧، رقم: ١٠٦٥٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/صفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۳/۳/۱۴۱۷ھ

پنڈتوں سے ٹونا ٹوٹکا کرانے والی عورت کا حکم

سوال [۱۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: ایک عورت بظاہر نمازی، روزہ دار، دیندار بھی ہے اور اپنے کاموں کے لئے پنڈتوں کے پاس بھی جاتی ہے، ان سے ٹونا ٹوٹکا کرواتی ہے اور ان سے سفلی عمل جیسے کام کرواتی ہے۔ اور یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ سب کچھ ان ہی عملیات اور تعویذات سے ہوتا ہے، غیر مسلموں اور پنڈتوں کے شرکیہ عملیات کا استعمال اور ان سے کاموں کے بننے کا عقیدہ رکھتی ہے، شرعاً کیسا ہے؟ کیا ایسی عورت کا ایمان باقی رہا؟ یا اس کے ایمان واسلام کو خطرہ ہے؟ شریعت کا حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: شمیم الدین جھبوکا نالہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی عورت کو دین کی باتیں پیش کر کے اللہ، رسول اور آخرت کی یاددہانی کرا کے ایسے برے کاموں سے باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے اور اس میں حکمت کا راستہ ہی اختیار کرنا چاہئے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ. [سورة النحل: ۱۲۵] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰؍شعبان ۱۴۳۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۶۹)

۷/ باب ما یتعلق بالقدر والقضاء

مسئلہ تقدیر کی حقیقت

سوال [۱۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آدمی کے اچھے برے اعمال اللہ تعالیٰ نے ان کی تقدیر میں لکھ دیا ہے؛ لیکن اس کے بعد بھی آدمی اچھے برے کام کرنے پر مجبور ہوتا ہے؛ حالانکہ جتنا لکھ دیا گیا اتنا ہی کرنا چاہئے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے قانون میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا قانون اور تقدیر کا لکھا ہوا اٹل ہے، تبدیلی ممکن نہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ نے جس مسئلہ کو اٹھایا ہے یہ مسئلہ تقدیر کا ہے، جونہایت پیچیدہ ہے اور نہ ہی آپ کا سوال مراد کے مطابق واضح ہے، پھر بھی مختصر طور پر آپ کے سوال کا جواب یہ ہے: اس مسئلہ کا سمجھنا پانچ اصولی باتوں پر موقوف ہے: ایک ہے تقدیر الٰہی، دوسرا ہے قضاء الٰہی، تیسرا ہے کسب انسانی، یہ تینوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ اور تینوں کی حیثیت اور حکم بھی الگ الگ ہیں، اس کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے کہ جب کوئی نقاش کوئی نقشہ تیار کرنا چاہے، تو پہلے ایک کچا نقشہ بناتا ہے، پھر اس کے مطابق اس میں کھدائی کرتا ہے، یا اس میں ابھار پیدا کرتا ہے، پھر اس کے بعد تیسرے نمبر پر اس کے اوپر رنگ چڑھاتا ہے، تو تقدیر الٰہی کو کچے نقشہ کے درجہ میں سمجھیں اور قضاء الٰہی کو اس کچے نقشہ کے مطابق اصل نقشہ کی کھدائی یا ابھار سمجھ لیجئے اور کسب انسانی اس نقشہ کے اوپر رنگ چڑھانے کے درجہ میں ہے۔ اور نقشہ کے عمدہ اور خوبصورت ہونے اور خراب ہونے اور بگڑ جانے کا سارا مدار رنگ چڑھانے پر ہے، اگر عمدہ اور خوبصورت رنگ چڑھایا جائے گا، تو یہ نقشہ عمدہ ترین مکانوں کے بالا

خانوں اور طاقوں میں زینت اور ڈیکوریشن کے طور پر رکھا جائے گا اور اگر خراب رنگ چڑھا کر نقشہ کو بگاڑ دیا جائے تو وہ نقشہ بجائے عمدہ مکانات کے طاقوں میں رکھنے کے کوڑی میں پھینکنے کے یا ایندھن جلانے کے قابل ہو جائے گا۔ اور مسئلہ تقدیر میں بھی ایسا ہی معاملہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سے کچا نقشہ اور پکا نقشہ تیار کر دیا گیا ہے؛ لیکن انسانوں کو رنگ چڑھانے کا حکم کیا گیا ہے اور ساتھ میں عمدہ رنگ چڑھانے کا حکم کیا گیا ہے۔ اور انسان کو اختیار کلی دے دیا گیا ہے کہ تم چاہو تو عمدہ رنگ چڑھا لو اور چاہے خراب رنگ چڑھا سکتے ہو، عمدہ رنگ چڑھاؤ گے تو تمہارا نقشہ جنت کے بالا خانوں میں رکھنے کے قابل ہوگا، تم جنت میں جا کر اس کی زینت دیکھو گے۔ اور اگر خراب رنگ چڑھاؤ گے تو تمہارا نقشہ جہنم کا ایندھن بنے گا اور تم بھی اپنے نقشہ کے ساتھ جا کر کے جہنم کا مزہ چکھو گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اور آسمانی کتاب کے ذریعہ اس کا اعلان کر دیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۶/۱/۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۶۳۳)	۲۶/۱/۱۴۲۱ھ

اللہ کی مرضی کے بغیر کچھ نہ ہونے کا مطلب

سوال [۱۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اللہ کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا، چور چوری کرتا ہے، اللہ کی مرضی کے بغیر کرتا ہے، پھر یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ اللہ کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا؟

المستفتی: معین الحسن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہر شیٔ کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں، چاہے اچھی چیز ہو یا بری اللہ تعالیٰ نے جن افعال کے کرنے سے منع فرمایا ہے، اس کے کرنے پر اللہ

تعالیٰ راضی نہیں ہوتے؛ بلکہ ناراض ہوتے ہیں، نیز برا کام کرنے میں اگر اللہ تعالیٰ قوت عطا نہ کرے تو نہیں کرسکتا؛ لیکن جب بندہ برا کام کرنے کے لئے عزم کرلیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی اس کی قوت عطا کردیتے ہیں؛ لیکن اس سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتے، ایسی صورت میں بندہ کو کاسب کہتے ہیں۔ اور کسب قبیح قبیح ہوتا ہے۔

وإیمان داں واجب کہ حق تعالیٰ بندگاں را صورت قدرت واراں داں است، وعادۃ اللہ بداں جاری ست کہ ہر گاہ بندہ قصد فعلی کند حق تعالی آں فعل را پیدا کند، وبوجود آرد. (مالابد منه ٤)

فالعبد له کسب، وکسبه مخلوق یخلقه الله حالة ما یکسب. (شرح السنة ١/ ١٤١)

والله تعالیٰ خالق لأفعال العباد من الکفر والإیمان والطاعة والعصیان، وهي کلها بإرادته ومشیئته، وحکمه، وقضیته، وتقدیره، وللعباد أفعال اختیاریة یثابون بها، ویعاقبون علیها، والحسن منها برضاء الله تعالیٰ، والقبیح منها لیس برضائه والاستطاعة مع الفعل. (شرح عقائد، مکتبه نعیمیه دیوبند، ص: ٧٥، تا ٨٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۱۷)

ہر کام خدا کی مشیت سے ہوتا ہے

سوال [۱۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا کہنا ہے کہ ہر اچھا یا برا کام اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے، بکر کہتا ہے کہ صرف اچھا کام اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔ اور برا کام اس میں شیطان کی رضا کو دخل ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس میں کس کا قول صحیح اور کس کا غلط ہے؟ مرضی، مشیت اور قدرت میں کیا فرق ہے؟ تفصیل سے تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد شفیق (عرف بابو) ہندو پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مذکورہ مباحثہ میں نہ زید کا قول بالکلیہ صحیح ہے؛ کیوں کہ یہ فرقۂ مرجیہ کا عقیدہ ہے۔ اور نہ ہی بکر کا قول بالکلیہ درست ہے کہ ہر اچھا کام اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے، یہ کہنا درست نہیں؛ بلکہ یوں کہے کہ ہر اچھا کام کرنے کی توفیق اللہ نے دی ہے اور اچھے کام سے اللہ راضی ہوتا ہے۔ اور تفصیل یوں ہوگی کہ اچھے برے افعال کے خالق اللہ تبارک وتعالیٰ ہیں کہ پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے لئے حسن وقبح سب برابر ہیں، اس سے یہ سوال درست نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں، تو اس سے خلق قبیح کیسے صادر ہوسکتا ہے؟ اس لئے کہ بری چیز کا پیدا کرنا برا نہیں ہے؛ البتہ بری چیز اور برے کام اختیار کرنا برا اور قابل مذمت ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے سانپ، بچھو، خنزیر وغیرہ کو پیدا کیا ہے، تو یہ پیدا کرنا فی نفسہ برا نہیں ہے؛ لیکن ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے سانپ جیسی خطرناک چیز سے بچنے اور خنزیر جیسے ناپاک جانور کے کھانے سے منع فرمایا ہے، تو بندے کا سانپ سے نہ بچنا اور خنزیر جیسے ناپاک جانور کو اختیار کرنا برا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے راضی نہیں ہوتے؛ بلکہ خفا ہوتے ہیں؛ لہٰذا خلق قبیح کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر برائی کا الزام عائد نہیں ہوسکتا؛ لیکن کسب قبیح قبیح ہے؛ اس لئے برا کام کرنے سے انسان پر برائی کا الزام عائد ہوگا، نیز برا کام اختیار کرنے میں شیطان کی مرضی کا بھی دخل ہوتا ہے۔

ونحن نمنع ذلک بل القبیح کسب القبیح، والاتصاف به. (شرح العقائد النسفي، رشيديه ٦٣)

الحسن منها أي من أفعال العباد برضاء الله تعالیٰ، والقبيح منها ليس برضاه. (شرح العقائد النسفي قديم/ ٦٧، جديد ٨٤-٨٥، مالابد منه/ ١٠)

قدرت بغیر آلہ کے ہر شئ کے پیدا کرنے اور وجود میں لانے پر مکمل اختیار حاصل ہونے کو کہتے ہیں۔

القدرة هو التمكن من إيجاد الشيء. (شيخ زاده ١/ ١٨٣، تفسير صاوي ١/ ١٤)

اور مشیت کرنے اور نہ کرنے میں سے کسی ایک کو خاص کرنے کو کہتے ہیں۔

والإرادة والمشية وهما عبارتان عن صفة في الحي توجب تخصيص أحد المقدورين في أحد الأوقات. (شرح العقائد قديم ٤٢، جديد ٥٢)

مرضی ورضا نام ہے حسن وقبح دوامروں میں سے قبح کو ترک کرکے حسن کو اختیار کرنے کا۔

والرضا والمحبة والأمر لايتعلق إلا بالحسن دون قبيح. (شرح العقائد النسفي قديم ٦٧، جديد ٨٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۴۸۴)

تقدیرِ مبرم اور تقدیرِ معلق کی تعریف

سوال [۱۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تقدیر مبرم کس کو کہتے ہیں؟ اور تقدیر معلق کس کو کہتے ہیں؟ اور دونوں میں سے کون ٹل سکتی ہے؟

المستفتی: حکیم حبیب الرحمٰن ارریہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تقدیرِ مبرم اس کو کہتے ہیں جو اٹل ہے، اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ اور تقدیرِ معلق اس کو کہتے ہیں جس میں اعمال کی وجہ سے ردوبدل ہوسکتا ہے، مثلاً یہ لکھا ہوا کہ فلاں اگر حج کرے گا تو اس کی عمر بیس سال ہوگی اور اگر حج نہیں کرے گا تو پندرہ سال ہوگی۔

عن ثوبان قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يزيد في العمر إلا البر، ولا يرد القدر إلا الدعاء. الحديث (سنن ابن ماجة، المقدمة، في القدر، النسخة الهندية ١٠، دارالسلام، رقم: ٩٠، سنن ترمذي، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في

تعلیم النسب، النسخة الهندیة ۲/ ۱۹، ۱۹۷۹، مسند البزار، مکتبة العلوم والحکم بیروت ٦/ ۱۰۵، رقم: ۲۰٤۰)

أو معلقا كأن يكتب في اللوح المحفوظ: فلان يعيش عشرين سنة إن حج، وخمسة عشر إن لم يحج، وهذا هو الذي يقبل المحو –إلى قوله– والمبرم كل منهما مثبت في اللوح غير قابل للمحو الخ. (مرقاة، باب الإيمان بالقدر التقدير المعلق و المبرم، مكتبه إمداديه ملتان ۱/ ۱٤٦)

وأن الذي سبق في علم الله لا يتغير ولا يتبدل، وأن الذي يجوز عليه التغيير والتبديل ما يبدوا للناس من عمل العامل، ولا يبعد أن يتعلق ذلك بما في علم الحفظة والموكلين بالآدمي، فيقع فيه المحو والإثبات كالزيادة في العمر والنقص، وأما ما في علم الله تعالیٰ فلا محو فيه، ولا إثبات، والعلم عند الله. (فتح الباري، كتاب القدر، تحت رقم الحديث: ٦٥٩٥، مكتبه اشرفيه ديو بند ۱۱/ ۵۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۴/۱۹ھ

دعاؤں کے ذریعہ کون سی تقدیر بدل جاتی ہے؟

سوال [۱۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سوال ہے کہ خدا تعالیٰ نے لوح محفوظ پر جو تقدیر لکھی ہے، اس لکھی ہوئی تقدیر میں دعاؤں سے کیا کیا بدل جاتا ہے؟ کیا کیا نہیں بدلا جا سکتا؟ مہربانی فرما کر یہ بھی تحریر فرمائیں کہ رزق، موت جیسے کہ سنا ہے دعاؤں سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔ خدا حافظ۔ والسلام دعا گو زید۔

المستفتی: محمد یوسف قاسمی محلّہ علی خان کاشی پور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تقدیر کی دو قسمیں ہیں: (۱) تقدیر مبرم (۲) تقدیرِ معلق۔ تقدیرِ مبرم: وہ ہے جو بارگاہ الٰہی کا اٹل فیصلہ ہے، جو کبھی ٹل نہیں سکتی۔ تقدیرِ معلق: وہ ہے کہ جس میں دو جہتیں ہوتی ہیں، مثلاً فلاں اگر فلاں نیکی کرے گا تو اس کی عمر بیس سال ہوگی، ورنہ پندرہ سال، اسی طرح اگر فلاں نیک کام کرے گا تو دولت ورزق میں اتنا اضافہ ہوگا وغیر ذلک۔ نیز دعاؤں کے ذریعہ سے بھی تقدیر معلق بدل جاتی ہے۔

أجری الله القلم على اللوح المحفوظ بإيجاد ما بينهما من التعلق، وأثبت فيه مقادير الخلق ما كان وما هو كائن إلى الأبد على وفق ما تعلقت به إرادته -إلى قوله- وعين مقاديرهم تعيينا بتا لا يأتي خلافه بالنسبة لما في علمه القديم المعبر عنه بأم الكتاب، أو معلق كأن يكتب في اللوح المحفوظ: فلان يعيش عشرين سنة إن حج، وخمسة عشر إن لم يحج، وهذا هو الذي يقبل المحو والإثبات المذكورين في قوله تعالىٰ: ''يمحوا الله ما يشاء يثبت عنده ام الكتاب'' أي التي لا محو فيها ولا إثبات، فلا يقع فيهما إلا مايوافق ما أبرم فيها، كذا ذكره ابن حجر، وفي كلامه خفاء إذا المعلق والمبرم كل منهما مثبت في اللوح غير قابل للمحو نعم المعلق في الحقيقة مبرم بالنسبة إلى علمه تعالىٰ، فتعبيره بالمحو إنما هو من الترديد الواقع في اللوح إلى تحقيق الأمر المبرم المبهم الذي هو معلوم في أم الكتاب. الخ (مرقاة، شرح مشكوة، باب الإيمان بالقدر، الفصل الأول، تقدير المعلق والمبرم، مكتبه إمداديه ملتان ۱/ ۱٤٦)

عن ثوبان قال: قال رسول الله ﷺ: لا يرد القدر إلا الدعاء، ولا يزاد في العمر إلا البر. (المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۱۵/ ٤۰۹، رقم: ۳۰٤۸۷، مسند أحمد ۵/ ۲۷۷، ۲۸۲، رقم:) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر رجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۰۴)

عمل کا ذمہ دار بندہ ہے روزی تقدیر سے ملتی ہے

سوال [۱۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: راقم الحروف صرف اس مرتبہ جاننا چاہتا ہے کہ زندگی کا راز کیا ہے کہ آدمی صبح سے شام تک خون پسینہ ایک کرتا ہے پھر بھی وقتی کھانا متوازن میسر نہیں؟

المستفتی: ربیع الاسلام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تقدیر میں جتنا لکھا ہے، اس میں کمی نہیں محنت کا ذمہ دار بندہ ہے؛ لیکن اتنا ہی ملے گا جتنا لکھا ہوا ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

ويؤمر بأربع كلمات: يكتب رزقه، وأجله، وعمله، وشقي أو سعيد.

(مسلم شريف، كتاب البر و الصلة، باب إذا اثنى على الصالح ......، النسخة الهندية ۲/ ۳۳۲، بيت الأفكار، رقم: ۲٦٤۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۴۳۲)

اشیاء کی طرف نفع ونقصان کی نسبت کرنا

سوال [۱۴٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کے زمانے میں جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ چیز کھانے سے ہمیں یہ بیماری ہوگئی، یا یہ چیز کھانے سے ہمیں یہ فائدہ ہوگا، یہ شرک میں شامل ہے یا نہیں؟

المستفتی: جاوید اختر شمس کالونی کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل یہ ہے کہ نفع ونقصان من جانب اللہ

ہےاور چیزوں کے اندر نفع ونقصان یا مرض وشفا کی تاثیر اللہ نے رکھی ہےاور جب آدمی وہ چیز استعمال کرتا ہےتو مرض یا شفا ہوتی ہے،مثلاً کوئی زہر کھالے اور کہے کہ زہر کھانے کی وجہ سے مرگیا، یا دوا کھائے اور کہے کہ دوا کی وجہ سے فائدہ ہوا، تو ایسا کہنا درست ہے،کفر یا شرک نہیں؛ کیوں کہ تاثیر تو اللہ ہی نے دی ہے،اس کے اندر خود بخود نہیں پیدا ہوئی، چنانچہ حدیث میں اس طرح کے مضامین آئے ہیں:

عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما أنزل الله داءً إلا أنزل له شفاءً. (رواه البخاري، كتاب الطب، باب ما أنزل الله داء إلا أنزل له شفاء، النسخة الهندية ٢/ ٨٤٨، رقم: ٥٤٦٠، ف: ٥٦٧٨)

عن خزامة قال: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم قلت: يا رسول الله! أرأيت رقي نسترقيها ودواءً نتداوى به وتقاة نتقيها هل ترد من قدر الله شيئا؟ قال: هي من قدر الله. (رواه الترمذي، كتاب الطب، باب ماجاء في الرقى والأدوية ٢/ ٢٧، دارالسلام، رقم: ٢٠٦٥)

فإن الله تعالىٰ هو الخالق قد يخلق لا من سبب، ولا في سبب كما خلق آدم صلوات الله عليه، وقد يخلق لا من سبب، ولا في سبب كما خلق عيسىٰ عليه السلام، وقد يخلق من سبب في سبب كما قال الله تعالىٰ: "يايها الناس انا خلقنكم من ذكر" الآية –إلى– وكذا أمر الشفاء، فالشافي هو الله، وقد أمرنا بالمداواة، قال عليه السلام: تداووا عبادالله، فإن الله ما خلق داء إلا وخلق له دواء. (المبسوط للسرخسي، كتاب الكسب، مكتبه دارالكتب العلمية بيروت ٣٠/ ٢٤٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۶/۱۴۲۰ھ

کیا زوجین کا رشتہ عالم ارواح میں ہی طے ہوجاتا ہے؟

سوال [۱۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زوجین کے مابین جو رشتہ ہے، آیا یہ رشتہ عالم ارواح میں ہی طے ہوجاتا ہے یا عالم دنیا میں؟ اگر عالم ارواح میں رشتے طے ہوجاتے ہیں تو پھر عالم دنیا میں رشتہ تلاش کرنے میں کافی دشواری ہوتی ہے۔ اور بعض مرتبہ رشتہ طے ہونے کے بعد کافی مدت بعد ختم ہوجاتا ہے، اس کو کیا کہا جائے گا؟ مقدرات سے تعلق کہا جائے گا یا دیگر؟

المستفتی: محمد اسلام قصبہ سیفنی، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: عن عائشة رضـ **قالت: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: الأرواح جنود مجندة، فما تعارف منها ائتلف وما تناكر منها اختلف. الحديث** (بخاري شريف، كتاب الأنبياء، باب الأرواح جنود مجندة، النسخة الهندية ۱/ ٤٦٩، رقم: ٣٢٢٦، ف: ٣٣٣٦، مسلم، كتاب البر والصلة، باب الأرواح جنود مجندة، النسخة الهندية ٢/ ٣٣١، بيت الأفكار، رقم: ٢٦٣٨)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ''عہد الست'' اور ''عالم ارواح'' میں مرد وعورت کی روحوں کے درمیان جوڑیاں قائم کردی گئی تھیں، دنیا کے اندر جو جس کی بیوی بنتی ہے، عالم ارواح میں اس عورت کی روح اس مرد کے پاس کھڑی تھی، گویا وہاں پر رشتہ نکاح وسگائی ہوچکی ہے۔ (مستفاد: انوار ہدایت ۱۴۹)

اب عالم دنیا میں جس کا جس عورت سے ازدواجی رشتہ قائم ہوتا ہے، وہ باری تعالیٰ کے اسی قضا وقدر کے مطابق ہے، جس پر ایمان رکھنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔ اور چونکہ انسان مجبور محض نہیں؛ بلکہ کسب کا اختیار دے کر اس کو احکامات کا مکلّف بنایا گیا ہے؛ اس لئے رشتہ تلاش کرنے میں پریشانی کی جو بات ہے اس کی

وجہ عالم ارواح وقضاء الٰہی میں طے شدہ رشتہ کے علاوہ انسان کے اپنے کسب کی بنا پر دیگر جگہ سرگرداں پھرنا مقدر ہو چکا تھا، یہی وجہ ہے کہ بعض مرتبہ دن تاریخ مقرر ہونے کے باوجود عین موقع پر رشتہ ختم ہو جاتا ہے، جیسا کہ مشاہدات میں آتا رہتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے کسب کا استعمال کر کے اس جگہ رشتہ کرتا ہے جہاں مقدر نہیں، پھر جب زمانہ کی ٹھوکر اور مار پڑتی ہے، تو پھر یہ تقدیر الٰہی میں طے شدہ رشتہ کی جانب آتا ہے؛ لہٰذا اس پریشانی اور ختم رشتہ کو انسان کے کسب سے متعلق کہا جائے گا، نہ کہ مقدرات سے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۳)	۱۴۲۱/۳/۳ھ

تقدیر کے خلاف غیر دانستہ طور پر کوئی بات نکالنا

سوال [۱۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غیر دانستہ طور پر بلا قصد بغیر سوچے سمجھے کچھ غلط الفاظ زبان سے نکالے اور پھر متنبہ ہوا اور سوچا کہ ان الفاظ سے تقدیر کو برا کہنا ہوا؛ حالانکہ تقدیر کو گالی دینا مقصود نہ تھا، بلا قصد بغیر سوچے سمجھے ایسا ہوا، تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتي: شمس احمد سنبھل، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تقدیر کے خلاف غیر دانستگی اور بے شعوری میں کوئی بات زبان سے نکل گئی تو شرعا اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا؛ البتہ احتیاطاً توبہ واستغفار کرلیا جائے اور آئندہ ایسی باتوں سے احتیاط لازم ہے۔

فقال النبي صلى الله عليه وسلم: ربنا لا تواخذنا إن نسينا، يعني إن

جهلنا أو أخطأنا، يعني إن تعمدنا، ويقال: إن عملنا بالنسيان والخطأ؟ فقال له جبرئيل: قد أعطيت ذلک قد رفع عن أمتک الخطأ والنسيان. الخ

(تفسير قرطبي، سورة البقرة، تحت رقم الآية: ۲۸٦، مكتبه دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۷۵)

عن ابن عباس رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن الله تجاوز عن أمتي الخطأ والنسيان، وما استكرهوا عليه.

(مشكوة، كتاب الفتن، باب ثواب هذه الأمة، الفصل الثالث، ص: ٥٨٤، سنن ابن ماجة، أبواب الطلاق، باب طلاق المكره، النسخة الهندية ۱٤۷، دارالسلام، رقم: ۲۰٤۳، شرح معاني الآثار، بيروت ۲/ ٤٦۳، رقم: ٤٥٥۰، المستدرك للحاكم، مكتبه نزار مصطفى الباز بيروت ۳/ ۱۰٥۸، رقم: ۲۸۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۰۱)

کیا سفلی عمل کے ذریعہ سے کاروبار بند ہو جاتا ہے؟

سوال [۱۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے چھوٹے بھائی محمد اسماعیل نے ہم سے یہ وعدہ کیا ہے کہ میں نے استخارہ کیا اور استخارہ میں بھابھی کا نام آیا ہے۔ اور میری بھابھی نے میرے کاروبار کو سفلی عمل کے ذریعہ بالکل بند کر دیا ہے اور ہمارے بھتیجے کو بھی بھابھی نے ہی سفلی کرایا ہے، آپ ہم کو قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ بتائیے کہ استخارہ سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کسی شخص نے ہم پر جادو کیا ہے، جب کہ ہماری بیوی اور اپنے تینوں بچوں کی قسم کھا چکی ہے؟ اور ہم نے محمد اسماعیل سے قسم کھانے کے لئے کہا تو یہ شخص قسم نہیں کھاتا؛ لہٰذا بتائیے ایسے کاموں کے لئے استخارہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اس استخارہ کا شرعاً اعتبار ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد صالح محلّہ کچا باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کاروبار کے چلنے نہ چلنے کا مدار اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے، استخارہ کے ذریعہ کسی آدمی پر الزام قائم کرنا کہ فلاں شخص نے سفلی عمل کے ذریعہ کاروبار کو بند کردیا ہے ہرگز درست نہیں، استخارہ کے معنی اللہ سے خیر طلب کرنے کے ہیں؛ لہٰذا کسی پر الزام قائم کرنا یہ خیر نہیں؛ بلکہ شر ہی شر ہے؛ اس لئے ایسے استخارہ کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے۔(مستفاد: ایضاح المسائل/۵۲-۵۳)

وَمَا هُمْ بِضَارِّيْنَ بِهِ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ. [البقرة: ۱۰۲]

الإستخارة: الطلب من الله أن يختار له مما فيه الخير بدعاء مخصوص يدعو به بعد صلاة ركعتين. (لغة الفقهاء/ ٦٠)

صلاة الإستخارة أي طلب ما فيه الخير، وهي تكون لأمر في المستقبل ليظهر الله تعالىٰ خيرا لأمرين. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، دارالكتاب، ص: ٣٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۶؍ربیع الاول ۱۴۲۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۳۶)	۱۴۲۲/۳/۲۶ھ

پیر پڑنے اور پیر سڑ جانے کا عقیدہ

سوال [۱۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اکثر دیہاتوں میں یہ طریقہ ہے کہ اپنے بچے کو بغیر نہلائے ایک ہانڈی میں بند کرکے کسی ندی کے کنارے دفن کرتے ہیں (اس کا نام گڑھنت ہے) عام قبرستان میں دفن نہیں کرتے۔ اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر کسی بچے کے مدفن پر پیر رکھ جائے تو وہ پیر سڑ جاتا ہے، آیا شریعت کی رو سے ان کا یہ طریقہ اور عقیدہ درست ہے؟ لہٰذا اس کا جواب بحوالہ شامی تحریر فرما کر عنایت فرمائیں، تاکہ عوام کی اصلاح ہوجائے۔

المستفتی: محمد اسلم قاسمی، مرزعہ درپور، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ طریقہ غلط ہے، نیز پیر سڑ جانے کا عقیدہ بھی غلط ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے؛ بلکہ قبرستان میں دفن کردیا جائے، اس کو بھی عام انسان کی طرح آخرت میں زندہ اٹھایا جائے گا اور اپنے والدین کے لئے یوں فریاد کرے گا: کہ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوں گا، جب تک والدین داخل نہ ہوں۔

أن السقط ليقف محبنطئا على باب الجنة فيقول: لا أدخل حتى يدخل أبواي. الخ (طحطاوي على المراقي، باب أحكام الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته قديم ۳۲۸، جديد دارالكتاب ديوبند ۵۹۸)

عن علي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن السقط ليراغم ربه إذا أدخل أبويه النار، فيقال: أيها السقط المراغم ربه أدخل أبويك الجنة، فيجرهما بسرره حتى يدخلهما الجنة. (سنن ابن ماجة، أبواب ماجاء في الجنائز، باب ماجاء فيمن أصيب بسقط، النسخة الهندية ۱۱۵، دارالسلام، رقم: ۱۶۰۸، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم بيروت ۳/ ۵۷، رقم: ۸۱۵)

عن محمد بن سيرين قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: دعو الحسناء –إلى– حتى السقط يظل محبنطئا، أي متغضبا، فيقال له: أدخل الجنة، فيقول: حتى يدخل أبواي، فقال: أدخل أنت وأبواك. (مصنف عبدالرزاق، كتاب النكاح، باب نكاح الأبكار والمرأة العقيم، المجلس العلمي بيروت رقم: ۱۰۳۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۰۹)

ماہِ شعبان میں شادی کرنا کیسا ہے؟

سوال [۱۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ شعبان کا یہ مہینہ جلتا بھنتا ہے، اس مہینہ میں شادی نہیں کرنی چاہئے، کیا یہ خیال شریعت کے مطابق صحیح ہے؟

المستفتی: ایم شریف وارثی، مغلپورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شعبان کا مہینہ بہت ہی بابرکت مہینہ ہے، پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے اس مہینہ میں برکت کے لئے دعا فرمائی ہے اور اسی ماہ مبارک میں پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت حفصہ بنت عمرؓ سے نکاح کیا تھا؛ لہٰذا شعبان کے مہینہ میں نکاح کرنے سے کوئی قباحت نہیں ہے۔

قال رسول الله ﷺ: لا عدوی، ولا طیرة، ولا هامة، ولا صفر.

(بخاري شريف، كتاب الطب، باب الجذام ٢/ ٨٥٠، رقم: ٥٤٨٨، ف: ٥٧٠٧)

قوله: ولا طيرة، أخبر أنه ليس له تأثير في جلب نفع أو دفع ضرر.

(عمدة القاري، كتاب الطب، باب الجذام، مكتبه دار احياء التراث العربي بيروت ٢١/ ٢٤٧، زكريا ديوبند ١٤/ ٦٩٣)

تزوج رسول الله صلى الله عليه وسلم حفصة في شعبان على رأس ثلاثين شهراً قبل أحد. (طبقات ابن سعد، دارالكتب العلمية بيروت ٨/ ٦٦، شرح زرقاني ٤/ ٣٩٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ رجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۲۳)

ماہِ صفر کے آخری بدھ کو بلائیں اترنے کی حقیقت

سوال [۱۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجریؒ کے اوراد میں دیکھا گیا ہے کہ

سال بھر میں تیس لاکھ بیس ہزار بلائیں اترتی ہیں اور یہ ماہ صفر کے آخری بدھ کو دنیا میں آتی ہیں، یہ دن بہت سخت ہوتا ہے، ان بلاؤں سے حفاظت کے لئے چار رکعت نفل اور مخصوص دعا جو شخص صفر کے آخری بدھ کو پڑھے گا، انشاء اللہ بلاؤں سے محفوظ رہے گا۔

طریقہ نماز ودعا: پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۂ کوثر ۷۰/مرتبہ، دوسری میں فاتحہ کے بعد اخلاص ۵/مرتبہ اور تیسری میں ''خلق''، چوتھی میں ''الناس'' ایک ایک مرتبہ پڑھی جائے۔ ''**بسم الله الرحمن الرحيم يا شديد القوى، يا شديد المحال، ويا عزيز ذللت بعزتك جميع خلقك يا محب يا مجمل، ويا مفصل، ويا مكرم، ويا لا إله إلا أنت برحمتك يا أرحم الراحمين، يا أرحم الراحمين**''. کیا یہ صحیح ہے کہ بلائیں اترتی ہیں اور حفاظت کے لئے چار رکعت ودعا کرنے سے آدمی محفوظ رہتا ہے؟ نیز کیا اس کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہے اور اس طرح سے نماز پڑھنا، دعا کرنا بدعت ہے؟

المستفتی: محمد فاروق فیروز آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلائیں اور فتنہ کا اترنا حدیث سے ثابت ہے؛ لیکن کسی دن وتاریخ کی تعیین کے ساتھ ہر سال اسی تاریخ کو بلائیں اترتی ہوں حدیث وقرآن، خلفاء راشدین، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں، بلائیں اور فتنے بندوں کی بداعمالیوں اور نحوست کی وجہ سے اترتے ہیں، جب بھی بندوں میں نافرمانی، بداعمالی اور منحوس اعمال کا سلسلہ حد سے تجاوز کر جائے تو خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمانی بلائیں اتریں اور اس کے لئے صفر کے آخری بدھ کا انتظار نہیں ہوگا۔

عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: استيقظ النبي صلى الله عليه وسلم ذات ليلة، فقال: سبحان الله! ما ذا أنزل الليلة من الفتن، وما ذا فتح

من الخزائن أيقظوا صواحب الحجر، فرب كاسية في الدنيا عارية في الآخرة. (بخاري، كتاب العلم، باب العلم والعظمة بالليل، النسخة الهندية ۱/ ۲۲، رقم: ۱۱۵، صحيح ابن حبان، دارالفكر بيروت ۲/ ۳۰، رقم: ٦٩٩، المعجم الأوسط، دارالفكر بيروت ۱/ ۵۳۲، رقم: ۱۹٦۲)

عن علي بن أبي طالب قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا فعلت أمتي خمس عشرة خصلة حل بها البلاء، قيل: وما هي يا رسول الله؟ قال: إذا كان المغنم دولا، والأمانة مغنما، والزكوة مغرما، وأطاع الرجل زوجته، وعق أمه، وبر صديقه، وجفا أباه، وارتفعت الأصوات في المساجد، وكان زعيم القوم أرذلهم، وأكرم الرجل مخافة شره، وشربت الخمور، ولبس الحرير، واتخذت القيان والمعازف، ولعن آخر هذه الأمة أولها، فليرتقبوا عند ذلک ريحا حمراء، أو خسفا، ومسخا. (ترمذي، أبواب الفتن، باب ماجاء في علامة حلول المسخ و الخسف، النسخة الهندية ۲/ ٤٤، ٤٥، دارالسلام، رقم: ۲۲۱۰، ومثله المعجم الأوسط، دارالكفر بيروت ۱/ ۱٤۷، رقم: ٤٦۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۰۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۱۴ھ

اپنی نماز جنازہ خود پڑھانے کا عدم ثبوت

سوال [۱۵۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سنا ہے کہ حضرت صابر صاحب کلیریؒ نے اپنے جنازے کی نماز خود پڑھائی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسا ہونا ممکن ہے یا ناممکن؟ ناممکن ہونے کی کیا وجہ ہے؟

المستفتی: معین الحسن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی آدمی کا اپنا جنازہ خود پڑھانا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں؛ بلکہ حدیث نبوی کے مقتضا کے بالکل خلاف ہے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ''جب انسان کا انتقال ہوجاتا ہے، تو پھر وہ کسی عمل پر قادر نہیں ہوسکتا''۔ نیز نماز جنازہ ایک دعا ہے اور موت کے بعد دعا اپنے لئے معتبر نہیں؛ اس لئے آپ کی سنی ہوئی بات قابل اعتبار نہیں۔ (مستفاد: مجالس حکیم الامت/ ۳۲۹)

إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له. (مسلم شريف، كتاب الوصية، باب ما يلحق لـلإنسان من الثواب، النسخة الهندية ٢/ ٤١، دارالسلام، رقم: ١٦٣١، سنن أبو داؤد، كتاب الوصايا، باب ماجاء في الصدقة عن الميت، النسخة الهندية ٢/ ٣٩٨، دارالسلام، رقم: ٢٨٨٠، ترمذي، أبواب الأحكام، باب ماجاء في الوقف، النسخة الهندية ١/ ٢٥٦، دارالسلام، رقم: ١٣٧٦، سنن نسائي، كتاب الوصايا، فصل الصدقة عن الميت، النسخة الهندية ٢/ ١١٤، دارالسلام، رقم: ٣٦٨١، سنن دارمي، دارالمغني بيروت ١/ ٤٦٢، رقم: ٥٧٨، معرفة السنن والآثار ٩/ ١٩٧، رقم: ١٢٨٦٥، مشكوة شريف ١/ ٣٢، شرح نقايه، كتاب الحج، الاحصار، مكتبه اعزازيه ديو بند ١/ ٢٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۷۱)

لفظ ''اتفاق'' کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

سوال [۱۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عام طور پر لوگ یہ کہتے ہیں ''اتفاق'' سے ایسا ہوگیا، اتفاق سے ویسا

ہو گیا، مطلب یہ کہ لفظ ''اتفاق'' کا استعمال کرنا کیسا ہے؟ کیا یہ کلمہ کفر تک نہیں پہنچا دیتا؟ -العیاذ باللہ- کیوں کہ ہر کام منجانب اللہ ہوا کرتا ہے، مفتیان کرام کا کیا فیصلہ ہے؟

المستفتی: وصی احمد نجم الحسن، ممبئی ۵

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لفظ ''اتفاق'' کے استعمال میں آپ کو کفر کہاں سے نظر آ گیا؟ اس کا ایک مطلب واضح یہ ہے کہ جو واقعہ فی الحال پیش آیا ہے اس کے بارے میں ہمیں پہلے سے اندازہ نہیں تھا، من جانب اللہ اس وقت یہ واقعہ اتفاقاً پیش آ گیا، یہ مطلب تو واضح ہے، اس میں آپ کو کفر تک کی بات کیسے نظر آ گئی؟

إن الإرادة والقضاء، وجميع صفاته مرضية غير أن الفعل الحاصل من العبد بمشيته قد يكون مرضيا ...... وقد يكون مسخوطا. (شرح فقه الأكبر للإمام أبي منصور السمرقندي/ ٣٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ رجب ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹٦۸۲)

۸/ باب ما يتعلق بالأرواح والقبور

رحم کی دعا کرنے سے موت کا حکم

سوال [۱۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صاحب کے لئے فرمایا: اللہ اس پر رحم کرے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں سمجھ گیا کہ یہ آج شہید کر دیئے جائیں گے اور وہی ہوا، تو کیا رحم کی دعا سے موت آنے کا اندیشہ زیادہ ہے؟ اگر ہاں تو کیا رحم کی دعا اس شخص کے لئے جو بیمار ہے اور تندرستی چاہتا ہے موت نہیں چاہتا، تو اس کے لئے ''یا ارحم الراحمین'' کہہ کر دعا مانگنا یا رحم کی دعا مانگنا مناسب نہیں ہے؟

المستفتی: فیاض الدین، ٹانڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل نے سوال کی بنیاد جس واقعہ کو بنایا ہے یہ واقعہ غزوۂ خیبر کا ہے، جب حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ رجز پڑھنے لگے، تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور غزوہ کے سفر میں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں شرکت کرنے والے کسی صحابی کے بارے میں رحمت کی دعا کرتے تھے، تو وہ آپ کی طرف سے اس بات کی پیشین گوئی ہوتی تھی کہ یہ صحابی اس جنگ میں شہید ہو جائیں گے اور اس طرح پیشین گوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے فرماتے تھے کہ آپ کو وحی کے ذریعہ شہادت کا علم ہو جاتا تھا، تو اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی تھی کہ یا رسول اللہ! آپ ان پر رحمت کی دعا کے ذریعہ سے شہادت کی بشارت دینے کے بجائے ان کی حیات کی دعا فرما دیتے، تاکہ ان کی زندگی سے ہم مزید

فائدہ اٹھالیتے ؟ اب اس واقعہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کس کی رحمت کی دعا شہادت کی بشارت ہوتی تھی، وہ صرف سید الکونین علیہ السلام کی خصوصیت تھی اور کسی کی نہیں تھی۔ اور آپ کے بعد دنیا میں کوئی بھی رحمت کی دعا کرے چاہے کسی کے لئے بھی کرے، تو یہ اس کی شہادت کی بشارت یا موت کی خبر نہیں ہوتی؛ اس لئے کہ رحمت کی دعا دینے والے کے پاس نہ وحی آتی ہے اور نہ ہی اسے مکاشفہ کے ذریعہ سے اس کا علم ہوتا ہے؛ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں سے کسی کی طرف سے بھی رحمت کی دعا شہادت یا موت کی علامت نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے سائل کا شبہ بے موقع ہے، ایسے شبہ کی ضرورت نہیں۔

وفي حديث طويل: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من هذا السائق؟ قالوا: عامر، قال: يرحمه الله، قال رجل من القوم وجبت يا رسول الله! لو لا امتعتنا به. (وتحته في النووية) معني وجبت أي ثبتت له الشهادة، وستقع قريبا، وكان هنا معلوما عندهم أن من دعا له النبي صلى الله عليه وسلم هذا الدعاء في هذا الموطن استشهد، فقالوا: هلا امتعتنا به، أي وددنا أنک لو أخرت الدعاء له بهذا إلى وقت آخر لنمتع بمصاحبته ورؤيته مدة.

(نووي، باب غزوة خيبر، مكتبه دارالسلام سهارنپور ۲/ ۱۱۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/۵/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۶۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۵/۱۴۲۳ھ

نیک بندوں کو موت کی شدت کا احساس

سوال [۱۵٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بعد موت کے دریافت کیا گیا کہ موت کو کیسا

پایا؟ انہوں نے موت کی شدت بیان کی؛ حالانکہ مومن کی موت کی علامت ماں کی گود میں بچہ کا سوجانا یامیدہ سے بال آسانی سے نکلنے کا بیان کیا جاتا ہے، ظاہراً حالت متضاد معلوم ہوتی ہے،اس کے خلاصہ پر روشنی ڈالیں۔

المستفتی: مولانا مسیح الزماں کلکتہ، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زندگی میں یا بوقت موت اللہ کے خاص بندوں پر جو سختیاں معلوم ہوتی ہیں، وہ درحقیقت کسی گناہ یا نقص کی بنیاد پر نہیں ہوتی؛ بلکہ ان کے ان درجات کی تکمیل کے لئے ہوتی ہیں، جو عنداللہ ان کے لئے طے ہو چکے ہوتے ہیں؛ لہٰذا سوال میں مذکور دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں جیسا کہ ذیل کی عبارت سے واضح ہوتا ہے:

ربما يخطر لبعض الناس أن هولاء أحباب الله وأنبياءه ورسله، فكيف يقاسون هذه الشدائد العظيمة، وهو سبحانه قادر أن يخفف عنهم أجمعين. فالجواب إن أشد الناس بلاء في الدنيا الأنبياء، ثم الأمثل فالأمثل، كما قال نبينا عليه الصلوة والسلام، أخرجه البخاري وغيره. فأحب الله أن يبتليهم تكميلا لفضائلهم لديه، ورفعة لدرجاتهم عنده، وليس ذلک في حقهم نقصا ولا عذراً، بل هو كما قال كمال رفعة مع رضاهم بجميل ما يجرى الله عليهم، فأراد الحق سبحانه أن يختم لهم بهذه الشدائد مع إمكان التخفيف والتهوين عليهم، ليرفع منازلهم ويعظم أجورهم قبل موتهم.

(التذكرة في أحوال الموتى وأمور الآخرة للقرطبي ١/ ٢٦)

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی تفصیل جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے،اس میں بھی شدت کا بیان ملتا ہے۔

أن عائشة كانت تقول: إن من نعم الله على أن رسول الله صلى الله عليه وسلم توفى في بيتي وفي يومي، وبين سحري ونحري -إلى قوله-

وبين يديه ركوة أو علبة يشك عمر فيها ماء، فجعل يدخل يديه في الماء، فيمسح بهما وجهه، ويقول: لا إله إلا الله أن للموت سكرات، ثم نصب يده فجعل يقول في الرفيق الأعلى حتى قبض ومالت يده. (بخاري شريف، كتاب المغازي، باب مرض النبي ووفاته، النسخة الهندية ٢/ ٦٤٠، رقم: ٤٢٦٨، ف: ٤٤٤٩)

عن عائشة رضى الله عنها قالت: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم –إلى– ثم يقول: اللهم أعني على سكرات الموت. (المستدرك للحاكم، مكتبه نزار مصطفى الباز ٥/ ٦٥٧، ١٦٥٨، رقم: ٤٣٨٦، سنن ابن ماجة، أبواب ماجاء في الجنائز، باب ماجاء في ذكر مرض رسول الله، النسخة الهندية ١١٦، دارالسلام، رقم: ١٦٢٣، سنن ترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في التشديد عند الموت، النسخة الهندية ١/ ١٩٢، دارالسلام، رقم: ٩٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍صفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۲/ ۱۴۲۰ھ

روح اور جان میں فرق

سوال [۱۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جان تو سبھی جانداروں میں ہے؛ لیکن روح کے متعلق ایسا لگتا ہے کہ یہ انسان کا خاصہ ہے؛ کیوں کہ انسان کی حیثیت خلیفہ کی ہے، اس کو حق وباطل میں امتیاز کرنا ضروری ہے، تاکہ خلافت ارضی کا کام بحسن وخوبی انجام دے اور جیسا کہ انسان میں روح پھونکنے کا ذکر ’’ونفخت فيه من روحي‘‘ میں ہے اور مقام علیین وسجین میں اچھی اور بری ارواح کے اجتماع سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے، کہ روح انسان ہی کے اندر ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا جان اور روح ایک ہی چیز ہیں؟ تو کیا انسان اور گائے، بھینس وغیرہ جانوروں کی ارواح میں کچھ فرق ہے؟ اور اگر الگ الگ ہیں تو

روح کیا صرف انسان ہی کا خاصہ ہے، جانوروں میں روح نہیں پائی جاتی؛ بلکہ ان میں صرف جان ہی پائی جاتی ہے؟ وضاحت فرمائیں حقیقت کیا ہے؟

المستفتی: شمس الحق قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ نے جان وروح کے درمیان فرق کرکے جو مسئلہ اٹھایا ہے، اس میں کوئی جان نہیں ہے؛ اس لئے کہ روح کا لفظ انسان اور دوسرے جاندار سب کے لئے برابر طریقے پر استعمال کیا جاتا ہے۔ حدیث کے اندر اس موضوع بڑا ذخیرہ موجود ہے کہ غیر انسانوں کی جانوں کو اللہ ورسول نے روح سے تعبیر فرمایا ہے۔

أن النبي صلی اللہ علیه وسلم قال: لا تتخذوا شيئا فیه الروح غرضا، وفي روایة: أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لعن من اتخذ شيئا فیه الروح غرضا. (مسلم شریف، کتاب الامارة، باب النهي عن صبر البهائم، النسخة الهندیة ۲/ ۱۵۳، بیت الأفکار، رقم: ۱۹۵۷، ۱۹۵۸)

قال القاري في إیضاح قول النبي صلی اللہ علیه وسلم: أحیوا ما خلقتم، أي اجعلوه حیوانا ذا روح کما ضاهیتم. (حاشیة مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب تحریم تصویر صورة الحیوان ۲/ ۲۰۲)

فقال: ویحک إن أبیت إلا أن تصنع، فعلیک بهذا الشجر کل شيء لیس فیه روح. الحدیث (بخاري شریف، کتاب البیوع، باب بیع التصاویر، النسخة الهندیة ۱/ ۲۹۶، رقم: ۲۱۷٤، ف: ۲۲۲۵، وشرح معاني الآثار ۲/ ۳۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۱/۲/۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۱۹ھ

روح کی حقیقت اور جسم کے ساتھ اس کا تعلق

سوال [۱۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: روح کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کا جسم کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

المستفتی: محمد رضوان بھوجپور، غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روح کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود روح کی حقیقت کے بارے میں جواب نہیں دیا بلکہ وحی الٰہی کا انتظار فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں نازل فرمایا: ”قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ“ [الإسراء: ۸۵] اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس بات کی ہدایت فرمادی کہ روح ایک امر ربی ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اس سے آگے مزید کیا حقیقت ہے؟ حتمی طور پر کوئی نہیں کہہ سکتا۔ اور اس روح کا تعلق پورے بدن کے ساتھ ہوتا ہے اور بدن کے جس حصہ سے روح کا انقطاع ہوجاتا ہے وہ حصہ بے جان ہوجاتا ہے۔ اور جب پورے بدن سے جدا ہوجاتی ہے، تو زندگی باقی نہیں رہتی۔

وَيَسْاَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ. [الإسراء: ۸۵]

واختلف في حقيقة الروح، فقيل: إنه جسم لطيف شابک الجسد مشابكة الماء بالعود الأخضر أجرى الله تعالىٰ العادة بأن يخلق الحيوة ما استمرت هي في الجسد، فإذا فارقته توقت المدة الحياة. (شرح فقه أكبر، ص: ۱۲٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۰۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۶/۱۸ھ

جنین میں روح چار ماہ میں ڈالی جاتی ہے

سوال [١٥٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورت کے پیٹ میں جو نطفہ قرار پاتا ہے اس میں روح کتنے دنوں میں ڈالی جاتی ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں، اگر علم الجنین کے ماہرین اور جدید تحقیقات کی معلومات ہو تو وہ بھی واضح فرما دیں۔ ہمارے یہاں کے ڈاکٹر صاحبان کا کہنا ہے کہ سات ہفتہ میں بچہ میں روح پڑ جاتی ہے، کیا یہ قول قرآن وحدیث سے تو نہیں ٹکراتا؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنین کے اندر روح چار ماہ یعنی ١٢٠/ دن میں ڈالی جاتی ہے۔ کتب فقہ اور حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔ اور بعض ڈاکٹروں کا یہ کہنا ہے کہ روح سات ہفتوں میں ڈالی جاتی ہے، شرع کے خلاف ہے۔

(مستفاد: فتاوی رحیمیہ، جدید زکریا ١٠/ ١٩٠)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أحدكم يجمع خلقه في بطن أمه أربعين يوما، ثم يكون علقة مثل ذلک، ثم يكون مضغة مثل ذلک، ثم يبعث الله إليه ملكا بأربع كلمات: فيكتب عمله، ورزقه، وأجله، وشقي أو سعيد، ثم ينفخ فيه الروح. الحديث (بخاري شريف، كتاب الأنبياء، باب خلق آدم وذريته، النسخة الهندية ١/ ٤٦٩، رقم: ٣٢٢٢، ف: ٣٣٣٢، صحيح مسلم، كتاب القدر، باب كيفية خلق الآدم، النسخة الهندية ٢/ ٣٣٢، بيت الأفكار، رقم: ٢٦٤٣، سنن ترمذي، أبواب القدر، باب ماجاء في أن الأعمال بالخواتيم، النسخة الهندية ٢/ ٣٥، دارالسلام، رقم: ٢١٣٧، أبوداؤد، كتاب السنة، باب في القدر، النسخة الهندية ٢/ ٦٤٨، دارالسلام، رقم: ٤٧٠٨)

أخرج ابن أبي حاتم عن علي رضی اللّٰہ عنه قال: إذا نمت النطفة أربعة أشهر بعث إليها ملک، فنفخ فيه الروح في الظلمات الثلاث. الخ
(الدر المنثور، دارالکتب العلمية بيروت ۵/ ۱۲)

والنفخ مقدر بمأة وعشرين يوما. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، قبيل باب الاستبراء، کراچی ۶/ ۳۷۴، زکریا ۹/ ۵۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۶۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱؍۵؍۱۴۳۳ھ

علیین اور سجین میں روحیں کس حالت میں رہتی ہیں؟

سوال [۱۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: علیین اور سجین میں مردوں کی روحیں کس حالت میں رہتی ہیں؟ یعنی ان کو سجین میں کس قسم کا عذاب ملتا ہے اور علیین میں کس قسم کی راحت ملتی ہے؟

المستفتی: محمد احمد خان فیض گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: علیین میں صلحاء واتقیاء کو مختلف طرح کی راحتیں جو ان کے حال کے مناسب ہوتی ہیں، پہنچائی جاتی ہیں۔ علامہ قرطبی نے ''الجامع لأحکام القرآن'' میں بیان کیا ہے کہ اہل علیین جنت کی طرف دیکھتے ہیں، تو ان کے چہروں کی چمک سے جنت بھی روشن ہو جاتی ہے، معلوم کیا جاتا ہے کہ یہ کیسی روشنی ہے؟ تو بتایا جاتا ہے کہ یہ اہل علیین میں سے ایک متقی شخص کی نظر کا ثمرہ ہے۔

إن أهل عليين لينظرون إلى الجنة من كذا، فإذا أشرف رجل من أهل عليين أشرقت الجنة لضياء وجهه، فيقولون: ما هذا النور؟ فيقال: أشرف

رجل من أهل عليين الأبرار أهل الطاعة والصدق. (الجامع لأحكام القرآن، سورة المطففين، رقم الآية: ۲۱، دارالكتب العلمية بيروت ۱۹/ ۱۷۲)

اور سجین میں کفار وفساق کومختلف قسم کے عذاب دیئے جاتے ہیں اوران کی روح کوقید وتنگی میں رکھا جاتا ہے۔

وقال أبو عبيدة: والأخفش والزجاج لفي سجين، لفي حبس وضيق شديد. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، سورة سورة المطففين، رقم الآية: ۱۳، مكتبه دارالكتب العلمية بيروت ۱۹/ ۱۶۹)

ويتلخص من أدلتها: أن الأرواح في البرزخ متفاوتة أعظم تفاوت، فمنها أرواح في أعلى عليين في الملأ الأعلى، وهي أرواح الأنبياء صلوات الله عليهم وسلامه، وهم متفاوتون في منازلهم، ومنها أرواح في حواصل طير خضر شرح في الجنة شاء الخ. (شرح العقيدة الطحاوية، دارالكتب العلمية بيروت/ ٤٠٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/۷/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۷/۱۴۲۰ھ

کیا عالم دنیا کا انسان عالم برزخ کے عذاب کا مشاہدہ کرسکتا ہے؟

سوال [۱۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا عالم دنیا کا انسان عالم برزخ کے عذاب کا مشاہدہ کرسکتا ہے؟

المستفتی: محمد قربان رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: عالم برزخ کے عذاب کا مشاہدہ انسان اور جنات نہیں کرسکتے ہیں؛ البتہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے کشف وکرامات کا حصہ عطا فرمایا

ہے،خرق عادت کے طور پر بذریعہ کشف اتفاقاً ایسے لوگوں کو معلوم ہوسکتا ہے۔ اور یہ چیزیں حکم شرعی کے دائرے میں داخل نہیں ہیں ۔

عن أنس عن النبي صلی الله علیه وسلم قال: أما الکافر أو المنافق فیقول: لا أدري کنت أقول ما یقول الناس؟ فیقال: لا دریت ولا تلیت، ثم یضرب بمطرقة من حدید ضربة بین أذنیه، فیصیح صیحة یسمعها من یلیه إلا الثقلین. (بخاري، کتاب الجنائز، باب المیت یسمع خفق النعال، النسخة الهندیة ۱/ ۱۷۸-۱۸۴، رقم: ۱۳۳۸، ۱۳۷۴، سنن أبوداؤد، کتاب السنة، باب في المسألة في القبر وعذاب القبر، النسخة الهندیة ۲/ ۶۵۳، دارالسلام، رقم: ۴۷۵۱، مسند البزار، مکتبة العلوم والحکم ۱۷/ ۱۵۴، رقم: ۹۷۵۹، سنن نسائي، کتاب الجنائز، باب مسألة الکافر، النسخة الهندیة ۱/ ۲۲۳، دارالسلام، رقم: ۲۰۵۳)

وقال الکرماني: صوت المیت من العذاب یسمعه غیر الثقلین.

(عمدة القاري، کتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر، مکتبه دار احیاء التراث العربي بیروت ۸/ ۲۰۶، زکریا دیوبند ۶/ ۲۸۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۶۵۲/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۵/۱۴۲۱ھ

مرنے کے بعد کیا مؤمنین کی روحیں ایک دوسرے سے ملتی ہیں؟

سوال [۱۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا مؤمن کی روح موت کے بعد نیک مومنین کی روحوں سے جا ملتی ہے؟

المستفتی: مولانا محمد سالم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں نیک مومن کی روح دوسرے نیک

مومنین کی روح سے جاملتی ہےاور ملنے والی سے زندوں کے حالات دریافت کرتی ہیں؛ البتہ اس بارے میں جوحدیث ہے، اس کی سند کمزور ہے۔ ملاحظہ ہو:

أخرج الطبراني في الكبير والأوسط عن أبي أيوب الأنصاري: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن نفس المؤمن إذا قبضت تلقاها أهل الرحمة من عباد الله، كما تلقون البشير من أهل الدنيا، فيقولون: أنظروا صاحبكم يستر ح؛ فإنه كان في كرب شديد، ثم يسألونه ما فعل فلان وفلانة؟ هل تزوجت؟ فإذا سألوه عن الرجل قد مات قبله، فيقول: أيهات أي هيهات قد مات ذلك قبل، فيقولون: إنا لله وإنا إليه راجعون. ذهب به إلى أمه الهاوية بئست الأم وبئست المربية، وقال: إن أعمالكم ترد على أقاربكم وعشائركم من أهل الآخرة، فإن كان خيرا فرحوا واستبشروا، وقالوا: اللهم هذا فضلك ورحمتك، فأتمم نعمتك عليه وأمته عليها، ويعرض عليهم عمل المسيء، ويقولون: اللهم ألهمه عملا صالحا ترضى به وتقربه إليك. (المعجم الأوسط للطبراني، جديد ١/ ٥٦، رقم: ١٤٨، المعجم الكبير ٤/ ١٢٩، رقم: ٣٨٨٧، ٣٨٨٩، مجمع الزوائد ٣/ ٣٣٠، شرح الصدور، باب ملاقات الأرواح، مطبوعه لاهور: ٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍رجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۲۳/۲۴)

قبر میں کیا انبیاء سے بھی سوال ہوتا ہے؟

سوال [۱۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: انبیاء کرام سے قبروں میں سوالات ہوتے ہیں یانہیں؟ مفصل جواب

تحریر فرمائیں، جو لوگ کہتے ہیں کہ سوالات ہوتے ہیں، ان کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور جو کہتے ہیں کہ سوالات نہیں ہوتے ہیں، ان کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور صدیقین وشہداء اپنی ان ہی قبروں میں زندہ ہیں، آرام وسکون سے ہیں، ان کے بدن اطہر پر کوئی مٹی کا اثر نہیں ہوتا اور نہ ان سے منکر ونکیر کا سوال ہوتا ہے، یہی ہم اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

الأنبياء وأطفال المؤمنين ليس عليهم حساب ولا عذاب القبر ولا سؤال منكر ونكير الخ. (شرح الصدور للسيوطي، مطبوعه لاهور: ١٠٠)

قال القرطبي: وإذا كان الشهيد لا يسأل فالصديق أجل قدرا وأعظم مطرا، فهو أجدى أن لا يفتن؛ لأنه المقدم (وقوله): من مشيئته تعالىٰ أن يرفع مرتبة أقوام عن السؤال، وهم الصديقون والشهداء الخ. (شرح الصدور للسيوطي، مطبع لاهور: ٩٩)

الصدور أنه صلى الله عليه وسلم وسأله الأنبياء حياء حياة حقيقة كالشهداء الخ. (نسيم الرياض ٣/ ٤٩٩، بحواله تسكين الصدور/ ٣٠٤)

لہٰذا پہلے شخص کو اپنے عقیدہ سے توبہ کرکے باز آجانا چاہئے اور دوسرے شخص کا عقیدہ صحیح اور درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۰۹/۲/۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۲۷)

میت کو قبر میں فرشتے کس جسم سے کس طرح بیٹھاتے ہیں؟

سوال [۱۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: حدیث شریف میں آیا ہے کہ میت کو قبر میں فرشتے با قاعدہ بٹھاتے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ عالم دنیا میں جو انسان کا بدن ہوتا ہے، اس جسم کے ساتھ بٹھاتے ہیں یا اس سے ہٹ کر کوئی دوسرا برزخی بدن اس کو عطا ہوتا ہے، وہ اس کے ساتھ بٹھاتے ہیں؟ مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ اس کو واضح کریں، اگر جسد عنصری کے ساتھ بٹھاتے ہیں تو یہ اشکال ہوتا ہے کہ جس کا جسم گل چکا ہے، یا درندے کھا چکے ہیں، تو اس کا جسد عنصری ہے ہی نہیں تو اس پر عذاب کیسے ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انسان کے مرنے کے بعد جب وہ گل کر مٹی ہو جائے یا درندے کھا لیں، یا اس کے اجزاء منتشر ہو جائیں، تو خدا تعالیٰ اس کی روح کو باقی رکھتے ہیں اور نئی زندگی دیتے ہیں، تو کبھی اس روح میں جسم دار ہونے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، اس وقت اس روح کو عالم مثال کی مدد سے نورانی یا ظلمانی مثالی جسم دے دیا جاتا ہے، پھر عالم برزخ کے تمام واقعات سوال و جواب، عذاب و رحمت اسی جسم مثالی کے ساتھ ہوتے ہیں اور اسی جسم مثالی کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے۔

وإذا مات الإنسان كان للنسمة نشأة أخرى، فينشئ فيض الروح الإلهي فيها قوة فيما بقي من الحس المشترك تكفى كفاية السمع والبصر والكلام بمدد من عالم المثال، أعني القوة المتوسطة بين المجرد والمحسوس......، وربما تستعد النسمة حينئذ للباس نوراني أو ظلماني بمدد من عالم المثال، ومن هنا لك تتولد عجائب عالم البرزخ. (حجة الله البالغة، باب حقيقة الروح ۱/ ۷۷)

قال ابن القيم: الأحاديث مصرحة بإعادة الروح إلى البدن عند السؤال، لكن هذه الإعادة لا تحصل بها الحيوة المعهودة التي تقوم الروح بالبدن. (شرح الصدور، العاشرة في أسولة تتعلق بهذا الباب، مطبع لاهور: ۹۶)

الإنسان قبل موته لم يكن يفهم بجميع بدنه، بل جزء من باطن قلبه

وأحياء جزء يفهم الخطاب ويجيب يمكن مقدور عليه، وأمور البرزخ لا تقاس بأمور الدنيا. (مسامرة/ ۲۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍محرم ۱۴۳۵ھ
رجسٹر خاص

جب نبی ﷺ نے پوری امت کی مغفرت کروالی تو جہنم وعذاب قبر کے کیا معنی؟

سوال [۱۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عرفات کے میدان کے موقع کی حدیث جو نبی کی دعا کے متعلق آئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پاک سے عرض کیا کہ اے میرے اللہ! پہلے نبی آتے تھے، گرتی ہوئی امتوں کو سنبھال لیتے تھے، اب کوئی آنے والا نہیں، شیطان بہکانے کے لئے موجود ہے، امت گرے گی تو گرتی چلی جائے گی، اب آپ یہ طے فرما دیجئے کہ ساری امت جنت میں جائے گی، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت رونے پر امت کی مغفرت فرمادی، سوائے ظالم کے کہ اس کو نہیں بخشوں گا، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ تشریف لاکر ظالموں کے لئے بھی روئے، عرض کیا یا اللہ! آپ کے خزانہ میں کمی نہیں، مظلوم کو اپنے خزانہ سے بدلہ دیجئے اور ظالم کو معاف فرما کر جنت میں پہنچا دیجئے، اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی قبول فرمالیا۔ اس حدیث سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ امت کی مغفرت ہوچکی، تو اب مسلمانوں کے ساتھ عذاب قبر اور عذاب جہنم کا کوئی مسئلہ ہی نہ ہونا چاہئے؛ لہٰذا بتایا جائے علمائے کرام کی اس مسئلہ میں کیا وضاحت ہے؟ جب کہ ایک وقت کی نماز چھوڑنے پر ایک حقبہ جہنم میں رکھا جائے گا۔ حدیث میں ہے:

”**تؤدون الحقوق إلى أهلها يوم القيامة حتى يقال للشاة الجلحاء من الشاة القرناء**“. اور ”**إن أشد الناس عذابا يوم القيامة عالم لم ينفعه بعلمه**“

وغیرہ ہزاروں حدیثیں ہیں، تو ان کا کیا مطلب ہے؟ پھر وہ حدیث بہت مشہور ہے، جس میں ہے کہ مفلس کون ہے وغیرہ بھی موجود ہے، بہر حال ایسا جواب مرحمت فرمائیے جس سے اس حدیث کا مضمون موجود رہے اور بات واضح ہو جائے، یعنی تطبیق بتائی جائے -نعوذ باللہ- کسی اعتراض کے لئے نہیں بلکہ اپنے عمل کے لئے پوچھ رہا ہوں۔

المستفتی: محمد فیاض الدین بہار شریف، ٹانڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرات محدثین نے اس حدیث کو ضعیف اور نا قابل اعتبار قرار دیا ہے، ایسی صورت میں سوال میں جو شبہات درج کئے گئے ہیں ان شبہات کی ضرورت نہیں، یہ شبہ اس وقت ہو سکتا تھا جب حدیث صحیح کے ذریعہ سے یہ بات ثابت ہوتی۔

قال القاري: ضعفه غير واحد من الحفاظ. (مرقاة المفاتيح، كتاب الحج، باب الوقوف بالعرفة، إمداديه ملتان ٥/ ٣٣٥، ممبئي ٢/ ٢٢٢، و هكذا في حاشية ابن ماجة، باب الدعاء بعرفة ٢١٦)

فيه كنانة بن العباس، وابنه عبدالله بن كنانة، قال الذهبي: كنانة بن العباس بن مرداس السلمي عن أبيه في ذكر يوم عرفة، قال البخاري: لم يصح حديث. (ميزان الإعتدال ٢/ ٣٢٣)

وقال ابن حجر العسقلاني: كنانة بن العباس مجهول من الثلاثة. (تقريب التهذيب/ ٣١٠)

عبدالله بن كنانة بن العباس بن مرداس السلمي مجهول من السابعة. (تقريب التهذيب/ ٢١٢، لسان الميزان ٧/ ٣٤٦)

اور اگر سند کے ضعیف ہونے کے باوجود اس کے متن کو معتبر مان لیا جائے تو اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اگر ظالم بھی اپنے ظلم سے توبہ کر کے باز آجاتا ہے تو

اللہ تعالیٰ اس کی بھی مغفرت کردے گا، یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ پوری امت کی مغفرت ہوچکی ہے، پھر کسی پر کوئی داروگیر نہ ہوگی؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو بھی اپنے گناہوں سے نادم ہوکر اللہ سے توبہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا اور ظالم کو بھی اللہ تعالیٰ اس شرط کے ساتھ معاف کردے گا کہ وہ مظلوم سے معاملہ صاف کرالے، پھر اپنے ظلم سے توبہ کرلے،تو اللہ تعالیٰ اس کی بھی مغفرت فرما دے گا، یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یہ ظالم ظلم کی تاریکی میں ڈوبا رہے پھر اسی حالت میں دنیا سے گذرجائے اوراس کی مغفرت کا اعلان ہو۔

قال القاري: وأما الهجرة والحج فإنهما لا يكفران المظالم، ولا يقطع فيهما بغفران الكبائر التي بين العبد ومولاه، فيحمل الحديث على هدمهما الصغيرة المتقدمة، ويحتمل هدمهما الكبائر التي تتعلق بحقوق العباد بشرط التوبة عرفنا ذلک من أصول الدين، فرددنا المجمل إلى المفصل، وعليه اتفاق الشارحين. (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، شرح أن كل واحد من الإسلام والهجرة والحج يهدم ما كان قبله، إمداديه ملتان ١/ ١٠٢، ممبئي ١/ ٨٨)

اوراس حدیث شریف کا ایک مطلب محدثین نے یہ بھی نکالا ہے کہ یہ مغفرت صرف ان حجاج کرام کے لئے ہے، جنہوں نے میدان عرفہ میں جاکر اللہ سے توبہ کرکے معاملہ صاف کرلیا ہے۔ اوران کا حج حج مقبول اور حج مبرور میں شامل ہو چکا ہے۔ اوراس کے لئے ضروری ہے کہ مظلوم سے معاملہ پہلے صاف کرلیا ہو۔

وظاهر الحديث عموم المغفرة وشمولها حق الله وحق العباد إلا أنه قابل للتقييد بمن قبل حجه بإن لم يرفث ولم يفسق، ومن جملة الفسق الإصرار على المعصية، وعدم التوبة، ومن شرطها أداء حقوق الله الفائتة، كالصلوة والزكاة وغيرهما قضاء حقوق العباد المالية والبدنية والعرضية،

اللهم إلا أن يحمل على حقوق لم يكن عالما بها، أو يكون عاجزا عن أدائها. (مرقاة المفاتيح، كتاب الحج، باب الوقوف بعرفة، إمداديه ملتان ٥/ ٣٣٤، ممبئی ٢/ ٢٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۲۴ھ

کیا رمضان المبارک یا جمعہ کے دن مرنے والے کافر سے عذاب اٹھا دیا جاتا ہے؟

سوال [۱۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۲/ رمضان بروز جمعہ کو خطبہ سے پہلے آپ تقریر فرما رہے تھے کہ رمضان المبارک میں انسان کا انتقال ہو جاتا ہے، یا جمعہ کے دن ہو جاتا ہے، تو اگر مسلمان ہے تو اس پر قیامت تک عذاب قبر نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی کافر جمعہ کو یا رمضان المبارک میں مرجاتا ہے اس پر قیامت تک ہر جمعہ کو عذاب قبر ہٹا دیا جاتا ہے، تو برائے کرم یہ فرمائیں کہ کافر پر عذاب قبر ہوتا ہے یا نہیں؟ اور برائے کرم اس کتاب کا حوالہ بھی لکھ دیں؛ کیوں کہ آپ فرما رہے تھے کہ علامہ سیوطی علیہ الرحمہ کی کسی کتاب کے حوالہ سے۔

المستفتی: محمد شکیل اصالت پورہ بڑی مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خاکسار کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی مومن رمضان المبارک یا جمعہ کے دن انتقال کر جائے تو تا قیامت اس کے اوپر سے عذاب قبر اٹھا دیا جاتا ہے۔ اور اگر کافر کا انتقال ہو جائے تو صرف رمضان المبارک اور جمعہ کو عذاب قبر اٹھا دیا جاتا ہے، جیسا کہ ''شامی'' میں ہے۔ اور خاکسار نے ''شامی'' ہی کا حوالہ اس بارے میں دیا ہے۔

قال أهل السنة والجماعة: عذاب القبر حق، وسؤال منكر ونكير

وضغطة القبر حق، لكن إن كان كافرا فعذابه يدوم إلى يوم القيامة، ويرفع عنه يوم الجمعة وشهر رمضان –إلى قوله– والمؤمن المطيع –إلى قوله– لكن ينقطع عنه العذاب يوم الجمعة وليلتها ثم له يعود، وإن مات يومها أو ليلتها يكون العذاب فساعة واحدة ضغطة القبر، ثم يقطع الخ. (فتاوى شامي كراچی، قبيل العيدين ۲/ ۱۶۵، زكريا ۳/ ٤٤)

اور علامہ سیوطی کی ''شرح الصدور'' کا حوالہ یوں دیا ہے کہ عذاب کبھی شخصیت اور ذات کی عظمت اور مرفوع القلم ہونے کی وجہ سے ٹل جاتا ہے، جیسا کہ انبیاء اور مؤمن کے نابالغ بچے۔

الأنبياء وأطفال المؤمنين ليس عليهم حساب ولا عذاب القبر ولا سؤال منكر ونكير الخ. (شرح الصدور علامه سيوطي، مطبع لاهور: ۱۰۰)

اور کبھی عذاب قبر خاص عمل کی وجہ سے ٹل جاتا ہے، جیسا کہ کوئی مومن ہر روز رات کو سونے سے پہلے سورہ ''ملک'' پڑھ کر سویا کرتا ہے۔

عن براء يرفعه من قرء "الم السجدة، وتبارك'' قبل النوم ينجى من عذاب القبر، ووقي فتانى القبر. (شرح الصدور علامه سيوطي، مطبع لاهور: ۹۸)

اور کبھی عذاب قبر زمانہ کی خصوصیت اور عظمت کی وجہ سے ٹل جاتا ہے، جیسا کہ جمعہ کو یا رمضان المبارک میں کسی کا انتقال ہو جائے۔

قال رسول الله ﷺ: ما من مسلم أو مسلمة يموت ليلة الجمعة أو يوم الجمعة إلا وقي عذاب القبر، وفتنة القبر، ولقي الله ولا حساب عليه.

(شرح الصدور، مطبع لاهور: ۱۰۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۹۵۶/۲۶)

کیا ماہ رمضان میں مرنے والے سے قبر میں سوال وجواب ہوگا؟

سوال [١٦٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رمضان المبارک کے مہینہ میں انتقال ہونے والے مردے مرد ہو یا عورت کے بارے میں حساب وکتاب قبر میں ہوگا یا نہیں؟ اور غیر مسلم کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: عزیز الحسن، گڈ پرنٹرس، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان المبارک میں اگر کوئی غیر مسلم مر جائے تو صرف ماہ مبارک کے احترام میں رمضان المبارک تک عذاب قبر سے محفوظ رہے گا، اس کے بعد تا قیامت عذاب وفتنہ قبر میں مبتلا رہے گا۔ اور یہی حکم یوم جمعہ کا بھی ہے۔ اور اگر کسی مؤمن کا انتقال رمضان المبارک یا جمعہ کے دن ہو جائے تو تا قیامت عذاب قبر ومنکر نکیر کے سوال سے محفوظ رہے گا، یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ فتنہ قبر کا مسئلہ میدان حشر وآخرت کے حساب وکتاب کے مسئلہ سے بالکل الگ ہے؛ اس لئے حقوق العباد وغیرہ معصیت میں مبتلا مؤمن اگر ان مبارک ایام میں انتقال کر جائے تو بروایت حدیث وفقہ عذاب قبر سے محفوظ ہو جائے گا؛ لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حساب وکتاب سے چھٹکارا نہیں ہوگا، حقوق العباد کا سوال آخرت میں ضرور ہوگا۔

عن أنس بن مالک –رضي اللّٰہ عنہ– أن عذاب القبر یرفع من الموتی شهر رمضان. (شرح الصدور، للسیوطي، بإسناد ضعیف، ص: ١٢٥)

إن بعض الموتی شهر رمضان لا ینالهم فتنة القبر، ولا یأتیهم الفتانات، وذلک علی ثلاثة أوجه مضاف، أي عمل ومضاف إلی حال بلا …… بالموت ومضاف إلی زمان. (شرح الصدور، ص: ١٧)

واخرج أحمد والترمذي وحسنه وابن أبي الدنیا والبیهقي عن ابن

عمر قال: قال رسول الله ﷺ ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر. (شرح الصدور، ص: ۸۹)

و يأمن الميت من عذاب القبر، ومن مات فيه، أو في ليلته أمن من عذاب القبر، ولا تسجر فيه جهنم، وتحته في الشامية، قال أهل السنة والجماعة عذاب القبر حق وسوال منكر ونكير، وضغطة القبر حق لكن إن كان كافرا، فعذابه إلى يوم القيامة، ويدفع عنه يوم الجمعة، وشهر رمضان فيعذب اللحم متصلا بالروح، والروح متصلا بالجسم، فيتألم الروح مع الجسد وإن كان خارجا عنه، والمؤمن المطيع لا يعذب، بل له ضغطة يجد هول ذلک، وخوفه والعاصي يعذب ويضغط لكن ينقطع عنه العذاب يوم الجمعة وليلتها، ثم لا يعود وإن مات يومها أو ليلتها يكون العذاب ساعة واحدة، وضغطة القبر ثم يقطع. (شامي، کراچی آخر باب الجمعة ۲/ ۱٦٥، زكريا ۳/ ٤٤)

ومن لا يسأل، وفي الشامي: ثم ذكر أن من لا يسأل ثمانية: الشهيد، والمرابط، والمطعون، والميت زمن الطاعون بغيره إذا كان صابرا محتسبا، والصديق، والأطفال، والميت يوم الجمعة أو ليلتها، والقارئ كل ليلة تبارک الملک، وبعضهم ضم إليها السجدة. (شامي، مطلب ثمانية لا يسألون في قبورهم، کراچی ۲/ ۱۹۲، زكريا ۳/ ۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۰٦)

عذاب جسم کو ہوتا ہے یا روح کو؟

سوال [۱٦۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: عذاب جسم کو ہوتا ہے یا روح کو، ان جیسے واقعات کی ہم تصدیق کریں یا تکذیب؟ آپ جواب عنایت فرمادیں۔

المستفتی: محمد قربان رامپوری، امام جامع مسجد نرسلی، پوسٹ کاتھ بزدرا، ضلع اجین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عذاب قبر روح مع الجسد ہوتا ہے، روح کا تعلق جسم سے باقی رہتا ہے اور دونوں کو تکلیف ہوتی ہے؛ البتہ عذاب قبر اصالۃً روح کو ہوتا ہے، جسم کو تبعاً ہوتا ہے؛ البتہ آخرت میں عذاب اور راحت جسم اور روح کو یکساں طور پر ہوں گے۔

قوله: ويأمن الميت من عذاب القبر، قال أهل السنة والجماعة: عذاب القبر حق -إلى قوله- إن كان كافرا، فعذابه يدوم ويرفع عنه يوم الجمعة وشهر رمضان، فيعذبه اللحم متصلا بالروح، والروح متصلا بالجسم، فيتألم الروح مع الجسد، وإن كان خارجا عنه. (شامي، زكريا ٣/ ٤٤، كراچی ٢/ ١٦٥، قبيل العيدين)

إن مذهب سلف الأمة وأئمتها أن الميت إذا مات يكون في نعيم، أو عذاب، وإن ذلک يحصل لروحه وبدنه، وإن الروح تبقى بعد مفارقة البدن منعمة أو معذبة. (الروح لابن قيم/ ٩٦)

فقط صرح الحديث بإعادة الروح إلى الجسد وباختلاف أضلاعه، وهذا بين في أن العذاب على الروح والبدن مجتمعين. (مجموع الفتاوى لابن تيميه ٤/ ٢٨٩)

فالحاصل: أن الدور ثلاث: دار الدنيا، ودار البرزخ، ودار القرار، وقد جعل الله لكل دار أحكاما تخصها، وركب هذا الإنسان من بدن ونفس، وجعل أحكام الدنيا على الأبدان والأرواح تبع لها، وجعل أحكام البرزخ على الأرواح والأبدان تبع لها، فإذا جاء يوم حشر الأجساد، وقيام

الناس من قبورهم صار الحكم والنعيم والعذاب على الأرواح والأجساد جميعا، فإذا تأملت هذا المعني حق التأمل ظهر لک أن كون القبر روضة من رياض الجنة، أو حفرة من حفر النار مطابق للعقل. (شرح العقيدة الطحاوية، دارالكتب العلمية بيروت ۴۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۷؍ جمادی الاول ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۶۵۲/۳۵)	۱۴۲۱/۵/۷ھ

قبر میں عذاب وراحت کا تعلق برزخی جسم سے ہوگا

سوال [۱۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مرنے کے بعد قبر میں میت اگر نیک صالح ہوں، تو اس کے پاس بشیر اور مبشر آتے ہیں، اگر فاسق اور کافر ہو تو اس کے پاس منکر نکیر آتے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ میت کو یہ سوال وجواب کے لئے بٹھاتے ہیں اور میت کو جو قبر میں عذاب ہوتا ہے وہ کیسے ہوتا ہے، جب کہ بدن گل کر مٹی ہو جاتا ہے؟ حدیث وقرآن کی روشنی میں واضح جواب تحریر فرمائیے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احادیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مردے کو فرشتے قبر میں باقاعدہ بٹھاتے ہیں اور بٹھانے سے مراد بیدار کرنا اور متنبہ کرنا بھی ہے۔ اور مردہ اگر مٹی میں گھل مل جائے یا اس کو کوئی درندہ کھالے، یا اس کے اجزاء بالکل منتشر ہو جائیں، تب بھی قبر میں اس کی روح اور جسم دونوں کو عذاب ہوتا ہے؛ اس لئے کہ قبر سے مراد مٹی کا گڑھا نہیں؛ بلکہ عالم برزخ ہے، یعنی مرنے کے بعد سے بعث تک کا جو زمانہ ہے اس کو عالم قبر کہتے ہیں اور اس میں عذاب وراحت کا تعلق برزخی جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔

عن أنس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن العبد إذا وضع في قبره وتولى عنه أصحابه أنه ليسمع قرع نعالهم أتاه ملكان، فيقعدانه، فيقولان: ما كنت تقول في هذه الرجل. الخ. (مشكوة شريف ١/ ٢٤، بخاري شريف، كتاب الجنائز، باب ماجاء في عذاب القبر، النسخة الهندية ١/ ١٨٣، رقم: ١٣٥٨، ف: ١٣٧٤)

ويحتمل أن يراد بالإقعاد: الإيقاظ والتنبيه، وإنما يسئلان عنه بإعادة الروح. (مرقاة المفاتيح، باب إثبات عذاب القبر ١/ ١٩٨، مكتبه أشرفي)

ولا مانع في العقل من أن يعيد الله تعالى الحياة في جزء من الجسد، أو في الجميع...... فيثيبه ويعذبه ولا يمنع من ذلك كون الميت قد تفرقت أجزاءه كما شاهد في العادة، أو أكلته السباع والطيور ...... بشمول علم الله تعالىٰ وقدرته. (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب إثبات عذاب القبر ١/ ١٩٧، مكتبه أشرفي)

ربنا أمتنا اثنتين وأحييتنا اثنتين، فإن الله تعالىٰ ذكر الموتة مرتين، وهما لا تتحققان إلا أن يكون في القبر حياة وموت حتى تكون أحد الموتين ما يتحصل عقيب الحياة في الدنيا، والأخرى ما يتحصل عقيب الحياة التي في القبر. (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال، مذاهب أهل السنة في أن عذاب القبر ثابت ......، مكتبه دار احياء التراث العربي بيروت ٨/ ١٤٥-١٤٦، زكريا ٦/ ٢٠٠)

أما أهل السنة والجماعة فلهم فيه قولان: قيل: العذاب على الروح فقط، وقيل: على الروح والجسد معا، ومال إلى الأول الحافظ ابن القيم رحمه الله، والأقرب عندي هو الثاني. (فيض الباري، كتاب الجنائز، باب ماجاء في عذاب القبر، مكتبه رشيديه كوئٹه ٢/ ٤٩٢)

وكذلك عذاب القبر يكون للنفس والبدن جميعا باتفاق أهل السنة

والجماعة تنعم النفس وتعذب مفردة عن البدن ومتصلة به، واعلم أن عذاب القبر هو عذاب البرزخ. (شرح العقيدة الطحاوية، بيروت، ص: ٤٤٠) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/محرم ۱۴۳۵ھ
رجسٹر خاص

بزرگ کا قبر میں چندہ دہندگان کے لئے دعا کرنا

سوال [۱۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی بزرگ اپنی زندگی میں لوگوں کو یہ نصیحت کرے کہ ہمارے اس مدرسہ میں کوئی شخص ایک روپیہ بھی دیتا ہے، تو میں مرنے کے بعد بھی قبر میں سوسو کر اس کے لئے دعا کرتا رہوں گا، اس بزرگ کے یہ الفاظ شریعت کی رو سے کہاں تک درست ہیں؟ کچھ علماء کرام ان الفاظ کو مدرسہ کی رسید میں چھپوا کر اور اپنی تقریر میں لوگوں کو سنا سنا کر مدرسہ کے لئے چندہ وصول کرتے ہیں، اس طرح کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: عزیز الرحمٰن ۲۴/ پرگنہ، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس بزرگ نے شاید اس لئے کہا ہوگا کہ ان کے یہاں تاکید کے لئے اس طرح کہنے کا رواج ہے، ورنہ حدیث میں اس کے خلاف ثابت ہے کہ آدمی کے انتقال ہوجانے کے بعد اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے، سوائے ان اعمال کے کہ جن کو انہوں نے اپنی زندگی میں کیا ہے، ان کا ثواب ملتا رہے گا۔

عن أبي هريرة رضـ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاث. **الحديث** (مسلم شريف، كتاب الوصية، باب ما يلحق للإنسان من الثواب، النسخة الهندية ٢/ ٤١، بيت الأفكار، رقم: ١٦٣١،

أبو داؤد شريف، كتاب الوصية، باب ماجاء في الصدقة على الميت، النسخة الهندية ٢/ ٣٩٨، دارالسلام، رقم: ٢٨٨٠، سنن دارمي، دارالمغني بيروت ١/ ٤٦٢، رقم: ٥٧٨)

قال النووي: قال العلماء: معنى الحديث: أن عمل الميت ينقطع بموته، وينقطع تجدد الثواب له إلا في هذه الأشياء الثلاثة. (حاشية على مسلم، كتاب الوصية، باب ما يلحق للإنسان من الثواب، النسخة الهندية ٢/ ٤١)

بےاصل باتوں کو بنیاد بنا کر چندہ وصول کرنا دھوکہ بازی ہے، یہ جائز نہیں۔

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر برجل إلى ...... ليس منا من غش. (أبوداؤد شريف، كتاب البيوع، باب النهي عن الغش، النسخة الهندية ٢/ ٤٨٩، دارالسلام، رقم: ٣٤٥٢)

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا. (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ١/ ٧٠، رقم: ١٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۶؍رجب ۱۴۱۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۸۳)	۱۶/۷/۱۴۱۸ھ

ایک عہد نامہ کا حکم

سوال [۱۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عہد نامہ ہے جو ہمارے یہاں معمول سے پڑھا جاتا ہے، نیز جب کوئی مرجاتا ہے، تو اس کی قبر میں میت کے سینہ پر اس کو اس عقیدت میں رکھتے ہیں کہ اس سے اس کی مغفرت ہوجائے گی۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ اس عہد نامہ کو پڑھنے اس کو ساتھ رکھنے اور جب کوئی مرجائے تو میت کے سینے پر اس عقیدے کے

ساتھ رکھنا کہ اس سے میت کی بخشش ہو جائے گی اور جو بھی اس کے فضائل اس کتابچہ میں مرقوم ہیں ان کی کیا حقیقت ہے؟ اور اس کی سندی حیثیت کیا ہے؟ کیا واقعی اس کا ثبوت کسی صحیح حدیث شریف سے ہے، یا یہ شیعہ حضرات کی کاوش کا ایک حصہ ہے؟ آسانی کے لئے کتابچہ کو استفتاء کے ساتھ جوڑ دیا ہے، تا کہ اس پر بھی نظر رہے۔ مدلل ومفصل وضاحت فرما کر مبتلا بہ اس امت کے طبقے کی رہنمائی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: سرفراز احمد ظفر، فرخ آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ عہد نامہ کے متعلق جو فضائل مذکورہ کتابچہ میں درج ہیں، یہ سب من گھڑت ہیں۔ اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ دیا گیا ہے، یہ نہایت خطرناک تحریف ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا کذب ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے جو فضائل بیان کئے گئے ہیں، یہ بھی سراسر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا خلاف واقعہ ہیں، کسی صحیح حدیث میں مذکور نہیں ہیں، نیز اس عہد نامہ کو قبر میں رکھنے کی جو فضیلتیں بیان کی گئی ہیں یہ بھی من گھڑت ہیں، کسی حدیث سے ثابت نہیں ہیں، پھر قیامت کے دن اللہ کی طرف منسوب کر کے شفاعت سے متعلق جو فضیلتیں لکھی ہیں یہ بھی من گھڑت ہیں، یہ فضائل کسی بھی حدیث میں مذکور نہیں ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا نہایت خطرے کی بات ہے، آقائے نامدار علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر کے میری طرف منسوب کرتا ہے وہ دنیا ہی میں رہ کر کے جہنم میں اپنا ٹھکانا مقرر کرلیں۔ **”اتقوا الحديث عني إلا ما علمتم، فمن كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار“.** (ترمذي شريف، أبواب تفسير القرآن، باب ماجاء في الذي يفسر القرآن برأيه، النسخة الهندية ۲/ ۱۲۳، دارالسلام، رقم: ۲۹۵۱)

علامہ شامی نے اس عہد نامہ کو نقل کرنے کے بعد اخیر میں نقل فرمایا ہے کہ قرآنی

آیتیں اوراس طرح کی دعائیں کفن کےاوپر لکھنا سخت بےادبی ہے۔اور جنہوں نے کفن پر لکھنے پر قیاس کیا ہے یہ قیاس ممنوع اورساقط الاعتبار ہے، جب میت کی ہڈی، گوشت گل جائیں گے،تو قرآن کی آیت اوردعاؤں کےالفاظ نجاستوں کےساتھ ملوث ہوجائیں گے، یہ قطعاً درست نہیں ہے؛اس لئے قبر میں رکھنے سے اس کی ممانعت کی گئی ہے۔

وقد أفتى ابن الصلاح بأنه لا يجوز أن يكتب على الكفن يٰس، والكهف وغيرهما خوفا من صديد الميت، والقياس المذكور ممنوع؛ لأن القصد ثم التمييز وهنا التبرك، فالأسماء المعظمة باقية على حالها، فلا يجوز تعريضها للنجاسة، والقول بأنه يطلب فعله مردود؛ لأن مثل ذلك لا يحتج به إلا إذا صح عن النبي صلى الله عليه وسلم طلب ذلك، وليس كذلك. (شامي، كتاب الصلاة، قبيل باب الشهيد، كراچی ٢/ ٢٤٦، زكريا ٣/ ١٥٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۶/ ۱۴۲۵ھ

اہل قبور کا زندوں کے لئے دعائیں مانگنا

سوال [۱۷۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیااولیاءکرام اپنی قبروں میں دنیا والوں کے لئے دعا کرسکتے ہیں،جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے’’سائل نے سوال کیا کہ کیا اولیاءاللہ عالم برزخ میں لوگوں کے لئے دعائیں بھی کرتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ سب کے لئے دعائیں کرتے ہیں؛البتہ جولوگ ان کے لئے ایصال ثواب کرتے ہیں اوران کودعائیں دیتے ہیں،تو ان کے لئے خصوصیت کےساتھ دعائیں کرتے ہیں،مثلاً آپ نے ان کے لئے ایصال ثواب کا ہدیہ بھیجا،انہوں نے آپ کے لئے دعاؤں کا ہدیہ بھیج دیا،مگراس کے معنی

تصرف کے نہیں ہیں؛ بلکہ اس کے معنی اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے ہیں، وہ بھی مانگتے ہیں اور آپ بھی مانگتے ہیں''۔ (مجالس حکیم الاسلام اوران کا تعارف، ص: ۴۷۷)

اگر وہ لوگ دعائیں کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ بھی اپنی اپنی قبروں میں ہوبہو اسی طرح زندہ ہیں جس طرح زندہ لوگ دنیا میں چل پھر رہے ہیں۔ اور اس سے شرک کا بہت بڑا دروازہ کھل جائے گا؛ کیوں کہ بدعتی لوگ بھی جب ولیوں کے مزاروں پر جاتے ہیں تو ڈائریکٹ ان اولیاء سے نہیں مانگتے؛ بلکہ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ آپ ہمارے لئے یہ مانگ دو، یہ مانگ دو وغیرہ۔

المستفتی: مولوی عبدالماجد مبارک نگر، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مردوں کا عالم برزخ اور قبر میں زندوں کے لئے دعائیں مانگنا اور دعاؤں کا ہدیہ بھیجنا ایسی صریح اور صحیح روایت احقر کی نظر سے نہیں گذری؛ بلکہ حدیث صحیح سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے کہ مردہ نہ کسی کے لئے دعا کرسکتا ہے اور نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو نقصان اور مرنے کے بعد ہر طرح کے عمل کا سلسلہ بند ہوجاتا ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هريرة رضی الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له. (مسلم شريف، كتاب الوصية، باب ما يلحق للإنسان من الثواب ......، النسخة الهندية ۲/ ۴۱، بيت الأفكار، رقم: ۱۶۳۱، السنن الكبرى للبيهقي، داراحياء التراث العربي بيروت ۹/ ۳۸۹، رقم: ۱۲۹۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰/ ۵۶۷۲)